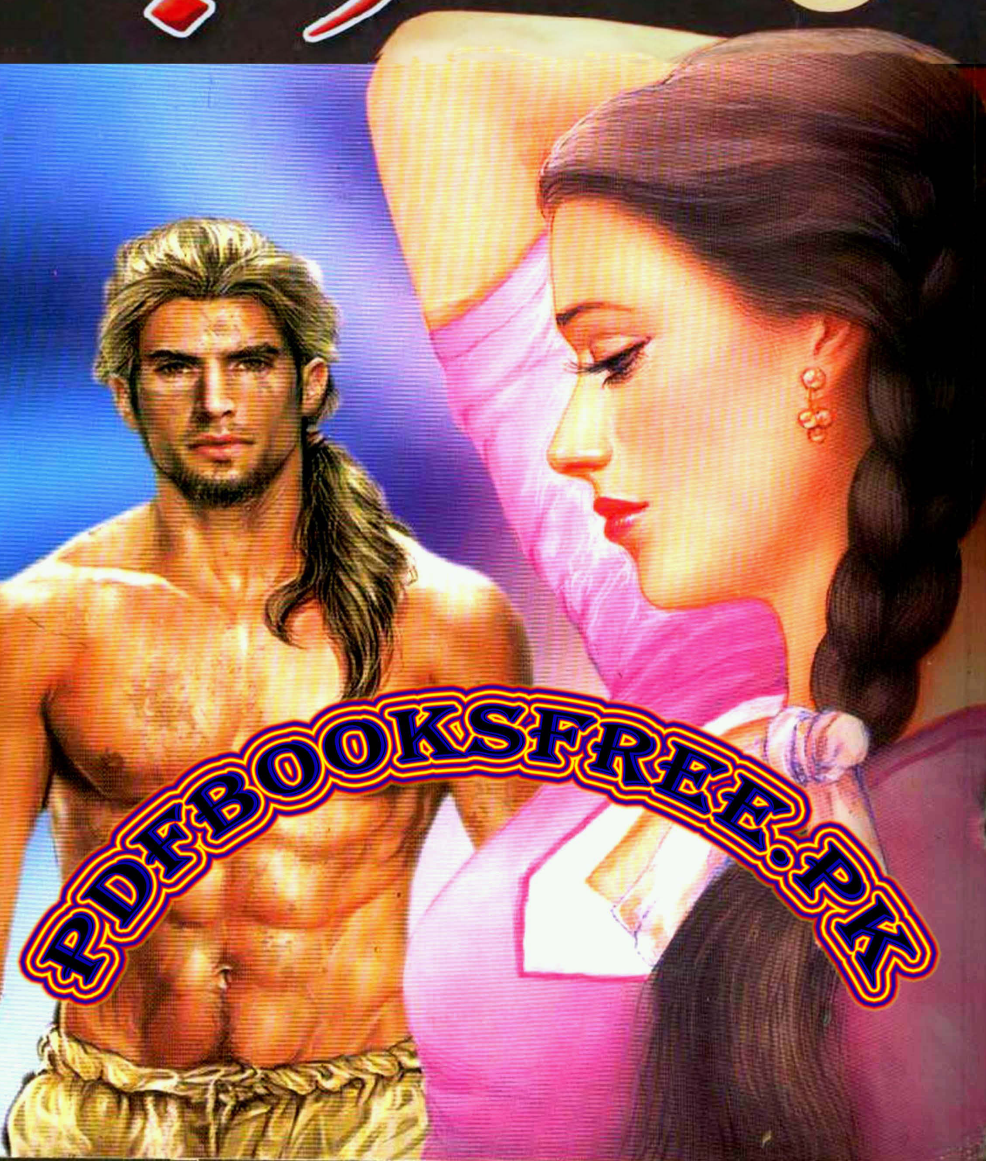
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

5

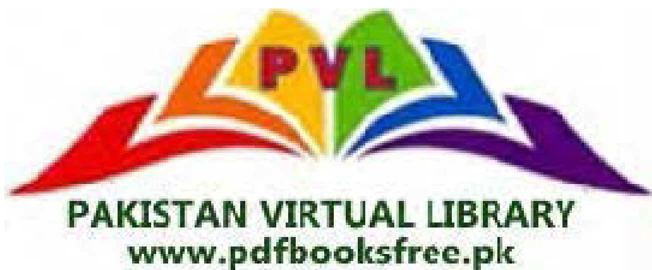


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

سراب

پانچواں حصہ

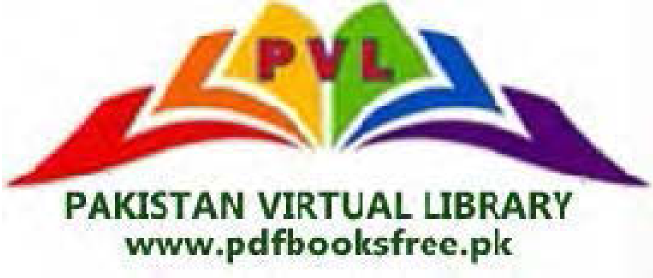
کاشف زبیر



علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

باراشاعت ــــــــــ اول
مطبع ــــــــــ یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ــــــــــ عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ــــــــــ 200 روپے
بیرون ملک ــــــــــ 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر



ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

تقریباً نصف گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور میں یہ دیکھ کر ذرا مایوس ہوا کہ اس کے ساتھ ایک مسلح قبائلی اور تھا۔ اس نے ایک ذرا پرانی ساخت کی رائفل تھام رکھی تھی لیکن اس کی بھی ہلاکت خیزی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ دو افراد سے بیک وقت نمٹنا بے حد مشکل تھا اور افراد بھی وہ جو میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ انہوں نے مجھے دائیں بائیں سے اس طرح نرغے میں لے لیا کہ وہ مجھ سے ایک قدم پیچھے چل رہے تھے اور ان کے ہتھیاروں کا رُخ میری طرف تھا۔ میں کسی طرح ایک پر قابو پا بھی لیتا تو دوسرا فوراً مجھے آنجہانی کر دیتا۔ وہ مجھے ایک سرنگ میں لے گئے جس میں بلا کا تعفن تھا۔ جو بتا رہی تھی کہ اس جگہ کو اسی کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ وہاں لکڑی کے بڑے بڑے ٹبوں میں پانی بھرا تھا اور سرنگ کے آخری سرے میں نالیاں بن گئی تھیں جن سے ساری غلاظت بہہ کر باہر چلی جاتی تھی۔ اس کے باوجود وہاں بے پناہ بدبو تھی۔ میں مجبوراً ایک دو منٹ وہاں رکا تھا اور یوگا کی مشق کرتا رہا یعنی سانس روک رکھی تھی پھر وہاں سے بھاگا۔ سرنگ سے نکل کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ واپسی میں منکر نکیر پوری طرح چوکس تھے اور مجھے ذرا سی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے کمرے کے دروازے کے سامنے رک کر کہا۔

"شکریہ دوستوں! لیکن تم مجھے کس بدبودار جہنم میں لے گئے تھے۔ تمہاری رائفل تو اچھی ہے۔ ذرا دکھانا۔"

میں نے ہاتھ آگے کیا تھا تو وہ دونوں چوکنا ہو کر پیچھے ہٹے اور بیک وقت رائفلیں تان لیں۔ ان کے تیور بھی خطرناک ہو گئے تھے۔ میں نے جلدی سے ہاتھ بلند کر لئے۔ اوکے اوکے! میں مذاق کر رہا تھا۔ تمہاری رائفلیں تم کو مبارک ہوں۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟

انہوں نے مجھے عملی حکم دیا اور کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر سے بند کر لیا۔ میرا منصوبہ عارضی طور پر ناکام رہا تھا۔ لیکن مجھے پتا چل گیا تھا کہ اگر نگرانی کے لئے ایک بندہ ہوتا ہے تو مجھے کہیں لے جانے کے لئے کم سے کم دو افراد ہوتے تھے۔ یہ لوگ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے اور مجھے ذرا سا موقع دینے کو تیار نہیں تھے۔ میں نے ناشتے کی دوسری قسط مکمل کی۔ یہ تو طے تھا کہ اب جو ہونا ہے جلدی ہونا ہے۔ کمار کو اتنی مہلت نہیں دی جا سکتی تھی کہ وہ مجھے تلاش کر لے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ آج کی رات کچھ ہونے والا ہے۔ دوپہر میں پوربی پھر کھانا لے کر آئی تھی۔ میں نے اسے روک لیا۔ رک جا، چند باتیں کر لے، ذرا دل بہل جائے گا۔

دل تو ہم پوری طرح بہلا سکتے ہیں مالک! پر یہاں موقع نہیں ہے اور جہاں موقع تھا وہاں آپ نے

پوربی کو دیکھا ہی نہیں۔"
اس کی بات اتنی بے ہودہ تھی کہ مجھے پسینہ آ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔ "تمہاری مالکن نہیں آئی، سومترا دیوی!"
اس نے سرد آہ بھری۔ "وہ تو آپ کے لئے دن رات تڑپتی ہیں۔ بے کل رہتی ہیں پر ابھی ضروری کام سے راج بھیا کے پاس گئی ہیں۔"
"راج بھیا! تم بھی اسے راج بھیا کہتی ہو؟"
"کہنا پڑتا ہے۔ پر وہ ہمارے بھیا نہیں ہیں۔" اس کا معنی خیز لہجہ بتا رہا تھا کہ راج لاما سے اس کا تعلق کچھ اور ہی ہے۔ اس کا تعلق جس طبقے سے تھا اس کے لئے سگی ماں، بہن کے علاوہ ہر عورت بس عورت تھی اور جو ملازمہ ہو وہ تو بے دام کی کنیز بھی تھی۔ ایسی خادمائیں سب کی دولتِ مشترکہ ہوتی ہیں، خاندان میں جتنے مرد ہوتے ہیں، ان سب کی۔
"تمہارے راج بھیا کیسے شخص ہیں؟"
"کیسے شخص ہیں؟" اس نے کسی قدر حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "آپ جانتے ہیں، وہ کیسے شخص ہیں۔"
"میں سومترا سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"میں بتا دوں گی، ان کی مرضی ہوگی تو مل لیں گی۔"
"دعویٰ محبت بھی اور مرضی بھی؟" میں نے طنز کیا۔ "تو یہ ہیں تمہاری مالکن!"
"بڑے لوگ ہیں جی۔ محبت بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔" اس نے سادگی سے حقیقت بیانی کی۔
"آپ کھائیں...... ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا سب۔"
میں نے کھانا کھایا۔ ساتھ میں لسی بھی تھی اور خشک کی ہوئی خوبانی بھی۔ کھانے کے بعد پوربی نے برتن اٹھا لئے۔
"سومترا سے کہنا، میں اس سے ابھی ملنا چاہتا ہوں۔"
"میں کہہ دوں گی۔" اس نے جواب دیا اور چلی گئی۔
جیسے ہی دروازے پر آہٹ ہوئی، میں اداس سی صورت بنا کر کھال کر پر لیٹ گیا۔ حسب توقع سومترا اندر آئی تھی اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ عجلت میں ہے۔ "کہو سوامی! کیا بات ہے؟"
"سوامی! یہ تو غالباً ہندو عورتیں اپنے شوہر کو کہتی ہیں؟" میں نے غور کیا۔
"تو اور کیا...... اب تم ہی میرے سب کچھ ہو۔" اس نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا۔
"مجھے بے وقوف مت بناؤ۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے لگ رہا ہے، میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔"
"کیسی باتیں کر رہے ہو؟" وہ پریشان ہو گئی۔ "تم یہاں پوری طرح محفوظ ہو۔"
میں نے اسے غور سے دیکھا۔ "یہ جو باہر موت کے ہرکارے کھڑے ہیں، یہ تمہارے آدمی ہیں؟"

وہ کسی قدر ہچکچائی۔ "نہیں، یہ راج بھیا کے آدمی ہیں۔"

"ان میں سے ایک نے تقریباً مجھے گولی مار دی تھی۔ غالباً ان کو ہدایت ہے کہ میری ذرا سی حرکت پر مجھے شوٹ کر دیا جائے۔ میں نے مذاق میں رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔"

وہ پریشان ہو گئی۔ "تم نے ایسا کیوں کیا۔ میں ان کو سمجھا دوں گی۔"

"سومترا دیوی! میری گمشدگی پر کمار پریشان ہوگا۔ مجھے تلاش کر رہا ہوگا۔ فرض کرو اس کے آدمی یہاں آ جائیں گے تو کیا یہ مجھے زندہ سلامت کمار کے آدمیوں کے ہاتھ میں جانے دیں گے جبکہ میں تم لوگوں کے سارے پلان سے واقف ہو چکا ہوں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ ایسی صورت میں مجھے مار ڈالنے کا حکم ہے۔ تم مجھے نہیں بچا سکتیں۔"

"تم فکر مت کرو۔" اس بار اس نے اعتماد سے کہا۔ "اوّل تو کمار اور اس کے آدمیوں کو اس جگہ کا علم ہی نہیں ہے۔ دوسرے کمار کے پاس وقت نہیں ہے۔"

"وقت نہیں ہے۔" میں نے سوالیہ انداز میں اس کی بات دہرائی۔

"ہاں، بس چند گھنٹے کی بات ہے۔ پھر یہاں پر اُس کے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

"کیا فوج آ جائے گی؟"

"شہباز! تمہاری زندگی اسی میں ہے کہ یہاں رہو۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا اور تم محفوظ رہو گے۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری۔" میں نے دل میں کہا۔

سومترا جانے لگی۔ "میں رات کو آؤں گی۔"

"جب کمار کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔" میں نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ میرا دل بیٹھ رہا تھا۔ آنے والے وقت کا سوچ کر۔ کمار، بیتو اور دوسرے، کیا وہ سب مارے جائیں گے؟ سومترا کے جانے کے بعد میں پھر کھاٹ پر دراز ہو گیا تھا۔ یہ جگہ غاروں کے کہیں بہت اندر تھی کیونکہ یہاں مکمل سناٹا اور خاموشی تھی۔ جبکہ غار کے دوسرے حصوں میں ایک غیر محسوس سی بھنبھناہٹ موجود رہا کرتی تھی۔ مگر یہ کوئی خفیہ جگہ نہیں تھی کیونکہ رفع حاجت والی جگہ پبلک لیٹرین تھا اور مجھے عام سے راستوں سے واپس لے جایا گیا تھا جو ڈھکے چھپے نہیں تھے، اگر میں باہر جا سکتا تھا تو کوئی اور ان راستوں سے اندر بھی آ سکتا تھا۔ مثلاً فوج اور اسے آنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ سومترا کی یہ غلط فہمی جلد دور ہونے والی تھی کہ میں یہاں محفوظ تھا۔ مجھے تلاش کرنے والے اس پوری بستی کی تلاشی لیے بغیر نہ رہتے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ نہ جانے باہر کیا صورتِ حال تھی۔ رات ہو چکی تھی یا ہونے والی تھی۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی جس سے میں پتا چلاتا کہ کیا وقت ہوا ہے۔ اچانک میں نے فیصلہ کر لیا۔ حرکت میں آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے حسبِ سابق دروازہ بجایا اور واویلا مچایا۔ مگر ان کو چند شریفانہ قسم کی گالیاں دیں، ایسی ہی کچھ گالیاں اس نے باہر سے اپنی مقامی زبان میں دی تھیں۔ میں جسٹ احتیاط کے لئے دروازہ بجا رہا تھا۔ میں رک جاتا تھا اور پھر کان دروازے سے لگا دیتا تھا مگر وہ دروازہ کھولنے پر رضامند نہیں تھا۔

"سور کے بچے۔ دروازہ کھول!" میں نے جھنجلا کر دروازے پر لات ماری اور کان دروازے سے لگا دیئے۔ یہ لکڑی کے تختوں سے بنا خاصا بھاری اور مضبوط دروازہ تھا۔ پھر میرے کانوں نے وہ آواز سنی جس کے لئے میں یہ سب کر رہا تھا۔ یہ کنڈی کھلنے کی آواز تھی۔ جیسے ہی دروازہ ڈھیلا ہوا۔ میں ذرا پیچھے گیا اور طوفانی رفتار سے دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ کھلا اور نگران سے ٹکرایا تھا۔ وہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا اور واپس آیا تھا کہ میں اس سے ٹکرایا اور اسے لے کر دیوار پر دے مارا۔ اس تیسرے تصادم نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ پہلے دروازہ اس کو سامنے سے لگا۔ پھر ردعمل میں وہ دیوار سے ٹکرایا اور پھر میں نے اسے دیوار پر دے مارا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ فریاد کیا تھا مگر اس کی آواز بلند ہونے سے پہلے ہی میں نے اس کا سر پکڑ کر دیوار سے مارا۔ اس بار بھی دیوار زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اس نے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور گر گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جلد اٹھنے والا نہیں ہے۔ راہداری میں بھی ایک دیا روشن تھا اور مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا بہرحال اچھی بات یہ تھی کہ اسے اندرونی جریان خون نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس کی رائفل اور گولیوں کا اضافی کلپ لے لیا۔ یہ امریکن ساختہ ریپیٹر تھی جسے لوڈ کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور اس میں تیس گولیاں ڈالی جا سکتی تھیں۔ بس ٹریگر دباتے رہو۔ اس کے علاوہ اس کے پاس سے ایک آبدار خنجر برآمد ہوا تھا۔ میں اسے گھسیٹ کر کمرے میں لے آیا۔ اس کا اونی چغہ اتار کر اپنے لباس کے اوپر پہن لیا۔ سر پر اس نے خرگوش کی کھال سے بنی ٹوپی پہن رکھی تھی جس کے لمبے کان دائیں بائیں جھول رہے تھے۔ آئینہ نہیں تھا مگر میرے خیال میں چغہ اور ٹوپی پہن کر میں خاصی حد تک مقامی لوگوں جیسا لگ رہا تھا۔ بس میرا رنگ کسی کو متوجہ کر سکتا تھا۔ میری سرخ و سفید رنگت کے مقابلے میں یہ لوگ گندمی سانولے تھے۔ اس کا علاج میں نے یوں کیا کہ دیئے سے ذرا سا تیل لے کر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیا تھا اور میرے ہاتھ گندمی ہو گئے تھے۔ لازمی بات تھی، چہرہ بھی ایسا ہی ہو گیا ہوگا۔

دروازہ باہر سے بند کر کے میں روانہ ہوا۔ اس راہداری میں بس یہ ایک ہی کمرا تھا۔ جہاں راہداری ختم ہو رہی تھی، وہاں سے دائیں طرف راستہ جاتا تھا۔ مجھے یاد تھا، مزید آگے جا کر یہ راستہ دائیں طرف اس سرنگ کی طرف گھوم جاتا تھا جو رفع حاجت کے لئے مخصوص تھی۔ دوسرا راستہ بائیں طرف نکلتا تھا۔ میں نے بائیں طرف کا رخ کیا۔ اب دیواروں پر مناسب وقفوں کے بعد مشعلیں روشن تھیں۔ میں تاریک گوشوں میں رک کر آگے کی سن گن لیتا تھا اور اس کے بعد آگے جاتا تھا۔ یہ راستہ اب تک ایک ہی تھا جو امراء کے رہائشی بلاک میں جا کر نکلا۔ میں چوکنا ہو گیا تھا۔ یہاں روشنی زیادہ تھی اور نگران بھی تھے۔ اچانک دائیں طرف ایک راہداری سے سوختر الکے بولنے کی آواز آئی، وہ کسی سے باتیں کرتی آ رہی تھی اور گفتگو وہ انگریزی میں کر رہی تھی تاکہ کوئی سن بھی لے تو سمجھ نہ سکے۔

"بھیا۔۔۔ فوج دس دن میں اتر آئے گی۔ ہمارے آدمی تیار ہیں۔۔۔ پر مجھے خوف ہے۔"

"خوف کیسا؟" راج بولا۔

"مجھے ڈر ہے حکومت بدعہدی نہ کرے۔ اس کی فوج آنے کے بعد ہم اس کے رحم و کرم پر ہوں گے۔"

"لیکن وہ بدعہدی کیوں کریں گے، جب ہم ان کی بات مان رہے ہیں، ان کی مدد کر رہے ہیں۔ حکومت

کے تمام مجرم اس کے حوالے کر رہے ہیں۔"

سومترا اور راج راہداری سے نمودار ہوئے۔ اتنی دیر میں، میں ایک نسبتاً تاریک گوشے میں محافظوں کے انداز میں دبک گیا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی آپس میں بات کرتے میری طرف آئے اور پاس سے گزر گئے۔ میں نے سلام کرنے کے بہانے چہرہ چھپا لیا تھا۔ خوش قسمتی سے انہوں نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ان کے خیال میں انگریزی وہی جانتے تھے۔ اگر ان کو شک ہو جاتا یا سومترا مجھے پہچان جاتی تو مجھے مجبوراً ان دونوں کو یرغمال بنانا پڑتا۔ سومترا کا انکشاف خوف ناک تھا کہ دس منٹ میں بھارتی فوج وادی میں اترنے والی ہے۔ اترنے سے کیا مراد ہے؟ میں نے سوچا اور جواب الہام کی طرح ذہن میں آیا تھا کہ بھارتی فوج کے چھاتہ بردار دستے اترنے والے تھے۔

اب وقت نہیں تھا، میں احتیاط کے تقاضے بالائے طاق رکھ کر تیزی سے کمار کے دفتر کی طرف بڑھا۔ جہاں کوئی نہیں ہوتا تھا، وہاں میں دوڑ لگاتا تھا۔ ابھی میں کچھ دور تھا کہ مجھے فائرنگ کی آواز آئی۔ شاید بغاوت کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں بگولے کی طرح ہال میں داخل ہوا جہاں کمار کھڑا تھا اور اس کے چند ساتھیوں اور مقامی قبائل کے لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ایک قبائلی کمار کو نشانہ بنانے جا رہا تھا۔ میں نے اسے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گولی ماردی۔ مجھے اس کا اور کوئی ساتھی نظر نہیں آیا تھا۔ کمار نے جھپٹ کر مرنے والے کی کلاشنکوف اٹھالی۔ میں لاشیں پھلانگ کر اس تک پہنچا۔ پہلے تو وہ چونکا پھر مجھے پہچان لیا۔ "شہباز! تم کہاں غائب تھے؟"

"میں قید میں تھا، ابھی فرار ہوا ہوں۔ وقت بالکل نہیں ہے۔ بھارتی فوج کے پیراٹروپرز اترنے والے ہیں۔"

"وہ اتر رہے ہیں۔" کمار نے افسردگی سے کہا۔ اس لمحے دو افراد اور اندر آئے اور ہم نے ان کی کارروائی سے پہلے ان کو جہنم رسید کر دیا۔

"یہاں سے نکلو۔ تمہارے آدمی کہاں ہیں؟"

"وہ باہر اترنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔"

"اور بیتو......!" میں نے سوال کیا۔ جواب میں بیتو اندر سے نمودار ہوا۔ اس نے گن شپ سے نکالی جانے والی چھ نالی مشین گن اٹھا رکھی تھی۔ اس نے لکڑی کا ایک اسٹینڈ بھی بنا لیا تھا جس پر رکھ کر اسے چلایا جا سکتا تھا۔ غار کے اندر بستی سے بھی فائرنگ کی اور لوگوں کے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اندر بھی خانہ جنگی چھڑ گئی تھی۔ چند ناعاقبت اندیش اور قوم فروش قسم کے رہنماؤں نے اپنی قوم کا سودا کر لیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کھیل زیادہ دیر جاری نہیں رہے گا۔ آپس کی جنگ سے جو بچے گا اسے بھارتی فوج آ کر ٹھکانے لگا دے گی۔ اسے ویسے بھی نہتوں سے نمٹنے کا وسیع تجربہ تھا۔ "کمار، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ہم بستی سے باہر کی طرف جا رہے تھے۔

"میں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" اس نے میری بات سمجھ لی تھی۔

"پاگل مت بنو۔ جنہوں نے حکومت سے معاہدہ کیا ہے ان کو نمٹنے دو۔"

"وہ سب بھی کتے کی موت مارے جائیں گے۔" اس نے کہا۔ ہم داخلی دروازے سے باہر نکلے۔ اس

جگہ کمار کے آدمیوں کا قبضہ تھا اور وہ وادی میں پھیل کر اوپر سے نازل ہونے والے حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ فضا میں بے شمار کنول کی طرح پھول کھلے تھے، یہ پیراٹروپرز تھے جو وادی میں اتر رہے تھے۔

''بیتو، مشین گن یہاں لاؤ۔'' میں نے ایک بڑے سے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی آڑ میں بہترین مورچہ بن سکتا تھا۔ بیتو نے لکڑی کے اسٹینڈ سمیت اسے چٹان پر رکھ دیا۔ میں نے بکس سے گولیوں کا بیلٹ کھینچ کر گن میں فٹ کیا۔ یہ چھ نالیاں گھوم گھوم کر فائر کرتی ہیں، اس طرح مشین گن کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے اور چھ نالیوں کی وجہ سے یہ جلدی گرم نہیں ہوتی ہے۔

میں نے اس کا رخ گھما کر آسمان کی طرف کیا اور تجرباتی طور پر ہلکا سا برسٹ مارا، مجھے ڈر تھا جھٹکے سے لکڑی کا اسٹینڈ نہ ٹوٹ جائے مگر اس نے جھٹکا برداشت کر لیا تھا۔ فوراً ہی دو پیراٹروپر بے قابو انداز میں گرنے لگے۔ اس مشین گن کی مار بہت زیادہ تھی اور مجھے پیراٹروپرز کو نشانہ بنانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ میری کوشش تھی کہ چھتریوں کو نشانہ بناؤں۔ ان میں سوراخ ہوتا تو فوجی پکے پھل کی طرح زمین پر گرتے اور پاش پاش ہو جاتے۔ مشین گن کی بھیانک آواز نے ان فوجیوں میں کھلبلی مچا دی تھی جو زمین پر اتر آئے تھے۔ چند منٹ کے اندر میں نے دو درجن بھارتی فوجی شکار کر لئے تھے اور اب آسمان ان سے صاف تھا۔

اس کے بعد میں نے مشین گن کا رخ جنگل کے سامنے اس حصے کی طرف کر دیا، جہاں زمین پر اترنے والے پیراٹروپرز جمع ہو کر مورچہ قائم کر رہے تھے۔ تعداد میں اچانک کمی سے ان کو دفاعی انداز اپنانا پڑا تھا کم سے کم عارضی طور پر۔ میں وقفے وقفے سے ان کی طرف برسٹ مار کر کمار کے ساتھیوں کو موقع دے رہا تھا کہ وہ ان کے گرد گھیرا ڈال دیں۔ کمار میرے پاس نہیں تھا، میں نے بیتو سے پوچھا۔

''کمار کہاں ہے؟''

''وہ قلعے کے دروازے کی طرف گئے ہیں۔'' بیتو نے بتایا اس نے ایک ایس ایم جی اٹھا رکھی تھی۔ میں نے گولیوں کے ڈبے کا معائنہ کیا۔ اس میں اب سو سے بھی کم گولیاں تھیں۔ گولیاں ختم ہونے کے بعد یہ پستول سے بھی ناکارہ ہو کر رہ جاتا۔ پستول کو کم سے کم کسی پر پھینک کر تو مارا جا سکتا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''اندر والوں کی مدد کے لئے جاؤ۔''

''نہیں، میں آپ کی حفاظت کے لئے یہاں رہوں گا۔'' اس نے انکار کیا۔

''بیتو، تم یہاں میری کیا مدد کر سکتے ہو جب تک یہ مشین گن ہے، میں محفوظ ہوں۔ اگر ہمارے اندر کے ساتھی ہار گئے تو ہمارے پاس کہیں جائے پناہ نہیں رہے گی۔''

بیتو اس بار اندر چلا گیا۔ وادی کے وسط میں جھیل کے ایک کنارے جمع ہونے والے بھارتی فوجی اب مورچہ بنا کر فائرنگ کر رہے تھے۔ ان کے پاس جدید اسلحہ تھا اور ایمونیشن کی کمی نہیں تھی۔ سب سے بڑھ کر انہیں ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی تربیت تھی۔ اس لئے محصور ہونے کے باوجود زیادہ نقصان کمار کے ساتھیوں کا ہو رہا تھا۔ کم سے کم پانچ قبائلی دیوانہ وار ان کے مورچے تک پہنچنے کی کوشش میں مارے گئے تھے۔ فوجیوں نے پتھر جمع کر کے دیوار سی بنالی تھی۔ اس کے پار میرے لئے مشین گن سے ان کو نشانہ بنانا دشوار تھا اور مجھے معلوم نہیں تھا، ان کے پاس گرینیڈ لانچر بھی تھا۔ میرے دائیں جانب پہاڑ کی دیوار سے لگ کر گرینیڈ پھٹا تو ملبے کی بارش مجھ

تک آ ئی تھی۔

''لعنت ہو۔'' میں نے مشین گن کا رخ مورچے کی طرف کر کے ایک طویل برسٹ مارا اور لانچر تھامے فوجی دوسرا گرینیڈ مارنے کی حسرت لئے پرلوک سدھار گیا تھا۔ اس کے گرتے ہی گرینیڈ چل گیا تھا۔ اس کا رخ آسمان کی طرف تھا اور پھر وہ واپس مورچے کی طرف آیا تو سارے فوجی وہاں سے نکل کر بھاگے تھے اور ان پر چاروں طرف سے گولیوں کی بارش ہونے لگی تھی۔ گرینیڈ مورچے میں گرا تو دھماکے سے وہاں موجود دوسرا گولہ بارود پھٹنے لگا تھا۔

میں نے سامنے نظر آنے والے سفید پوش فوجیوں پر ایک چھوٹا سا برسٹ مار کر ان کو لٹا دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پیراٹروپرز میں سے شاید ہی کوئی بچ سکا تھا۔ فتح کے جوش سے بے قابو قبائلی ان پر گولیاں برسا رہے تھے اور ایمونیشن ضائع کر رہے تھے مگر ان کو روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ایک بھارتی فوجی بھاگتا ہوا بدحواسی میں میرے مورچے کے سامنے تک آ گیا تھا۔ میں نے اسے ری پیٹر سے نشانہ بنایا، وہ گولی کھا کر گرا اور ساکت ہو گیا اس کے سینے سے ابلنے والا خون اس کی سفید براق جیکٹ اور برف کو رنگنے لگا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور ابھی اندر جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ قلعے کے دروازے کی طرف سے ایک خوفناک دھماکا سنائی دیا تھا۔

دھماکے کی آواز اور زمین کے ارتعاش نے مجھے لرزا دیا تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اتنا شدید دھماکا کسی فوجی ہتھیار ہی سے ممکن تھا۔ کیا بھارتی فوجی قلعے کے باہر تک آ گئے تھے۔ مجھے دروازے کی طرف سے شعلے دکھائی دیئے تھے۔ اس کے بعد دو عدد آرمرڈ کاریں نمودار ہوئیں۔ ان کے اوپر لگی آٹومیٹک مشین گنیں مسلسل گولیاں برسا رہی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہی کمار کے ساتھی بچنے کے لئے کونوں کھدروں میں بھاگے تھے۔ میں نے آگے والی آرمرڈ کار پر برسٹ مارا۔ اس پر اتنا ہی اثر ہوا جتنا ناخلف اولاد پر ماں باپ کی ڈانٹ پھٹکار کا اثر ہوتا ہے یعنی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

مجھے کمار کی فکر ہو گئی۔ وہ دروازے کی طرف گیا تھا۔ فوج نے کسی طرح سے گھاٹی پر پل قائم کر کے دروازے کو دھماکا خیز مواد سے اڑا دیا تھا اور یہ چھوٹی اے پی سی اندر گھس آئی تھی۔ میں نے دوسری بار ان کے ٹائروں کو نشانہ بنایا مگر ان پر بھی کوئی اثر نہیں ہو۔ یہ ٹھوس ربر کے بنے ٹائر تھے۔ جن میں گولی لگ جاتی ہے تو ٹائر کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ بکتر بند مکمل طور پر محفوظ تھی۔ پھر مجھے اس کے اوپر لگی خودکار مشین گنوں کا خیال آیا۔ ان کو بکتر بند کے اندر سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔ میں نے سامنے والی بکتر بند کی مشین گن کو نشانہ بنایا۔ اچانک اس کی نال مڑ گئی اور خودکار نظام گولیاں برسانے میں مگن تھا۔ نتیجے میں نال دھماکے سے پھٹی تھی۔ نہ جانے اندر والوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ بکتر بند لہرائی تھی، میں نے دوسری بکتر بند کی مشین گن کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہا تھا مگر اس کا ہوشیار ڈرائیور اسے درختوں میں لے گیا تھا۔ جس بکتر بند کی مشین گن خراب ہوئی تھی اس نے واپس دروازے کا رخ کیا تھا۔ مشین گن میں اب پچاس سے بھی کم گولیاں رہ گئی تھیں۔ مگر میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے مشین گن اٹھائی اور غار کے دہانے کی طرف بڑھا۔ اچانک کہیں سے گولی چلی اور مشین گن کے بیلٹ بکس پر لگی۔ میں دھڑام سے نیچے گرا اور ساکت ہو گیا تھا۔ یہ ایک بھارتی فوجی تھا جو نہ جانے کیسے بچ گیا تھا اس نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن گولی مشین گن پر لگی۔ اس سے پہلے وہ دوبارہ فائر کرتا نزدیک سے ایک

برسٹ چلا اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ یہ بیتو تھا بھارتی فوجی کو اڑا کر وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔

"صاحب آپ ٹھیک ہو؟"

"ہاں یار! اللہ نے بچا لیا۔" میں اٹھ کر غار کے دہانے کے اندر گھس گیا۔ "کمار کہاں ہے اور اندر کی کیا صورت حال ہے؟"

"سردار کا کہیں پتا نہیں ہے۔ اندر بھی حالت اچھی نہیں ہے۔"

"بیتو، اپنے سارے آدمیوں کو غار کے اندر بلاؤ۔ ان سے کہو مارے جانے والے بھارتی فوجیوں کا اسلحہ اور ایمونیشن بھی لے آئیں۔"

میں نے مشین گن دہانے پر فکس کی۔ اس دوران بیتو چلا چلا کر اپنے لوگوں کو اندر بلا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا جب لوگ اندر آئیں گے تو بکتر بند سے ان پر گولیاں برسائی جائیں گی مگر اس کام کے لئے اسے آڑ سے باہر آنا ہوگا اور یہی موقع ہوگا جب میں اسے نشانہ بنا سکوں گا۔ بیتو کی پکار پر آس پاس چھپے کمار کے ساتھی اندر آنے لگے اور بیتو ان کو غار کے مختلف حصوں میں بھیجنے لگا تھا۔ حسبِ توقع بکتر بند سامنے آئی تھی۔ اس کی خودکار مشین گن غار کی طرف آنے والوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بکتر بند کے ڈرائیور نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس کی مشین گن اس طرح رکھی تھی کہ میرے لئے اس کا نشانہ لینا مشکل تھا۔ میں اور بیتو غار کی دیوار کی آڑ میں تھے، اگر میں ذرا آگے چلا جاتا تو اتنا مشکل نہ ہوتا۔

"یہ تو آگے نہیں آ رہے۔" میں نے تشویش سے کہا۔ ہمارے سامنے کمار کے چار ساتھی مارے گئے تھے اور ہم ان کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکے تھے۔ بیتو نے اپنی زبان کی چند منتخب گالیاں دیں۔

"آپ مشین گن مجھے دیں۔" اس نے تجویز پیش کی۔ "میں کوشش کرتا ہوں۔"

"خودکشی کرنے کی۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر ہم غار کے اس طرف چلے جائیں؟" اس نے دوسری تجویز پیش کی جو قابلِ غور تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور غار کے دوسرے حصے کی طرف چلا گیا۔ یہ دایاں حصہ تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا مجھے بکتر بند کے اوپر لگی مشین گن واضح نظر آ رہی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ "مشین گن ادھر لا دو۔"

بیتو مشین گن سمیت آ گیا۔ میں نے اسے زمین پر رکھا اور اس کی نال کا رخ بکتر بند کی چھت کی طرف کر کے طویل برسٹ مارا۔ مشین گن کے پاس سے شعلے نکلے اور ایک دھماکے سے مشین گن تباہ ہو گئی تھی۔ میں نے نعرہ مارا۔ "دھمالا!"

"کیسے جی؟" بیتو بولا۔

"گیدڑ کو جو شیر کی کھال پہن کر آیا تھا۔"

بکتر بند کی مشین گن تباہ ہوتے ہی وہ بے دانت کا ہاتھی رہ گئی تھی اور اس کے خوف سے کمار کے جو آدمی آس پاس دبکے ہوئے تھے، وہ غار کی طرف بھاگے تھے۔ بکتر بند کے اندر موجود فوجیوں نے دروازہ کھول کر آنے والوں پر فائرنگ کرنا چاہی تھی مگر میری جانب سے مشین گن کے ایک برسٹ کے بعد ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ یہ دوسری بکتر بند بھی قلعے کے دروازے کی طرف چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی جنگل کی جانب سے

ہماری طرف فائرنگ ہونے لگی۔ یہ میری غلط فہمی تھی کہ پیراشوٹ سے چھلانگ لگانے والے تمام فوجی مارے جا چکے تھے۔ ان میں سے کچھ بچ کر جنگل میں گھس گئے تھے۔

''یہ ہمیں محصور کرلیں گے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ کمار کے تمام ہی ساتھی اندر جا چکے تھے۔ البتہ کمار کا خود کوئی پتا نہیں تھا۔ بیتو کے توسط سے میں نے اس کے بارے میں دوسروں سے پوچھا مگر کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل ڈوب رہا تھا کہ کمار مارا جا چکا ہے۔

''صاحب! وہ دیکھو۔'' بیتو نے اچانک کہا۔ اس کا اشارہ قلعے کے دروازے کی طرف سے آنے والی ڈھلان کی جانب تھا۔ تین افراد چھپتے چھپاتے اس طرف آ رہے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ بھارتی فوجی ہیں یا ہمارے ساتھی۔ ''صاحب! یہ سردار ہے۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''ان میں سے ایک سردار ہے۔ میں اس کی چال جانتا ہوں۔''

''اگر یہ کمار ہے تو یہ جنگل میں چھپے بھارتی فوجیوں سے بے خبر ہے۔'' میں نے فکر سے کہا۔ ''جیسے ہی یہ کھلے میں آئیں گے، وہ ان پر فائرنگ کر دیں گے۔''

ہلکی چاندنی میں میرے لئے شناخت کرنا ناممکن تھا کہ ان تینوں میں سے کمار کون سا ہے نہ جانے بیتو نے کیسے دیکھ لیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ جیسے ہی وہ درختوں کی آڑ سے نکلے۔ جھیل پار جنگل سے ان پر فائرنگ ہوئی۔ ایک اچھل کر گرا تھا۔ باقی دو بھاگے۔ ''کمار، بچ گیا ہے؟'' میں نے بیتو سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا اسی لمحے دوسرا بھی گرا۔

میں نے بھاری مشین گن کو غار کے دہانے کے باہر رکھا اور جنگل کی طرف اس کا رخ کر کے گولیاں برسانے لگا۔ گولیاں ہی کتنی تھیں۔ میں نے دو طویل برسٹ مارے اور بکس خالی ہو گیا۔ بہرحال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ کمار غار کے دہانے تک زندہ سلامت پہنچ گیا تھا۔ ابھی چند گز باقی تھے کہ کمار لٹو کی طرح گھوم کر گرا۔ بیتو اس کی طرف دوڑا اور اسے کھینچ کر اندر لے آیا۔ کمار کا شانہ خون میں تر تھا۔ ایک گولی شانے کے پار ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے چغے کا ایک حصہ چاقو سے کاٹا اور اسے پٹی کی طرح کس کر نیم بے ہوش کمار کے شانے پر باندھ دیا۔

''اسے اندر لے جاؤ۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

''نہیں، میں یہاں رہوں گا۔'' کمار نے آنکھیں کھول کر کہا۔

''چپ کرو۔ تمہیں مرہم پٹی اور آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''اسے اندر لے جاؤ بیتو اور معلوم کرو اندر کی کیا صورت حال ہے؟''

میرے ساتھ دس بارہ افراد تھے اور غار کے دہانے کی حفاظت کی ذمے داری ہم پر تھی۔ میں نے دیکھا، قلعے کے دروازے کی سمت سے بے شمار بھارتی فوجی آ کر وادی میں پھیل رہے تھے۔ ہم انہیں روکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہم تو غار کا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ صورت حال مایوس کن تھی۔ ہمارے پاس صرف چند خودکار رائفلیں تھیں۔ بھاری مشین گن بے کار ہو چکی تھی۔ ہمارے مقابلے میں بھارتی فوجیوں کا ہر قسم کے اسلحے سے لیس ہونا یقینی تھا۔ اچانک وادی میں میگافون پر کسی کی آواز گونجی۔ وہ قبائل کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ بیتو نہیں تھا، جو مجھے ترجمہ کر کے بتاتا مگر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا، اندر والوں کو وارننگ دی جا رہی تھی کہ ہتھیار ڈال دیں۔

برسٹ چلا اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ یہ بیتو تھا بھارتی فوجی کو اُڑا کر وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔

"صاحب آپ ٹھیک ہو؟"

"ہاں یار! اللہ نے بچالیا۔" میں اٹھ کر غار کے دہانے کے اندر گھس گیا۔ "کمار کہاں ہے اور اندر کی کیا صورت حال ہے؟"

"سردار کا کہیں پتا نہیں ہے۔ اندر بھی حالت اچھی نہیں ہے۔"

"بیتو، اپنے سارے آدمیوں کو غار کے اندر بلاؤ۔ ان سے کہو مارے جانے والے بھارتی فوجیوں کا اسلحہ اور ایمونیشن بھی لے آئیں۔"

میں نے مشین گن دہانے پر فکس کی۔ اس دوران بیتو چلا چلا کر اپنے لوگوں کو اندر بلا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا جب لوگ اندر آئیں گے تو بکتر بند سے ان پر گولیاں برسائی جائیں گی مگر اس کام کے لئے اسے آڑ سے باہر آنا ہوگا اور یہی موقع ہوگا جب میں اسے نشانہ بنا سکوں گا۔ بیتو کی پکار پر آس پاس چھپے کمار کے ساتھی اندر آنے لگے اور بیتو ان کو غار کے مختلف حصوں میں بھیجنے لگا تھا۔ حسبِ توقع بکتر بند سامنے آئی تھی۔ اس کی خودکار مشین گن غار کی طرف آنے والوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بکتر بند کے ڈرائیور نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس کی مشین گن اس طرح رکھی تھی کہ میرے لئے اس کا نشانہ لینا مشکل تھا۔ میں اور بیتو غار کی دیوار کی آڑ میں تھے، اگر میں ذرا آگے چلا جاتا تو اتنا مشکل نہ ہوتا۔

"یہ تو آگے نہیں آرہے۔" میں نے تشویش سے کہا۔ ہمارے سامنے کمار کے چار ساتھی مارے گئے تھے اور ہم ان کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکے تھے۔ بیتو نے اپنی زبان کی چند منتخب گالیاں دیں۔

"آپ مشین گن مجھے دیں۔" اس نے تجویز پیش کی۔ "میں کوشش کرتا ہوں۔"

"خودکشی کرنے کی۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر ہم غار کے اس طرف چلے جائیں؟" اس نے دوسری تجویز پیش کی جو قابلِ غور تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور غار کے دوسرے حصے کی طرف چلا گیا۔ یہ دایاں حصہ تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا مجھے بکتر بند کے اوپر لگی مشین گن واضح نظر آرہی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ "مشین گن ادھر لا دو۔"

بیتو مشین گن سمیت آگیا۔ میں نے اسے زمین پر رکھا اور اس کی نال کا رخ بکتر بند کی چھت کی طرف کر کے طویل برسٹ مارا۔ مشین گن کے پاس سے شعلے نکلے اور ایک دھماکے سے مشین گن تباہ ہو گئی تھی۔ میں نے نعرہ مارا۔ "وہ مارا!"

"کیسے جی؟" بیتو بولا۔

"گیدڑ کو جو شیر کی کھال پہن کر آیا تھا۔"

بکتر بند کی مشین گن تباہ ہوتے ہی وہ بے دانت کا ہاتھی رہ گئی تھی اور اس کے خوف سے کمار کے جو آدمی آس پاس دبکے ہوئے تھے، وہ غار کی طرف بھاگے تھے۔ بکتر بند کے اندر موجود فوجیوں نے دروازہ کھول کر آنے والوں پر فائرنگ کرنا چاہی تھی مگر میری جانب سے مشین گن کے ایک برسٹ کے بعد ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ یہ دوسری بکتر بند بھی قلعے کے دروازے کی طرف چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی جنگل کی جانب سے

ہماری طرف فائرنگ ہونے لگی۔ یہ میری غلط فہمی تھی کہ پیراشوٹ سے چھلانگ لگانے والے تمام فوجی مارے جا چکے تھے۔ ان میں سے کچھ بچ کر جنگل میں گھس گئے تھے۔

''یہ ہمیں محصور کر لیں گے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ کمار کے تمام ہی ساتھی اندر جا چکے تھے۔ البتہ کمار کا خود کوئی پتا نہیں تھا۔ بیتو کے توسط سے میں نے اس کے بارے میں دوسروں سے پوچھا مگر کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل ڈوب رہا تھا کہ کمار مارا جا چکا ہے۔

''صاحب! وہ دیکھو۔'' بیتو نے اچانک کہا۔ اس کا اشارہ قلعے کے دروازے کی طرف سے آنے والی ڈھلان کی جانب تھا۔ تین افراد چھپتے چھپاتے اس طرف آ رہے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ بھارتی فوجی ہیں یا ہمارے ساتھی۔ ''صاحب! یہ سردار ہے۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''ان میں سے ایک سردار ہے۔ میں اس کی چال جانتا ہوں۔''

''اگر یہ کمار ہے تو یہ جنگل میں چھپے بھارتی فوجیوں سے بے خبر ہے۔'' میں نے فکر سے کہا۔ ''جیسے ہی یہ کھلے میں آئیں گے، وہ ان پر فائرنگ کر دیں گے۔''

ہلکی چاندنی میں میرے لئے شناخت کرنا ناممکن تھا کہ ان تینوں میں سے کمار کون سا ہے نہ جانے بیتو نے کیسے دیکھ لیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ جیسے ہی وہ درختوں کی آڑ سے نکلے۔ جھیل پار جنگل سے ان پر فائرنگ ہوئی۔ ایک اچھل کر گرا تھا۔ باقی دو بھاگے۔ ''کمار، بچ گیا ہے؟'' میں نے بیتو سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا اسی لمحے دوسرا بھی گرا۔

میں نے بھاری مشین گن کو غار کے دہانے کے باہر رکھا اور جنگل کی طرف اس کا رخ کر کے گولیاں برسانے لگا۔ گولیاں ہی کتنی تھیں۔ میں۔ نے دو طویل برسٹ مارے اور بکس خالی ہو گیا۔ بہر حال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ کمار غار کے دہانے تک زندہ سلامت پہنچ گیا تھا۔ ابھی چند گز باقی تھے کہ کمار لٹو کی طرح گھوم کر گرا۔ بیتو اس کی طرف دوڑا اور اسے کھینچ کر اندر لے آیا۔ کمار کا شانہ خون میں تر تھا۔ ایک گولی شانے کے پار ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے چغے کا ایک حصہ چاقو سے کاٹا اور اسے پٹی کی طرح کس کر نیم بے ہوش کمار کے شانے پر باندھ دیا۔

''اسے اندر لے جاؤ۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

''نہیں، میں یہاں رہوں گا۔'' کمار نے آنکھیں کھول کر کہا۔

''چپ کرو۔ تمہیں مرہم پٹی اور آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''اسے اندر لے جاؤ بیتو اور معلوم کرو اندر کی کیا صورت حال ہے؟''

میرے ساتھ دس بارہ افراد تھے اور غار کے دہانے کی حفاظت کی ذمے داری ہم پر تھی۔ میں نے دیکھا، قلعے کے دروازے کی سمت سے بے شمار بھارتی فوجی آ کر وادی میں پھیل رہے تھے۔ ہم انہیں روکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہم تو غار کا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ صورت حال مایوس کن تھی۔ ہمارے پاس صرف چند خودکار رائفلیں تھیں۔ بھاری مشین گن بے کار ہو چکی تھی۔ ہمارے مقابلے میں بھارتی فوجیوں کا ہر قسم کے اسلحے سے لیس ہونا یقینی تھا۔ اچانک وادی میں میگا فون پر کسی کی آواز گونجی۔ وہ قبائل کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ بیتو نہیں تھا، جو مجھے ترجمہ کر کے بتاتا مگر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا، اندر والوں کو وارننگ دی جا رہی تھی کہ ہتھیار ڈال دیں۔

میرے ساتھ موجود افراد میں سے بعض غیظ وغضب کا شکار تھے اور بعض خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ میں نے ان سے اشارے سے کہا کہ دہانے کے آس پاس لگی مشعلیں بجھادیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔

اس قسم کے حالات میں دھما کا خیز ہتھیاروں کا استعمال مؤثر رہتا ہے اور فوج نے فیصلہ کن برتری حاصل کرنے کے لئے ان کا فوری استعمال کیا۔ ایک راکٹ فائر ہوا اور دہانے کے پاس ڈھلان پر لگا۔ دھما کے نے غار کولرزا دیا تھا۔ ''سب پیچھے ہو جاؤ'' میں چلایا اور سب افراتفری میں پیچھے بھاگے۔ دوسرا راکٹ دہانے کے اندر پھٹا تھا اور پیچھے رہ جانے والے مارے گئے۔ غار میں دھواں اور گرد وغبار بھر گیا تھا۔ ہم کھانستے اور تاریکی میں ایک دوسرے سے ٹکراتے آگے بڑھنے لگے۔ ایسے چند راکٹ اور مارے جاتے تو یہ غار ہی ہمارا مدفن بن جاتا۔ مگر دہانے کے سامنے کی چھت گرنے سے فی الحال راستہ بند ہو گیا تھا۔

میں ایک راہداری میں نکلا جو نہ جانے کس سمت میں جارہی تھی۔ ذرا آگے جا کر اس میں روشنی نظر آنے لگی تھی۔ غار کا یہ حصہ میرے لئے اجنبی تھا۔ دہانے سے اندر جانے کے لئے کئی راستے نکلتے تھے اور میں نہ جانے کس راستے پر آنکلا تھا۔ اس طرف سناٹا تھا اور کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ رہائشی حصہ بھی نہیں تھا۔

جب میں راہداری کے آخری حصے میں پہنچا تو مجھے قطار سے کوٹھریاں نظر آئیں جن کے سامنے والے حصوں پر جیل کی طرح سلاخیں لگی تھیں اور درحقیقت یہ جیل ہی تھی۔ ہر کوٹھری میں دو تین افراد خوف زدہ پریشان قید تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چلانے لگے۔ ان کا انداز التجا آمیز تھا شاید وہ مجھ سے رہا کرنے کو کہہ رہے تھے مگر میں ان کو کس طرح رہا کرتا۔ ہر کوٹھری کے دروازے پر بڑا سا تالا لگا تھا۔ یہ کل پانچ کوٹھریاں تھیں جن میں بارہ پندرہ افراد تھے۔ یہ وادی کا جیل خانہ تھا جس میں مجرم قید تھے اور میرا ان کو رہا کرانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں واپسی کے لئے مڑا تھا کہ ایک مسلح قبائلی کو سامنے پایا۔ اس نے اپنی زبان میں پوچھا۔ ''کون ہو تم؟'' اس کی رائفل کا رخ میری طرف تھا۔

میں نے مسکرا کر ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''ان سے ملنے آیا تھا۔''

اس کی نظر ایک لمحے کو اس طرف گئی اور میں نے نال پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ نال کا رخ اوپر کی طرف تھا اس لئے فائر بھی اس طرف گیا۔ میں نے گھٹنا اس کے جسم کے ایک موزوں مقام پر مارا تو شدتِ کرب سے وہ منہ کھولتے ہوئے رکوع میں جانے کے انداز میں جھکا تو میں نے یہی گھٹنا اس کے منہ پر رسید کیا اور وہ فرش پر گر کر بے سدھ ہو گیا۔ میں نے اس کی رائفل لے لی۔ میرے پاس صرف ری پیٹر رہ گیا تھا۔ میں نے بے ہوش ہونے والے کو اٹھا کر ایک طرف ڈالا۔ وہ کمار کا آدمی ہوتا تو کبھی مجھ پر رائفل اٹھانے کی جرأت نہ کرتا۔

میں جانے کے لئے مڑا تھا کہ کسی نے میرا نام پکارا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ مجھے بمشکل سنائی دی تھی اور میں اسے سماعت کا دھوکا ہی سمجھا تھا۔ میں رکا اور پھر جانے لگا تھا کہ آواز دوبارہ آئی۔ میرا نام واضح طور پر کسی نے پکارا تھا۔

''کون ہے۔ کس نے مجھے آواز دی ہے؟''

''شہباز صاحب!'' ایک کمزور لیکن جانی پہچانی آواز آئی تو میرا دل بے ساختہ پھڑکا۔ یہ آواز...... لیکن اس آواز کا مالک اس دنیا میں کہاں ہے؟ میں کوٹھری کی طرف لپکا۔

''کون ......کون ہو تم؟'' میں نے کہا۔ میرے سامنے ایک جھاڑ جھنکاڑ بالوں، داڑھی اور مونچھوں والا چہرہ تھا۔

''شہباز صاحب! مجھے بھول گئے؟'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''وسیم!'' میں چلایا اور سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر اسے جکڑ لیا۔ ''تم وسیم ہو نا...... میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟''

''میں وسیم ہوں۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ اس کا جسم بھی لرز رہا تھا۔

''وسیم ...... میری جان! ہم تو تمہیں صبر کر چکے تھے۔'' میرا لہجہ بھی گلوگیر ہو گیا۔ ''تم زندہ ہو...... ٹھیک ہے لیکن تم یہاں کیسے؟''

''یہ کہانی میں بعد میں سناؤں گا، پہلے مجھے یہاں سے نکالئے۔''

میں جذباتی ہو رہا تھا۔ وسیم نے بروقت عقل دلائی۔ میں نے پیچھے ہٹ کر تالے کا نشانہ لیا۔ ''وسیم، دور ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ گولی بہک کر تمہاری طرف چلی جائے۔''

وسیم دور ہوا تو میں نے تالے پر رائفل سے فائر کیا۔ ری پیٹر کا فائر خطرناک ہو سکتا تھا۔ بارہ بور کی اس رائفل کا فائر بہت ہلکا تھا۔ دوسرے فائر پر تالے کا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا تھا اور میں نے بٹ مار کر اسے کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی وسیم نکلا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ ''خدا کا شکر ہے اس نے آپ کو دکھایا۔ ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ چلے گئے ہیں یہاں سے۔''

میں چونکا۔ ''تم میری آمد سے واقف تھے اور یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''سمجھ لیں، میں ان کا قیدی تھا۔''

''اوکے۔ اب یہاں سے نکلو۔ یہاں بھارتی فوج آنے والی ہے۔ ہم اس کے ہاتھ آئے تو سمجھ سکتے ہو ہمارا کیا حشر ہو گا؟'' میں نے کہا اور رائفل اسے تھما دی۔

''بھارتی فوج!'' اس نے تشویش سے کہا اور بے ہوش قبائلی کے جسم سے کارتوس کی پیٹی اور اس کے بعد اس کا اونی چغہ اتار کر پہن لیا۔ اس کے جوتے اور ٹوپی ہتھیانے کے بعد وسیم خاصی حد تک قبائلی لگ رہا تھا، اس کے جسم پر معمولی سے کپڑے تھے اور پاؤں خالی تھے۔ اس کی شاندار صحت گر گئی تھی۔ اس طرف سے کہیں اور جانے کا راستہ نہیں تھا اس لئے میں جس طرف سے آیا تھا، ہم اسی طرف چل پڑے۔

''وسیم، سامنے سے آنے والے ہر مقامی پر فائر مت کرنا۔ ان میں سے بیشتر دوست ہیں اور کچھ دشمن ہیں۔'' میں نے کہا اور اسے مختصراً کمار کے بارے میں بتایا، اس نے سر ہلایا۔

''پچھلے دس دن میں جو ہوا ہے، مجھے کسی حد تک اس کا علم ہے۔''

''وہ کیسے؟ کیا تمہیں مقامی زبان آتی ہے؟''

''کسی حد تک۔ آپ کو معلوم ہے میں کشمیری ہوں اور میرے بچپن میں ہماری زمینوں پر گوجر خانہ بدوش آتے تھے۔ میں نے ان کی زبان سیکھ لی تھی۔ یہ زبان بھی گوجری سے ملتی جلتی ہے۔''

سرنگ کے سامنے والے حصے میں ابھی تک دھواں بھرا تھا اس لئے ہم دوسرے راستے کی طرف گھوم

گئے۔ اندر سے اب فائرنگ اور چیخ و پکار کی آوازیں آنا بند ہوگئی تھیں۔ میں اور وسیم محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ وسیم کا زندہ ہونا اور پھر مل جانا میرے لئے جتنا نا قابلِ یقین تھا اتنا ہی پُرمسرت بھی تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا کھو جانے والا بازو مل گیا تھا۔ ایک جگہ راستہ دو شاخوں میں بٹ گیا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کس راستے پر جاؤں کہ ایک طرف سے لوگوں کے چلنے اور بولنے کی آوازیں آئیں اور میں فوری طور پر وسیم کے ساتھ دوسرے راستے کی طرف چلا گیا۔

''دشمن ہیں؟'' وسیم نے سرگوشی کی۔

''ممکن ہے، تیار رہنا۔'' میں نے ری پیٹر ہاتھ میں لے لیا۔ مگر آنے والے جو چار تھے رکے بغیر اس راستے کی طرف چلے گئے جہاں سے ہم آئے تھے۔ سر پر اونی ٹوپی سے میں نے اندازہ لگایا، وہ راجا جتیندر کے وفادار تھے۔ یعنی وہ ابھی مغلوب نہیں ہوئے تھے تو کیا کمار کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے؟ اسی لمحے غار کے دہانے کی جانب سے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں۔ بھارتی فوجی اندر آنے کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے۔ وہ شاید دستی بم مار رہے تھے۔ میں نے وسیم کا بازو پکڑا۔ ''اندر چلو۔''

''اندر کدھر جناب! ادھر سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

''نہیں، اس طرح کی زیر زمین بستی میں کوئی نہ کوئی خفیہ راستہ ہوتا ہے فرار کے لئے۔ برا وقت کبھی بھی آ سکتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ راستہ ہے کہاں، ہمیں اس بارے میں کون بتائے گا؟''

''وہ جنہوں نے اپنے برے وقت کے لئے یہ راستہ بنایا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''آؤ، میرے ساتھ۔''

مجھے زیر زمین بستی کے اس حصے کی تلاش تھی جہاں اوپری طبقے کے حاکم رہا کرتے تھے۔ عقب سے آنے والی آوازوں میں اب خودکار ہتھیاروں کی بھیانک تڑتڑاہٹ کے ساتھ مارے جانے والوں کی چیخ و پکار بھی شامل ہوگئی تھی۔ بھارتی فوج یقیناً اندر گھس آئی تھی اور بلا امتیاز سامنے آنے والے ہر شخص کو اڑا رہی تھی۔ ان میں ان کو مدعو کرنے والے بھی شامل تھے۔ آج کی رات بستی والوں پر بہت بھاری تھی اور بہت ہی خوش نصیب ہوں گے جو اگلی صبح کا سورج دیکھیں گے۔ بھول بھلیوں جیسے راستوں میں کسی مخصوص جگہ کا تلاش کرنا بے حد مشکل تھا۔ جبکہ راستے بھی میرے لئے اجنبی تھے۔ ''شہباز صاحب! وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے۔''

''یار! اب تم مجھے صاحب مت کہا کرو، ہم دوست ہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر آپ کے لئے نہ جانے کیوں منہ سے احتراماً صاحب ہی نکلتا ہے۔'' اس نے کہا۔

اچانک سامنے سے دو عدد مسلح قبائلی نمودار ہوئے تھے اور ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے اپنے ہتھیار سیدھے کرنے کی کوشش کی مگر میں اور وسیم زیادہ تیز ثابت ہوئے تھے۔ میرا شکار تو فوراً ہی آنجہانی ہوا تھا کیونکہ ری پیٹر کی گولی اس کے پیٹ پر لگی تھی البتہ وسیم نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے دوسرے کے ہاتھ پر گولی ماری تھی۔ اور اب وہ ہاتھ پکڑ کر چلا رہا تھا۔ میں نے مارے جانے والے کی جی ٹو رائفل اٹھالی، اس کے پاس دو عدد میگزین تھے۔ وسیم بھی دوسرے کے ہتھیار لے چکا تھا۔

''راجا جتیندر اور راج کہاں ہیں؟'' میں نے قبائلی سے پوچھا۔

اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ وہ دونوں کہاں ہیں؟ جب قبائلی نے انکار میں سر ہلایا تو میں نے وسیم کی رائفل سے اس کے دوسرے ہاتھ پر فائر کیا اور رائفل اس کے پاؤں کی طرف کر کے پھر پوچھا، اس بار اس نے ہمت ہار دی اور زار و قطار روتے ہوئے ایک راستے کی طرف اشارہ کیا جو غالباً راجا جتیندر اور راج کی رہائش گاہ کی طرف جاتا تھا۔ پھر میں نے کمار کے بارے میں پوچھا۔ اس نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ وسیم نے مقامی زبان میں اس پر واضح کیا کہ اگر اس نے ہم سے جھوٹ بولا ہے تو بتا دے ورنہ ہم پھر آئیں گے اور اسے قتل کر کے جائیں گے مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ وسیم نے میری طرف دیکھا۔

"یہ کہہ رہا ہے آگے جا کر یہ راستہ راج محل سے مل جاتا ہے۔"

"تو پھر دیر کیسی چلو۔"

"وہاں حفاظتی انتظامات بہت زیادہ ہوں گے۔" وسیم نے مجھے خبردار کیا۔

"جانا تو ہے، آؤ۔" میں نے اس سرنگ کی طرف قدم بڑھائے۔ میں نے ایس ایم جی ہاتھ میں لے لی تھی اور کسی بھی مرحلے سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔ قبائلی کا کہنا درست تھا۔ یہ راستہ سیدھا راج محل کی طرف جا کر کھلتا تھا مگر وہاں فی الحال کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"پہرے دار کہاں ہیں؟" میں نے خالی راہداریوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے ان کو فوج کے خلاف مزاحمت کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے راج محل کے داخلی دروازے کو دھکا دیا۔ "اس کا مطلب ہے اندر راجا کے آدمیوں نے قابو پا لیا تھا اور بھارتی فوج معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے گناہ افراد کا قتلِ عام کر رہی ہے۔"

راج محل خالی تھا۔ میں نے سارے کمرے دیکھ لئے۔ بعض جگہ سامان پھیلا ہوا تھا۔ اس سے مجھے لگا کہ راجا جتیندر اہل خاندان کے ہمراہ فرار ہو چکا تھا۔ اس سے یہ توقع تو محال تھی کہ وہ اپنے وفاداروں کے شانہ بہ شانہ بھارتی فوج سے لڑنے گیا ہو اور اگر ایسا ہی تھا تو اس کے اہلِ خانہ کو تو محل میں ہونا چاہئے تھا۔ وہ ان کو تو محاذ جنگ پر نہیں لے جا سکتا تھا۔ وسیم نے میرے خیالات کو الفاظ کا روپ دیا۔

"بھاگ گیا۔"

"میں نے کہا تھا، کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔"

مجھے اور وسیم کو کوشش کے باوجود خفیہ راستہ نہیں ملا تھا۔ وسیم نے مایوسی سے کہا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"فکر مت کرو، ابھی ایک راستہ ہے۔" میں نے اسے تسلی دی اور اسے لے کر سومترا کی رہائش گاہ کی طرف بڑھا۔ وہاں پر بھی خانہ ویرانی تھی۔ پوربی اور سومترا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ بھی راجا جتیندر اور راج مالا کے ساتھ نکل گئے تھے۔ اب مجھے بھی مایوسی ہونے لگی تھی۔ مجھے امید تھی کہ سومترا یا راج مل جائیں گے۔ میں ان سے خفیہ راستے کا پوچھ سکتا تھا۔ مگر وہ بھی جا چکے تھے اور ہم اس چوہے دان میں پھنسے رہ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا ہمیں بھارتی فوج کا سامنا کرنا ہی پڑتا۔ اب فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں یہاں تک صاف سنائی دینے لگی

تھیں۔

''وسیم نکلو یہاں سے۔'' میں نے کہا اور ہم دروازے کی طرف تھے کہ ٹھٹک گئے۔ دروازے پر راج کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں دبے پستول کا رخ ہماری طرف تھا۔

☆======☆======☆

اس وادی میں اگر میرا کوئی بدترین دشمن تھا تو وہ راج تھا۔ اس وقت وہ پستول بدست میرے سامنے تھا اور پستول کا رخ میری طرف تھا۔ جتنی دیر میں، مَیں رائفل اس کی طرف سیدھی کرتا وہ مجھے گولی مار چکا ہوتا۔ چند لمحے گزر گئے اور راج نے مجھ پر گولی نہیں چلائی تھی۔

''راج رکے ہوئے کیوں ہو؟'' میں نے سکون سے کہا اور اپنے جسم کو حرکت کے لئے تیار کرلیا تھا۔ بے شک اتنے فاصلے سے بچنا بے حد مشکل تھا مگر میں کوشش تو کرسکتا تھا۔ یہ امکان تھا کہ گولی کسی جان لیوا جگہ نہ لگے۔

''شہباز! میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا اور پستول نیچے کرلیا۔

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''تم نے مجھے گولی نہیں ماری، کیوں؟''

''میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھوکا کھایا ہے۔'' اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں جن کو دوست سمجھ رہا تھا وہ دشمن نکلے۔''

''یعنی بھارتی؟'' میں نے طنز کیا۔ ''میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ یہ بات تمہاری سمجھ میں اب آئی ہے۔''

''مت مانو۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''فوج اندر آئی ہے اور میرے ہی لوگوں کا قتلِ عام کر رہی ہے، میرے ساتھ آؤ۔''

''کہاں......؟ تم ہمیں کس چوہے دان میں لے جانا چاہ رہے ہو؟'' وسیم غرایا۔ اس نے رائفل کا رخ راج کی طرف کردیا تھا۔ ''میں تمہیں گولی کیوں نہ ماردوں؟''

''اگر تم محسوس کرو کہ میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں تو بے شک مجھے گولی ماردینا۔''

''تم ہمیں کہاں لے جارہے ہو؟''

''جہاں کمار اور اس کے ساتھی ہیں۔ میں تم سب کو وادی سے نکال سکتا ہوں۔''

''یعنی تمہارے علم میں کوئی خفیہ راستہ ہے۔ تم خود کیوں نہیں نکل جاتے؟''

''مجھے اپنے پاپ کا پرائشچت ادا کرنا ہے۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔ ''بھگوان کے لئے دیر مت کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ بھارتی فوج کسی بھی وقت اس طرف آسکتی ہے۔''

میں راج کے الفاظ اور اس کے لہجے پر غور کررہا تھا اور مجھے لگا، وہ درست کہہ رہا تھا۔ وقت بھی نہیں تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، ہم چلتے ہیں لیکن کوئی بھی دھوکا ہوا تو سب سے پہلے مارے جانے والے شخص تم ہو گے۔''

''مجھے منظور ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا اور سومترا کی رہائش گاہ کے اندرونی حصوں سے

گزرنے لگا۔ اس نے ایک کمرے میں پہنچ کر کچھ کیا اور اس کے فرش میں خانہ نمودار ہوا۔ "نیچے آؤ۔" اس نے اترتے ہوئے کہا۔ یہ ایک سرنگ تھی۔ راج نے اندر جانے سے پہلے ایک مشعل لے لی تھی۔ میں اور وسیم بھی اندر اتر آئے۔

"راج، آشا کہاں ہے؟"

"وہ بھی کمار کے پاس اور محفوظ ہے۔" اس نے کہا، وہ بھاگنے کے انداز میں چل رہا تھا جس سے اس کی بے چینی واضح تھی۔

"اس سے ہوشیار رہیے گا۔" وسیم نے مجھ سے پشتو میں کہا۔

"وہ تو میں ہوں۔" میں نے بھی پشتو میں جواب دیا تھا۔ شمالی علاقوں میں پھرنے کی وجہ سے مجھے تھوڑی بہت پشتو آ گئی تھی۔ وسیم البتہ بہت صاف بول رہا تھا۔

سرنگ کوئی تیس چالیس گز لمبی ہوگی۔ اس کے خاتمے پر راج نے پھر کوئی حرکت کی اور ایک خانہ کھل گیا۔ میری سمجھ میں اس کی کایا کلپ نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو یوٹرن سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ ہم ایک اور عالی شان رہائش گاہ میں طلوع ہوئے۔ راج ہمیں مختلف کمروں سے گزار کر ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا جس میں بظاہر کاٹھ کباڑ بھرا تھا اور وہاں کمار کے ساتھ بیتو، آشا اور سومترا بھی تھی۔ کمار کے بائیں شانے پر بندھی پٹی خون آ گیا تھا۔

"زخم کیسا ہے؟"

کمار مسکرایا۔ "کچھ نہیں یار، معمولی سا زخم ہے۔"

"اسے گولی لگی ہے۔" آشا نے بتایا۔ "گولی گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی ہے۔ میں نے اس کی پٹی کر دی ہے مگر خون نہیں رک رہا ہے۔"

"تم ٹھیک ہو۔" میں نے آشا کی طرف دیکھا۔

"ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس نے مجھے قید کیا تھا۔" سادھنا نے راج کی طرف اشارہ کیا۔ "مگر مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

میں نے پٹی کے اوپر سے کمار کے زخم کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی۔ خون واقعی رس رہا تھا۔ اس وقت اس سے زیادہ کیا نہیں جا سکتا تھا، میں نے راج کی طرف دیکھا۔

"اب بتاؤ، وہ راستہ کہاں ہے؟"

"شہباز! میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بحفاظت نکال دوں گا لیکن تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

"میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔"

"تم کر سکتے ہو۔" اس نے سر ہلایا۔ "تم سومترا کو لے جاؤ گے۔"

"نہیں بھیا!" وہ تڑپ کر بولی۔ "میں تمہارے بنا نہیں جاؤں گی۔"

"شہباز میں نے نادرن ایریا میں ایک جاگیر بنا رکھی ہے۔ وہاں میرا نام رائے رنبیر سنگھ ہے۔ وہاں میں اعلیٰ ذات کا ہندو ہوں۔ سومترا کو اس جاگیر تک پہنچانا ہے۔ تم یہ ذمے داری قبول کرتے ہو؟"

"ہاں...... لیکن مجھے کیا پتا...... وہ جاگیر کہاں ہے؟"

راج نے ایک بریف کیس دکھایا۔ ''اس میں جاگیر کا پتا ہے اور وہاں تک جانے کے لئے نقشہ بھی ہے۔ میں تمہیں جس راستے سے نکالوں گا اس سے باہر ایک فور وہیل ڈرائیو ملے گی تم سب اس پر سوار ہو کر یہاں سے دور جا سکتے ہو۔''

میں غور کرتا جا رہا تھا۔ ''راج اس کام کے لئے ہمارا سہارا لینا قطعی ضروری نہیں ہے، تم اپنی بہن کو لے کر خود بھی جا سکتے ہو۔''

''پہلے میں نے ایسا ہی سوچا تھا مگر پھر مجھے شرم آئی۔ میں نے اپنی قوم کو جس مصیبت میں ڈال دیا ہے، اب میں ان کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

میں نے اپنی ہلکی سی بڑھ جانے والی شیو کھجائی۔ ''راج، معاف کرنا...... میں نے جتنا تمہیں جانا ہے، اس کے بعد یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔''

''تمہارے خیال میں، مَیں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں۔'' اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''مگر یہ تو سوچو، میں اپنی بہن کو تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔''

''بار برداری کے گدھے کی طرح۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تم نے ہمیں مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہم تمہاری بہن کو اس کی منزل تک بحفاظت لے جائیں۔''

''بھگوان کے لئے شہباز!'' سومترا آگے آئی۔ ''بھیا پر شک نہ کرو، دیکھو انہوں نے کمار اور بیتو کو بچا لیا ہے۔''

''اور آشا سے بھی دست بردار ہو گئے ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔

''میں مانتا ہوں آشا مجھے پسند آئی تھی اور میں نے چپکے سے اسے اٹھوا لیا تھا لیکن میں نے اسے کوئی تکلیف نہیں دی ہے۔ اسی سے پوچھ لو اور میں اسے بھی چھوڑ رہا ہوں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ سومترا بے قراری سے بولی۔ ''سوچو مت، فوج کسی وقت بھی یہاں آ سکتی ہے پھر ہمیں موقع ملے نہ ملے۔''

''ٹھیک ہے راج، میں تم پر نہیں اپنے خدا پر بھروسا کر رہا ہوں، اگر تم میرے ساتھ کوئی چال چل رہے ہو تو وہ مجھے تم سے بچائے گا۔ خفیہ راستہ کہاں ہے؟''

''خفیہ راستہ اس کمرے میں ہے...... لیکن پہلے تم وعدہ کرو۔ باہر نکل کر تم مکر نہیں جاؤ گے، سومترا کو اس کی منزل تک ضرور پہنچاؤ گے۔''

'کیا تم میری زبان پر اعتبار کر لو گے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے تمہارے بارے میں جیسا سنا ہے، میں تمہاری زبان پر اعتبار کر سکتا ہوں۔''

''یہ بہادر آدمی ہے۔'' کمار نے اس سے کہا۔ ''اور بہادر آدمی تمہاری طرح دھوکا نہیں کرتا۔''

راج نے آگے بڑھ کر ایک بھاری لکڑی کی پٹی کے ساتھ کچھ کیا اور وہ یوں پھسل کر ایک طرف ہو گئی جیسے اس کے نیچے پہیے لگے ہوں مگر اس کے نیچے خلا نہیں تھا بلکہ سپاٹ سی زمین تھی۔ دوسری بار راج نے دیوار کی جڑ کے ساتھ ایک جگہ دبائی اور فرش سرک گیا۔ اس میں دو بائی دو فٹ کا خلا پیدا ہوا تھا۔

''اس میں اتر جاؤ۔'' راج نے کہا۔

میں نے سومترا کی طرف دیکھا۔ ''لیڈیز فرسٹ!''

''تم شاید اب بھی شک کر رہے ہو۔'' سومترا نے تلخی سے کہا اور بے جھجک اندر اتر گئی پھر میں نے وسیم کو اشارہ کیا۔ اس کے بعد بیتو نے سہارا دے کر کمار کو اندر اتارا اور پھر خود بھی اتر گیا۔ اس کے بعد آشا گئی تھی، بس میں رہ گیا تھا۔ راج نے بے تابی سے کہا۔

''اب تم بھی جاؤ، مجھے راستہ بند بھی کرنا ہے۔''

''تمہیں یقین ہے، فوجی اس رستے کا سراغ نہیں لگا سکیں گے؟''

''ہاں، ویسے بھی میں اس راستے کو دھماکے سے اڑا دوں گا۔ سارے نشانات مٹ جائیں گے۔''

''راج، تم ہمارے ساتھ کیوں نہیں چل رہے؟''

''کیونکہ آنے والوں کو میری تلاش ہوگی اور اگر میں نہ ملا تو وہ مجھے وادی کے ارد گرد تلاش کریں گے، ان کے ہیلی کاپٹر فضا سے نگرانی کر سکتے ہیں اور اس علاقے میں زیادہ گاڑیاں نہیں ہوں گی۔''

''بات سمجھ میں آتی ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''یعنی تم ہم سب کی خاطر قربانی دے رہے ہو۔''

''تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''راج تم پر اعتماد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ میرے پاس تمہاری پیش کش قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''تم دیکھو گے، میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا ہے۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو جس نے اپنے قبیلے کو ان کے خون کے پیاسوں کے سامنے پھینک دیا ہے۔''

''تم جاؤ گے یا یہاں کھڑے باتیں کرتے رہو گے؟'' اس نے جھنجلا کر کہا۔ ''بھارتی فوج یہاں تک آ گئی تو مجھے یہ راستہ بند کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سوراخ میں اترتے ہوئے کہا۔ ''ویسے کیا تمہیں خطرہ نہیں ہے کہ بھارتی فوجی باقی لوگوں کی طرح تمہیں بھی مار دیں گے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ وہ ایسا نہ کریں۔'' راج نے جواب دیا اور خانہ بند کر دیا۔ اس کے اوپر پتھر کی سل آ گئی تھی۔ میرا اندازہ درست تھا۔ ان لوگوں نے برے وقتوں میں فرار کے لئے ایک خفیہ راستہ رکھا تھا۔ ذرا سی ترچھی ڈھلان کے بعد ہم ایک سیدھی اور کسی حد تک گول سرنگ جس کا قطر چھ فٹ تھا، اس میں آگے بڑھنے لگے۔ مجھے ذرا سا سر جھکانا پڑ رہا تھا۔ سومترا کے پاس ایک عدد چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ اس کی تیز روشنی میں سرنگ واضح دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ سرنگ کتنی لمبی ہے؟'' میں نے سومترا سے پوچھا۔

''شاید ایک کلومیٹر!'' اس نے جواب دیا۔ ''ہم دس پندرہ منٹ میں اس کے دوسرے سرے تک پہنچ جائیں گے۔''

''تو پھر تیز چلو، وقت مت ضائع کرو۔ ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے جتنا دور نکل جائیں اتنا ہی محفوظ

ہوں گے۔"

کمار کو بیتو نے سہارا دے رکھا تھا۔ اسے دوسری طرف سے میں نے سنبھال لیا۔ "تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟" میں نے کمار سے پوچھا۔

"بہت برا۔ اپنوں کی غداری نے ہمیں مروا دیا۔ اب میرے لوگوں کا قتلِ عام ہو رہا ہوگا۔" اس کا لہجہ افسردہ ہوگیا تھا۔ "پتا نہیں بھارتی فوج ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟"

"ممکن ہے وہ ان کو مارنے کے بجائے صرف گرفتار کر لے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

بیتو نے بتایا کہ راج کے آدمیوں نے ان کو پکڑ لیا تھا۔ کمار غاروں کے دروازے پر ہی زخمی ہوگیا تھا اس لئے مزاحمت نہ کر سکا۔ بیتو کا خیال تھا کہ راج ان کو مروا دے گا مگر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کو یہاں پہنچا دیا۔"

"کیا بھارتی فوج زیرِ زمین بستی میں گھس آئی تھی؟"

بیتو نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے سامنے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ بیشتر مقامات پر راج کے آدمیوں نے آسانی سے ہمارے لوگوں پر قابو پا لیا تھا۔"

"اس کی وجہ؟"

"پتا نہیں۔ وہ اس جگہ سے بہتر طور پر واقف ہیں۔" بیتو نے جواب دیا۔

کمار یقیناً تکلیف میں تھا مگر ہمت کر کے چل رہا تھا۔ اچانک آشا آگے آئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"اسے میں سہارا دیتی ہوں۔ تمہارا قد زیادہ ہے اس لئے مشکل ہو رہی ہے۔"

یہ بات درست تھی اور مجھے حیرت ہوئی، آخر آشا نے یہ بات محسوس کر لی جو کوئی اور نہیں کر سکا تھا، میں نے کمار کو اس کے حوالے کیا اور خود وسیم کے پاس آ گیا۔ بھارتی زمین پر آئے دن نت نئے ہنگاموں اور حیرتوں سے دوچار ہونے کے باوجود میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس دور افتادہ وادی میں مجھے وسیم مل جائے گا۔ اس سے ملاقات بھی ایسے وقت ہوئی جب اس سے کچھ پوچھنا ممکن نہیں تھا۔ اس سرنگ کے سفر میں مجھے موقع ملا تھا۔ "تم یہاں کیسے آئے؟"

"پہلے آپ بتائیے میرے بارے میں آپ کیا جانتے تھے؟"

"یہی کہ تم اللہ کو پیارے ہو چکے ہو۔"

وہ ہنسا۔ "اتنی آسان ہڈی نہیں ہیں ہم۔ مجھے اس حرام زادے شاہ نواز نے ایک بھارتی اسمگلر بلبیر سنگھ کے حوالے کر دیا تھا۔"

"بلبیر سنگھ!" میں نے نام پر غور کیا۔ "کون ہے یہ اور کیوں حوالے کیا تھا؟"

"اصل میں وہ میرے ذریعے اپنے کسی دشمن کو ٹھکانے لگوانا چاہتا تھا۔"

"پھر تم بھاگ نکلے؟"

"یہ کام میں نے سرحد عبور کرتے ہی کیا تھا۔ وہاں کھیت تھے اس لئے مجھے فرار میں آسانی رہی مگر میں اندھا دھند بھاگا تو سرحد سے دور نکل گیا اور خانہ بدوشوں کے ایک قبیلے کے ہتھے چڑھ گیا۔ میری زبان اور لباس

سے وہ پہلے ہی مشکوک ہو گئے تھے اور جب انہوں نے مجھ سے سوال جواب کئے تو میں اور بھی گھبرا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے قید کر لیا۔"

"قید کر لیا۔" میں نے غور کیا۔ "اس کا مطلب ہے وہ صحیح لوگ نہیں تھے ورنہ تمہیں پولیس کے حوالے کرتے۔"

"درست کہا آپ نے پورا قبیلہ جرائم پیشہ تھا، بچے تک پاکٹ مار اور راہ چلتی عورتوں سے پرس چھین کر بھاگ جاتے تھے۔ مرد چوریاں کرتے تھے اور عورتیں ان کے بارے میں کیا بتاؤں، وہ بے دھڑک گھروں میں گھس جاتی تھیں اور اپنے حسن و شباب کا چارہ ڈال کر اندر کا حال جان لیتی تھیں۔ بعد میں مرد کام کرتے تھے اور واردات کے بعد پورا قبیلہ فرار ہو جاتا تھا۔"

"اچھا وہ کیسے؟ ایک قبیلہ اتنی تیزی سے کیسے سفر کر سکتا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ان کے پاس ٹرک تھے، ان میں سارا سامان بھر کر راتوں رات میلوں دور پہنچا دیتے تھے۔ خالی جانور بھی تیزی سے سفر کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں کیوں قید کیا؟"

"دراصل میں نے ان کو مال مسروقہ سمیت فرار ہوتے دیکھ لیا تھا اور ان کو خطرہ لگا کہ میں پولیس کے ہاتھ لگا تو ان کے بارے میں بھی بک دوں گا۔ اس لئے وہ چوری کے مال کے ساتھ مجھے بھی باندھ کر لے گئے۔ انہوں نے شمالی انڈیا کا رخ کیا تھا اور ایک وادی میں آ کر رکے تھے۔"

"وادی، کنور خاندان کی وادی۔"

وسیم چونکا۔ "رائٹ، آپ کو کیسے پتا چلا؟"

میں نے سرد آہ بھری۔ "مقتل کو جو راستہ جاتا ہے، وہ یہاں سے گزرتا ہے۔ میں بھی وہیں سے آیا تھا، اب مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا ہے، قبائیلوں نے کنور محل پر حملہ کیا تھا تم بھی ان کے ہاتھ لگ گئے۔"

"بجا فرمایا پیر و مرشد!" وسیم نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ "میری خوش قسمتی یا بدقسمتی خانہ بدوش کنور محل کے پاس مقیم تھے اور اس کا اجازت نامہ نانک نام کے ایک بدمعاش سے دلوایا تھا جو خانہ بدوش حسیناؤں پر فدا تھا، وہ آیا تو باز پُرس کرنے لگا مگر ان کی عورتوں نے اس پر ایسی اُلو کی لکڑی پھیری کہ اس نے ان کو کنور کی زمینوں پر رکنے کا اجازت نامہ دلوا دیا۔"

"جانتا ہوں، اس خبیث آدمی کو۔ میرے ساتھ دو دو ہاتھ ہوئے تھے اور اس نے منہ کی کھائی تھی، آگے کیا ہوا؟"

"آپ نے بتا دیا ہے۔ ایک رات اچانک قبائیلوں نے حملہ کیا تو خانہ بدوش بوکھلا گئے، انہوں نے سمجھا کہ حملہ ان پر ہوا ہے۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال لئے۔ افراتفری میں مجھے فرار کا موقع مل گیا، میں نے ایک خانہ بدوش کا گلا دبا کر اس کا پستول لے لیا۔"

"مر گیا تھا وہ؟"

"میں مارنا تو نہیں چاہتا تھا مگر اس نے آخر وقت تک مزاحمت کی اور پھر مر گیا۔ بہر حال میں بھاگا اور

غلطی سے قبائلیوں کی طرف جا نکلا۔"

"انہوں نے تمہیں کنور خاندان سے متعلق سمجھ کر پکڑ لیا؟"

"بالکل درست۔ قبائلی سخت مشتعل تھے اور ایک دو تو مجھے مار ڈالنے پر بھی تل گئے تھے۔ مگر کچھ شرفا نے بچا لیا۔"

"سوال یہ ہے کہ تم وادی تک کیسے آئے؟ یہ ان قبائلیوں کا آبائی مسکن ہے مگر وادی کے لوگوں کا کنور خاندان کے جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کی جنگ تو ڈھلانوں پر آباد قبائلیوں سے ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتا تھا، راستے میں مجھے اور کچھ دوسرے قیدیوں کو خچروں پر باندھ کر یہاں بھیجا گیا تھا، بڑا مشکل سفر تھا۔"

"پھر تمہیں اس قید خانے میں ڈال دیا گیا؟"

اس نے سر ہلایا۔"میں بہت چیخا چلایا تھا، میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر وہ سننے اور ماننے والے لوگ نہیں تھے۔"

"تم نے فرار کی کوشش نہیں کی؟"

وہ ہنسا۔"کی تھی اور بہت بروقت کی تھی مگر پکڑا گیا۔"

"بروقت؟" میں نے سمجھنے کی کوشش کی۔

"اس رات کچھ گڑبڑ تھی۔ ہمارے قید خانے کا پہرے دار غائب تھا۔ مجھے ایک پرانا زنگ خوردہ فولادی تار مل گیا تھا۔ پہرے دار غائب ہوا تو میں نے اس تار سے کوشش کی اور دس پندرہ منٹ کی محنت کے بعد تالا کھل گیا۔ میں قید خانے سے نکل بھاگا۔ باہر نکلا تو افراتفری کا سماں تھا۔ بے شمار قبائلی وادی میں داخل ہوئے تھے اور وادی کے قبائلی بوکھلائے ہوئے تھے، میں نے وادی میں اترنے کے بجائے زیر زمین بستی سے نکل کر اوپر کا رخ کیا۔ ڈھلانوں پر جنگل چھپنے کے لئے بہترین جگہ تھی۔ وہاں سے میں قلعے کی دیواروں کی طرف جا نکلا۔ مجھے خیال آیا کہ میں کسی طرح ان کے پار جا اتروں تو یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ فصیل کے پار بہت گہری گھاٹی ہے۔ جیسے پرانے زمانے میں قلعوں کے باہر خندقیں بنائی جاتی تھیں۔"

"اس وقت مجھے کہاں پتا تھا۔ مجھے وادی تک رات کو لایا گیا تھا اور اس رات برف باری نہیں ہو رہی تھی۔ بہرحال میں کسی نہ کسی طرح اوپری دیواروں تک جا پہنچا۔ اس سے پہلے کہ میں باہر دیکھتا مجھے ہیلی کاپٹر کی آواز آئی۔ میں حیران ہوا تھا کہ اس علاقے میں ہیلی کاپٹر کہاں سے آ گیا میں نے قلعے کی فصیل سے جھانکا تو مجھے گھاٹی میں ایک گن شپ فضا میں معلق نظر آیا اور اس سے ذرا فاصلے پر معلق پل پر آپ کھڑے تھے۔ چاندنی اور گن شپ کی بیم لائٹ میں مجھے سب صاف نظر آ رہا تھا۔ پھر آپ نے جس طرح کا ردعمل ظاہر کیا اس سے مجھے لگا، آپ نشانے پر ہیں۔"

میں مسکرانے لگا۔"پھر تم نے کیا، کیا؟"

"کیا کرتا جناب! اللہ کا نام لے کر ایک پتھر اٹھا کر گن شپ پر لڑھکا دیا۔"

''وہ تم تھے؟'' میں نے گہری سانس لی۔ ''میں مستقل خلش میں تھا کہ میرا محسن کون ہے۔ میں نے تمہیں تلاش کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔''
''مجھے تو اپنی کارروائی کا نتیجہ دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ چند قبائلی اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے گرا کر بے بس کر دیا تھا۔ فرار کے ایک گھنٹے کے اندر میں پھر اپنے قید خانے میں تھا۔''
''لگتا ہے قدرت نے تمہیں صرف ایک پتھر لڑھکانے کے لئے رہائی کا موقع دیا تھا۔ جیسے ہی تم نے اپنا کام پورا کیا پکڑ کر دوبارہ اندر کر دیئے گئے۔''
''مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''بلکہ بعد میں تو مجھے یہ سب خواب لگا تھا۔ صبح سو کر اٹھا تو خاصی دیر تک اس فکر میں رہا کہ آپ کو سچ مچ دیکھا تھا یا کوئی ایڈونچر سے بھرپور خواب تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آپ یہاں کہاں؟''
''جہاں تم وہاں میں۔''
''آپ بتائیں، جناب کی تشریف آوری کیسے ہوئی یہاں تک؟''
''یہ لمبی داستان ہے؟'' میں نے سرنگ کے آخری سرے کو دیکھا۔ چلتے چلتے اچانک ہی سامنے دیوار آ گئی تھی۔ سومترا نے دیوار میں لگے ایک فولادی لٹو کو پکڑ کر کھینچا۔ اگلے ہی لمحے ہلکی سی آواز کے ساتھ دیوار سرک گئی اور باہر سے یخ بستہ ہوا کا جھونکا اندر آیا تھا۔ ہم سب ہی ایک لمحے کو لرز اٹھے تھے۔
''اتنی سردی!'' آشا نے منمنا کر کہا۔
''یہ ہوا چل رہی ہے۔'' سومترا بولی۔ ''چند دن پہلے گرنے والی برف باری کے بعد موسم اور سرد ہو گیا ہے۔''
میں نے سرنگ کے دہانے سے باہر جھانکا۔ ہم ایک چٹانی چھجے کے عین اوپر تھے اور کوئی دس بارہ فٹ بعد نیچے کھڑے ہونے کی جگہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے بعد بھی ڈھلان کچھ کم خطرناک نہیں تھی۔
''یہاں سے نیچے کیسے اتریں؟'' میں نے سومترا سے دریافت کیا۔ وہ ڈھنگ کے لباس میں تھی۔ اونی پاجامہ اور قمیص اور اس پر بھاری اونی جیکٹ تھی، سر پر ٹوپا اور پیروں میں مضبوط جوتے تھے۔ ظاہر ہے یہ سب باہر کے لئے تھا ورنہ اندرون خانہ وہ کم سے کم لباس کی قائل تھی۔
''فکر مت کرو۔ بائیں طرف سے راستہ ہے۔ تھوڑا سنبھل کر چلنا ہو گا۔ مگر محفوظ راستہ ہے۔''
مجھے کمار کی فکر تھی۔ یہ اس کے لئے مشکل راستہ تھا۔ ''گاڑی کہاں ہے؟''
''ذرا آگے، ہمیں ایک فرلانگ پیدل چلنا ہو گا۔''
''کمار کی حالت ایسی نہیں ہے۔''
''مجبوری ہے۔'' سومترا نے بے پروائی سے جواب دیا۔
''گاڑی یہاں تک نہیں آ سکتی؟''
''مشکل ہے۔'' وہ بولی۔
''میرے ساتھ چلو۔'' میں نے علاقے کا جائزہ لیا۔ ''دیکھو، مشکل کیسے آسان ہوتی ہے۔''

ہم دونوں باقی لوگوں کو چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ واقعی بائیں طرف سے اترنے کا راستہ تھا اور آدمی احتیاط کرے تو مشکل بھی نہیں تھا۔ میں ڈھلان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس پر کوئی فور وہیل ڈرائیو سفر کر سکتی تھی جس کے ٹائر اچھی حالت میں ہوں۔ میں نے ذرا آگے نکل کر پلٹ کر دیکھا۔ اوپر وادی کی برف پوش فصیل دکھائی دے رہی تھی۔ ہم وادی کے دائیں طرف یعنی مشرق کی سمت نکلے تھے۔ اور مجھے جنوب کی طرف نہ تو فصیل نظر آ رہی تھی اور نہ ہی گھاٹی۔ یعنی ہم اس جگہ سے بہت دور تھے۔ چاند کی ہلکی روشنی میں یہ سارا منظر واضح تھا۔ اس جگہ بھی برف پڑی تھی مگر اس کی مقدار کم تھی۔ شمال کی طرف سے فراٹے بھرتی سرد ترین ہوا چل رہی تھی۔ میں نے سومترا سے پوچھا۔ ”کیا یہ علاقہ فوجیوں سے محفوظ ہے؟“

”یہ وادی کا عقبی حصہ ہے اور کوئی اس طرف آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اوپر سے پہاڑی ناقابلِ عبور ہے اور سامنے کی جانب سے گھوم کر آنے میں بہت لمبا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کوئی اس طرف نہیں آتا، وادی کے لوگ بھی نہیں۔“

”پہاڑوں میں سرنگ بنانے کا خیال کیسے آیا؟“

”پتا نہیں۔ یہ سرنگ تو پتاجی کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہے۔ اسے یقیناً برسوں لگے ہوں گے۔ ہاتھ سے تراش کر اسے بنایا گیا ہے۔“

”بے حد محنت کا کام ہے مگر جن لوگوں نے یہ سرنگ بنائی ہوگی، انہوں نے اسے راز بھی رکھا۔“

”میں نے کہا نا مجھے یہ سب نہیں معلوم، سرنگ نامعلوم مدت پہلے بنی تھی۔“ اس نے جواب دیا۔ ”گاڑی اس جگہ ہے۔“

سومترا نے ایک چکنی مٹی سے بنے گھروندے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس کے سامنے لکڑی کا مضبوط گیٹ لگا تھا اور اسے کیموفلاج کرنے کے لئے آس پاس کثرت سے جھاڑیاں اور بیلوں والے پودے لگائے گئے تھے۔ یہ جگہ ان کی وجہ سے بھی نمایاں ہو رہی تھی کیونکہ آس پاس کہیں پر بھی اتنی جھاڑیاں نہیں تھیں۔ سومترا کے پاس گیٹ پر لگے تالے کی چابی تھی۔ اس نے تالا کھولا، اندر سیاہ رنگ کی ایک لینڈ روور جیپ کھڑی تھی۔ میں نے کور اتارا۔

”اس کی چابی کہاں ہے؟“

”اس کچھے میں۔“ اس نے گیٹ کے تالے کی چابی میری طرف بڑھائی۔

میں نے اندر بیٹھ کر دیکھا، لائٹ آن ہوگئی تھی اس کا مطلب تھا کہ بیٹری کام کر رہی تھی، یہ لوگ شاید اسے ورکنگ کنڈیشن میں رکھتے تھے۔ میں نے سیلف گھمایا۔ انجن نے جھرجھری لی۔ وہ سردی سے بھی یخ بستہ ہو رہا تھا۔ لگاتار سیلف مارنے پر اس نے بالآخر آواز نکالی اور کسی درندے کی طرح غرانے لگا جیسے خراب خرگوش سے بیدار کر دیا ہو۔ سومترا نے پوچھا۔ ”اسے اوپر تک لے جاؤ گے؟“

اتنی دیر میں، مَیں سوچ چکا تھا، جیپ اوپر تک جا سکتی تھی لیکن اس میں کمار کو بہت جھٹکے سہنا پڑتے اور اس کے زخم سے خون کا رساؤ تیز ہو جاتا اس لئے جیپ ممکن حد تک ہموار راستے کے پاس لے جا کر اسے اوپر سے پیدل لایا جاتا۔ میں نے جیپ باہر نکالی۔ سومترا نے گیٹ بند کر کے اسے پھر سے لاک کر دیا۔ وہ میرے برابر

میں آ بیٹھی۔ ''مس سومترا! تمہیں ہائی وے تک کا راستہ پتا ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ''کوئی چار کلو میٹر کے بعد ہمیں ایک سڑک ملے گی۔ باقی تم نقشے کی مدد سے خود سمجھ لینا۔''

''مس سومترا! تمہارا وہ اندازِ محبوبی کیا ہوا؟'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''اتنے سپاٹ سے لہجے میں بات کر رہی ہو۔''

''شاید تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے شکایتی لہجہ اختیار کیا۔

''اگر میں کہوں کہ میں تمہارے حسن اور ناز و ادا سے متاثر نہیں ہوا تو یہ سفید جھوٹ ہوگا۔ دنیا کا کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو حسین عورت سے متاثر نہ ہوتا ہو۔ البتہ متاثر ہونے کے طریقے ہوتے ہیں۔ بعض کے لئے عورت ایک حسین پھول کی طرح ہوتی ہے جسے کھلتے دیکھنا ہی خوش کن ہوتا ہے اور بعض کے لئے عورت استعمال کی چیز ہوتی ہے۔''

''تم ان میں سے ہو جو پھول کو شاخ پر دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔'' اس نے طنز کیا۔

''ہاں، میرے لئے اس سے آگے جانا یا سوچنا بھی محال ہے کیونکہ میں جس ماحول میں پلا بڑھا ہوں، وہاں عورت ایک رشتہ ہوتی ہے۔ وہ ماں ہوتی ہے، بہن، بیٹی یا بیوی ہوتی ہے۔''

میں نے جیپ روک دی۔ یہ خاصی بڑی جیپ تھی، تین افراد اس کی اگلی نشستوں پر اور چار افراد بڑے آرام سے اس کی عقبی نشست پر آ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عقبی حصے میں بھی جگہ تھی۔ میں نے اترتے ہوئے اس سے کہا۔ ''تم یہاں رکو، میں ان کو لے کر آتا ہوں۔''

اب سرنگ کے دہانے تک کا فاصلہ نصف فرلانگ رہ گیا تھا۔ میں وہاں پہنچا۔ آشا کمار کے زخم کی پھر سے پٹی کر رہی تھی۔ میں نے زخم کا معائنہ کیا۔ گولی عضلات کو پھاڑتی گزرتی گئی تھی۔ زخم سے لگ رہا تھا کہ آنتوں یا کسی اہم عضو کا نقصان نہیں ہوا تھا اور خون رک گیا تھا اس لئے کمار کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا، اسے میں نے بیتو کے ساتھ مل کر سہارا دیا۔

''شہباز!'' کمار نے آہستہ سے کہا۔ ''ان بہن بھائی پر اعتبار مت کرنا۔''

''میں سمجھتا ہوں کمار...... مگر فی الحال ہمارے پاس ان پر انحصار کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ فوج وادی میں ہے اور اسے ہماری تلاش ہوگی، ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا لازمی ہے۔''

''ایک خدشہ اور ہے۔'' وسیم بولا۔ ''اگر راج پکڑا گیا تو آرمی والے اس سے ہمارے بارے میں اگلوا سکتے ہیں، اس کے بعد وہ ہمیں سیدھا اس جگہ آ کر گرفتار کر لیں گے۔''

''خطرہ تو یہ بھی ہے کہ وہ سرنگ دریافت کر لیں اور اس کے بعد ہمارا تعاقب کریں۔'' میں نے کہا۔

ویسے میرے ذہن میں بھی یہی تھا کہ ہمیں راج کی بنائی ہوئی جاگیر کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ مگر ابھی یہ طے کرنا قبل از وقت ہوتا کہ ہم کہاں جائیں۔ پہلا مرحلہ تو اس جگہ سے نکلنے کا تھا۔ ہم جیپ تک آئے، عقبی نشست پر بیتو اور وسیم کمار کو سنبھال کر بیٹھ گئے تھے جبکہ سومترا اور آشا ایک ساتھ آ گئی تھیں، میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ بند جیپ میں سردی کی شدت کم تھی۔ اس کے باوجود ہیٹر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے

ہیٹر آن کرنے سے پہلے سومترا سے پوچھا۔ ''اضافی ایندھن ہے؟''

''پیچھے دس دس گیلن کے دو کین، رکھے ہیں۔''

ہیٹر آن ہوا اور چند منٹ میں اس نے جیپ کے کیبن کو خوشگوار حد تک گرم کر دیا تب سب کی جان میں جان آئی۔ پہاڑی راستہ بے حد خراب تھا اور اگر میں فور وہیل ڈرائیو گیئر نہ استعمال کر رہا ہوتا تو جیپ نہیں چل سکتی تھی۔ چار کلو میٹر کا فاصلہ پورے ایک گھنٹے میں طے ہوا تھا اور سب کا حشر ہو گیا تھا، دھکوں اور جھٹکوں سے۔ مجھے کمار کی فکر تھی، وہ زخمی تھا اور لازمی بات تھی اس کا زخم متاثر ہوا تھا مگر وہ ہمت کر کے چپ تھا۔ پھر ہم ایک خستہ حال سڑک تک پہنچے۔ مشرق سے روشنی نظر آنے لگی تھی۔ صبح قریب تھی اور پوری طرح روشنی ہونے سے پہلے پہلے ہمارا اس علاقے سے نکل جانا لازمی تھا۔ اگلے ایک گھنٹے تک میں پوری توجہ سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا اور جس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا، میرے اندازے کے مطابق ہم وادی سے کوئی بیس پچیس میل دور آ گئے تھے۔

''شہباز صاحب!'' وسیم نے عقب سے کہا۔ ''کمار کی حالت اچھی نہیں ہے۔ خون ابھی بھی رِس رہا ہے اور اسے بخار بھی ہو گیا ہے۔''

''اس ویرانے میں ہم کیا کر سکتے ہیں یار!'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''تم لوگ خون روکنے کی کوشش کرو۔''

بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''آپ جیپ روکو جی، میں کچھ بُوٹیاں تلاش کر کے لاتا ہوں۔ اس سے خون رک جائے گا اور بخار اتر جائے گا۔''

ہم خطرے سے محفوظ فاصلے پر نکل آئے تھے اس لئے میں نے رک جانے میں حرج نہیں سمجھا ویسے بھی دو گھنٹے کے سفر نے سب کا برا حال کر دیا تھا۔ میں نے جیپ سڑک کے کنارے روک لی اور سومترا سے کہا۔ ''وہ نقشہ نکالو، جس کا ذکر تمہارے بھیا نے کیا تھا۔''

اس نے بریف کیس کھولا اور اس کا ڈھکن ذرا سا اوپر کر کے اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا نقشہ نکالا، اس نے کوشش کی تھی کہ کسی اور کو اندر موجود چیزوں کا پتا نہ چلے۔ مگر میں نے تہہ در تہہ نوٹوں کی گڈیاں دیکھ لی تھیں۔ یہ بھارتی کرنسی تھی، اس نے نقشہ مجھے تھما دیا۔ میں نے اسے اسٹیئرنگ پر پھیلایا۔ یہ پورے شمالی بھارت کا تفصیلی نقشہ تھا، کشمیر سے لے کر ہماچل پردیش تک کا۔ میں نے سومترا سے پوچھا۔

''وادی کہاں ہے اس میں؟''

اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھی اور بولی۔ ''یہ ہے وادی۔''

میں نے غور کیا۔ ''ہم مشرق کی طرف تھے۔ یہ ہے سڑک جس پر ہم سفر کر رہے ہیں۔ یہ جنوب مشرق کی طرف مڑ رہی ہے، تمہاری جاگیر کہاں ہے؟''

جگہ کی نشاندہی کے بہانے سومترا مجھ پر لد گئی تھی۔ اپنے نرم گرم اور گداز بدن کو مجھ میں پیوست کرتے ہوئے اس نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''یہ ہے ہماری جاگیر، اس جگہ سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔''

''اسے چار سو میل سمجھو۔ یعنی ہم رات سے پہلے کسی صورت وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ رات کہیں رکنا ہو گا۔ تمہارے علم میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کمار کو طبی امداد مل جائے؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں صرف ایک بار گئی ہوں جاگیر پر اور میں نے زیادہ غور نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ تم خود قابلِ غور ہو، ذرا پیچھے ہو کر بیٹھو۔'' میں نے نقشہ تہہ کیا۔

''اتنی بری تو نہیں ہوں میں۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور ذرا پیچھے ہو گئی۔ وسیم اور بیتو جڑی بوٹیوں کی تلاش میں گئے تھے اور آشا پیچھے کمار کو سنبھال رہی تھی۔ وہ نیم غشی میں تھا۔ میں نے ذرا پیچھے ہو کر اس کی نبض دیکھی جو بخار کی وجہ سے کسی قدر تیز ہو رہی تھی۔ آشا اسے پانی پلا رہی تھی۔

''اسے علاج کی ضرورت ہے۔'' آشا نے میری طرف دیکھا۔

''دیکھو، بیتو گیا ہے کوئی بوٹی لانے۔ اگر وہ ناکام رہا تو ہم اسپتال یا کسی ڈاکٹر کو تلاش کریں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''یہ اس کے لئے کچھ زیادہ ہی فکرمند نہیں ہو رہی؟'' سومترا نے میرے کان میں معنی خیز سرگوشی کی۔

''تو تمہیں اس سے کیا؟'' میں نے کان میں انگلی گھمائی۔

وہ ہنسی۔ ''مجھے کچھ نہیں ہے۔''

بیتو اور وسیم کوئی نصف گھنٹے بعد آئے اور ان کے ہاتھ خالی تھے۔ بیتو نے مایوسی سے کہا۔ ''وہ بوٹی کہیں نہیں ملی۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہم کمار کو کسی اسپتال لے چلتے ہیں۔'' میں نے جیپ اسٹارٹ کی۔

''ایسا کرنا خطرناک ہوگا۔'' سومترا بولی۔ ''یہ گولی کا زخم ہے، پولیس آجائے گی اور مسئلہ بن جائے گا۔''

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

نقشے کے مطابق یہ سڑک آگے جا کر دو حصوں میں بٹ جاتی تھی۔ ایک جنوب میں انڈیا کے میدانوں کا رخ کرتی تھی اور دوسری مشرق میں پہاڑی علاقوں کی طرف جاتی تھی، ہمیں مشرق کا رخ کرنا تھا۔ مطلوبہ موڑ نصف گھنٹے بعد آگیا اور اس سڑک پر کئی آبادیاں تھیں۔ ان میں ایک بڑا قصبہ تھا جس کا نام جلی حروف میں لکھا تھا وریام نگر۔ یہ دوشاخہ کے مقام سے کوئی پچاس میل کے فاصلے پر تھا اور مجھے امید تھی وہاں کوئی اسپتال نہ سہی، ڈاکٹر ضرور مل جائے گا۔ سومترا نے ایک بار پھر مجھے قائل کرنے کی کوشش کی۔ ''ڈاکٹر سے رابطہ ہمارے لئے مصیبت بن جائے گا۔ وہ فوراً پولیس کو مطلع کر دے گا، یہی کام ہم جاگیر پر جا کر بغیر کسی خطرے کے کر سکتے ہیں۔''

''اس کی حالت دیکھ رہی ہو، اگر ہم نے لگاتار بھی سفر کیا تو پندرہ گھنٹے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکیں گے، یہ مر جائے گا۔''

''شہباز!'' عقب سے کمار نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پولیس کا خطرہ ہے۔ بہتر ہوگا تم کہیں سے مرہم پٹی کا سامان اور دوائیں لے لو، زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔''

کمار کی بات درست تھی۔ ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے یہ کام ہم بھی تو کر سکتے تھے۔ میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ہم سب ہی بھوکے تھے۔ جیپ میں صرف پانی تھا۔ رات بھر کے ہنگاموں اور بھاگ دوڑ نے جوڑوں کو ہلا دیا تھا، اوپر سے پہاڑی علاقے میں ڈرائیونگ میرا دل چاہ رہا تھا کہ جیپ روک کر سر اسٹیئرنگ پر رکھوں

اور سو جاؤں۔ مگر ڈرائیو مجبوری تھی۔ وریام نگر سے امید تھی کہ دواؤں کے ساتھ کھانے پینے کو بھی مل جائے گا۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز صاحب، آپ پیچھے آ جائیں، میں ڈرائیو کرتا ہوں، آپ آرام کرلیں۔''

''تم نے دل کی بات کہی، آج یہ اچھا لگا۔'' میں نے جگجیت سنگھ کی زبان میں شکریہ ادا کیا اور اتر کر پیچھے آ گیا وسیم جیپ چلانے لگا۔ کمار ہوش میں تھا اور خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کا سانولا چہرہ بخار سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کسی بھی آبادی میں داخل ہونے سے پہلے جائزہ لے لینا۔ پولیس نے ناکا بندی نہ کر رکھی ہو۔ اتنے بڑے آپریشن کے بعد آس پاس کے علاقوں کی پولیس چوکنا کر دی گئی ہوگی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا اور وسیم سے کہا کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے ذرا محتاط رہے۔

''آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے کہا۔

اس کے باوجود پولیس کا ناکا اتنا اچانک نمودار ہوا تھا کہ ہم کچھ کر ہی نہیں سکے۔ ایک ٹیلے پر سے جیپ گھومی اور ایک پولیس جیپ اچانک سامنے آ گئی۔ وسیم نے بریک لگائے تو ہم سب ہل کر رہ گئے تھے۔ دو عدد سپاہی اپنی پرانی وضع کی بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ دو سو بارہ کہلانے والی یہ بندوقیں ہر فائر کے بعد لوڈ کرنا پڑتی تھیں یعنی جتنی دیر میں ایک آٹومیٹک رائفل اپنا میگزین خالی کر دیتی ہے، یہ صرف ایک فائر کرتی تھیں۔ مگر دو معاملات میں یہ آج کے جدید ترین اسلحے پر فوقیت رکھتی ہیں۔ ایک تو ان کی مار جو سات آٹھ سو گز تک ہوتی ہے اور دوسرے ان کی درستگی۔ یہی وجہ ہے جب جدید ترین اسلحے سے لیس ڈاکو کہیں پولیس کے نرغے میں آتے ہیں تو مارے جاتے ہیں۔ پولیس اپنی کمین گاہوں سے دور سے ان کا شکار کر لیتی ہے اور یہ کچھ نہیں کر پاتے کیونکہ ان کے اسلحے کی رینج نہیں ہوتی۔

''کوئی مزاحمت نہ کرے۔'' میں نے کہا اور جیپ سے اتر گیا۔

پولیس جیپ کے ساتھ تین سپاہی اور ایک حوالدار تھا جو ظاہر ہے باس تھا اور اس کی شان کے خلاف تھا کہ وہ جیپ سے نیچے آئے۔ میں نے انگریزی میں کہا۔ ''کیا مسئلہ ہے، ہمیں کیوں روکا ہے؟''

''انگریجی مت بھونک۔'' حوالدار نے غرا کر کہا اور اپنی توند سے پھسل جانے والی سرکش پتلون کو اوپر کیا۔ وہ پستہ قد اور مال حرام سے بھرا ہونے کی وجہ سے پھولا ہوا تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''نام کیا ہے تمہارا؟''

''ڈاکٹر ارجن ورما۔'' میں نے روانی سے کہا۔

''اچھا ڈاکٹر صاحب، اندر کون ہے؟''

''میری پتنی، سالی، سالا اور ہمارے دو ملازم ہیں، ان میں سے ایک زخمی ہو گیا ہے۔ شکار کے دوران اسے چوٹ آئی تھی، اب اسے اسپتال لے جا رہے ہیں۔''

''اچھا، گاڑی کے کاغذات دکھاؤ، اپنے کاغذات بھی۔''

''گاڑی کے کاغذات ہیں، مگر ہمارے کاغذات افراتفری میں جنگل میں گر گئے...... سب ایک بیگ میں تھے، پیچھے ہم ایک ملازم چھوڑ آئے ہیں، جو بیگ تلاش کر کے لائے گا۔''

میں نے ڈیش بورڈ سے کاغذات نکال کر اسے دیئے۔ حوالدار صورت سے جاہل اور بے وقوف نظر آتا تھا مگر درحقیقت پڑھا لکھا اور کائیاں تھا، وہ میری انگریزی سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا، اس نے کہا۔ ''گاڑی تو کسی

راج سنگھ کی ہے۔"

"درست، راج سنگھ مقامی یونین کونسل کا ممبر ہے اور میرا دوست ہے۔ کیا تمہیں اعتراض ہے، میں نے اپنے دوست کی گاڑی کیوں استعمال کی ہے۔" میں نے ذرا برہمی سے کہا۔

"ڈاکٹر جی! آپ بلاوجہ ناراض ہو رہے ہیں۔" اس نے مکاری سے کہا۔ "آپ کے پاس لائسنس نہیں ہے اور گاڑی بھی آپ کے نام نہیں ہے پھر آپ کی بات کیسے مانی جائے۔"

حوالدار بڑی خوفناک قسم کی شدھ ہندی بول رہا تھا اور اس کی بات سمجھنے کے لئے مجھے مغز ماری کرنا پڑ رہی تھی۔ قارئین کی خدمت میں اس کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم بڑی غلط پوزیشن میں تھے۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا جو گاڑی کے اندر تھا مگر تلاش میں برآمد ہو جاتا۔ خود میری جیب میں پستول تھا۔ ہم پولیس والوں سے الجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ پولیس والوں کو تین چیزوں سے قائل کیا جا سکتا تھا۔ زبان، زور اور زر سے۔ ان میں پولیس والے سب سے زیادہ زر کی زبان سمجھتے ہیں مگر میری جیب خالی تھی اور باقی لوگوں کے پاس بھی رقم کی موجودگی خارج از امکان تھی۔

"او کے، حوالدار! اب تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے نرمی سے کہا۔ "ہمارا کیش بھی اس بیگ میں تھا جو گم ہو گیا۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "سب اسی میں تھا جی، تو باقی کیا بچا؟"

میں پلٹ کر جیپ کی طرف آیا اور کھڑکی سے جھانک کر سومترا سے کہا۔ "ان لوگوں کا منہ بند کرنا ہے۔"

"میرے پاس رقم ہے۔" وہ نروس لہجے میں بولی۔

مگر نقد رقم کی موجودگی میرے خیال میں حوالدار کو اکسا سکتی ہے، میں نے سومترا کے ہاتھ میں سونے کا چھلا دیکھا۔ "اس سے کام چل جائے گا۔"

بادل ناخواستہ اس نے مجھے چھلا پکڑا دیا اور میں حوالدار کو ایک طرف لے گیا۔ "دیکھو یار، ہم تھکے ہوئے اور پریشان ہیں۔ تم ہمیں تھانے لے جاؤ گے وہاں خواہ مخواہ دو تین گھنٹے ضائع ہوں گے۔ پھر ہمارے نوکر کو طبی امداد کی ضرورت بھی ہے اس لئے بات ختم کرو۔" میں نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی دبا دی۔ "تمہاری بیوی کے لئے ہماری طرف سے تحفہ۔"

سونے کا لمس اس نے دیکھے بغیر جان لیا تھا، وہ مسکرایا۔ "اس بھینس کی بچی کو کہاں آئے گی یہ؟"

"چلو کوئی بات نہیں، کوئی نازک انگلی والی تلاش کر لینا۔ ویسے کوئی نہ کوئی تو ہو گی؟"

"خوب خبر ہے ڈاکٹر جی!" وہ مسکرایا اور انگوٹھی جیب میں ڈال لی پھر اس نے مقامی زبان میں سپاہیوں کو پولیس جیپ ہٹانے کا حکم دیا۔

"یہ چکر کیا ہے آخر؟"

"کچھ نہیں جی، آگے بھارتی سینا باغیوں کے خلاف لڑ رہی ہے اس لئے ادھر آنے والوں کو چیک کرنے کا آرڈر ہے۔"

"باغی!" میں نے حیرت سے کہا۔ "میری اطلاع کے مطابق ادھر بھارت کے خلاف کوئی موومنٹ نہیں

ہے۔"

"کشمیری ہیں جی! پہاڑ پار کر کے ادھر ٹھکانے بنا لئے تھے، ان کو مار رہی ہے ہماری سینا۔"

میں اس سرکاری جھوٹ پر دم بخود رہ گیا تھا، اپنے قبائل کو مار کر وہ اسے کشمیریوں کے خلاف آپریشن قرار دے رہے تھے بہر حال ایسے ہی جھوٹ میرے ملک میں بھی پورے اعتماد سے بولے جاتے ہیں۔ اس لئے جلد خود پر قابو پالیا۔ حوالدار کے اشارے پر جیپ ہٹتے ہی میں نے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔ حوالدار لالچی اور بے وقوف آدمی تھا ورنہ ہم مشکل میں پڑ جاتے مگر یہ پہلا مرحلہ تھا۔

"خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔" وسیم نے میرے خیال کی تائید کی۔ "آگے بھی ایسی ہی چوکیاں ہوں گی۔ ہم ہر جگہ اس طرح رشوت دے کر نہیں بچ سکتے۔"

"بہتر ہے ہم کہیں عارضی پناہ لے لیں۔" میں نے کہا۔ سڑک اب پستی کی طرف جا رہی تھی۔ اس علاقے میں برف نہیں تھی اور جنگل بھی ہرے بھرے تھے، کہیں کہیں لوگ مویشی چراتے یا کھیتوں میں کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے دور ایک آبادی کی جھلک نظر آئی، یہ شاید وریام نگر تھا۔ میں نے گاڑی آبادی سے ذرا دور روک دی تھی۔

"یہ وریام نگر ہی ہے۔" سومترا نے تصدیق کی۔ "وہ دیکھو۔ وہ سرخ چھت والا اسٹوپا نظر آ رہا ہے۔ وہ بدھسٹوں کی عبادت گاہ ہے۔"

"قصبہ سڑک سے ہٹ کر ہے۔" میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ "ذرا دور ہے۔ ہائی وے پر آبادی نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، قصبے کے داخلی راستے پر پولیس چوکی ممکن ہے؟"

"شاید، اس لئے میں کہہ رہی ہوں، ہمیں سیدھا چلنا چاہئے۔ اس علاقے سے جلد از جلد نکل جانا چاہئے۔" سومترا نے حسبِ معمول کہا۔

"کمار کو طبی امداد کی ضرورت ہے۔" میں نے جیپ ایک طرف روک دی۔ "میرا خیال ہے ہم میں سے کسی کو پیدل جانا چاہئے۔"

"کون جائے گا؟" سومترا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے میں۔"

"تم پکڑے جاؤ گے۔ اس علاقے میں سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں دوسرے راستے سے بھی جا سکتا ہوں اور میں سیاح بھی ہو سکتا ہوں۔ میں یہاں سے گزرنے والا کوئی مسافر بھی ہو سکتا ہوں، جس کی گاڑی یہاں خراب ہو گئی ہو۔"

میں نے وسیم سے کہا کہ جیپ کو ذرا آگے لے جائے تاکہ یہ سڑک پر دور سے نظر نہ آئے اور خود پیدل چل پڑا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے واپس آ کر سومترا سے کہا۔ "مجھے رقم کی ضرورت ہے۔"

اس نے بریف کیس سے ایک گڈی نکال کر مجھے دی۔ "سوری! مجھے خیال نہیں رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے گڈی جیب میں ٹھونس لی۔

پولیس چوکی مجھے سڑک کے آغاز پر نظر آئی، اس میں دو سپاہی تھے، بے حد مسکین اور شریف قسم کے۔ انھوں نے نہایت شرافت سے مان لیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور پیچھے میری گاڑی کا انجن گرم ہو گیا ہے اور میں کچھ کھانے پینے کا سامان لینے آیا ہوں۔ انہوں نے میری رہنمائی کی کہ قصبے کا بازار کس طرف ہے۔ یہ خاصا بڑا قصبہ تھا، اس کی آبادی دس ہزار کے آس پاس تھی۔ اچھی قسم کے مکانات، بنگلے اور سمر ہاؤس تھے۔ یعنی یہ کھاتے پیتے لوگوں کا قصبہ تھا۔ ممکن ہے شہر کے امراء کے مکانات ہوں جو گرمی میں اس علاقے کا رخ کرتے ہوں گے۔ میں نے سومترا سے پوچھا نہیں تھا، میرا اندازہ تھا کہ ہماچل پردیش یا اتر پردیش کی ریاست کا حصہ تھا۔ ممکن ہے کسی نئی ریاست کا حصہ ہو۔ بھارت میں آئے دن صوبہ سازی ہوتی ہے اور میری معلومات کی حد تک آزادی کے بعد سے اب تک بھارت ملنے والے آٹھ صوبوں کے تینتیس صوبے بنا چکا تھا۔ اس کے مقابلے میں ہم نے ایک کم کر لیا تھا اور اس پر خدا کا شکر بھی ادا کیا تھا۔

قصبے کا بازار دور نہیں تھا اور تمام ہی دکانیں کھل گئی تھیں۔ میں نے سب سے پہلے ایک بیکری کا رخ کیا۔ وہاں سے دودھ کے ڈبے، ڈبل روٹی اور مکھن لیا۔ بیکری کا مالک شاید نیپالی تھا اور ہم نے بغیر بات کیے سودا خوش اسلوبی سے کر لیا۔ مسئلہ مجھے آگے ایک سر منڈے لالے کی دکان پر ہوا تھا۔ اس کی برتنوں کی دُکان تھی۔ میں نے کپوں، پلیٹوں کا مطالبہ کیا۔ جواب میں اس نے مقامی زبان میں گڑگڑا کر کچھ کہا۔ میں نے اشاروں سے کام چلایا۔ اس سے دو پلیٹیں مانگیں اس نے دو درجن پلیٹیں میرے سامنے رکھ دیں۔ میں نے اس میں سے صرف دو پلیٹیں نکالیں تو اس نے خفا ہو کر گڑگڑاتے ہوئے وہ پلیٹیں مجھ سے واپس لے لیں۔ غالباً اس کا مطلب تھا کہ خالی دو نہیں ملتیں پورا سیٹ لینا پڑتا ہے۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے اس سے صرف تھرماس لے لیا۔

ہوٹل کئی تھے۔ میں ایک نسبتاً معقول نظر آنے والے ہوٹل میں داخل ہوا۔ کاؤنٹر پر ایک خان کو پا کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ میں نے تپاک سے کہا۔ ''السلام علیکم!''

''آداب!'' اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''میں مسلمان نہیں ہوں۔''

میرا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ''جب نہیں ہو تو نظر کیوں آتے ہو؟''

''میں سرحد کا ہندو ہوں راج کپور فیملی کی طرح۔ میرا باپ دیش بٹنے سے یہاں آیا تھا۔''

''مجھے چائے اور کچھ برتن چاہئیں۔ تین چار پلیٹیں اور چھ عدد اچھے والے کپ، دو تین چمچ۔''

''مل جائیں گے پیسے رکھوا دینا۔''

اس لمحے میری ناک نے حلوہ پوری کی خوشبو سونگھی۔ میں نے اس سے حلوہ پوری اور چھولے کا سالن پیک کرنے کو کہا۔ ''جب تک میں میڈیکل اسٹور سے ہو آتا ہوں، یہاں کوئی میڈیکل اسٹور ہے؟''

''اس لائن میں آگے جاؤ، دائیں طرف دوسری گلی میں ہے۔''

میڈیکل اسٹور بڑا نہیں تھا مگر اس سے مجھے مرہم پٹی کا سامان اور تمام ضروری ادویات مل گئی تھیں، میں واپس ہوٹل آیا۔ سارا سامان تنکوں کی ایک ٹوکری میں تیار تھا اسے لے کر میں واپس چل پڑا۔ ابھی میں چوکی سے کچھ دور تھا کہ میں نے وہاں ایک پولیس جیپ کے ساتھ اپنی جیپ کھڑی دیکھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں ان کو دور چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ از خود یہاں نہیں آ سکتے تھے۔ غالباً پولیس ان کو پکڑ لائی تھی۔ اگر ان کے پاس سے اسلحہ نکل آیا

تھا تو معاملہ سنگین ہو گیا تھا۔ میں فوری طور پر ایک گلی میں ہو گیا، پولیس چوکی پر ان لوگوں کو پتا چل گیا ہو گا کہ میں قصبے میں ہوں اور اب وہ میری تلاش کرتے تو مجھے پکڑ لینا بھی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک دس بارہ سال کا بچہ چوکی سے اس طرف آیا جہاں میں چھپا تھا۔ میں نے اچانک اسے روکا تو وہ نروس ہو گیا۔ میں نے پیار سے اور نرمی سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے بیٹے؟''

''لکشمی!'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

میں نے اسے ایک نوٹ دیا۔ ''تم اچھے لڑکے لگتے ہو، یہ بتاؤ کہ چوکی پر پولیس کسے پکڑ لائی ہے؟''

نوٹ پا کر لڑکے کا رہا سہا خوف بھی دور ہو گیا۔ ''جی چور ہیں، کسی اور کی گاڑی چرا کر جا رہے تھے، پولیس سب کو تھانے لے جا رہی ہے۔''

''اچھا صرف چور ہیں ڈاکو نہیں ہیں، ڈاکوؤں کے پاس تو ہتھیار بھی ہوتے ہیں۔''

''نہیں جی، ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''میرے سامنے انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ ان کے پاس سے کچھ نہیں ملا ہے۔''

''یہ انسپکٹر کون ہے؟''

''آپ نہیں جانتے جی؟'' اس نے تعجب سے کہا۔

''میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں، باہر سے آیا ہوں۔''

''ٹھاکر جی کے پاس۔ کل ان کے ہاں مہمان آئے تھے۔'' لڑکے نے ایک خوبصورت ولا کی طرف دیکھا۔ جس پر کھپریل کی گلابی چھت تھی۔ میں سمجھ گیا یہی ٹھاکر کی رہائش گاہ تھی۔

''ہاں بیٹا، اب تم انسپکٹر کا نام بتاؤ۔''

''مدھو موہن۔'' اس نے کہا۔ ''بہت ذلیل آدمی ہے، ایک بار پتا جی کو بلا وجہ مارا تھا۔''

''اچھا، یہ ان کو تھانے لے جائے گا، تھانہ کہاں ہے؟''

''یہ اس سڑک پر آگے جا کر۔'' لڑکے نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر بولا۔ ''مجھے جانے دیں جی، ماتا جی ماریں گی۔''

میں نے دیوار سے جھانک کر دیکھا۔ ہماری جیپ پولیس جیپ کے ساتھ آ رہی تھی اور اسے ایک پولیس والا ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ میرے پاس سے گزری تو میں نے دیکھا اس میں صرف سومترا، آشا اور کمار تھے۔ بیتو اور وسیم غائب تھے۔ وہ دونوں کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے متفکر ہو کر سوچا۔ عین ممکن ہے انہوں نے پولیس کو آتے دیکھ لیا ہو اور جنگل میں روپوش ہو گئے ہوں۔ پولیس والے جیپ اور ان تینوں کو لے آئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے کہ ایک دھوتی اور صدری پوش نے مجھے ٹہوکا دیا۔

''اجی ایسے یہاں کیا کرتے ہو، کون ہو تم؟''

وہ جوکروں جیسے چہرے والا ادھیڑ عمر شخص تھا۔ اس نے گول شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی اور تھیلا بتاتا تھا، وہ شاپنگ کر کے آ رہا تھا۔ ''تم کون ہوتے ہو یہ پوچھنے والے؟''

''ہم مادھو ہیں جی اور یہ ٹھاکر جی کی جگہ ہے۔''

"ٹھاکر......کون ٹھاکر؟"

"ٹھاکر رائے مان سنگھ جی!"

"اچھا......اُن سے تو میری بچپن کی یاری ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"یاری!" وہ اچھلا تھا۔ "ٹھاکر جی عمر میں تم سے دوگنے ہیں۔"

"میں نے کہا نا، بچپن سے یاری ہے، میرے بچپن سے۔"

"میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے شکی لہجے میں کہا۔

"تم نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ یہ بتاؤ، کبھی گینڈا دیکھا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گینڈا!" وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

"کبھی شیر دیکھا ہے، اچھا ایفل ٹاور یا انڈیا گیٹ دیکھا ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو جی!" اس نے جز بز ہو کے کہا۔ "میں آپ کا بات کرتا ہوں جی۔"

"اصل میں میرے پتا اور ٹھاکر جی کی دوستی تھی جب میں چھوٹا تھا تو وہ میرے گھر آئے تھے۔"

"اچھا اچھا تو ایسے بولو نا جی!" اس نے سر ہلایا۔ "پر تم اِدھر چھپ کر کیا کر رہے تھے؟"

"اس قصبے کی سب سے حسین لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔" میں نے سرد آہ بھری اور بدقسمتی سے اسی لمحے ایک بھنگن اپنے آلاتِ جاروب کشی کے ساتھ نمودار ہوئی۔ وہ ذرا بھی حسین نہیں تھی اور نہ ہی لڑکی تھی، اس کا پھیلا ہوا جسم بتاتا تھا کہ وہ کم سے کم نصف درجن کی بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ مادھو جی ایک بار پھر مشکوک ہو گیا تھا۔

"آپ اتنے سویرے پیتے ہو جی!"

"تو پھر کس وقت پیا کروں؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میں تو بچپن سے صبح صبح پیتا ہوں۔"

"اجی آپ بچپن سے شرابی ہو؟" وہ دنگ رہ گیا تھا۔

"شرابی! تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں نے کبھی شراب نہیں پی، میں چائے کی بات کر رہا تھا۔"

"دیکھو جی، آپ میرے کو پاگل کر دو گے، میں جا کر ٹھاکر جی کو بتاتا ہوں جی!"

"ایک منٹ رکو۔" میں ٹوکری اٹھا کر اس کے پیچھے لپکا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"اس میں کیا ہے جی؟"

"صبح صبح آیا تھا، سوچا ناشتا ساتھ لے کر جاؤں۔" میں نے کہا۔ "پانچ چھ آدمیوں کے لئے کافی ہوگا۔ ویسے ٹھاکر کے گھر کتنے آدمی ہیں؟"

"کوئی نہیں جی۔ دو بیٹے ہیں، وہ دلی چلے گئے۔ تین بیٹیاں بیاہ کر اپنے گھروں کو ودا ہوئیں اور اب ٹھاکر جی اکیلے ہوتے۔"

"کوئی بات نہیں، میرے آنے سے ان کی تنہائی ختم ہو جائے گی۔"

یہ مکان خاصا بڑا تھا، کوئی ایک کنال پر پھیلا تھا۔ پہاڑی علاقوں میں سب سے کمیاب چیز زمین ہوتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ٹھاکر دولت مند آدمی تھا اور برصغیر میں جو شخص دولت مند ہو اس کا بااثر ہونا بھی لازمی ہوتا ہے۔ میں مادھو کے ساتھ اندر داخل ہوا تو اس نے پھر جز بز ہو کر کہا۔

''آپ کدھر جاتے ہو جی! میں ٹھاکر جی کو بتا تو دوں؟''

''کیا ضرورت ہے، میں کون سا اجنبی ہوں۔''

وہ مجھے روک نہیں سکتا تھا، میں سچ مچ ٹھاکر کا واقف کار نکل آتا تو مجھ سے بدتمیزی مادھو کا جرم بن جاتی۔ اس نے مجھے بہر حال نشست گاہ میں روک دیا۔ ''آپ ادھر بیٹھو جی، میں ٹھاکر جی کو بتاتا ہوں۔''

میں فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اسے اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا، نہ جانے وہ میرے بارے میں ٹھاکر کو کیا رپورٹ دیتا اور وہ پولیس کو بلا لیتا۔ اس لئے میں نے پستول نکال لیا۔ ''میں تمہارے ساتھ جاؤں گا جی!''

پستول دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ ''یہ...... یہ کیا جی؟''

میں نے اس کی گردن دبوچ لی۔ ''آواز نہ نکلے جی...... ورنہ اس سے گولی نکلے گی اور اس کے بعد......''

''رام نام ست ہے۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''اب بالکل خاموشی سے مجھے ٹھاکر جی کے پاس لے چلو۔ خبردار، کوئی آواز مت نکالنا ورنہ وہ تمہاری آخری آواز ہوگی۔''

''میں بالکل نہیں بولے گا جی، ایک دم چپ!''

لیکن اس سے پہلے ہم اندر جاتے نشست گاہ کا پردہ ہٹا اور ٹھاکر نے اندر قدم رکھا۔ وہ تقریباً ساٹھ برس کا تنومند شخص تھا۔ اس نے براق سفید دھوتی کے ساتھ کرتہ پہن رکھا تھا س۔ ماتھے پر قشقہ اور گلے میں جینو تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''کون ہو تم اور اندر آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' اس نے دبنگ لہجے میں کہا۔ ''چھوڑو میرے نوکر کو۔''

میں نے مادھو کو اس کی طرف دھکیل دیا۔ ''ٹھاکر رائے مان سنگھ!''

اس نے پہلی بار میرے ہاتھ میں پستول دیکھا اور اس کی حالت بھی مادھو جتنی غیر ہو گئی تھی۔ ''ارے...... یہ کیا ہے؟''

''پستول!'' میں نے گرج کر کہا تو محمود و ایاز نے ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر لرزنا شروع کر دیا۔

ٹھاکر نے راجپوتوں کا نام ڈبوتے ہوئے رو کر اپنے نوکر سے فریاد کی۔ ''او وہ بدمعاش یہ کسے لے آیا ہے، مجھے قتل کرانے کے لئے۔''

مادھو پٹاخے کی طرح اچھلا۔ ''یہ کیا بولتے ہو جی، یہ تو خود میرا نام رام...... رام نام ست کرنے والا تھا۔''

''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟'' بالآخر ٹھاکر نے محسوس کر لیا میرا اسے فوری طور پر قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لئے اس نے کانپنا بند کر دیا۔

''بیٹھ جاؤ ٹھاکر! میں تمہیں قتل کرنے نہیں آیا ہوں۔ مجھے تو تم سے کام ہے...... میں مصیبت میں ہوں۔''

''مصیبت میں؟'' وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ ''مصیبت میں تو میں ہوں۔''

''اگر میری مصیبت دور ہو گئی تو آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے پستول لہرایا۔ ''دوسری صورت میں......''

''رام نام ست ہے۔'' مادھو نے اپنا پسندیدہ راگ الاپا۔

"ٹھاکر رائے جی، میں تمہارے گھر میں مہمان ہوں، مجھے چائے پانی، ناشتے کا پوچھو۔"

"مادھو، جا ناشتا لے کر آ۔" ٹھاکر نے خوش ہو کر کہا اور مادھو بھی پھرتی سے اٹھا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ "ناشتا اس ٹوکری میں ہے۔ یہاں میز پر لگاؤ۔" مادھو کی میا مر گئی تھی۔ اس نے بادل ناخواستہ حکم کی تعمیل کی۔ میں نے ٹھاکر سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کسی کو بند کر دیا جائے تو صرف اس کی آتما نکلے، وہ خود نہ نکل سکے۔ انہوں نے ایک کباڑ خانے تک میری رہنمائی کی جس میں دروازے کے علاوہ صرف ایک روشن دان تھا جس سے بلی کا بچہ گزر سکتا تھا۔ میں نے مادھو کو وہاں بند کر دیا۔ "کسی کو آواز دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ سب سے پہلے میں سنوں گا اور اس کے بعد......"

"رام نام ست ہے۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میں ٹھاکر کے ساتھ واپس نشست گاہ تک آیا اور میں نے پستول میز پر رکھ سب سے پہلے ناشتے سے انصاف کیا۔ چائے کے دو کپ پی کر میرے حواس بحال ہوئے تھے۔ اس دوران میں ٹھاکر مجھے اس بکری کی طرح دیکھ رہا تھا جسے قسائی سے خطرہ ہو کہ وہ ابھی چھری سنبھال لے گا۔ میں نے ہاتھ صاف کئے، حلوہ پوری لاجواب تھی۔ "رائے مان سنگھ!" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "ہم دراصل یہاں سے گزر رہے تھے۔"

"ہم کون؟" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"میرے چند ساتھی بھی ہیں، ان میں ایک زخمی نوکر ہے۔ ان کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔"

"پولیس...... کیوں؟"

"کیونکہ ہم جس گاڑی میں سفر کر رہے تھے، وہ کسی اور کی ہے۔ پولیس کو شک ہے کہ گاڑی ہم نے چرائی ہے۔"

"تو یہ ایسی کون سی بات ہے، تم تھانے جا کر بتا دو۔"

"ہماری پولیس اتنی آسانی سے کہاں مانتی ہے۔ تم مقامی آدمی ہو میرے ساتھ چلو گے اور ہماری ضمانت دو گے تو پولیس ان کو چھوڑ دے گی۔"

"میں...... مگر میری تو کوئی جان پہچان نہیں ہے۔"

"رائے مان سنگھ، تمہارے نوکر نے مجھے راستے میں بتایا تھا تم ریاستی اسمبلی کے مقامی ممبر تک رسائی رکھتے ہو۔"

اس نے زیر لب مادھو کو کچھ کہا۔ "اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔"

"کوشش نہیں، کام کرو، سب سے پہلے تو تم پولیس اسٹیشن فون کرو اور ان سے کہو انہوں نے غلط لوگ پکڑ لئے ہیں۔ وہ تمہارے جاننے والے ڈاکٹر ارجن ورما کی فیملی ہے۔ اس کی بیوی، بہن اور بہنوئی۔"

"ڈاکٹر ارجن ورما کون ہے، میں اسے نہیں جانتا۔"

میں نے اس کی ناک سے ناک ملا کر کہا۔ "میں ہوں ڈاکٹر ارجن ورما اور میں تمہارے لنگوٹیے یار اشیش ورما کا بیٹا ہوں، دہلی سے تعلق ہے۔"

اس نے سر ہلایا اور فون اٹھا کر نمبر ملایا۔ ''ہیلو...... مدھوموہن سے بات کراؤ۔ میں ٹھاکر رائے مان سنگھ بات کرر ہا ہوں۔'' اس نے رعب سے کہا۔ میں بھی ریسیور سے کان لگائے ہوئے تھا۔ جلد مدھوموہن لائن پر تھا۔

''حکم ٹھاکر جی!'' اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''تم نے دو عورتوں اور ایک زخمی مرد کو گرفتار کیا ہے۔''

''جی ٹھاکر جی، ان کے پاس سے چوری کی گاڑی ملی ہے۔''

''تمہارا دماغ درست ہے۔'' رائے مان سنگھ غرایا۔ ''وہ میرے دوست کے بیٹے کی فیملی ہے۔ ڈاکٹر ارجن ورما کی بیوی، سالی اور اس کا شوہر۔''

''مگر ان کی گاڑی......'' مدھوموہن نے کہنا چاہا۔

''کیا تمہارے پاس گاڑی کی چوری کی رپورٹ ہے؟''

''نہیں ٹھاکر جی!''

''احمق آدمی، کیا آدمی دوسرے کی گاڑی میں سفر نہیں کرتا ہے؟''

''معاف کرنا ٹھاکر جی، مجھے پتا نہیں تھا مگر آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''ڈاکٹر ارجن ورما میرے پاس بیٹھا ہے۔''

''ان لوگوں کے پاس کاغذات بھی نہیں ہیں۔''

میں نے اسے اشارے سے کہا کہ اس سے کہو کاغذات میرے پاس ہیں۔

''کاغذات ڈاکٹر کے پاس ہیں۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''پر، یہ تو کہہ رہے ہیں، کاغذات جس بیگ میں تھے وہ جنگل میں گم ہو گیا ہے۔''

مدھوموہن سخت خبیث ثابت ہو رہا تھا۔ ٹھاکر کی جان پر بنی ہوئی تھی اسے معلوم تھا کہ میرے ساتھی تھانے سے نہیں چھوٹے تو اس کی خیر نہیں ہوگی اس لیے وہ پوری کوشش کر رہا تھا۔ ''لگتا ہے مجھے اوپر بات کرنا پڑے گی۔ ایس پی کون ہے ان دنوں، خیر پولیس کمشنر خود معلوم کر لے گا۔''

مدھوموہن کا حوصلہ جواب دے گیا۔ ''ٹھاکر جی، آپ خواہ مخواہ ناراج ہو رہے ہیں۔ میں تو ایسے ہی بتا رہا تھا۔''

''انسپکٹر! ہر ایک کے ساتھ ایسے ہی مت کیا کرو۔'' ٹھاکر نے غرا کر کہا۔ ''میں رائے مان سنگھ ہوں، میرے مہمانوں کو فوراً بھجوادو۔ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ہے؟''

''نہیں ٹھاکر جی، ہم نے ان کو آرام سے رکھا ہے، ایک زخمی ہے۔''

''اسے ڈاکٹر کو دکھانا ہے، جلدی لاؤ اسے۔''

''ڈاکٹر وہ تو ارجن ورما بھی ہیں۔'' مدھوموہن کو بحث کی پیدائشی بیماری تھی۔

''الو کے پٹھے!'' اس بار ٹھاکر رائے مان سنگھ نے سچ مچ ٹھاکرانہ جلال کے ساتھ کہا۔ ''بکواس کیے جا رہا ہے۔ دوسرا ڈاکٹر ہے، علاج کرنے والا نہیں ہے۔''

''میں ابھی لایا!'' مدھوموہن نے بوکھلا کر فون بند کر دیا۔

ٹھاکر نے فون رکھ کر مجھے دیکھا اور مرے ہوئے انداز میں بولا۔ ''تم نے مروا دیا ہے مجھے۔''

''ابھی تم زندہ ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اور بعد میں بھی زندہ رہو گے، پولیس تمہیں اس بات پر پھانسی تو چڑھانے سے رہی کہ تم نے جبر کی وجہ سے ہمارا ساتھ دیا۔ تم پولیس کمشنر سے بات کر سکتے ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلے گا، میرے ساتھی آ جائیں تو میں رخصت ہو جاؤں گا اور تم بھی اپنی زبان بند رکھنا۔''

''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''اب تم کسی اچھے ڈاکٹر کو کال کرو، میرے ساتھی کا زخم خراب ہو رہا ہے۔''

''اسے زخم کیسے آیا؟''

میں نے پستول اٹھایا۔ ''عملی طور پر بتاؤں، کیسے آیا؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا اور فون اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔ ''ڈاکٹر جوشی، میں بول رہا ہوں مان سنگھ۔ ایک مریض دکھانا ہے آ جا!''

''ابے، میں تیرے باپ کا نوکر ہوں جو تُو آرڈر کر رہا ہے؟''

''بکواس نہ کر، جعلی ڈاکٹر ابھی آ جا ورنہ تیری......'' ٹھاکر نے اسے گالی دی۔ لگ رہا تھا وہ بے تکلف دوست ہیں۔ فون رکھ کر ٹھاکر نے خفگی سے کہا۔ ''یہ کیا تم مجھ سے چپک جاتے ہو؟''

میں ہنسا۔ ''حالانکہ تمہاری عمر ایسی نہیں ہے۔''

پولیس مع میری جیپ اور ساتھیوں کے دس منٹ میں آ گئے۔ پورچ میں ٹھاکر اور میں نے ان کا استقبال کیا۔ میرا ہاتھ جیب میں پستول پر تھا اور میں نے ٹھاکر پر واضح کر دیا تھا کہ پولیس کو دیکھ کر وہ جذباتی ہو کر خودکشی کرنا چاہے تو اس کی مرضی۔ میں اپنے ساتھیوں کو پھر بھی لے کر نکل جاؤں گا۔ اس لئے ٹھاکر نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔

''تم لوگ ٹھیک ہو؟'' میں نے سومترا اور آشا سے پوچھا۔ ''انہوں نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟''

''نہیں۔'' سومترا بولی۔ ''مگر کمار کی طبیعت خراب ہے۔''

''فکر مت کرو ٹھاکر انکل نے ڈاکٹر بلا لیا ہے۔''

دو پولیس والے کمار کو اتار کر اندر لے گئے۔ مدھوموہن ایک پکا پولیس والا تھا۔ کرخت اور سفاک نقوش کے ساتھ اس کی آنکھوں میں بے حسی تھی۔ اگر یہ لوگ لاوارث ہوتے تو وہ اب تک ان کے ساتھ نہ جانے کیا کر چکا ہوتا۔ اس نے جانے سے پہلے ٹھاکر سے معافی چاہی اور مجھے غور سے دیکھتا ہوا رخصت ہوا تھا۔ مجھے لگا کر ہمارے بارے میں اس کا شک دور نہیں ہوا تھا۔ اس کے جاتے ہی ڈاکٹر آ گیا۔ ''بڈھے! تُو فارغ ہے...... میں تو کام کا آدمی ہوں۔'' اس نے ٹھاکر سے کہا حالانکہ وہ خود سفید بالوں اور نحیف جسم کا آدمی تھا، کم سے کم ستر برس کا۔

''ابے جا، کام کا آدمی ہوتا تو تیری پتنی چھوڑ کر جاتی۔''

''وہ پرلوک سدھاری ہے۔ چھوڑ کر نہیں گئی ہے۔''

''ایک ہی بات ہے، جب پتی کام کا نہ رہے تو پتنی پرلوک ہی سدھارتی ہے۔''

''انکل، پہلے کمار کو دکھادیں اس کے بعد آپ گپ شپ کرتے رہئے گا۔''

بادلِ ناخواستہ ڈاکٹر جوشی نے کمار کا معائنہ کیا، اس پر غشی طاری تھی اور بخار خاصا تیز ہو گیا تھا۔ اس کا زخم خراب ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر جوشی نے سب سے پہلے زخم صاف کیا اس پر ٹانکے لگائے اور خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے چکنی پٹی ٹیپ کی مدد سے کردی۔ پھر اس نے کمار کو دو عدد انجکشن لگائے اور دوائیاں لکھنے لگا۔ میں نے اسے اپنی خریدی دوائیاں دکھائیں۔ اس نے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہیں۔ دو گولیاں یہ چھ چھ گھنٹے بعد جب تک بخار نہیں اتر جاتا اور اس پتے سے ایک ایک گولی دن میں تین بار جب تک گھاؤ بھر نہیں جاتا۔''

''اس نے کچھ کھایا نہیں ہے۔''

''اسے دودھ، سوپ اور جوس دو...... ٹھوس بھوجن ابھی نہیں۔''

''شکریہ، ڈاکٹر صاحب! آپ کی فیس!'' میں نے پوچھا۔

''وہ میں اس بڈھے سے لے لوں گا، ابھی تو جلدی ہے وہاں کلینک میں دس بارہ لوگ میری جان کو رو رہے ہوں گے۔''

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے آشا کی مدد سے کمار کو دودھ پلایا۔ پھر سومترا سے رُوداد سنی۔

''وسیم اور بیتو، جنگل کی طرف گئے تھے، جڑی بوٹیاں دیکھنے کہ پیچھے سے پولیس والے آ گئے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں تھا اس لئے ہمیں پکڑ کر لے آئے۔''

''تم نے اچھا کیا وہی بتایا جو میں نے پہلی پولیس پارٹی کو بتایا اس وجہ سے آسانی سے جان چھوٹ گئی مگر وسیم اور بیتو کہاں گئے؟''

''میرا خیال ہے، انہوں نے دور سے پولیس کو دیکھ لیا تھا۔'' سومترا بولی۔ ''اس لئے وہ سامنے نہیں آئے۔''

ٹھاکر ذرا دور تھا اور غالباً کان لگا کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اور اسلحہ، کیا وہ بھی جیپ میں ہے؟''

''ہاں، بیتو اور وسیم اپنی رائفلیں لے گئے تھے مگر تمہاری اور کمار کی رائفلیں عقبی سیٹ کے نیچے رکھی ہیں، وہ تو پولیس نے تلاشی نہیں لی ورنہ ہم مارے جاتے۔ یہ کون ہے؟'' اس نے ٹھاکر کی طرف اشارہ کیا۔

''اس گھر کا مالک ٹھاکر رائے مان سنگھ، فی الحال اس کے زبردستی کے مہمان ہیں۔''

آشا نے کمار کو زبردستی ایک گلاس دودھ دے کر دوائی بھی کھلادی۔ ہم نے اسے اندر کمرے میں لٹا دیا۔ گھر کے اندر سردی زیادہ نہیں تھی پھر بھی کمار کو کمبل اوڑھا دیا۔ مجھے وسیم اور بیتو کی فکر تھی۔ وہ مسلح تھے اور بھٹک رہے تھے، پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے۔ میرا اپنا یہ حال تھا کہ میں پٹ سے گر کر جھٹ سو جانا چاہتا تھا مگر ابھی سونے کا موقع نہیں تھا۔

''تمہیں پستول استعمال کرنا آتا ہے؟'' میں نے سومترا سے پوچھا۔

''میرا نشانہ دیکھو۔ سر پر اخروٹ رکھ کر اڑا سکتی ہوں۔''

''مجھے یقین ہے۔ اندر اسٹور روم میں ایک ملازم قید ہے اسے نکالو اور اس سے کھانا بنواؤ۔ مگر دھیان

رکھنا، زہر نہ ملادے۔"

"تم فکر مت کرو۔ تم ان دونوں کو تلاش کرنے جارہے ہو؟" سومترا بولی۔

"ہاں، اپنے ٹھاکر صاحب کے ساتھ۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" رائے مان سنگھ نے سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔

"کیسے نہیں جاؤ گے۔" میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا۔

"دیکھو، تم نے کہا تھا جب تمہارے ساتھی آجائیں گے تو تم چلے جاؤ گے۔"

"ابھی میرے دو ساتھی باقی ہیں۔ پولیس سے ڈر کر وہ جنگل میں چھپ گئے تھے، ان کو تلاش کرنا ہے، چلو میرے ساتھ۔"

بادل ناخواستہ وہ میرے ساتھ باہر آیا۔ میں نے جیپ کھول کر عقبی نشست تلے رکھے اسلحے میں سے ایک ماؤزر پستول نکال کر اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔ ٹھاکر میری کارروائی نہیں دیکھ سکا تھا۔ پورچ میں اس کی شاندار شیورلیٹ کھڑی تھی۔ یہ کم سے کم تیس سال پرانی گاڑی تھی مگر آج بھی ایسی حالت میں تھی جیسے شوروم سے نکالی ہو۔ ہر چیز چمک رہی تھی، میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم اسے استعمال بھی کرتے ہو یا جب سے لی ہے، اسے کھڑا ہی رکھا ہے؟"

"میں اسے چلاتا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔ "مگر احتیاط سے۔"

"کچھ زیادہ ہی احتیاط کرتے ہو، بہرحال ہمیں مغرب کی طرف جانا ہے۔"

ٹھاکر نے ڈرائیونگ شروع کی، میں اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے ماؤزر کی جھلک بھی دکھائی تھی جواب میں وہ کڑک مرغی کی طرح کڑکڑایا تھا۔ "بار بار اسے دکھانے کی کیا جرورت ہے۔ مجھے یاد ہے تمہارے پاس پستول ہے۔"

"ایسا کرنا تمہاری اپنی صحت کی بہتری کے لئے ضروری ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

ٹھاکر نے اپنی شیورلیٹ واقعی سنبھال کر رکھی تھی۔ اس کے سبک خرام انجن سے ہلکی سی سرسرانے کی آواز آرہی تھی اور کار سڑک پر پانی کی طرح رواں تھی۔ میں نے تعریف کی تو بڈھا ٹھاکر کھل اٹھا تھا۔ "پدمنی ابھی بھی جوان ہے۔"

"پدمنی کون؟...... تمہاری پتنی! مگر تم تو ودھوا ہو، میرا مطلب ہے......؟"

"میں اسے پیار سے پدمنی کہتا ہوں۔" اس نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس نے سرد آہ بھری۔ "رہی اصل پتنی تو وہ اس کی طرح اشاروں پر چلنے والی تھوڑی تھی۔ میرے نصیب میں ایک اڑیل اور بدمزاج گائے لکھ دی گئی تھی۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی، اسے بیس سال پہلے اوپر بلا لیا۔"

"افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"افسوس تو مجھے بھی ہوا تھا اگر شادی کے فوراً بعد چل بستی تو میرے بیس کے بجائے چالیس برس سکھ سے گزرتے۔" ٹھاکر نے ایک اور سرد آہ بھری اور کار کو مغرب کی طرف ہائی وے پر موڑ دیا۔

"تمہارے ساتھی کہاں رہ گئے؟"

''پتا نہیں، جہاں میں ان کو جیپ سمیت چھوڑ کر آیا تھا، وہاں ہوں گے، پولیس کو دیکھ کر چھپ گئے ہوں گے۔''

''تم لوگ پولیس سے چھپتے پھر رہے ہو...... کیوں؟''

''ہم ڈاکو ہیں۔'' مجھے مذاق سوجھنے لگا۔ ''مگر ان دنوں تفریح کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔''

''ڈاکو'' اس نے ڈر کر کہا۔ ''مجھے تم لوگ ڈاکو نہیں لگتے۔''

''تو پھر کیا لگتے ہیں، بزنس مین؟''

''مجھے لگتا ہے تم لوگ کسی مصیبت میں ہو۔''

''درست کہا تم نے...... تم نے مصیبت بھی دیکھ لی ہوگی۔ تمہاری تو بیس سال پہلے گلوخلاصی ہوگئی تھی۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''تمہاری پتنی...... بہت سندر لڑکی ہے۔''

''یہ گلاب ہاتھ میں لینے والے کو پتا ہوتا ہے کہ اس میں کانٹے کہاں ہیں۔''

''ٹھیک کہا، وہ بھی کچھ کم نہیں تھی۔ ہم صورت دیکھ کر مر مٹے تھے۔ من کا تو بعد میں پتا چلا۔''

''عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس جگہ کار روک لو۔''

ہم نیچے آئے۔ میں اسی جگہ جیپ چھوڑ کر گیا تھا۔ پولیس ان کو یہیں سے لے گئی تھی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ اگر وسیم اور بیتو کہیں چھپے ہوئے تھے تو مجھے دیکھ کر باہر آجاتے۔ پھر بھی میں نے چلا کر ان کو آواز دی۔ ''وسیم...... بیتو۔''

''ہم یہاں ہیں جناب!'' ایک نزدیکی جھاڑی سے وسیم نے جھانکا، اس کے ساتھ بیتو بھی تھا۔

''تم دونوں یہاں چھپے رہے اور پولیس والے ان کو لے گئے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

''سوری شہباز صاحب! دراصل ہم بوٹی کی تلاش میں دور چلے گئے تھے اور جب تک آتے پولیس ان کو لے کر روانہ ہوگئی تھی، ہم کچھ کر ہی نہیں سکے تھے۔''

''وہ تو شکر ہے، یہ ٹھاکر جی مل گئے اور ان کی کرپا سے پولیس نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔''

''وہ سب اور جیپ کہاں ہے؟'' وسیم نے شیورلیٹ کا معائنہ کیا۔ ''گاڑی تو یہ بھی اچھی ہے۔''

خودکار رائفلوں کے نظارے نے ٹھاکر ہوش اڑا دیئے۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''دیکھو، یہ میری پرانی گاڑی ہے۔''

''ٹھاکر جی کی محبوبہ! تبھی سنبھال کر رکھا ہے پدمنی جی کو۔'' میں نے تعارف کرایا۔ ''ورنہ پتنی تو یہ خاصا پہلے گنگا میں بہا چکے ہیں۔''

''اب چلو جی!'' ٹھاکر جی خوف زدہ تھے۔ ''پولیس آگئی تو تمہارے ساتھ مجھے بھی لے جائے گی۔''

ہم شیورلیٹ میں بیٹھ گئے۔ ''کمار کی حالت اب کیسی ہے؟''

''اسے ڈاکٹر نے دیکھ لیا ہے اور مرہم پٹی بھی کر دی ہے۔'' میں نے بتایا۔

''میں تو بھوک سے مرنے والا ہوں جی!'' بیتو نے فریاد کی۔

''اور میں بھی۔'' وسیم نے اس کی تائید کی۔

''فکر مت کرو ٹھاکر جی کے رسوئیے کم ملازم نے کھانا تیار رکھا ہوگا۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔

جب ہم ٹھاکر جی کے گھر پہنچے تو میز پر کھانا لگا تھا۔ میں ناشتے سے پیٹ بھر چکا تھا اس لئے میں نے وسیم کو چارج دیا۔ ''میں سونے جارہا ہوں۔ ٹھاکر جی اور مادھو پر پوری نظر رکھنا۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ میں ان دونوں کی بجا کر رکھ دوں گا اگر انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو......''

کمار کو جو کمرا دیا تھا وہ خاصا بڑا تھا، اس میں فرش پر دبیز قالین تھے جن کے ساتھ تکیے اور گاؤ تکیے بھی تھے۔ میں نے ایک طرف رکھا کمبل اوڑھا اور سو گیا۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ کی دربدری، بھاگ دوڑ اور کسی قدر مار دھاڑ نے مجھے ذہنی اور جسمانی طور پر خالی کر دیا تھا۔ میں لیٹتے ہی بے خبر ہو گیا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے اور میں دس گھنٹے سوتا رہا تھا۔ کمار اپنی جگہ پر نہیں تھا اس کی جگہ بیتو سو رہا تھا۔ نشست گاہ کی طرف سے شور کی آواز آرہی تھی۔ ان میں نمایاں آواز ٹھاکر جی کی تھی جو کسی دھاندلی پر واویلا کر رہے تھے۔

''لڑکیو، یہ بے ایمانی ہے، کیوں بے مادھو۔''

''جی مالک، درست کہا آپ نے۔''

''مادھو......لگتا ہے تم مرنا چاہتے ہو۔'' آشا نے خوں خوار لہجے میں کہا۔

''ارے......دیوی جی، ہم مر جائیں گے۔'' مادھو نے فریاد کی۔

میں نے پردے سے جھانک کر دیکھا۔ میز پر لوڈو کی بازی جمی تھی۔ سومترا اور سادھنا دھاندلی کر رہی تھیں اور مل کر ٹھاکر کو مار رہی تھیں یا ٹھاکر جی سے ہار برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ سادھنا نے مادھو کے سر پر پستول کی نال رکھ دی تھی۔ اس نے فریادی نظروں سے ٹھاکر کی طرف دیکھا۔

''آپ کے لیے......مرنے سے تو رہا۔''

وسیم ایک طرف صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا مگر مجھے معلوم تھا وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں اندر داخل ہوا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''ڈاکٹر ورما!'' ٹھاکر نے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''یہ بے ایمان ہیں۔ ابھی میں ان کی گوٹ پیٹ کر گھر پہنچاتا ہوں اور کچھ دیر بعد باہر نظر آتی ہے۔''

''جی نہیں۔'' سومترا ڈھٹائی سے بولی۔ ''ہم نے کوئی دھاندلی نہیں کی۔ اصل میں بڑھاپے کی وجہ سے ٹھاکر جی کی یادداشت بھی کمزور ہو گئی ہے۔''

''کس نے کہا میں بوڑھا ہوں؟'' ٹھاکر چمک کر بولا۔

''کسی نے بھی نہیں۔'' اس بار آشا معصومیت سے بولی۔ ''یہ بال تو آپ کے بس ایسے ہی سفید ہو گئے ہیں شاید زکام سے۔''

''ہاں، یہی بات ہے۔'' ٹھاکر نے اپنی اَنا بلند رکھی۔

''کمار کہاں ہے؟'' میں نے ہنستے ہوئے وسیم سے پوچھا۔

''اس کمرے میں ہے، کسی سے فون پر بات کر رہا ہے۔'' ٹھاکر جی نے برابر والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

یہ چھوٹا سا کمرا تھا اور کمار ایک کرسی پر بیٹھا کسی سے اپنی زبان میں بات کر رہا تھا۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ پریشان ہے اور جس سے بات کر رہا ہے، اس نے کمار کو کوئی اچھی خبر نہیں سنائی تھی، آخر اس نے فون رکھا۔

''کمار، کیا بات ہے...... تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''میری طبیعت ٹھیک ہے لیکن میرے قبیلے کے ساتھ بہت انیائے ہوا ہے۔ فوج نے قتلِ عام کے بعد پوری زیرِ زمین وادی کو دھماکوں سے تباہ کر دیا ہے۔''

مجھے افسوس ہوا تھا۔ ''یہ تو بہت برا ہوا، اس کا مطلب ہے اندر موجود کوئی فرد نہیں بچا ہوگا؟''

اس نے مغموم انداز میں سر ہلایا۔ ''میرے قبیلے کے بیشتر لوگ مارے جا چکے ہیں۔''

''ممکن ہے فوج نے ان کو قید کر لیا ہو؟ ویسے تمہیں اطلاع کس نے دی ہے؟''

''میرے رابطے ہیں کچھ۔ میرے آدمی بچ جانے والوں کو اکٹھا کر رہے ہیں۔''

''راج اور جتیندر کی غداری کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں راج کی جاگیر پر قبضہ کر کے وہاں اپنے بچ جانے والے لوگوں کو بساؤں گا۔''

''تم راج کی جاگیر پر کیسے قبضہ کرو گے؟''

''یہ میں بعد میں دیکھوں گا۔'' کمار کا غم و غصے سے برا حال تھا اور اس کا غصہ جائز تھا۔ اس کے قبیلے اور اس کے خاندان کو ایک ناکردہ گناہ کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ ''کمار...... ڈاکٹر دوبارہ آیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس نے مرہم پٹی کر دی تھی۔ زخم کی حالت بہتر ہوئی ہے۔ میرا بخار بھی اتر گیا ہے۔''

''تم نے کچھ کھایا ہے؟''

''میرا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔''

''کمار، جلد صحت یاب ہونے کے لئے کھانا پینا لازمی ہے، آؤ میرے ساتھ۔''

ہم نشست گاہ میں آئے۔ میں نے مادھو سے کہا۔ ''کھانے میں کیا ہے، فٹافٹ لے آؤ، ہمارے فوت ہونے سے پہلے۔''

''ابھی لایا جی!'' مادھو مستعدی سے اٹھا اور وسیم بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا، اس نے اب تک ان پر پوری نگرانی رکھی تھی۔ ٹھاکر نے لوڈو کا ڈبا پھینک دیا۔

''بس میں تھک گیا ہوں۔''

''تم جا کر سو جاؤ۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

''ایسے میں نیند کیسے آئے جب یہ دھڑکا ہو، آنکھ لگی تو ہمیشہ کے لئے نہ سو جاؤں۔''

''رائے مان سنگھ، حوصلہ رکھو۔ آدمی کو اتنا بزدل بھی نہیں ہونا چاہئے۔ تم تو راجپوت ہو۔ دوسرے ہم ایسے نہیں کہ دوسروں کو بلاوجہ قتل کریں۔ کل صبح تک ہم تمہارے گھر سے چلے جائیں گے۔ اور تم سوفی صدا

سلامت ہو گے بشرطیکہ مرنے کے لئے خود کوئی حماقت نہ کرو۔"

ٹھاکر سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "ٹھیک ہے، میں تم پر بھروسا کر کے سونے جا رہا ہوں۔"

مادھو ٹرالی میں کھانا لے آیا۔ اس میں سبزی بھاجی تھی۔ پوریاں، آلو بھرے پراٹھے اور سادہ دال چاول تھے۔ سب کچھ مزے کا تھا اس کا مطلب مادھو اچھا رسوئیا (باورچی) تھا۔ میں نے مادھو کو سامنے بٹھا کر وسیم کو سونے کے لئے بھیج دیا۔ سومترا اور آشا کمبل لے کر صوفوں پر ہی لیٹ گئی تھیں۔ کمار کے لئے سبزیوں کا سوپ، دودھ اور دلیا تھا اس نے تھوڑا بہت کھایا اور پھر دوائیں لے کر سونے کے لئے چلا گیا۔

"مادھو جی، تمہیں نیند...... آ رہی ہو گی۔"

"جی مالک، میں اپنے کوارٹر میں جاؤں جی!"

"نہیں مادھو، آج رات تمہیں ذرا تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔ تم اسٹور میں رہو گے۔"

مادھو نے احتجاج کیا تھا مگر میں نے اسے اسٹور میں بند کر دیا۔ اس جگہ دریاں اور پرانی رضائیاں پڑی تھیں اس لئے وہ چاہتا تو سکون سے سو سکتا تھا۔ میں نے ٹھاکر کے کمرے میں جھانکا۔ وہ بستر پر ساکت لیٹا تھا نہ جانے جاگ رہا تھا یا سو رہا تھا۔ میں نشست گاہ میں آیا۔ سومترا جس صوفے پر سو رہی تھی، اس کے پیر والی سمت اس نے اپنا بریف کیس رکھا تھا اور اوپر کمبل ڈال دیا تھا۔ اس میں خاصی بڑی دولت تھی مگر کمار کے عزائم سے لگ رہا تھا، یہ دولت زیادہ دیر سومترا اور راج کے قبضے میں نہیں رہے گی اگر وہ بچ گیا ہو۔ میں نے آہستہ سے آشا کو ہلایا۔ وہ جاگی، اس کی پُر خمار آنکھوں میں حیرانی نظر آئی تھی۔ "کیا بات ہے؟"

"شش...... آہستہ بولو...... اور میرے ساتھ آؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس نے اٹھ کر اپنے بکھرے بال سمیٹے، اس دوران میں، مَیں نے ٹھاکر کے کمرے کے باہر سے کنڈی لگائی اور ہم کچن میں آ گئے۔ میں نے چائے کے لئے پانی رکھا اور آشا کی طرف دیکھا۔ "مس آشا! تم نے اب تک واپس جانے کی کوشش کیوں نہیں کی اور نہ ہی تم نے ایسا کوئی ارادہ ظاہر کیا ہے۔"

"میں واپس نہیں جانا چاہتی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اور آشا میرا پیار کا نام ہے میرا اصل نام سادھنا کنور ہے۔"

شروع میں، مَیں اسے اپنی عمر کے حساب سے کم عقل سمجھتا تھا۔ مگر بعد میں اس نے مشکل مراحل میں پختگی اور ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا۔

"کیوں۔" میں نے کھول جانے والے پانی میں پتی ڈالی۔

"میں نے ان چند دنوں میں جو دیکھا ہے اس کے بعد مجھے اپنے بھائیوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ وہ ہزاروں بے گناہ لوگوں کے قاتل ہیں۔"

"مگر تمہارے دوسرے رشتے دار ماں، باپ، بہن بھائی۔"

"کوئی نہیں ہے۔ ماتا پتا کو گزرے کئی سال ہو گئے ہیں اور میں ایک ہی بہن ہوں، میرے غائب ہونے سے وہ خوش ہوں گے کہ اب میرا حصہ نہیں دینا پڑے گا جاگیر میں سے۔" اس نے تلخی سے کہا۔

میں نے چائے دو کپوں میں ڈالی۔ "بس یہی وجہ ہے۔"

""نہیں۔" وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچائی۔ "ایک وجہ اور ہے۔"
اس لمحے سومترا کچن میں آئی، وہ سادھنا کو گھور رہی تھی۔ "اچھا تو یہ چڑیل...... کنوروں کی بہن ہے۔"
"سنو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ بدحواس ہوگئی۔
"ہمارے لوگوں کی قاتل اور ہمارے ساتھ!" سومترا کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ "تُو اب تک ہمیں دھوکا د
آئی ہے۔ میں ابھی کمار کو تمہاری اصلیت بتاتی ہوں۔ پھر تم دیکھنا وہ تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی مارے گا۔"
"اتنی جلدی کیا ہے مس سومترا!" میں نے سینے پر ہاتھ باندھے۔ "راج کو آنے دو، ایک ساتھ ہی تینوں
گولی ماریں گے۔"
"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔
"مطلب یہ مس سومترا کہ یہ اتنی قصوروار نہیں ہے۔ قبائلیوں کے قتلِ عام کے بڑے مجرم تم دونوں؛
بھائی ہو جنہوں نے بھارتی فوج کو وادی میں آنے کا راستہ دیا تھا۔ سادھنا نے از خود ایسا کوئی کام نہیں کیا؛
کنوروں کی بہن ضرور ہے مگر ان کے گھناؤنے جرائم میں شامل نہیں ہے۔ ذرا اپنے گریبان میں جھانکو۔ اگر
خواتین کو یہ مشورہ نہیں دینا چاہئے مگر تمہارے لئے یہ مشورہ درست ہے۔ تم اور راج لاما اپنی قوم کے ہزاروں
گناہوں کے قتلِ عام کے ذمے دار ہو اور تمہیں اس کی سزا ملے گی۔"
سومترا کا منہ فق ہوگیا تھا۔ "میں...... میں نے کچھ نہیں کیا ہے، مجھے کس بات کی سزا ملے گی؟"
"اب تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ بھارتی فوج کو کس نے دعوت دی تھی؟"
"راجا جتیندر نے۔"
"خوب...... اپنے بھائی کے منہ سے اعترافِ جرم سن کر بھی تم منکر ہو۔ آخر وہ کس بات پر شرمندہ تھا
مجھے یقین ہے وہ اندر سے ذرا بھی شرمندہ نہیں تھا بلکہ اس نے کسی خاص مقصد کے لئے وادی میں رکنا قبول
تھا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے بتا دوں، بھارتی فوج نے زیر زمین بستی دھماکوں سے تباہ کردی ہے اور اس
موجود ایک فرد بھی زندہ نہیں بچا ہے۔"
"نہیں۔" سومترا کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ "بکواس کرتے ہو تم۔"
"تم کمار سے پوچھ لو، وہ تمہیں بتائے گا۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "مس سومترا، اکثر ایسا ہوتا ہے۔ انسا
کسی اور کے لئے جو گڑھا کھودتا ہے اس میں خود گر جاتا ہے۔"
سومترا کچھ دیر مجھے گھورتی رہی، پھر پلٹ کر چلی گئی۔ میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ "کیا خیال
اب یہ کمار کو بتائے گی؟"
"پتا نہیں، مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"
"فکر مت کرو، میں نے تمہیں پستول دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟"
"وہ تو...... وہیں رکھا ہے۔" اس نے ہکلا کر کہا۔
"مروا دیا۔" میں کپ رکھ کر دوڑا۔ "ابھی کسی کے ہاتھ لگ گیا تو"
نشست گاہ میں مجھے پستول کہیں نظر نہیں آیا۔ سادھنا پیچھے آئی تھی۔ "میں نے یہاں رکھا تھا۔" اس

میز کی طرف اشارہ کیا۔ "ٹھاکر کے جانے کے بعد۔"

پستول وہاں نہیں تھا، سومترا دوسری طرف منہ کر کے لیٹی تھی، میں نے اسے ہلایا۔ "پستول کہاں ہے؟"

"کون سا پستول؟"

"جو یہاں رکھا تھا۔" میں نے میز کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نے نہیں دیکھا۔"

"وہ تمہارے پاس ہے۔" میں نے دانت پیسے۔

"ہے تو نکال لو۔" وہ چیلنج دینے کے انداز میں بولی۔

میں نے ایک جھٹکے سے کمبل اس پر سے ہٹا دیا اور دوسرے جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا۔ اس کے لیے یہ سلوک غیر متوقع تھا۔ "ذلیل...... وحشی!" وہ کراہی۔

"مجھے تم پر ذرا ترس نہیں آئے گا۔" میں نے کہا۔ "سادھنا اس کی تلاشی لو۔"

"خبردار، جو اس نے مجھے ہاتھ لگایا، تم خود تلاشی لے لو۔"

میں نے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے جکڑ لئے اور سادھنا سے کہا۔ "اب اس کی تلاشی لو۔"

سومترا نے گالیاں دیں اور ٹانگیں چلائیں تو میں نے ایک پاؤں سے اس کی ٹانگیں بھی دبا لیں مگر اس کا منہ نہیں بند کر سکتا تھا جو گالیاں اگل رہا تھا۔ غیر متوقع طور پر سادھنا نے اسے تھپڑ رسید کیا۔

"چپ کر، کتیا کی طرح بھونکے جا رہی ہو۔" سادھنا نے کہا تو سومترا دم بخود رہ گئی۔ سادھنا نے اس کی تلاشی لینا شروع کی اور ایک ممنوعہ مقام سے پستول برآمد کر لیا۔ سومترا ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔ اس بار اس کی گالیوں کے شور سے وسیم اور کمار دونوں اٹھ کر آ گئے۔ کمار نے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے سومترا کو چھوڑ دیا۔ وہ چیخ کر بولی۔ "مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اپنی اس چہیتی سے پوچھو جو کنور کی بہن ہے۔"

"کنور کی بہن!" کمار نے غور کیا۔ "تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"اس کی۔" سومترا نے ڈرامائی انداز میں سادھنا کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ راج کنور کی بہن ہے۔"

کمار نے بے یقینی سے سادھنا کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ہونٹوں کو کاٹ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کمار کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے بجائے ایک شکایت تھی اور اس قسم کی شکایت آدمی صرف اپنوں سے کرتا ہے۔ "سادھنا، یہ ٹھیک ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کمار، تمہیں سومترا کی بات پر یقین ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" کمار چیخ کر بولا۔ "مگر یہ کیوں خاموش کھڑی ہے؟"

"اس لئے کہ یہ ٹھیک کہہ رہی ہے، میں راج کنور کی بہن ہوں۔" سادھنا نے اعتراف کر لیا۔

"تم...... ذلیل عورت!" کمار چلایا اور اس نے پستول نکال لیا تھا۔ سادھنا جلدی سے میرے پیچھے ہو گئی سومترا فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

"کمار، ہوش میں آؤ۔"

"تم ہٹ جاؤ۔ میں اسے مار دوں گا۔" کمار بولا، وہ پستول لہرا رہا تھا۔ "اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"تمہیں اس نے نہیں، میں نے دھوکا دیا ہے۔" میں نے ایک قدم آگے آ کر کہا۔ "گولی مارنی ہے تو مجھے مارو۔"

کمار کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"ہاں، میں جانتا ہوں...... شروع سے...... کہ یہ کنوروں کی بہن ہے۔"

"تت...... تم نے کبھی مجھے بتایا......"

"تمہارا کیا خیال ہے، میں نے راج کنور جیسے خبیث شخص کی بہن کو کیوں تحفظ دیا، اس کی شناخت کو تم سے کیوں چھپایا تھا؟"

"میں...... میرا خیال ہے تم اسے بچانا چاہتے تھے۔"

"میں اسے اب بھی بچاؤں گا۔ یہ لڑکی میری پناہ میں ہے اور جب تک میں زندہ ہوں کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" میں نے کہتے ہوئے کمار سے پستول چھین لیا۔

"تم اسے کیوں بچا رہے ہو؟" کمار کا غصہ سرد ہونے لگا تھا۔

"پہلے تم خود سے پوچھو، تم مجھ سے یہ سوال کرنے کے اہل ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے شانے ڈھلک گئے۔

"تم میرے...... ہم سب کے محسن ہو...... میں تمہارے سامنے نہیں کھڑا ہو سکتا۔"

"مسٹر کمار! تم ایک بے گناہ لڑکی کے بارے میں صرف اتنا جان کر مشتعل ہو گئے کہ وہ تمہارے دشمن کی بہن ہے۔ اس عورت اور اس کے بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے تو وہ کام کیا ہے جو غدار ہی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے تمہارے پاس کیا سزا ہے؟"

کمار تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر آ بیٹھا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو شہباز! میں ان غداروں کو تو سزا دے نہیں سکا، کیونکہ میں خود ان کی مدد سے فرار ہوا تھا۔"

"میں نے کبھی اپنے بھائیوں کی حمایت نہیں کی۔" سادھنا اس کے پاس آئی۔ "جب میں نے بے گناہ لوگوں کو مرتے دیکھا تو میری آنکھیں کھلیں، مجھے اپنے بھائیوں سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"اب تو تم یہی کہو گی۔" سومترا نے طنز کیا۔

سادھنا نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔ تمہیں اپنی غداری کا حساب دینا ہے کمار کو۔ اس نے اگر مجھے گولی بھی مار دی تو میں سمجھوں گی اپنے بھائیوں کے کئے کا کفارہ ادا کیا ہے۔"

"کمار، میں سادھنا کو محل سے دیکھتا آیا ہوں۔ یہ بالکل مختلف لڑکی ہے۔ یہ ہمارے ساتھ ہے ورنہ اس کے لئے فرار تو کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔ تم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ راج کنور کی بہن ہے، اس پر پہرا نہیں تھا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"تم جا کر آرام کرو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "فی الحال ان ساری سوچوں کو ذہن سے

جھلک دو جو تمہارے اندر انتشار پیدا کر رہی ہیں۔ آنے والے وقت میں سب تمہارے سامنے آجائے گا۔“

کمار نے سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ سومترا اور سادھنا بھی سونے کے لئے لیٹ گئیں۔ البتہ وسیم جاگتا رہا تھا۔ میں اسے لے کر کچن میں آیا۔ ”شہباز صاحب! ہم پھنستے جا رہے ہیں۔“ اس نے بلاتمہید کہا۔ ”کل جب ٹھاکر ہمارے خلاف رپورٹ کرائے گا تو پولیس ہمارے پیچھے لگ جائے گی۔“

”یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے۔“ میں نے ایک بار پھر پانی چولھے پر رکھا۔

”ہمیں جلد از جلد اس ملک سے نکل جانا چاہئے۔“

”کرنا تو یہی چاہئے مگر فی الحال ہم بے بس ہیں۔“

”اس طرح تو ہم سرحد سے دور ہوتے جائیں گے۔“

”یہ سچ ہے۔“ میں نے کافی کا ڈبا نکالا۔

کافی تیار کر کے میں نے مگوں میں نکالی۔ ٹھاکر کے پاس بہت اچھے درجے کے کافی مگ تھے۔ کچن میں ہی میز پر گزشتہ دن کا اخبار پڑا تھا۔ یہ ٹائمز آف انڈیا تھا۔ میں نے اس کی سرخیاں دیکھیں اور پھر وسیم کو متوجہ کیا۔

”یار، یہ کیا چکر ہے سرحدوں پر فوج جمع ہو رہی ہے۔“

خبر کے مطابق پاک بھارت کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی اب فوجی اجتماع میں بدل رہی تھی اور دونوں جانب سے سرحد پر بھاری پیمانے پر فوجی نقل و حرکت جاری تھی۔ وسیم پریشان ہو گیا تھا۔

”اب ہم کیسے جائیں گے؟“

”یہ اچھا ہوا کہ ہم سرحد سے دور ہیں ورنہ تم سوچ سکتے ہو، ان حالات میں پکڑے جانے پر ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟“

”شہباز صاحب، آپ نے نہیں بتایا، آپ کیسے یہاں تک آئے؟“

میں نے اسے اپنی داستان سنانی شروع کی۔ جب میں اس حصے تک پہنچا جب شکیل نے موت کو گلے لگایا تھا تو میری زبان لڑکھڑانے لگی۔ میں جانتا تھا شکیل وسیم کا ماتحت ہی نہیں، اس کا دوست بھی تھا اور سونیا کی وجہ سے ان میں ایک اور رشتہ قائم ہونے والا تھا۔ وسیم نے غور سے مجھے دیکھا۔

”کیا بات ہے شہباز صاحب! آپ چپ کیوں ہو گئے؟“

میں نے آہستہ آہستہ اسے شکیل کی موت کے بارے میں بتایا، اسے شاک لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ”میرے خدا! شکیل اب اس دنیا میں نہیں ہے؟“

”مجھے افسوس ہے۔ مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا نے اس پر کوئی حربہ آزمایا ہے۔ وہ شیطان صفت آدمی ہے۔ شکیل جیسا مضبوط شخص بھی اس کے سامنے جھک گیا۔“

”راجا صاحب کا کیا ردعمل تھا؟“

”وہ بھی سمجھ گئے، ان کی ہدایت پر شکیل کو فوری طور پر اسپتال منتقل کیا گیا تھا مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس وقت سونیا اس کے پاس تھی جب اس نے دم توڑا۔“

وسیم خود پر قابو پانے لگا۔ اس نے آنسو صاف کئے۔ ”پھر کیا ہوا، شہباز صاحب!“

میں نے اسے ذرا تفصیل سے بتایا کہ میں کس طرح انڈیا پہنچا۔ لال حویلی کی تباہی اور شاہ نواز اور جامی شاہ کے مارے جانے کا سن کر وہ بے حد خوش ہوا تھا۔ ''خس کم جہاں پاک!''

''ان سب کو مروا دیا ڈیوڈ شا نے، وہ اپنا اُلو سیدھا کر کے نکل گیا، مرشد علی بھی خسارے میں رہا۔ وہ لاہور میں قدم جمانے کی فکر میں تھا۔ میں نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ البتہ فتح خان ابھی تک میرے پیچھے تھا۔''

''ہیروں کے چکر میں؟''

''یہ بھی ایک چکر ہے۔ اسے مجھ سے دشمنی بھی تو ہے۔ کئی بار ہم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جانے سے بال بال بچے ہیں۔''

''کیا وہ انڈیا بھی آیا ہوگا؟''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں خود حادثاتی طور پر انڈیا میں آیا تھا۔''

''راجا عمر دراز، مونا اور سفیر صاحب!''

''یہ سب ملک سے باہر ہیں۔ راجا کے بارے میں آخری اطلاع یہ تھی کہ وہ بھارت گیا ہے۔ مونا اور سفیر کو اس نے دبئی بھجوا دیا تھا تاکہ وہ مرشد کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔''

''نادر زندہ ہے یا مر گیا؟''

''زندہ ہے لیکن مُردے سے بدتر ...... اس کے علاج کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور وہ اب ساری عمر بستر یا وہیل چیئر پر گزارے گا۔''

''شہباز صاحب، وہ زخمی سانپ ہے۔''

''ہاں، مگر وہ مرشد کے سامنے بے بس ہے۔ مرشد فی الحال میرے خلاف کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس کے مجازی باپ کی مرضی نہیں ہے۔''

''آپ کا اشارہ ڈیوڈ شا کی طرف ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''وہ میرے ہاتھ پر حکیم قادس کی دواؤں کا اثر معلوم کرنا چاہتا ہے۔''

وسیم چونکا۔ ''حکیم کے بارے میں آپ نے بتایا نہیں، وہ ملا یا نہیں؟''

''وہ ابھی تک ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے۔ حکیم کے لئے میرے لئے حیران کن رویہ راجا عمر دراز کا ہے۔ اسے پروا نہیں ہے کہ حکیم ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے اور وہ اس سے ان جادو اثر دواؤں کے بارے میں معلوم کر سکتا ہے۔''

''شاید اس لئے کہ ان دواؤں کا جزو اعظم یعنی ایک پتھر کی راکھ صرف راجا صاحب کے پاس ہے۔ ان کے بغیر حکیم کے فارمولے زود اثر تو ہو سکتے ہیں لیکن جادو اثر نہیں۔''

''تم نے ٹھیک تجزیہ کیا ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''سونیا کیسی تھی؟'' اس نے دکھی لہجے میں بہن کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ بدنصیب ہے، پہلے عادل نے اسے دھوکا دیا اور پھر شکیل بھی اسے چھوڑ گیا۔''

''وہ ٹھیک ہے، سونیا تمہاری بہن ہے اس کے اعصاب مضبوط ہیں، شکیل کی موت پر وہ بکھر گئی تھی مگر اس

نے جلد خود کو سمیٹ لیا۔ وہاں وہ اکیلی نہیں ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والے ہیں۔ ناصر بھی ہے اور راجا کا سیکرٹری بیگ بھی۔"

"ناصر ہمارے معاملات میں زیادہ ہی دلچسپی نہیں لے رہا ہے؟"

"وہ مخلص آدمی ہے۔ تمہاری اور شکیل کی غیر موجودگی میں اس نے میرا پورا ساتھ دیا تھا۔ اس کی مدد سے میں نے شکیل اور سونیا کو اپنے جامی شاہ کی قید سے چھڑایا تھا۔ وہ اخبارات میں مرشد علی کے خلاف مہم بھی چلا رہا ہے اور سب سے بڑھ کر......"

"کیا شہباز صاحب!"

"یار...... یہ قبل از وقت ہی لگتا ہے مگر مجھے یقین ہے ناصر سونیا کو پسند کرنے لگا ہے۔"

وسیم کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا تھا۔ "اور سونیا کا کیا ردِعمل ہے؟"

"مایوسی کے عالم میں خودکشی کی کوشش کے بعد وہ پشیمان تھی مگر اس کے بعد وہ چپ ہے۔ اس نے ناصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ ہاں اس نے ناصر کو رد بھی نہیں کیا ہے۔"

"آپ کے خیال میں وہ بھی اسے پسند کرنے لگی ہے؟"

"بھائی، عورت کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ سنا ہے اس کی نہ میں ہاں ہوتی ہے اور وہ ہاں کہہ دے تو وہ عورت نہیں ہے۔"

"درست کہا آپ نے۔ یہ ناصر مزاج کے لحاظ سے کیسا ہے؟"

"ذرا شوخ اور جوکر بنتا ہے مگر اندر سے بے حد حساس اور ذمے دار شخص ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں سونیا کے حوالے سے خدشہ ہے تو نکال دو۔"

"بھائی ہوں اتنی آسانی سے کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں؟"

"راجا عمر دراز شمالی مشرقی انڈیا میں کہیں گیا ہے۔ نہ جانے کس چکر میں ہے۔" میں نے موضوع بدلا۔

وسیم نے تائید کی۔ "راجا صاحب اپنے منصوبے دل میں رکھتے ہیں۔ قبل از وقت کسی کو نہیں بتاتے ہیں۔"

"مجھے لگتا ہے راجا ایک بار پھر اس پُراسرار وادی کی طرف جانے کے چکر میں ہے۔"

"ممکن ہے۔" وسیم بولا، اس نے جماہی لی۔

"تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی ہے جا کر سو جاؤ۔"

"کافی پی کر نیند مشکل سے آئے گی لیکن میں آرام کر لیتا ہوں۔"

وسیم کے جانے کے بعد میں نے اندر صرف ایک پستول چھوڑ کر باقی سارا اسلحہ جیپ کے خانے میں مقفل کر دیا۔ اب مجھے ٹھاکر اور اس کے نوکر مادھو کے ساتھ سومترا کی جانب سے بھی ہوشیار رہنا تھا۔ صبح ہمیں فیصلہ کرنا تھا کہ ہمیں کہاں جانا تھا۔ ویسے کمار کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سیدھا جاگیر پر جائے گا اور وہاں کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اس صورت میں، مَیں اور وسیم اسے الوداع کہیں گے۔ میں نے سومترا کے پاس موجود بریف کیس کے بارے میں سوچا۔ اس میں خاصی رقم تھی جو ہمارے کام آ سکتی تھی مگر پھر مجھے شرم آئی۔ میں ایک عورت کی رقم ہتھیانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے خود سے کہا۔ "شہباز ملک! خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ

کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔"

صبح کے قریب میں نے بیتو کو بیدار کیا اور خود چند گھنٹوں کے لئے لیٹ گیا۔ میری آنکھ کھلی تو سب بیدار ہو چکے تھے۔ میں باہر آیا۔ مادھو کچن میں ناشتا بنا رہا تھا۔ ٹھاکر نشست گاہ میں کبیدہ چہرہ بنائے بیٹھا تھا۔ اس کے اعصاب پر کشیدگی سوار تھی۔ اس نے غصے سے مجھے دیکھا۔

"رات کو میرے کمرے کا دروازہ کیوں بند کیا گیا تھا۔"

بہتر ہوگا تم یہ سوچو کہ اب تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟" میں نے اسے دھمکایا۔ "تم اتنی سی بات سے پریشان ہو رہے ہو؟"

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ "کیا...... کیا کرو گے تم میرے ساتھ؟"

"اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہے، ممکن ہے تمہیں بخش دیں اور ممکن ہے...... خیر چھوڑو، مجھے نہانا ہے۔"

"اس طرف چلے جاؤ" اس نے اشارہ کیا۔ یہ باتھ روم لاؤنج کے ساتھ تھا اور بڑا شاندار قسم کا تھا۔ تمام سہولتوں کے ساتھ اس میں گرم پانی بھی آ رہا تھا۔ میں جی بھر کر نہایا۔ لباس وہی تھا مگر صاف ستھرا تھا۔ اس موسم میں پسینے اور بو کا مسئلہ نہیں تھا۔ باہر آیا تو وسیم لاؤنج میں تھا۔

"تم کب اٹھے تھے؟"

"جب آپ نے بیتو کو اٹھایا تھا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ہم نے ذرا سراغ رسانی کی تھی۔ اس سے ٹھاکر جی کی جوانی دیوانی کے بارے میں معنی خیز انکشافات ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک ڈائری ملی ہے اور چند تصویریں بتاں۔ ڈائری میں ان تصویروں والی دیویوں سے ملاقاتوں کا احوال درج ہے۔"

"قابل سنسر!" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"اس سے بھی زیادہ...... ٹھاکر جی اسی وجہ سے تو خفا ہیں۔"

"چلو، یہ مسئلہ بھی حل ہوا کہ ٹھاکر جی ہمارے جانے کے بعد چپ کیسے رہیں گے۔"

ناشتا تیار تھا۔ مادھو نے حلوہ پوری اور بھاجی کے ساتھ، سینڈوچز بھی بنائے تھے۔ ہم نے ناشتا کیا، ٹھاکر جی خاموش بیٹھے رہے۔ ناشتے کے بعد میں نے بیتو کو ان پر مقرر کیا اور میں وسیم اور کمار اندر والے کمرے کی طرف جانے لگے۔ ٹھاکر نے مجھے روک کر التجا کی۔ "میری ڈائری واپس کر دو۔ وہ تمہارے لئے بے کار ہے۔"

"ممکن ہے وہ بے کار نہ ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "بہر حال ہم ڈائری واپس کرتے ہیں یا نہیں۔ ہم آپ کو بلیک میل کسی صورت نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے ہمارے بارے میں اپنی زبان بند رکھی تو جلد ڈائری آپ کو مل جائے گی۔"

"تم میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کرو گے، وہ ڈائری منظر عام پر آ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گا۔" ان کی آواز لرز رہی تھی۔

"ٹھاکر جی! آپ جن لوگوں کی بات کر رہے ہیں ان کے اپنے کرتوت بھی آپ سے کم نہیں ہوں گے لیکن انہوں نے یہ حماقت نہیں کی ہوگی کہ اپنے کرتوت ڈائری میں لکھ دیئے ہوں۔ میں نے کہا تا آپ اطمینان رکھیں۔"

"میں بالکل چپ رہوں گا۔ کسی سے تم لوگوں کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہوں گا۔"

"تب آپ کی یہ امانت بہت جلد آپ کو مل جائے گی۔"

☆======☆======☆

کمار کا زخم مستقل آرام، علاج اور خاص طور سے اینٹی بایوٹک کے بھاری ڈوز سے تقریباً بھر چکا تھا۔ یعنی اوپر سے خشک ہو گیا تھا۔ صبح اس نے خود ہی اس کی پٹی کر لی تھی۔ ہم نے الگ کمرے میں میٹنگ اس لئے کی تھی کہ ہمارے مستقبل کا وہ لائحہ عمل کوئی اور نہ سن سکے۔ خاص طور سے ٹھاکر اور مادھو کا بے خبر رہنا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔ "کمار، مجھے اور وسیم کو واپس جانا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "میں ہمیشہ تمہیں نہیں روک سکتا لیکن ابھی مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"جاگیر تک سومترا بھی تمہیں لے جا سکتی ہے۔"

"مجھے جاگیر پر قبضہ کرنا ہے۔ وہاں راج کے آدمی ہوں گے۔ ان پر قابو پانے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ جلد میں اپنے دوسرے لوگوں کو بھی وہاں بلا لوں گا۔"

"کمار، کیا تم اس طرح کھلے عام یہ کام کر سکو گے؟"

"میں نے سومترا سے معلوم کیا ہے جاگیر دوسری آبادیوں سے دور ہے اور وہاں صرف راج کے آدمی ہیں اس لئے جب ہم وہاں قبضہ کریں گے تو باہر یہ خبر نہیں پھیلے گی۔"

"فرض کر لو...... راج بچ کر وہاں آ جاتا ہے تب؟"

"اس کا وہی انجام ہوگا جو ایک غدار کا ہونا چاہئے۔"

"اور سومترا؟"

"میں عورت کو قتل نہیں کر سکتا۔ میں اسے قید رکھوں گا جب تک جاگیر پر میرا قبضہ مستحکم نہیں ہو جاتا اور اس کے بعد وہ کہیں جانے کے لئے آزاد ہوگی۔"

"اور اس نے تمہارے بارے میں حکومت کو بتا دیا تو......؟"

"اس صورت میں یہ خود بھی نہیں بچے گی۔"

"عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ خود بچے گی یا نہیں؟" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اس لئے اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرنا، خوب سوچ سمجھ کر کرنا۔"

"جاگیر یہاں سے کتنی دور ہے؟" وسیم نے سوال کیا۔

"کوئی ساٹھ میل دور ہے۔" کمار نے جواب دیا۔

"یعنی ہم دو تین گھنٹے میں وہاں جا سکتے ہیں؟" میں نے کہا۔

"ہاں، دن میں سفر آسان ہوتا ہے۔"

"ہم دن میں سفر نہیں کریں گے۔" میں نے فوراً فیصلہ کرلیا۔ "سورج غروب ہونے کے بعد رات کو سفر کریں گے۔"

"وہ کیوں؟" وسیم نے سوال کیا۔

"وہ اس لئے کہ رات کو ایک تو چیکنگ کا خطرہ کم ہوگا، دوسرے گشتی پولیس سے بھی کم واسطہ پڑے گا۔ سردی کی وجہ سے وہ باہر کم نکلیں گے۔ دوسرے ہم ریڈیو اور ٹی وی سے صورتِ حال کا جائزہ لیں گے۔ ممکن ہے سرکار نے ہماری تلاش شروع کردی ہو۔"

"آج کے اخبارات بھی دیکھنا ہوں گے۔" وسیم نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس دور دراز پہاڑی علاقے میں اخبارات ایک دن کی تاخیر سے آتے ہیں، اس لئے یہ تو بے کار ہیں۔ ہاں ریڈیو اور ٹی وی سے درست صورتِ حال کا پتا چل سکتا ہے۔"

"یعنی ہم اب رات کو روانہ ہوں گے۔" کمار نے کہا۔

"تمہیں اعتراض ہے؟"

وہ مسکرایا۔ "میں تمہاری بات پر اعتراض کی جرأت کرسکتا ہوں۔"

"سوری کمار! میں سادھنا کے معاملے میں غصے میں آگیا تھا۔ یہ حقیقت ہے، وہ معصوم اور اچھی سوچ رکھنے والی لڑکی ہے۔ وہ تم سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ اب واپس اپنے بھائیوں کے پاس نہیں جانا چاہتی ہے۔"

"میں فی الحال اس کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔" کمار نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وسیم کے پاس ٹھاکر کی ڈائری تھی۔ میں نے اسے لے کر اس کے اقتباسات ملاحظہ کئے۔ ٹھاکر رائے مان سنگھ نے اپنی جوانی کی ان ملاقاتوں کی رُوداد لکھی تھی جب عقل انسانی جذبات کے تابع ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اس نے حماقت کا ثبوت دیا تھا، یہ ڈائری کسی اور کے ہاتھ لگ جاتی اور جیسا کہ لگ گئی تھی تو مان سنگھ کی عزت دو کوڑی کی رہ جاتی۔ اسے ہماری نظروں میں ہونے والی بے عزتی کی پروا نہیں تھی۔ فکر یہ تھی کہ ڈائری کے مندرجات اس کے واقف کاروں کے علم میں نہ آجائیں جس کے بعد وہ بیچ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

"ٹھاکر جی خاصے دولت مند ہیں۔" وسیم نے آہستہ سے کہا۔ "ان سے خاصا مال کھینچا جاسکتا ہے۔"

"بلیک میلنگ؟" میں مسکرایا۔

"بڑے میاں کو کچھ تو سزا ملنی چاہئے۔ پھر ہمیں بھی زادِ راہ کی ضرورت ہوگی۔"

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔"

"ان کے بیڈ روم میں ایک تجوری بھی ہے۔ یہ ڈائری بھی اسی میں ہوتی ہوگی۔"

"پھر تمہارے ہاتھ کیسے لگی؟"

"میرا خیال ہے بڑے میاں نے جوانی کی یادیں تازہ کرنے کے لئے نکالی تھی اور پھر اندر رکھنا بھول گئے۔"

میں ہنسا۔ "یہ بھول ٹھاکر جی کو مہنگی پڑنے والی ہے۔"

ہم باہر نکلے۔ سادھنا اور بیتو ایک صوفے پر سر جوڑے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے اور بیتو کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ ٹھاکر مان سنگھ نے پُر امید نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ٹھاکر جی، میرے ساتھ آیئے۔" میں نے نرمی سے کہا اور اسے لے کر اس کے کمرے میں آیا۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے میرے ہاتھ میں موجود ڈائری کو دیکھا۔

"تم یہ مجھے دینے آئے ہو؟"

"ٹھاکر، تم اسے حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، ہاں ----- لاؤ، یہ مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔

میں نے ڈائری پیچھے کر لی۔ "مان سنگھ اس کی تمہارے نزدیک کیا قیمت ہے؟"

"کیا مطلب؟" اس نے پریشانی سے کہا۔

"مطلب واضح ہے اگر میں تم سے کہوں کہ یہ ڈائری تمہیں بیچنا چاہتا ہوں تو تم اس کی کیا قیمت لگاؤ گے؟"

"تم ----- تم مجھے بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"چلو، ایسا ہی سمجھ لو۔"

"دیکھو، میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ میں تمہیں اس کے بدلے ہزار روپے دے سکتا ہوں۔"

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ "بس تمہارے نزدیک تمہاری عزت کی اتنی ہی قیمت ہے۔"

"اچھا چلو، پانچ ہزار لے لو۔" اس نے منت کی۔

"بس پانچ ہزار۔"

"دس ہزار، میرے پاس اس سے زیادہ نہیں ہیں۔"

"چلو، میں نے مان لیا، ٹھاکر جی ایک سودا کرتے ہیں۔ تم یہ ڈائری لے لو اور اس کے بدلے اس تجوری میں موجود نقد رقم میرے حوالے کر دو۔"

"ساری رقم!" اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی۔

"ہاں ساری رقم، چاہے وہ ایک ہزار ہو ----- یا ایک لاکھ۔ سودا اسی صورت میں ہوگا ورنہ کل تک اس ڈائری کی فوٹو کاپیاں تمہارے تمام جاننے والوں کے پاس ہوں گی۔"

ایسا لگا کہ ٹھاکر جی کو ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔ "ایسا مت کرو، میں برباد ہو جاؤں گا۔"

"فیصلہ میں نے تم پر چھوڑ دیا ہے۔ پیسا بچا لو یا عزت۔ اس بڑھاپے میں تمہارے لئے کیا چیز زیادہ اہم ہے۔" میں نے ڈائری ہلاتے ہوئے کہا۔ "سوچ لو تمہارے پاس شام تک کی مہلت ہے، رات کو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

میں باہر آیا اور بیتو کو بلایا۔ "ٹھاکر کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دو اور اس کے تالے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھو، وہ اندر کیا کر رہا ہے؟ خاص طور سے تجوری کے ساتھ۔"

بیتو نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ سوترا نزدیک تھی اور غور سے ہماری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے مشکوک

نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم اس کے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے ہو؟''

''میں سوچ رہا ہوں ٹھاکر سے تمہارا بیاہ کرادوں۔'' میں نے سنجیدہ مذاق کیا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''تمہارا دماغ درست ہے، میں اس سے شادی کروں گی۔''

''کیوں، کیا برائی ہے اس میں؟...... صحت مند ہے، بوڑھا ہے تو کیا ہوا، دل والا ہے اور دولت مند بھی ہے۔''

''میں اس سے کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گی۔''

''تم سے پوچھ کون رہا ہے۔ پنڈت کو بلا کر تمہارے اس کے ساتھ پھیرے کروانے ہیں۔''

''تم...... تم مجھ سے اس طرح بدلہ لے رہے ہو؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''چلاؤ مت، آخر تمہارا کیا، کیا جائے؟ راج مارا جا چکا ہے اور تم اب دنیا میں اکیلی ہو۔ میں ٹھاکر کو راضی کر رہا تھا کہ کیا ہوا جو نچلی ذات کی ہے، خوبصورت اور جوان تو ہے۔ وہ مان گیا ہے بڑی مشکل سے۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر اور تم پر۔'' سوترا چیخ کر بولی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔ سادھنا ہماری باتیں سن رہی تھیں۔ سوترا کے جانے کے بعد اس نے تشویش سے کہا۔

''کیا تم سچ مچ......؟''

میں ہنس دیا۔ ''تمہارا بھی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں۔ بھلا کسی کی اس طرح شادی کی جا سکتی ہے زبردستی؟''

کمار اور وسیم نشست گاہ میں تھے، مادھو غائب تھا۔ میں نے مادھو کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''کھانا بنا رہا ہے دوپہر کا۔'' وسیم نے بتایا۔

''اور وہ خاموشی سے بھاگ گیا تو؟''

''نہیں بھاگ سکتا، میں نے کچن کے دروازے پر تالا لگا دیا ہے۔''

''اس کے پاس دوسری چابی بھی ہو سکتی ہے۔'' میں نے کہا اور کچن کی طرف لپکا۔ میرا اندیشہ درست نکلا اور میں بروقت پہنچا تھا۔ مادھو تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک گچھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لرزنے لگا اور گچھا اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

''میرے کو معاف کر دو جی!'' وہ قدموں میں گر گیا۔

''تا کہ تم دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرو۔'' میں نے اس کی تشریف پر لات رسید کی۔

''بھگوان کی سوگند، میں نہیں بھاگوں گا جی!''

جب وسیم کو پتا چلا کہ وہ کیا کر رہا تھا تو اس نے مشتعل ہو کر مادھو کی مزید مرمت لگائی، وہ رونے چلانے لگا۔ ''بھونک مت کتے!'' وسیم نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ ''ورنہ تجھے گولی مار کر باغیچے میں گاڑ دوں گا۔''

''اس پر نظر رکھنا۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

اسی لمحے بیتو بھاگا ہوا آیا۔ ''صاحب! وہ بڈھا اندر اپنی تجوری سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر بستر کے نیچے

چھپا رہا ہے۔"

"میں نے اسی لئے تمہیں اس کے پیچھے لگایا تھا۔" میں نے سر ہلایا۔" دیکھتے رہو۔"

کمار بھی کچن میں آیا۔" یہ کیا چکر ہے شہباز!"

" کچھ نہیں، ٹھاکر سے مال نکلوا رہا ہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

مادھو مار کھانے کے بعد روتے ہوئے کھانا بنا رہا تھا۔" اب بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ ہاتھ پاؤں سے نہیں، گولی سے ماریں گے۔" میں نے اسے خبردار کیا۔" دو کپ چائے بنا کر لے آؤ۔"

نشست گاہ میں ٹی وی اور ریڈیو دونوں تھے۔ ٹھاکر شوقین مزاج شخص تھا۔ اس نے کیبل ٹی وی لے رکھا تھا۔ ہم مختلف نیوز چینل دیکھتے رہے مگر اس علاقے میں ہونے والے خونریز واقعات کی کوئی خبر نہیں تھی۔ مجھے حیرت تھی، آج کل کے دور میں جب میڈیا معمولی سی خبر بھی کھود کر لے آتا تھا، اتنے بڑے قتلِ عام اور فوجی نقل و حرکت کی کوئی خبر نہیں تھی۔

" کیونکہ مرنے والے نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔" کمار نے تلخی سے کہا۔" اس ملک میں آج بھی کئی ہزار سال پرانا ذات پات کا نظام ہے۔"

"ظلم و زیادتی کا یہ نظام ہر جگہ ہے۔" میں نے سرد آہ بھری۔" امریکا اور آسٹریلیا جیسے نام نہاد مہذب ممالک میں آبائی باشندوں کے ساتھ تیسرے درجے کے شہریوں سے بھی بدتر سلوک کیا جا رہا ہے۔"

" مگر اس طرح ایک پورے قبیلے کی نسل کشی تو نہیں کی جا رہی ہے۔"

میں ہنسا۔" تم بھی کن خیالوں میں ہو دوست۔ مہذب امریکی بم باری کر کے ساری دنیا کے سامنے عراق اور افغانستان میں ایک دن میں اتنے لوگ مار دیتے ہیں اور ان کے ضمیر کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔"

" مظلوموں کے لئے کہیں جائے پناہ نہیں ہے۔"

" سوائے موت کی آغوش کے، ان کو مشکل سے ہی کہیں پناہ ملتی ہے۔"

مادھو چائے بنا کر لے آیا۔ سادھنا نے ریموٹ سنبھال لیا تھا اور ایک فیشن شو دیکھ رہی تھی۔ آج موسم کم سرد تھا اس لئے اس نے جیکٹ اتار دی تھی۔ نیچے اس نے ہائی نک کی چست جرسی اور اسکن فٹ جینز پہن رکھی تھی۔ جرسی بھی اس کے جسم پر یوں چسپاں تھی کہ تمام دلکش نسوانی خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ کمار دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے سادھنا سے بات کرنے کا موقع دینے کے لئے میں چائے لے کر باہر باغ میں نکل آیا۔ ٹھاکر کا گھر کسی قدر بلندی پر تھا اور یہاں سے قصبے کا منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ عام بھارتی قصبوں کے مقابلے میں یہ خوبصورت اور صاف ستھرا قصبہ تھا۔ ترتیب سے بنے کھلونے نما مکانات اور ان کے درمیان صاف اور پختہ راستے۔ بیشتر مکانات کے اردگرد سبزہ اور درخت تھے۔ برف نہ ہونے سے ظاہر تھا کہ یہ بہت بلند نہیں ہے۔ ممکن ہے سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ تک بلند ہو۔ جیسے مری کا نچلا حصہ ہے۔ سردی بھی ایسی تھی۔ میں ماربل سے بنی بینچ پر بیٹھا تھا کہ اچانک سوترا آ کر میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

" تم مجھ سے نفرت کرنے لگے ہو؟"

اس کا سوال اچانک تھا۔ میں نے سنبھل کر جواب دیا۔" میں تم سے کیوں نفرت کروں گا؟"

''اس لئے کہ میں راج کی بہن ہوں۔''

''یہ احمقانہ خیال ہے۔ کیا تم سے اس وجہ سے نفرت کی جا سکتی ہے؟''

''پھر...... تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک سادھنا کے ساتھ تمہارا غلط رویہ دوسرے مجھے یقین ہے راج اور تم، دونوں مل کر مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔''

''فرض کرو ایسا ہی ہے تب بھی تمہارا کیا نقصان ہے؟''

میں نے شانے ہلائے۔ ''ابھی سے میں کیا کہہ سکتا ہوں مگر سوچنے کی بات ہے مس سومترا، جو شخص اپنے کسی مفاد پر اپنے لوگوں کو قربان کر دے اس پر کیسے بھروسا کیا جا سکتا ہے؟''

''اس کا جرم اس کے ساتھ گیا ہے۔'' سومترا افسردگی سے بولی۔ ''مجھے بھی یقین ہے، میرا بھائی اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے یقین نہیں ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''راج جیسے لوگ جذباتی ہو کر جان دینے والوں میں سے نہیں ہیں، آؤ اندر چلیں۔''

''میں کچھ دیر یہاں بیٹھنا چاہتی ہوں۔''

''سومترا! کھلی فضا میں رہنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ ''چلو اندر۔''

''میرا ہاتھ چھوڑو۔'' وہ تلملائی مگر میں اسے گھسیٹ کر اندر لے آیا۔

''یہاں بیٹھو!'' میں نے اسے صوفے پر دھکیل دیا۔ ''اب تم بلا اجازت باہر نہیں جاؤ گی۔''

''کیوں......؟'' اس نے تلملا کر کہا۔ ''مجھ پر پابندی لگانے والے تم کون ہوتے ہو؟''

''سادھنا اس پر نظر رکھنا۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''یہ کوئی بھی مشکوک حرکت کرے تو فوراً ہمیں بتانا۔''

''یہ کیا کر رہے ہو تم۔'' کمار حیران تھا۔

''مس سومترا، راج کی بہن ہے، یہ بات کبھی بھولنا مت۔'' میں نے جواب دیا تھا۔

شام تک ہم آرام کرتے رہے۔ اس دوران میں ٹھاکر جی کے لئے فون آتے رہے اور خود لوگ بھی اس سے ملنے آتے رہے تھے۔ مادھوان کو ٹال رہا تھا کہ ٹھاکر جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہم سامنے نہیں آئے تھے مگر مادھو کو خبردار کر دیا تھا کہ اب اس نے کوئی حماقت کی تو اس کی خیر نہیں ہو گی اور اسے پرلوک سدھارنا پڑے گا۔ شام کو میں نے ٹھاکر سے بات کی۔

''ہاں تو ٹھاکر صاحب! آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''کس بارے میں؟''

''اس ڈائری کے بارے میں؟'' میں نے اسے ڈائری دکھائی۔

''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔'' اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

"کتنی رقم ہے تمہارے پاس؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"دس ہزار روپے!" اس نے ہچکچا کر کہا۔ "میرے پاس کل اتنی ہی رقم ہے۔"

"او کے، دکھاؤ مجھے ٹھا کر جی!"

اس نے چابی سے تجوری کھولی۔ اندر سو اور پانچ سو کے ملے جلے نوٹ پڑے تھے، اس نے وہ نکال کر مجھے دے دیئے۔ اس کے علاوہ اندر کاغذات، چند رجسٹر اور ایک ڈبا تھا۔ جیسا کہ زیورات رکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "اس میں کیا ہے؟"

"میری بیوی کا زیور ہے۔"

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ "مری ہوئی بیوی سے محبت نہیں تھی لیکن اس کا زیور سنبھال کر رکھا ہے، کیا دوسری شادی کا ارادہ تھا؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے کی خفت سے ظاہر تھا کہ میری بات درست تھی۔ ٹھا کر جی کو کوئی دوسری عورت نہیں ملی۔ میں باہر آیا۔ ابھی میں نے ڈائری ٹھا کر کے حوالے نہیں کی تھی۔ اس نے مانگی بھی نہیں تھی، اسے معلوم تھا کہ میں ڈائری ساتھ لے جاؤں گا۔ مادھو رات کے لئے کھانا بنا رہا تھا اور کمار سومترا سے جاگیر کے انتظامات کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ میں وسیم کو ایک طرف لے گیا اور ڈائری اس کے حوالے کر کے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے، پھر میں نے سادھنا سے کہا۔

"ٹھا کر جی کو ذرا لوڈو میں لگا کر ان کا دل بہلاؤ...... دل بہلانے کا مطلب سمجھتی ہو نا۔"

"کیوں نہیں۔" وہ ہنسی اور ٹھا کر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ چند لمحے بعد وہ اسے نشست گاہ میں لے آئی۔ انہوں نے لوڈو کی بساط بچھائی اور کھیلنے لگے۔ میں نے وسیم کو اشارہ کیا، وہ چپکے سے ٹھا کر کے کمرے میں گھس گیا۔ بیتو مادھو کے سر پر مسلط تھا۔ سومترا اور کمار ایک طرف مصروف تھے۔ اس لئے کسی نے توجہ نہیں دی۔ وسیم دس منٹ بعد نکلا اور اس نے سر کے اشارے سے مجھے بتایا کہ کام ہو گیا ہے۔ آٹھ بجے کھانا لگا اور ہم سب نے ایک ساتھ کھایا۔ ٹھا کر جی کو بھی زبردستی شامل کر لیا تھا۔ کھانے کے بعد ہم نے کافی پی۔ راستے کے لئے مادھو نے دو بڑے تھرماس چائے اور کافی سے بھر دیئے تھے۔ رائے مان سنگھ کو اب ڈائری کی فکر تھی۔ اس نے مجھ سے آہستہ سے کہا۔ "تم مجھے ڈائری دے جاؤ گے نا؟"

"ڈائری میں ساتھ لے جاؤں گا اور دو تین دن تک مجھے اطمینان رہا تو میں اسے تمہارے پتے پر بھیج دوں گا۔"

"ڈاک سے؟" اس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔ "نہیں......اگر کسی کے ہاتھ لگ گئی تو؟"

"تب تم بتاؤ۔"

"تم اسے جلا دینا۔ میری عقل دیکھو......اسے ابھی تک سنبھال کر رکھا تھا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ میں اسے سچ مچ جلا دوں گا۔"

"ہاں، مجھے تم پر اعتماد ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "اگر تم دھوکا دینے والے آدمی ہوتے تو میری بیوی کا زیور بھی نہ چھوڑتے۔"

''مان سنگھ میں دھوکا دیتا ہوں اور نہ دھوکا کھاتا ہوں۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''تم بے فکر رہو۔ ڈائری کسی اور کے پاس نہیں جائے گی۔''

نو بجے ہم نے سامان جیپ میں رکھا۔ دو دن کے بھرپور آرام اور کھانے پینے سے ہم سب تازہ دم ہو گئے تھے۔ جیپ میں ابھی اتنا ڈیزل تھا کہ ہم کوئی دو سو کلومیٹر آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ پہاڑی علاقوں پر ایندھن زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے راستے میں ایندھن لینے کا سوچا۔ کمار کا زخم خاصی حد تک بھر گیا تھا اور دواؤں کے مسلسل استعمال سے اس کی حالت سو فی صد نہیں تو نوے فی صد تک ٹھیک ہو چکی تھی۔ ڈرائیونگ وسیم نے سنبھالی تھی۔ ہم تینوں نے ہی ٹھاکر جی کے اوزاروں سے شیو بنا لی تھی۔ اس طرح ہمارے چہرے خاصی حد تک بدل گئے تھے۔ جانے سے پہلے میں نے ایک بار پھر ٹھاکر کو خبردار کیا کہ ہمارے بارے میں پولیس کو اطلاع دینے کی حماقت نہ کرے ورنہ اسے بھی پریشانی کا سامان کرنا پڑے گا۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ میں اور کمار آگے والی نشست پر تھے جب کہ بیتو، سادھنا اور سومترا کے ہمراہ عقبی سیٹ پر تھا۔

''راج لاما کا یہ فارم یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''کوئی سو کلومیٹر...... امید ہے ہم صبح سے پہلے وہاں ہوں گے۔''

''اس کے بعد؟''

''ہم وہاں قبضہ کر لیں گے اور میں اپنے آدمیوں کو بلا لوں گا۔''

میں نے غور کیا۔ ''تمہارا ارادہ مار دھاڑ کا ہے؟''

''اس کے سوا اور کیا طریقہ ہے؟''

''طریقہ تو ہو سکتا ہے۔ دیکھو، زبردستی قبضہ کرنے سے وہ مزاحمت کریں گے اور اس سے دونوں طرف سے لوگوں کے مارے جانے کا خطرہ ہے۔ فائرنگ کی آواز پولیس کو اس طرف متوجہ کر سکتی ہے۔''

''تب پھر کیا کریں؟''

''ہمیں حکمت عملی سے کام لینا ہوگا ہم خود کو سومترا کا خادم اور محافظ ظاہر کریں گے۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''وہ کیسے؟'' اس نے غور کیا۔ ''اور سومترا مانے گی۔''

''اسے ماننا پڑے گا، ہم ظاہر کریں گے کہ راج نے ہمیں سومترا کا خصوصی محافظ مقرر کیا ہے۔''

''وہ مجھے نہ پہچان لیں۔'' کمار نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''ممکن ہے ان میں وادی کے لوگ بھی ہوں۔''

''میرا خیال ہے راج نے یہ ٹھکانا سب سے چھپ کر بنایا ہوگا اور وہ وہاں کسی بھی ایسے شخص کو نہیں رکھے گا جو اس کا بھانڈا پھوڑ دے۔ پھر بھی اس صورت میں تمہیں سومترا کا سیکرٹری بنایا جا سکتا ہے۔''

''ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔''

''اب اسے کون سمجھائے گا۔'' کمار کا اشارہ سومترا کی طرف تھا۔

''میں اس سے بات کر لوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

آگے جگہ ذرا تنگ ہونے سے کمار بے آرام تھا اس لئے وہ عقب میں چلا گیا اور اس کی جگہ بیتو آگے آ

گیا۔ میں نے اپنے لئے کافی نکالی۔ وسیم محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جہاں اسے شک ہوتا کہ راستہ بھٹک رہا ہے وہ ذرا نقشہ نکال کر چیک کرتا تھا۔ میں نے ذرا پاؤں پھیلا کر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا، طے یہ ہوا تھا کہ دو گھنٹے بعد ڈرائیونگ میں سنبھال لوں گا۔ مجھے اونگھ آ گئی تھی۔ وسیم نے دو کے بجائے مجھے تین گھنٹے بعد بیدار کیا۔

''سوری شہباز صاحب، میں آپ کو نہیں جگاتا مگر یہاں سے معاملہ کچھ مجھ سے باہر ہے۔ سامنے تین راستے نکل رہے ہیں ہمیں کس راستے سے جانا ہے۔''

عقب میں سوسترا ابھی سو رہی تھی، میں نے اسے بیدار کیا۔ اپنے حواس بحال کرنے کے لئے ہم نے ایک ایک کپ تلخ کافی کا پیا تھا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں نقشہ بچھا کر اس کا معائنہ کیا۔ سوسترا کچھ کنفیوز تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے، یہ تیسرا راستہ ہے جو بلندی کی طرف جاتا ہے۔''

''اس کی کوئی نشانی جو تمہیں یاد ہو؟''

اس نے سوچا۔ ''ہاں، ذرا آگے جاؤ۔ تو ایک چٹان آئے گی اس کا اوپری حصہ سڑک پر جھکا ہے اور ایسا لگتا ہے چٹان نیچے سے گزرنے والے پر گر جائے گی۔''

''کتنی دیر بعد آئے گی یہ چٹان؟''

''تقریباً نصف گھنٹے بعد۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ وسیم برابر میں آ گیا۔

''شہباز صاحب، بڈھے کے پاس سے خاصی رقم نکلی ہے تقریباً دس بارہ لاکھ تھے۔ میں نے ترس کھا کر صرف چھ لاکھ لئے تھے۔''

''صرف چھ لاکھ!'' میں ہنسا۔ ''اور ڈائری؟''

''وہ میں نے اس کی الماری میں سب سے نچلے حصے میں چھپا دی تھی۔''

''ممکن ہے وہ اسے کبھی نہ ملے۔''

''مجھے تو لگ رہا ہے آدھی رقم غائب پا کر اسے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔'' وسیم ہنسا۔

''بڈھا بہت کنجوس ہے۔'' بیتو نے اس کی تائید کی۔

''سارا کھایا پیا نکال لائے ہیں ہم۔'' میں ہنسا۔

کمار پیچھے سے بولا۔ ''کیا نکال لائے؟''

جب میں نے اسے بتایا کہ ٹھاکر نے ہمارے ساتھ کیا چالاکی دکھائی اور ہم نے اس کے ساتھ کیا کیا تو سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔ میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے دھیان دے رہا تھا کہ مجھے وہ چٹان دکھائی دے۔ جس سے یقین ہو جائے کہ ہم درست راستے پر تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد مجھے وہ چٹان نظر آ گئی، اس کا مطلب تھا ہم ٹھیک راستے کی طرف جا رہے تھے۔ ''مس سوسترا، چٹان نظر آ گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے ہم فارم کی طرف جا رہے ہیں۔ مزید کتنا سفر باقی ہے؟''

''ابھی ایک گھنٹے کا سفر باقی ہے۔''

''بہتر ہو گا تم آگے آ جاؤ اور میری رہنمائی کرو۔''

وسیم پیچھے چلا گیا اور سوحترا آگے آ گئی تھی۔ "ہاں، یہ وہی چٹان ہے۔"

"فارم کس نوعیت کا ہے؟"

"اس میں باغات ہیں جس میں دو در جن افراد کام کرتے ہیں۔ کام کے لئے نیچے قصبوں سے عورتیں اور لڑکیاں آتی ہیں۔"

"خوب ---- اور کتنا بڑا فارم ہے۔"

"میں نے کبھی ناپا نہیں، تم چل کر دیکھ لینا۔ ویسے یہ ایک چھوٹی سی وادی میں ہے جو چاروں طرف سے چٹانوں میں گھری ہے۔"

"چاروں طرف سے ---- تو اندر جانے کا راستہ کہاں سے ہوگا؟"

"چٹانوں کے درمیان مختصر سا راستہ ہے۔ ہم نے اس میں گیٹ لگا لیا ہے۔"

"مسلح افراد کتنے ہیں؟"

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میری بات کا جواب دو۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"پانچ چھ مسلح محافظ ہیں۔"

"بس۔" میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ "راج جیسا شخص اتنے معمولی سے حفاظتی انتظامات پر مطمئن ہونے والا نہیں ہے۔"

"ویسے تو سارے ہی ملازمین اسلحہ استعمال کرنا جانتے ہیں مگر خاص محافظ یہی پانچ چھ لوگ ہیں۔"

"یہ کہاں کہاں ہوتے ہیں۔"

"ایک گیٹ پر اور دو اندر کوٹھی پر ---- دو آرام کرتے ہیں۔"

میں نے غور کیا۔ ہمیں پانچ افراد سے نمٹنا تھا اگر سوحترا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "ہمیں اندر جانے کی اجازت کیسے ملے گی۔"

"میں جو ساتھ ہوں، وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"راج لاما نے ان کو کوئی ایسا حکم دے رکھا ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ تمہارے حکم کی تعمیل کریں یا تم جو کہو وہ کریں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "بھیا، مجھ پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔"

"ظاہر ہے، تم اور راج کوئی الگ الگ تھوڑی ہو۔" میں نے طنز کیا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔ میں نے جتو سے چائے کی فرمائش کی۔ اس نے مجھے کپ میں نکال دی۔ جیپ اب بلندی کی طرف رواں دواں تھی اور سردی کے اثر سے باہر دھند نظر آنے لگی تھی جو رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے رفتار کم کر دی تھی اور جیپ کی ہیڈ لائٹس پورے طور پر آن کر دی تھیں۔

"اس میں آگے فلیش لائٹ بھی ہیں۔" سوحترا نے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے آن کیا تو جیپ کی چھت پر لگی فلیش لائٹس جل اٹھی تھیں۔ اس سے راستہ قدرے بہتر نظر آنے لگا تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں

نے سوترا سے پوچھا۔ "کب فارم کتنی دور ہے؟"

"اس دھند میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ سڑک کے دائیں طرف ایک راستہ نکلے گا جو سو گز اوپر جانے کے بعد فارم کے گیٹ تک پہنچے گا۔"

"کوئی نشانی یا بورڈ لگا ہے راستے پر؟"

"ہاں، راج اسٹیٹ کا بورڈ لگا ہے۔"

"یہاں پر بھی اسٹیٹ بنالی۔" میں ہنسا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہاری خادمہ خاص کہاں ہے؟"

"وہ وہیں رہ گئی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہم اس کا خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ کوئی ہماری اس حیثیت سے واقف ہو۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ہم پانچ اور افراد اس ریاست سے واقف ہو چکے تھے جو راج نے سب سے چھپ کر بنائی تھی تو رازداری کا تقاضا تھا کہ ہم سب کا بھی قلع قمع کر دیا جائے اور سوتی صدر راج اور اس کی اشیرو کا یہی پلان تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کمار سے مشورہ لازمی تھا ایسا نہ ہو کہ ہم بے خبری میں موت کے سامنے چلے جائیں اور کچھ کیے بغیر فوت ہو جائیں۔ میں نے جیپ ایک طرف روک لی اور کمار کو آواز دی۔ "ذرا باہر آؤ، تم سے بات کرنی ہے۔"

"اتنی ویران جگہ کیوں رکے ہو۔" سوترا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

کمار کے ساتھ وسیم بھی اتر آیا تھا میں نے بیتو سے کہا۔ "جیپ سے اور کوئی نہ اترے، سمجھ گئے؟"

"جی صاحب، بالکل سمجھ گیا۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

جیپ کے گرم ماحول سے باہر آتے ہی شدید سردی نے ہمیں لرزا دیا تھا، یہ بلند جگہ تھی اور یہاں پر سردی زیادہ تھی۔ مگر یہ برف والا علاقہ نہیں تھا۔ میں نے کمار کو مختصراً سوترا سے حاصل ہونے والی معلومات فراہم کیں۔ ان حالات میں فارم میں داخل ہونا کسی ان جانی کچھار میں داخل ہونے کے برابر ہے، نہ جانے اندر شیر ملے یا بھیڑ۔

کمار پریشان ہو گیا تھا۔ "تمہارا مطلب ہے، یہ ہمیں اندر جاتے ہی مار دیں گے۔"

"میرا خیال ہے راج نے اپنے قاتل محافظوں کو کچھ اس قسم کی ہدایات دے رکھی ہیں کہ وہاں آنے والے ہر اجنبی کو بلا اجازت اڑا دو۔"

"غور کرنے کی بات ہے اتنی خفیہ جگہ اور اس نے کتنی آسانی سے ہمیں اس کا پتا دیا، کیا وہ اپنی بہن کے ساتھ خود نکل کر نہیں آ سکتا تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ اس نے بلاوجہ کا خطرہ کیوں مول لیا؟" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔" کمار عجیب سے لہجے میں بولا۔ "اس نے یہ سارا چکر میرے لئے چلایا ہے۔ وہ تم سب کو اڑا دے گا مگر مجھے زندہ رکھے گا۔"

"کیونکہ تم اس کے چاچا کے لڑکے ہو۔" میں نے طنز کیا۔

"نہیں، وہ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا معلوم کرنا چاہتا ہے؟"

"یہ بات تمہارے لئے بے کار ہے۔" کمار نے وسیم کے سوال کا جواب ٹالنے والے انداز میں دیا۔

"کمار، مجھے لگ رہا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور میں نے پہلے اس بات کی پروا نہیں کی تھی کیونکہ انسان کے پاس بہت سارے راز ایسے ہوتے ہیں جو وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتا ہے۔ مگر اب مسئلہ زندگی اور موت کا ہے۔ یہ فارم ہم سب کے لئے موت کا پھندا بھی ثابت ہو سکتا ہے اس لئے میں پوری بات جانے بغیر وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"میرے دوست...... تم نے درست کہا۔ میں نے یہ بات تمہیں پہلے اس لئے نہیں بتائی تھی کہ تمہارا جاننا یا نہ جاننا ایک جیسا ہوگا۔ مگر اب میں تمہیں بتا رہا ہوں...... مگر صرف تمہیں۔"

وسیم اس کا مقصد سمجھ کر جانے لگا مگر میں نے اسے روک لیا۔" کمار وسیم میرے لئے ایسا ہی ہے جیسے میرا دایاں بازو۔ میں اسے خود سے الگ نہیں سمجھتا۔ اگر تمہیں بتانا ہے تو اس کے سامنے بتاؤ۔"

"یہ بتا کر تم نے اچھا کیا، اب اس کی پوزیشن میرے ذہن میں کلیئر ہے۔" کمار نے سر ہلایا۔" یہ سارا معاملہ ان پتھروں کا ہے جو بے جان ہوتے ہیں لیکن ان کے لئے انسان بے شمار دوسرے لوگوں کا خون بہانے سے گریز نہیں کرتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے ہیرے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، ہمارے علاقے میں ایک جگہ ہیرے کی زیر زمین کان ہے۔" اس نے کہا۔"اس کا پتا میرے باپ کو تھا پھر اس نے مجھے بتایا۔ میں نے کمسن ہونے کی وجہ سے یہ بات کہیں کہہ دی اس کے بعد سے یہ ہوتے ہوتے کنور خاندان تک جا پہنچی اور وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اس ہیروں کی کان کو ہتھیا لیں۔ جب میرے باپ نے انکار کیا تو وہ انتقامی کارروائیوں پر اتر آئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے سرکار کی مدد سے میرے پورے قبیلے کو ختم کر دیا۔"

"اور تم ان بے جان پتھروں کا راز اپنے سینے میں دبائے بیٹھے رہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔" بے گناہ لوگوں کو مرتا دیکھتے رہے۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر دیر ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی درندگی پر اتر آئیں گے۔ راج کنور کے محل پر حملے کے بعد میرا ان سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔"

"تو تم ہیروں کی کان کا راز سینے میں دبائے بیٹھے ہو، کس لئے؟" وسیم نے بھی پُر ملامت لہجے میں کہا۔

"یارو...... اب مجھے بھی ضد ہے، میں مر جاؤں گا مگر اس کا راز کنور خاندان کو نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"یہ بھول ہے تمہاری، وہ جدید طریقوں کی مدد سے کان کا سراغ لگا لیں گے، ان کا اصل مقصد علاقے میں چھپ کر کام کرنا تھا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے تمہارے لوگوں کو مارا۔"

کمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، ہم جیپ سے ذرا فاصلے پر اس طرح کھڑے تھے کہ اس کی ہیڈ لائٹ کی روشنی ہم پر آ رہی تھی۔" میں ان لوگوں کو بخشوں گا نہیں۔"

''فی الحال بات ہو رہی ہے راج کے بارے میں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''اس کتے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے، اس نے مجھے وادی سے نکال دیا کیونکہ میرے پاس ہیروں کی کان کا راز ہے۔ وہ مجھے یہ راز معلوم کرنے تک زندہ رکھے گا۔''

''اور خود مرنے کے لئے زیرِ زمین بستی میں رہ گیا۔'' وسیم نے سوال کیا۔

''نہیں، وہ نہیں مرے گا۔ اسے بستی کے چپے چپے کا علم ہے۔ وہ خفیہ پناہ گاہوں کا مالک ہے بھارتی فوج ملتوں بھی اسے تلاش نہیں کر سکتی۔''

''انہوں نے تلاش کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ انہوں نے زیرِ زمین بستی کو دھماکے سے منہدم کر دیا۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اتنی بڑی بستی کو تباہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہاں فوج نے باہر آنے جانے والے راستے کو تباہ کر دیا ہوگا۔''

مجھے کمار کی بات درست لگی تھی۔ بستی کے اوپر بہت بڑا پہاڑ تھا، وہ اندر دھنستا تو نہ جانے کتنے بڑے رقبے کو متاثر کرتا۔ ممکن ہے پوری وادی ہی تباہ ہو جاتی۔

''اب فرض کر لیا جائے کہ راج بچ گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو وہ کہاں کا رخ کرے گا؟''

''وہ بچ گیا ہے۔'' کمار نے وثوق سے کہا۔ ''وہ جلد اس طرف آئے گا اور اس کی آمد سے پہلے ہمیں فارم پر قبضہ کر لینا چاہئے۔''

''کیسے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میرے ذہن میں ایک خیال ہے شہباز صاحب!'' وسیم بولا۔ ''ہم گیٹ کیپر کو قابو کر لیتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' گاڑی دیکھتے ہی وہ اندر اطلاع کر دے گا۔ اس کے پاس مواصلاتی نظام ہے۔''

''اسے گوریلا طریقے سے قابو کیا جا سکتا ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔ اگر ہم سادھنا کو استعمال کریں۔ وہ خوف زدہ حالت میں اس کے پاس پہنچے تو وہ ممکن ہے اندر اس کی اطلاع نہ دے۔'' میں نے خیال پیش کیا۔

''اکیلا لڑکی کے چکر میں پڑ جائے۔'' کمار مسکرایا۔ پھر پوچھا۔ ''اگر سادھنا نے اسے باہر نکال لیا پھر؟''

''اسے قابو کر کے ہم خاموشی سے اندر دھاوا بول دیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اتنی سردی میں باہر مشکل سے ہی کوئی ملے گا۔''

''میرا خیال ہے ہمیں سومترا سے معلوم کر لینا چاہئے۔ اندر مسلح افراد کہاں کہاں ہیں۔'' کمار نے کہا۔ ''اسے معلوم ہوگا۔''

''وہ اتنی آسانی سے نہیں بتائے گی۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو مشکل سے بتا دے گی۔''

''کوشش کر لو۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''لیکن میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ عورت کمزور ہوتی ہے مگر بعض اوقات ہیرے سے زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ ٹوٹ جاتی ہے مگر جھکتی نہیں ہے۔''

ہم واپس جیپ میں آئے۔ کمار نے سومترا سے سوالات شروع کئے اور اس نے جواب میں ہٹ دھرمی

دکھانی شروع کی۔ کمار نے غصے میں آ کر اسے تھپڑ مارا۔ وہ چیخنے چلانے لگی۔ میں نے کہا۔ ”کمار بے کار ہے۔ یہ نہیں مانے گی۔ اسے ختم کرو اور نیچے پھینک دو۔ کل تک بھیڑیے اس کی لاش کھا جائیں گے۔“

”نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ سومترا لرزتی آواز میں بولی۔

”کیوں جب تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہی ہو ہم تمہیں کیوں لئے پھریں۔“ میں نے پستول نکالا۔ ”چلو نیچے اترو۔“

”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ سادھنا پریشان ہو گئی تھی۔

”مس سومترا کا مرڈر!“ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

”تم پاگل ہو گئے۔“ سومترا چلائی مگر میں نے نیچے اتر کر اسے بھی نیچے کھینچ لیا۔

”میں پاگل نہیں ہوں۔ میں نے تم دونوں بہن بھائی سے سیکھا ہے اپنے مفاد پر انسانوں کو بے دریغ قربان کردو۔ میں تم کو کیوں معاف کروں۔ جب تم مجھ سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہو۔“

میں نے اسے سڑک کے کنارے کھڑے ہونے پر مجبور کیا، جب میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔

”او کے۔“ اس نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ”کیا چاہتے ہو تم؟“

”اندر...... فارم کے اندر کتنے مسلح افراد ہیں۔“

”سات!“ اس نے تسلیم کرنے کے انداز میں کہا۔

”کہاں کہاں ہیں؟“

”ایک مین گیٹ پر ہوتا ہے۔ ایک کوٹھی کے گیٹ پر ہوتا ہے۔ ایک اندر اور ایک کوٹھی کے اوپر بنے واچ ٹاور پر۔ جہاں سے وہ پورے فارم پر نظر رکھ سکتا ہے۔“

”واچ ٹاور...... یہ کوٹھی کے کس حصے میں ہے؟“ میں چونکا۔

”عقبی طرف چٹان کے ساتھ اسے اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہ چٹان کا ایک حصہ نظر آتا ہے اور دور سے کسی کو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی واچ ٹاور بھی ہے۔“

وہ جس طرح سب کچھ فر فر بتا رہی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ میری ترکیب کامیاب رہی تھی، ظاہر ہے میرا اسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر میں نے اسے تاثر کچھ ایسا دیا تھا کہ میں اسے گولی مارنے والا تھا۔ جان کے خوف سے اس نے اتنی اہم بات بتا دی ورنہ ہم اندر گھستے اور مارے جاتے۔ واچ ٹاور پر موجود نگران ہمیں دیکھ لیتا اور وہ ہمارے استقبال کے لئے تیار ملتے۔ یہ نئی اطلاع تشویش ناک تھی۔ میں نے سومترا کو واپس جیپ میں لے جا کر کمار اور وسیم کو اس بارے میں بتایا۔ ”اس مسئلے کا حل نکالنا ہوگا۔ یہ بھی امکان ہے کہ ٹاور کا نگران اوپر سے ایک برسٹ مار کر ہم سب کو ایک ساتھ دنیا سے رخصت کر دے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

”اگر ہم میں سے ایک گیٹ کے نگران کا لباس پہن لے؟“ کمار نے تجویز دی۔

”ویری گڈ! یہی واحد تدبیر ہو سکتی ہے۔“ میں نے اسے داد دی۔ ”بس تو طے ہے۔ ہمیں پہلے گیٹ کے

نگران کو قابو کرنا ہو گا اس کے بعد میں اس کے کپڑے پہن کر اندر جاؤں گا۔"

"شہباز صاحب، یہ کام مجھے کرنے دیں۔" وسیم نے کہا۔

"چلو دیکھ لیں گے۔" میں نے کہا "ابھی تو فارم تک جانا ہے۔"

فارم تک جاتے ہوئے نصف گھنٹا اور لگا تھا۔ راج اسٹیٹ کا بورڈ نظر آتے ہی میں نے جیپ روک لی تھی۔ بورڈ کے ساتھ ایک راستہ اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے سادھنا کو باہر بلا لیا۔ جیپ کی روشنیاں بند کر دی تھیں۔ سادھنا حیران تھی کہ مجھے اس سے کیا کام ہے۔

"سادھنا، تمہیں ایک خاص کام کرنا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے، وہ سر ہلانے لگی۔

"میں کر لوں گی، مگر اس نے خود باہر آنے کے بجائے مجھے اندر بلا لیا تو؟"

"تمہیں کوئی بہانہ کرنا ہے۔ مثلاً تمہارے پاؤں میں موچ آئی ہے، تم خود سے اندر نہیں جا سکتیں، تم اس سے کہو گی کہ تمہیں اٹھا کر لے جائے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

میں جیپ کی طرف واپس آیا۔ "جیتو اور سوترا یہیں رہیں گے، کمار اور وسیم میرے ساتھ آئیں۔"

"مجھے کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو؟" سوترا بولی۔

"تمہارا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور کوئی حرکت مت کرنا ورنہ جیتو تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گا۔"

میں، وسیم، کمار اور سادھنا اس پختہ راستے پر اوپر جانے لگے۔ چٹانی دیواریں دکھائی دے رہی تھیں مگر ان میں گیٹ نظر نہیں آیا تھا۔ پھر بھی ہم محتاط تھے یک دم گیٹ کے سامنے جا نکلتے اور نگران بھی باہر جھانک رہا ہوتا تو ہم فوراً نظروں میں آ جاتے۔ پھر گیٹ نظر آ گیا۔ اس کے دیو ہیکل سیاہ فولادی پٹ بند تھے۔ ہم رک گئے، اس کے دائیں بائیں ستون تھے۔ ان کی آڑ میں آسانی سے پوزیشن لی جا سکتی تھی۔ "وسیم تم بائیں طرف کے ستون کی آڑ میں جاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔

وسیم بائیں طرف جھاڑیوں اور پتھروں کے ساتھ دبکتا ہوا گیٹ کے ساتھ لگے ستون کی آڑ میں چلا گیا۔ اس طرف مکمل تاریکی تھی۔ "کمار، تم یہاں رکو، کسی ناگہانی صورت میں تم ہمیں کور دو گے۔ سادھنا جب میں اشارہ کروں تو تم کراہتی اور مدد کے لیے پکارتی اس طرف آنا اور یہ اپنی جیکٹ اتار دو۔"

"میں سمجھ گئی۔" سادھنا نے جیکٹ اتارتے ہوئے کہا۔

میں دائیں طرف سے ممکن حد تک تاریکی اور آڑ میں گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس طرف بھی تاریکی تھی البتہ بعض جھریوں سے ہلکی سی روشنی جھلک رہی تھی۔ اندر کوئی چیز روشن تھی۔ میں نے خود کو ستون کی آڑ میں کر لیا تھا پھر میں نے ہاتھ سے سادھنا کو اشارہ کیا اور وہ آڑ سے نکل کر گیٹ کی طرف آئی۔

"ہائے، کوئی ہے۔" اس نے دردناک آواز نکالی۔ جس میں نسوانی لوچ نمایاں تھا۔ اس کا اثر کیسے نہ ہوتا فوراً ہی اندر کوئی چونک کر اٹھا اور اس نے گیٹ میں موجود جھری کھولی۔

"کون ہے..... سامنے آ۔"

سادھنا گیٹ سے کوئی دس فٹ دور زمین پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ ''میں...... ہائے...... پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا ہے، میری مدد کرو۔''

''کون ہے؟'' نگران نے اندر سے سادھنا پر ٹارچ کی تیز روشنی ڈالی۔ اس نے جیکٹ اتار دی تھی اور جان بوجھ کر زمین پر اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کے دلکش جسمانی خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔

''میں ابھاگن ہوں۔ وہ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے جان چھڑا کر یہاں آئی ہوں۔ وہ اِدھر بھی نہ آ جائیں، مجھے بچا لو۔''

نگران کی آنکھیں سادھنا کے حسن نے خیرہ کر دی تھیں۔ اس نے عقل بالائے طاق رکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ ''اندر آ جاؤ، جلدی۔''

''مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔ پاؤں میں موچ آئی ہے۔ مجھے اٹھا کر اندر لے چلو۔'' سادھنا نے ایسے لہجے میں فرمائش کی تھی کہ وہ خود بھی معذور ہوتا تب بھی اسے اٹھانے آ جاتا۔ جیسے ہی وہ گیٹ سے نکل کر باہر آیا، میں نے اللہ کا نام لے کر اس کی گردن پر پستول کے دستے سے وار کیا اور وہ منہ کے بل زمین پر گرا تھا، اس کی رائفل خاصے شور سے زمین سے ٹکرائی تھی۔ ایک لمحے کو میں ساکت رہ گیا تھا مگر جب کہیں سے کوئی ردِ عمل نہیں ہوا تو میں تیزی سے حرکت میں آیا۔ وسیم بھی اسی وقت ستون کی آڑ سے نکلا اور ہم نگران کو کھینچ کر گیٹ کے اندر لے گئے۔

گیٹ ایک چٹان کی آڑ میں تھا اور یہ کوٹھی سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے نگران کا لباس اتارتے ہوئے کہا۔

''ان دونوں کو بلا لو، جلدی۔''

نگران میرے قد و قامت کا شخص تھا، میں نے اس کا لباس اتارا اور اس اثنا میں کمار اور سادھنا بھی آ گئے۔ ''خواتین و حضرات منہ دوسری طرف کو لیں۔''

سادھنا پہلے ہی منہ دوسری طرف کر چکی تھی کیونکہ نگران حالتِ فطرت میں تھا، اس کے لباس سے بو آ رہی تھی، بدبخت نہ جانے کب سے غسل سے گریزاں تھا۔ میں نے بادلِ ناخواستہ اس کا لباس پہنا۔ اس نے ایک عدد وردی پہن رکھی تھی۔ وہاں چارپائی پر کمبل رکھا تھا اور اس کے قریب ہی دہکتے انگاروں والی ایک انگیٹھی تھی۔ نگران کو چارپائی پر ڈال کر کمبل اوڑھا دیا تھا۔ اس کے پاس خودکار رائفل تھی۔ میں نے اس کی اونی ٹوپی سر پر جمائی اور پوچھا۔ ''کیا خیال ہے، اس جیسا لگ رہا ہوں؟''

''تقریباً۔'' وسیم بولا۔ ''مگر آپ اکیلے اندر جائیں گے؟''

''نہیں، آپ سب بھی چلیں......'' میں نے بھنا کر کہا۔

وہاں پر ایک عدد لالٹین روشن تھی اور ہنگامی حالت کے لئے وہاں دستی سرچ لائٹ بھی تھی۔ میں گیٹ کی اوٹ سے نکلا اور نپے تلے قدموں سے کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ کوٹھی دائیں جانب اس مختصر سی وادی کے سب سے بلند مقام پر تھی۔ یہ بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اصل میں چار دیواری کے اندر پورا کورڈ ایریا تھا۔ اس کے گیٹ پر تیل سے جلنے والے لیمپ روشن تھے۔ اندر کوٹھی میں بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔ مجھے کوشش کے باوجود واچ ٹاور نظر نہیں آیا۔ اوپری چٹانوں میں کئی جگہ تاریک رخنے تھے مگر ان پر واچ ٹاور کا گمان بھی مشکل تھا۔

پہلا مرحلہ بے حد آسانی سے طے ہونے کے بعد میرا حوصلہ بلند تھا۔ راج نے فارم کی حفاظت کے لئے

معمولی سے لوگ بھرتی کر رکھے تھے۔ اگر ایسا ہی نمونہ کوٹھی کے گیٹ پر تھا تو میں اسے بھی آسانی سے قابو کر سکتا تھا۔ میں نے کوٹھی کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی کھانسنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا فوری ردِعمل ہوا تھا۔ ایک شخص نے اندر سے کچھ کہا۔ یہ ہندی نما اردو تھی۔

''پانی!'' میں نے کھانسی کے درمیان میں کہا، آواز واضح نہیں تھی۔ اس لئے اس نے بلا کھٹکے دروازہ کھول دیا اور میں نے اسے گردن سے پکڑ کر باہر کھینچا پھر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر گھٹنا کمر پر مارا۔ جب وہ تڑپ کر سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو میرے ہاتھ کی سختی کی وجہ سے اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس کا جسم بے ہنگم انداز میں میرے ہاتھوں میں پھڑکنے لگا تھا۔ مجھے افسوس ہوا مگر میں اسے ذرا بھی مہلت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ شور کر کے کسی کو متوجہ کر لے اور یہ دیکھ کر افسوس بڑھ گیا تھا کہ وہ نوعمر لڑکا تھا۔ اس کی مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

اسے گیٹ سے ہٹا کر دیوار کے ساتھ اگی ایک پھولدار بیل کے عقب میں ڈال دیا۔ وادی کے دوسرے سرے پر ایک عمارت اور تھی، ترچھی چھت والی ایک منزلہ عمارت تھی۔ یہ شاید ملازمین کے لئے مخصوص تھی۔ میں نے گیٹ کے اندر قدم رکھا۔ کوٹھی کا پورچ تاریک تھا اور اس میں ایک عدد نئے ماڈل کی مرسیڈیز کار کھڑی تھی۔ یہ حصہ اوپری چٹانوں سے نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ یہاں سے اوپری چٹانیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اوپر کوئی واچ ٹاور تھا تو اس میں موجود نگران کی نظروں سے یہ ساری کارروائی محفوظ رہی تھی۔

اب سوال یہ تھا کہ باقی پانچ مسلح محافظ کہاں تھے۔ یہیں تھے یا ملازموں والی عمارت میں تھے۔ ابھی مجھے سب سے پہلے واچ ٹاور کے نگران سے نمٹنا تھا، اس کے ہوتے ہوئے میرے بقیہ ساتھی اندر نہیں آ سکتے تھے۔ میں نے مرکزی دروازہ چیک کیا وہ کھلا تھا۔ میں اندر داخل ہوا۔ یہ وسیع و عریض اور سجا سجایا ڈرائنگ روم تھا مگر یہاں کوئی نہیں تھا۔ میں کوٹھی کے مختلف کمروں میں چکراتا رہا۔ کوٹھی میں ساز و سامان پورا تھا لیکن انسان نہیں تھے۔ اوپر کی منزل کی طرف جاتے ہوئے مجھے سیڑھیوں کے نیچے راستہ نظر آیا تھا۔ میں نے پہلے اسے چیک کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب میں نے گول پتھریلی سیڑھیاں دیکھیں جو اوپر جا رہی تھیں تو میرا شک یقین میں بدل گیا۔

میں بنا آواز کئے سیڑھیوں سے اوپر پہنچا، یہاں تاریکی تھی اور مجھے راستہ ٹٹولنا پڑ رہا تھا۔ آخر میں ایک دروازے تک پہنچا جو بند تھا اور اندر سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ واچ ٹاور کا نگران اندر سے دروازہ بند کئے بے خبر سو رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ نگرانی خاک کر رہا تھا۔ میں نے اسے سونے دیا اور نیچے اتر آیا۔ میں نے پھاٹک تک کا فاصلہ تیزی سے طے کیا۔ ''وسیم کمار!'' میں نے قریب جا کر آواز دی۔

مگر وہاں کوئی نہیں تھا جو میرے سوال کا جواب دیتا۔ بے ہوش نگران اپنی چارپائی پر پڑا تھا۔ مگر وسیم، کمار اور سادھنا غائب تھے۔ پھاٹک کا چھوٹا دروازہ بھی کھلا تھا۔ میں باہر آیا۔ ان تینوں کو باہر بھی نہ پا کر میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ میں پلٹنے لگا تھا کہ ایک آواز آئی۔

''رک جاؤ شہباز! اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ اپنے ہتھیار پھینک دو۔''

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں ساکت ہو گیا تھا مگر میں نے ہتھیار نہیں پھینکے تھے۔ آواز

بلاشبہ راج کی تھی اور مجھے اب ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ میرے ساتھی کسی برے انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔ اگر وہ زندہ بھی تھے تو آزاد نہیں تھے۔ میں نے ذرا توقف کے بعد پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''راج، تم مجھ سے ہتھیار کیوں رکھوانا چاہتے ہو۔ میرا خیال ہے میں نے تمہاری اور تمہاری بہن کی مدد کی ہے۔ ہمارے درمیان دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''مدد!'' راج کے لہجے میں زہر تھا۔ ''مدد کے بہانے تم میرے فارم پر قابض ہونا چاہتے تھے مگر راج بے وقوف نہیں ہے۔ میں مستقل تمہارے پیچھے تھا۔''

''جب تم نے ہمارا پیچھا کرنا تھا تو ہمیں جانے کیوں دیا تھا، تم خود بھی سومترا کو لے کر وہاں سے نکل سکتے تھے۔'' میں وقت گزاری کے لئے بلا وجہ کے سوال کر رہا تھا۔

'مجھے وہاں ایک کام تھا بہر حال اب تم ہتھیار پھینک دو، تمہارے تمام ساتھی میرے قبضے میں ہیں۔''

''تم نے ان کے ساتھ کیا، کیا ہے؟''

''فی الحال تو بے ہوش ہیں اور میں آخری بار کہہ رہا ہوں، ہتھیار پھینک دو ورنہ......''

''ورنہ کیا...؟'' میں نے آرام سے کہا اور یک دم چھلانگ لگا کر ایک چٹان کے پیچھے جا گرا۔ کوئی فائر نہیں ہوا، بس مجھے اپنے بائیں پہلو میں ہلکی سی چبھن ہوئی تھی، میں نے ہاتھ مارا تو ایک ننھی سی سرنج والی سوئی میرے جسم سے الگ ہو گئی۔ اسے ڈارٹ کہتے ہیں اور اسے فائر کرنے کے لئے مخصوص گن ہوتی ہے۔ سوئی جسم میں اترتی ہے اور دباؤ کے تحت سیکنڈ سے بھی کم وقت میں انجکشن کی دوا جسم میں اتر جاتی ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ دوا بے حد زود اثر تھی کیونکہ چند سیکنڈ کے اندر میرا ذہن چکرانے لگا تھا اور اس سے پہلے کہ میرے پاس کوئی آتا، میں بے ہوش ہو گیا تھا۔



مجھے ہوش آیا تو میں ایک کمرے میں فرش پر بچھی چٹائی پر پڑا تھا۔ میرے دائیں طرف وسیم اور کمار تھے اور بائیں جانب بیتو تھا مگر سادھنا ہمارے ساتھ نہیں تھی۔ کمرا خالی تھا اور وہاں سوائے ایک چٹائی کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کمرا اتنا سرد نہیں تھا جتنا کہ اس موسم میں ہونا چاہئے تھا۔ شاید یہ زیر زمین تھا اسی وجہ سے کسی قدر گرم تھا۔ ہمارے جسموں پر مکمل لباس تھے مگر لباسوں کے سوا ہمارے پاس سے ہر شے لے لی گئی تھی۔ حد یہ کہ میرے اور کمار کے ہاتھوں سے گھڑیاں بھی اتار لی گئی تھیں۔ اس کا مقصد ہمیں وقت دیکھنے سے روکنا تھا۔ اس کمرے میں آنکھ کھولنے میں واحد مثبت پہلو یہ تھا کہ فی الحال راج ہمیں قتل کرنا نہیں چاہتا تھا ورنہ اس وقت ہم کسی مشترکہ قبر میں پڑے ہوتے اور ظاہر ہے لاش میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔ میں نے اٹھ کر ان تینوں کو اٹھانے کی کوشش کی۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر ختم ہو چکا تھا اور وہ صرف سو رہے تھے اس لئے معمولی سی کوشش سے اٹھ گئے۔ بیتو نے اٹھ کر اپنی زبان میں کچھ فرمایا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے کمار کی طرف دیکھا، اس نے ترجمہ کیا۔

''یہ کہہ رہا ہے، میں کہاں ہوں؟''

''اسی دنیا میں۔'' میں نے کہا۔

''اس دنیا سے جانے کے امکانات بھی روشن ہیں۔'' وسیم نے پہلی بار زبان کھولی، وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ ''راج سے اچھائی کی امید نہیں کی جا سکتی، وہ بزدل اور کمینہ دشمن ہے۔''

''وہ بزدل اور کمینہ دشمن اتنی آسانی سے آپ لوگوں پر حاوی کس طرح آ گیا؟'' میں نے ذرا تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

وسیم نے سر کھجایا۔ ''جناب! وہ اپنے ساتھ کچھ خبیث قسم کی چیزیں لایا ہے۔ یہ بونے ہیں تین ساڑھے تین فٹ کے، سوئی انہوں نے ہی ماری تھی اور یہ کسی گن کے بجائے منہ میں نلکی رکھ کر پھونک مارتے ہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''جس نے مجھے سوئی ماری تھی میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ چھلاوے کی طرح تاریکی سے نکلا تھا اس وقت میں گیٹ کے پاس تھا۔''

''اور ہم دونوں عقب میں چٹان کی آڑ میں تھے۔'' کمار نے بتایا۔

''لڑکیاں کہاں ہیں؟''

''وہ سڑک کے پار جھاڑیوں میں تھیں۔'' کمار نے بتایا۔ ''میں نے سادھنا کی چیخ سنی تھی، میں اس کی طرف بھاگا تھا جب مجھے تیر لگا۔''

''تیر......تمہارا مطلب ہے انجکشن؟''

''نہیں، سچ مچ کا تیر...... چھوٹا سا...... اس پر کوئی فوراً اثر کرنے والی دوا لگی تھی۔ میں چند سیکنڈ کے اندر بے ہوش ہو گیا تھا۔''

''میں پیچھے تھا اور مجھے کسی نے پیچھے سے تیر مارا تھا۔'' بیتو نے آپ بیتی پیش کی۔

''یعنی ہم پر دو طرح سے حملہ ہوا تھا۔'' میں نے غور کیا۔ ''بونے اور کس نے دیکھے تھے؟''

''میں نے۔'' بیتو بولا۔ ''بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے دو عدد بونے دیکھے تھے، وہ مجھ پر ہنس رہے تھے۔''

''سوال یہ ہے کہ سادھنا ہمارے ساتھ کیوں نہیں ہے؟''

کمار نے تلخی سے کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو، اس حرام زادے کی شروع سے اس پر نیت خراب رہی ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اس نے اب تک ہمیں زندہ کیوں رکھا ہے؟'' وسیم نے کہا۔ ''کیا وہ ہمارے حوالے سے کسی اور چکر میں ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''اس نے دیکھ لیا ہے، ہم ذمے داری اٹھانے والے گدھے ہیں۔ ورنہ وادی سے نکلتے ہی سومترا بی بی کو سلام کرتے اور اپنی راہ لیتے۔ ہم اسے وادی تک پہنچانے آ گئے۔''

''آپ بھول رہے ہیں، کمار نے وادی پر قبضے کا سوچا تھا۔'' وسیم نے یاد دلایا۔

''یہ بعد کی بات تھی۔'' میں نے کہا۔ ''راج نے جس آسانی سے ہم پر قابو پا لیا اس سے لگ رہا ہے وہ شروع سے ہمارے تعاقب میں تھا۔''

''میرا خیال ہے وہ ہم سے پہلے وادی میں آ گیا تھا اور خاموشی سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔'' وسیم نے کہا۔

''اتنی تیاری کے ساتھ۔'' کمار نے یاد دلایا۔ ''اسے کیسے معلوم کہ ہمارے عزائم کیا ہیں؟''

''راج عقل مند شخص ہے اس نے پہلے ہی اندازہ کر لیا ہو گا۔'' میں نے کہا اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ ''اس نے ویسے ہی ہم سے نجات حاصل کرنی تھی اور جانتا تھا کہ ہم آسانی سے قابو نہیں آئیں گے اس لئے اس نے پوری تیاری رکھی تھی۔''

''مگر آسانی سے ہم قابو میں آ گئے۔'' وسیم مسکرایا۔

''اصل میں ہم روایتی انداز میں مقابلے کے لئے تیار تھے۔ ان چیزوں کا تو سوچا ہی نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

اس کے بعد سب خاموش ہو گئے۔ میرا اندازہ تھا کہ صبح ہو چکی ہے لیکن اس کمرے میں دن رات کا فرق معلوم کرنا دشوار تھا۔ کمرا چاروں طرف سے بند تھا اور ایک فولاد کا مضبوط دروازہ لگا تھا، ہم میں سے کسی کے پاس گھڑی نہیں تھی۔ میرا پیٹ خالی ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، آخری کھانا کھائے ہوئے کم سے کم بارہ گھنٹے گزر چکے

تھے اور اب تک کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ عین ممکن تھا، راج نے خود قتل کرنے کے بجائے ہمیں بھوکا پیاسا مرنے کے لئے یہاں چھوڑ دیا ہو۔ جب ہم مر جائیں تو ہماری لاشیں نکال کر اس وادی میں کسی گڑھے میں دبا دی جائیں۔

تقدیر نے مجھے ایک جال میں الجھا دیا تھا۔ میں اس سے نکلنے کی کوشش مین مزید الجھتا جا رہا تھا۔ کچھ مجھے بھی بلاوجہ کی خارش تھی، ہر معاملے میں پنگا لینے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی۔ اس کوشش میں آج لگ رہا تھا کہ میں خود پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا تھا۔ اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے وادی سے نکلنے کے بعد اپنی راہ لینی چاہئے تھی۔ میں اس سرزمین پر اجنبی تھا اور میرا پاکستانی ہونا ہی سب سے بڑا جرم بن جاتا جس کے بعد ممکن ہے میری اس طرح وطن واپسی ہوتی جس طرح آئے دن میرے ہم وطن بھارت سے اپنے ملک جاتے ہیں، تابوت میں بند شکستہ بدن لئے۔

میں سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ راج لاما سے پہلے دو سیاہ فام بونے اندر آئے۔ یہ افریقی نہیں تھے بلکہ ایشیائی تھے، ان کے نقوش کسی قدر چینیوں سے ملتے تھے۔ صفاچٹ سر اور بے حد چمکیلی سیاہ آنکھیں۔ انہوں نے سیاہ رنگ کی چست پتلون اور سیاہ ہی جرسی پہن رکھی تھی۔ کپڑے اس طرح سے ان کے جسم کا حصہ بنے ہوئے تھے کہ ایک نظر میں وہ عریاں ہی لگ رہے تھے۔ ان کے آتے ہی ہم ساکت ہو گئے تھے اس کی وجہ ان کا عجوبہ وجود نہیں تھا بلکہ ان کے ہاتھوں میں چھوٹی مگر مہلک یوزی مشین گنیں تھیں جنھیں انہوں نے مستعد انداز میں تھام رکھا تھا۔ انہوں نے دروازے کے دائیں بائیں پوزیشن لے لی تھی۔ پھر راج اندر آیا۔ وہ کسی قدر متفکر تھا۔ کسی نے کچھ کہا نہیں، اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔

"سادھنا کہاں ہے؟" اس نے اچانک سوال کیا۔

"سادھنا کے بارے میں ہم سے پوچھ رہے ہو؟" کمار نے بھڑک کر کہا۔

"حالانکہ ہمیں خود نہیں معلوم کہ ہم کہاں ہیں؟" میں نے لقمہ دیا۔

"سادھنا...... مجھے تم لوگوں کے ساتھ نہیں ملی۔"

"جھوٹ مت بولو...... وہ تمہارے پاس ہے، ہم نے اسے سومترا کے پاس چھوڑا تھا۔"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ سومترا مجھے سڑک کے پاس جھاڑیوں میں بے ہوش ملی تھی، اس نے بتایا کہ جب ہنگامہ شروع ہوا تو سادھنا نے اچانک اس کے سر پر پتھر سے ضرب لگائی تھی۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" میں نے غور سے اسے دیکھا۔

"مجھے تم لوگوں سے کیا خوف ہو سکتا ہے جو میں جھوٹ بولوں۔" اس نے بھڑک کر کہا اور سادھنا کو گالی دی۔ "وہ...... بھاگ گئی ہے۔"

"اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔" کمار غصے سے کھڑا ہوا تو راج لاما کے بونے مستعد ہو گئے۔

"رک جاؤ کمار!" میں نے بونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا اگر کمار نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو یہ بونے اسے چھلنی کر دیں گے۔ وہ رک گیا اور کچھ دیر ہونٹ کاٹنے کے بعد وہ جھٹکے سے واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ "راج، تم نے ہمیں کیوں قید رکھا ہے۔ ہم نے تمہاری بہن کو بحفاظت یہاں تک

پہنچا دیا ہے اس لئے ہمیں جانے دو۔"

"مجھے احمق مت سمجھو۔" اس نے جھڑکنے کے انداز میں کہا۔ "تم لوگ فارم پر قبضہ کرنے آئے تھے۔ میرے چوکیدار کو بے ہوش کیا تھا۔"

"اس نے ہمیں اندر آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

"سوحرا کے ہوتے ہوئے وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔" راج نے یقین سے کہا۔ "تمہاری نیت بدل گئی تھی۔ تم نے سوچا کہ میں وادی میں مارا جاؤں گا اور تم فارم پر قبضہ کر لو گے۔ سوحرا کو راہ سے ہٹانا مشکل نہیں تھا۔"

"تم کچھ بھی سوچنے کے لئے آزاد ہو۔" کمار نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب ہمارے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

راج کی آنکھوں میں خطرناک سی چمک نمودار ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں ہمارے حوالے سے کوئی خطرناک منصوبہ لگ رہا تھا۔ "مجھے ہر صورت سادھنا چاہئے۔"

"ہم تمہارے قبضے میں ہیں۔ ہمیں بالکل نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے کہا۔

راج لاما سوچ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "جیسے ہی مجھے علم ہوا وہ غائب ہے، میں نے سڑک کے دونوں جانب اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے۔ وہ سڑک پر ہوتی تو ان کو مل جاتی۔ وہ اسی علاقے میں چھپی ہے اور تم اسے سامنے لاؤ گے۔"

"وہ پاگل ہے جو ہمارے کہنے پر خود کو تمہارے حوالے کر دے جبکہ وہ تمہارے عزائم سے اچھی طرح واقف ہے۔"

راج مسکرایا۔ "وہ میرے عزائم سے ہی تو واقف نہیں ہے۔" اس نے غرور سے کہا۔ "تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ میرے دل میں کیا ہے۔"

تب میرے ذہن میں خیال آیا۔ راج بھی ہیروں کی کان کے چکر میں تھا اور اسے سادھنا کی اصلیت پتا چل گئی تھی۔ وادی میں کندور محل سے لائے جانے والے بے شمار افراد تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی راج کو بتا دیا ہوگا کہ سادھنا اصل میں کون ہے؟ اور وہ اسے قبضے میں لینے کے لئے اس لئے بھی بے چین تھا کہ اس کی مدد سے وہ کندوروں کو اپنے آگے مجبور کر سکتا تھا۔

"تم ہمارے ذریعے کس طرح مجبور کرو گے؟" کمار نے پوچھا۔ "اگر تمہارا خیال ہے، ہم اپنی جان بچانے کے لئے اسے سامنے آنے پر مجبور کریں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔"

"نہیں، تم نہیں میں مجبور کروں گا۔" راج لاما مسکرایا۔ "کیسے، یہ تمہیں کچھ دیر بعد پتا چل جائے گا۔"

راج لاما جملہ مکمل ہوتے ہی پلٹا اور دروازے سے نکل گیا۔ اس کے نکلنے کے بعد اس کے دو نے محافظ بھی الٹے قدموں نکلے اور دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ بند ہو گیا۔

"اس کے ذہن میں کوئی خوفناک منصوبہ ہے۔" وسیم نے تشویش سے کہا۔

"ظاہر ہے، دشمن سے آپ کسی خوبصورت منصوبے کی توقع نہیں کر سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور اٹھ کر دروازے کا جائزہ لیا۔ وہ بے حد مضبوط تھا اور اس میں کوئی جھری بھی نہیں تھی جس سے باہر جھانکا جا سکتا۔

واپس آ گیا۔ "فی الحال تو ہم بے بس ہیں۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "اس قید خانے میں تو کچھ نہیں کر سکتے۔"

"سوائے انتظار کرنے کے۔" کمار نے سرد آہ بھری۔

بیچو خاموش بیٹھا تھا۔ وہ مجھ سے کسی قدر بے تکلف تھا۔ مست کمار کے سامنے اس کی سٹی گم ہو جاتی تھی اور وسیم کے سامنے بھی وہ مؤدب رہتا تھا اس لئے ان دونوں کی موجودگی میں بالکل چپ اور گم صم بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی دلیری اور جاں نثاری سے اپنی افادیت ثابت کر دی تھی۔ کمار کے چہرے پر پہلی بار اطمینان نظر آیا تھا۔ یہ جان کر کہ سادھنا راج کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس نے پوچھا۔ "راج کس طرح ہماری مدد سے سادھنا کو سامنے آنے پر مجبور کر سکے گا؟"

"اگر وہ تمہارے سینے پر پستول رکھ کر سادھنا سے کہے کہ وہ سامنے نہ آئی تو تم مارے جاؤ گے۔ سادھنا اگر سب دیکھ رہی ہو گی تو کیا وہ سامنے نہیں آئے گی؟"

"وہ سامنے آ جائے گی۔" کمار نے بے ساختہ کہا۔

"راج بھی یہ حربہ استعمال کرے گا۔" میں نے یقین سے کہا۔ "اور وہ ہم سب کو ایک ساتھ نہیں لے جائے گا۔ وہ ہمارے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے۔ ذرا سا موقع ملتے ہی ہم بازی پلٹ دیں گے۔ وہ ہمیں ایک ایک کر کے لے جائے گا اور ہمیں زندہ واپس آنا نصیب نہیں ہو گا۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔" وسیم بے ساختہ بولا۔ "وہ ایسا ہی کرے گا۔"

"ایک آدمی کو قابو کرنا آسان ہوتا ہے۔"

"راج کو تمہارے اور سادھنا کے تعلق کا علم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے وہ سب سے پہلے مجھے لے جائے گا۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"نہیں تم نہیں میں جاؤں گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ تمہیں دیکھتے ہی سادھنا سامنے آ جائے گی۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ سادھنا چھپی رہے۔"

"ممکن ہے وہ بیری اس جگہ سے دور جا چکی ہو۔" بیچو نے پہلی بار زبان کھولی۔

"میرا خیال ہے وہ آس پاس ہے اور ہمیں چھڑانے کی فکر میں ہو گی۔" کمار بولا۔ "ویسے اسے یہاں سے نکل جانا چاہئے تھا۔"

"وہ شاید گزار پہاڑوں میں بھٹک گئی ہے اس وجہ سے اس نے یہاں سے دور جانے کی کوشش نہیں کی ہو گی۔" میں نے کمار کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنے جا رہا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ راج ملازموں کے ساتھ آیا تھا۔

"تم آؤ گے؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔

"چلو۔" میں اچانک اٹھ کر آگے بڑھا تو راج پھرتی سے پیچھے ہو گیا تھا اور اس کے باڈی گارڈ چوکنا ہو کر حصے میں رک گیا۔ "تم تو ڈر گئے؟"

"کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا۔" راج خشک لہجے میں بولا۔ "یہ بونے دھوکا نہیں کھاتے اور ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ ان کے سامنے غلط حرکت کرنے کا مطلب آتما ہتیا ہوگا۔"

"او کے! مجھے بھی خودکشی کا شوق نہیں ہے، اب چلو۔"

میرا اندازہ درست تھا ہم ایک تہہ خانے میں تھے۔ راج سب سے آگے تھا۔ اس کے عقب میں ایک بونا تھا اور اس کے بعد میں تھا۔ دوسرا بونا میرے عقب میں تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے گٹھے ہوئے سر عجیب سے لگ رہے تھے۔ میں نے مختلف اقسام اور نسلوں کے بونے دیکھے تھے۔ خاص طور سے افریقہ میں بونے قبائل پائے جاتے ہیں لیکن یہ بونے میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ان کا قد تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا یعنی ایک سات آٹھ سال کے بچے جتنا۔

"یہ نمونے تم نے کہاں سے لئے؟" میں نے باہر آنے کے بعد راج سے پوچھا۔

"یہ......" وہ بولا۔ "میں نے آسام کے ایک علاقے سے حاصل کئے ہیں۔ وہاں یہ دور افتادہ پہاڑوں میں رہتے ہیں اور اپنے علاقے میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے ہیں۔"

"تب تم نے ان کو کیسے حاصل کیا؟"

"میں نے ان کو خریدا ہے سونے کے بدلے۔ ان کے قبیلے میں سونا متبرک مانا جاتا ہے۔ میں نے ان کے سردار سے سونے کے بدلے یہ چھ بونے لئے تھے۔ یہ تربیت یافتہ باڈی گارڈ ہیں، بس شہر لا کر میں نے ان کو اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت دلوائی ہے۔ میں ان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔"

"یہ تمہاری زبان سمجھتے ہیں؟"

"نہیں، میں نے ان کی زبان سیکھی ہے۔"

میں نے دیکھا کوٹھی اور فارم میں اب کوئی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ "تمہارے آدمی کہاں گئے؟" میں نے پوچھا۔

"تم دیکھ لو گے۔" راج لاابالی سے بولا۔ "ویسے وہ نااہل ثابت ہوئے تھے، میں نے سب کو نکال دیا ہے۔"

فارم کے داخلی دروازے پر اب ایک مسلح گورکھا بیٹھا تھا۔ گورکھا قبائل نیپال سے تعلق رکھتے ہیں اور وفاداری و جاں نثاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ خصوصیت ہمارے شمالی قبائلیوں میں پائی جاتی ہے، اس وجہ سے ان دونوں اقوام کو چوکیدار کے فرائض سونپ دیئے گئے ہیں۔ افسوس کہ آج ہمارا قبائلی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ فارم سے باہر آنے کے بعد میں نے دن کی روشنی میں اس علاقے کو دیکھا۔ چاروں طرف سے پہاڑ تھے اور خاصے دشوار گزار تھے۔ ایک نازک لڑکی کے لئے انہیں عبور کرنا بہت مشکل کام تھا۔ مجھے راج کی بات درست لگی کہ سادھنا اسی علاقے میں ہے۔ وادی کے ساتھ کے پہاڑ بہت اونچے تھے، ان کی طرف جانا حماقت کہلاتی کیونکہ ان کے اوپری حصے سیدھی اور ننگی چٹانوں پر مشتمل تھے اور ان پر کوئی راک کلائمبر ہی چڑھ سکتا تھا۔ البتہ سڑک کے دوسری جانب جنگلات تھے اور ان میں آسانی سے چھپا جا سکتا تھا۔ سادھنا نے گرم کپڑے پہن رکھے تھے اور اس کے لئے جنگل میں رات گزارنا مشکل نہیں تھا اس کے پاس ایک عدد پستول بھی تھا جو اسے سومترا کو قابو میں رکھنے کے لئے دیا گیا تھا۔

''وہ شاید سامنے جنگل میں ہے۔'' راج نے اشارہ کیا۔

''سوال یہ ہے کہ وہ میرے کہنے پر خود کو تمہارے حوالے کیوں کرنے لگی۔''

''تم نے اسے بچا کر اس پر احسان کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے مگر احسان کے بدلے اپنی جان کون خطرے میں ڈالتا ہے۔''

''اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' راج بولا۔ ''اور اسے یہ بات تم سمجھاؤ گے۔''

''کیسے......؟ میرے گلے میں کوئی لاؤڈ اسپیکر نصب نہیں ہے۔''

''میرے پاس کا بھی حل ہے۔'' اس نے کہا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک حیرت انگیز طور پر مختصر سا میگافون برآمد کیا تھا۔ یہ مشکل سے سات انچ لمبا تھا اور اس کا قطر تین انچ تھا۔ اس میں خاصا وزن تھا جو غالباً بیٹری اور اسپیکر کے میگنٹ کا تھا۔ اس نے یہ میگافون میری طرف بڑھا دیا۔ ''اس کی آواز پانچ سو گز یعنی تہائی میل تک صاف سنائی دیتی ہے۔ اس میں زور سے بولنے کی ضرورت نہیں ہے صرف سرگوشی کرو تب بھی یہ پوری طاقت سے آواز نکالے گا۔''

میں نے تجربہ کر کے دیکھا۔ ''سادھنا......تم کہاں ہو؟'' واقعی آواز خاصی زوردار اور صاف تھی۔

''اسے سامنے بلاؤ۔''

''سامنے مت آنا...... یہاں سے بھاگ جاؤ۔'' میں نے الٹا مشورہ دیا۔

راج مسکراتا رہا۔ ''مجھے معلوم تھا تم ایسا ہی کرو گے، یہ اِدھر دو۔'' اس نے میگافون مانگا۔

''اس کا کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا اور میرے سوال کا دوسرا حصہ نہایت نازیبا اور ناقابلِ بیان تھا۔ میں نے میگافون کا ایک ممکنہ استعمال پوچھا تھا۔ راج نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ مت سمجھو کہ میں تمہیں زندہ رکھنے پر مجبور ہوں۔''

''اوکے، میں ڈر گیا۔'' میں نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا اور اچانک میگافون اس کی طرف اچھال دیا، وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا، اس نے اضطراری طور پر ہاتھ بڑھا کر میگافون پکڑنے کی کوشش کی مگر میں نے خاصی رفتار سے پھینکا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر سڑک کے نیچے گہرائی میں چلا گیا اور چند لمحے بعد اس کے کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے اور بکھرنے کی آواز آئی۔ راج کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ ''یہ کیا، کیا تم نے؟''

''سوری!'' میں نے معصومیت سے کہا۔ ''میں نے زیادہ زور سے اچھال دیا۔ غلطی تمہاری بھی ہے جب مانگا تھا تو لینے کے لئے تیار رہنا تھا۔''

وہ چند لمحے مجھے سفاک نظروں سے گھورتا رہا۔ ''شہباز، تم پچھتاؤ گے۔''

''وہ تو میں پچھتا رہا ہوں، وادی سے نکل کر مجھے اپنی راہ لینی چاہئے تھی، بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑائے رکھی۔''

راج نے ایک بونے سے کچھ کہا اور وہ کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ غالباً دوسرا میگافون لانے۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے پاس سچ مچ میگافون ہی تھا۔ اس نے میگافون لے کر میری طرف دیکھا اور منہ سے لگا کر

بولا۔ ''سادھنا! اگر تم میری آواز سن رہی ہو تو میرے پاس آ جاؤ۔ ورنہ میں شہباز کو مار ڈالوں گا۔''

''فرض کرو، وہ تمہاری آواز نہیں سن رہی ہے تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''تب بھی تمہیں مرنا ہوگا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور میگا فون میں بولا۔ ''سادھنا، تمہارے پاس سورج غروب ہونے تک کی مہلت ہے۔ اگر تم اس وقت تک میرے پاس نہیں آئیں تو سب سے پہلے شہباز مارا جائے گا، اس کے بعد دوسروں کی باری آئے گی۔''

راج مجھے لے کر گھومتا رہا اور یہی اعلان بار بار دہراتا رہا۔ اس کے بونے محافظ میری طرف سے یوں ہوشیار تھے جیسے میں ان کی آنکھ جھپکتے ہی دھواں بن کر غائب ہو جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے ذرا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ میں نے سورج کی طرف دیکھا، اس کے غروب ہونے میں ایک یا سوا گھنٹا باقی تھا۔ میں نے راج کی طرف دیکھا۔ ''تم مجھے سب کے سامنے قتل کرو گے؟''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ سادھنا کو کیسے پتا چلے گا کہ تم نے مجھے مار دیا ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''غالباً ایک فائر یا چیخ کی آواز سن کر وہ مطمئن نہیں ہوگی۔''

راج سوچ میں پڑ گیا۔ اس وقت تک وہ ہر ممکنہ جگہ اعلان کر چکا تھا جہاں اسے امید تھی کہ سادھنا موجود ہو گی۔ ''میں تمہیں بیچ سڑک پر کھڑا کر کے شوٹ کر دوں گا۔''

''اور یہ منظر کسی اور نے دیکھ لیا تو......؟ یہ سڑک تمہارے پتا جی کی تو ہے نہیں جس پر سے کسی دوسرے کو گزرنے کی اجازت نہ ہو۔''

''بکومت!'' وہ جھنجلا گیا تھا۔ ''یہ تمہارا دردسر نہیں ہے۔''

حقیقت یہ تھی کہ راج نے مجھے فکرمند کر دیا تھا، اس سے میری کوئی براہ راست دشمنی نہیں تھی مگر وہ انسانوں کی ایک خاص قسم سے تعلق رکھتا تھا، یہ وہ پیدائشی حکمران نسل ہوتی ہے جس کے لئے انسان ایک اوزار یا استعمال کی چیز سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، استعمال کیا اور پھینک دیا۔ ان کو بے دریغ اپنے مفاد پر قربان کر دیا۔ اس نے اپنے قبیلے اور اپنی وادی کے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور ان کو جس طرح بے دریغ کٹوا دیا تھا، اس سے اس کی فطرت کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا، مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ وہ بلف کر رہا ہے۔ اگر سادھنا کا مسئلہ نہ ہوتا تو اب تک ہم سب کو مروا چکا ہوتا۔

اب میری بچت کی ایک ہی صورت تھی کہ میں کسی طرح سے راج یا اس کے کسی مسلح بونے پر قابو پا لیتا۔ ایک بار اسلحہ میرے ہاتھ آ جاتا تو میں بازی الٹ دیتا۔ مگر مجھے ایسا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا کہ میں اس پر قابو پا سکتا۔ یہ بونے بہت ہی خبیث تھے اور انہوں نے ایک لمحے کی غفلت بھی نہیں برتی تھی۔ ان کی چھوٹی آنکھیں ایک لمحے کے لیے مجھ سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ راج ان پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے فطرت پکار رہی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ نہ سمجھنے کے انداز میں بولا۔

''اگر تم انگریزی جانتے ہو تو کال آف نیچر ضرور سمجھتے ہو گے۔''

''مجھ سے آسان زبان میں بات کرو۔''

''مجھے پیشاب آرہا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اب شاید تم سمجھ گئے ہو گے؟''

وہ مسکرایا۔ ''اب ہم واپس چل رہے ہیں۔ وہاں جا کر تم جی بھر کر جو چاہے کر لینا۔''

میں نے اپنی مایوسی چھپائی، میرا خیال تھا وہ مجھے جھاڑیوں یا کسی درخت کی آڑ میں جانے کی اجازت دے گا اور میں موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ ہم واپس فارم میں آئے۔ میں نے راج سے کہا۔ ''تم نے ہمیں اٹھارہ گھنٹے سے قید میں رکھا ہے اور اب تک نہ پانی دیا ہے اور نہ کھانا؟''

''جب تک سادھنا نہیں آجاتی، تمہیں نہ پانی ملے گا اور نہ کھانا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم میرے اندازے سے زیادہ گھٹیا اور کم ظرف شخص ہو۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''میں نے تمہاری مدد کر کے غلطی کی۔ اچھا تھا باہر نکلتے ہی تمہاری بہن کو بے یارو مددگار چھوڑ کر یہاں سے نکل جاتے۔''

''غلطی کی ہے تو اب اس کا خمیازہ بھگتو۔''

''راج، میں نے یہ سیکھا ہے وقت ایک سا نہیں رہتا، ممکن ہے کبھی تم میرے رحم و کرم پر ہو۔''

''جب ایسا وقت آئے تو تم مجھے معاف کر دینا۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''تم مجھے عالی ظرف لگ رہے ہو۔''

میں نے دل ہی دل میں اسے بے نقط سنائیں اور منہ سے بولا۔ ''کیا خیال ہے، سادھنا نہ آئی تو تم مجھے شوٹ کر دو گے؟''

''ظاہر ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم احمق ہو۔ کیا تم نے سادھنا کو عام لڑکی سمجھ رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ جلد مدد لے کر آئے گی اور تمہارے اس نام نہاد قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ تم اسے جانتے نہیں ہو۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''وہ کنور خاندان سے ہے۔ راج کنور اور ایرج کنور کی بہن!''

گویا میرا یہ اندازہ درست تھا مگر میں نے سخت حیرانی سے اظہار کیا۔ ''تم جانتے ہو اس کے باوجود اسے اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''ہاں، وہ ایک بہت بڑے خزانے کی چابی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے اس احمق شخص کو دیکھا جو کنوروں پر ان کی بہن کی مدد سے دباؤ ڈالنے کے خواب دیکھ رہا تھا جبکہ میں دیکھ چکا تھا، ان دونوں بھائیوں کو سادھنا کی کوئی فکر نہیں تھی۔ ایک بار ان کو معلوم ہو جاتا کہ سادھنا راج کے پاس ہے تو شاید وہ دونوں کو اڑا دیتے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور مجھے بھی اپنی عافیت خطرے میں نظر آرہی تھی۔ راج لاما نے مجھے مین گیٹ کے پاس ہی رکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''راج، مجھے تم جیسے عقل مند آدمی سے یہ امید نہیں ہے۔''

''کون سی امید؟'' اس نے غور کیا۔

''جو بات تمہارے ذہن میں آسکتی ہے، وہ کیا سادھنا نہیں سوچ سکتی۔ وہ اپنے بھائیوں سے رابطہ نہیں کر

سکتی۔ اگر کنوروں نے اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کیا تو تمہارے یہ چھ بونے ان کو کتنی دیر روک سکیں گے؟'' میں نے پُر یقین انداز میں کہا اور اس کا فوری اثر ہوا، وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ جیسے جیسے سورج ڈوبنے کا وقت قریب آ رہا تھا بونے بھی مضطرب ہوتے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک جو سب سے طویل قامت تھا اور شاید بونوں کا سردار تھا، اس نے راج سے کچھ کہا، وہ میری طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے راج لاما کو نفی میں سر ہلاتے دیکھا۔ پھر اس نے بونوں کو کوئی حکم دیا اور وہ میری طرف آئے۔ انہوں نے ایک رسی اٹھا رکھی تھی۔ پہلے انہوں نے میری کلائیاں عقب میں باندھیں اور پھر میری کمر سے رسی باندھ کر اسے دیوار کے ساتھ لگے ایک کھونٹے سے باندھ دیا، میرے ساتھ مویشیوں والا سلوک ہو رہا تھا۔

میں خاموش رہا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا، میرے بارے میں راج کا پلان بدل گیا تھا۔ میری بات نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔ اس دوران میں بونے کوٹھی کے اندر گئے اور ایک بندھے ہوئے برہنہ شخص کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے باہر لائے جہاں دو بونے الاؤ روشن کر رہے تھے۔ بندھا ہوا شخص سردی اور خوف سے ادھ موا ہو رہا تھا۔ اسے بونوں نے زبردستی گھٹنوں کے بل بٹھایا اور بونوں کا سردار ایک ٹوکا نما تلوار لایا۔ اس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہی لگ رہی تھی۔ میرے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی۔ ''راج، یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''دیکھتے رہو۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا یہ اس بے بس شخص کو قتل کر دیں گے؟''

اِدھر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے اُدھر بونے سردار نے ہوا میں پاؤں اچھالتے ہوئے اور گھومتے ہوئے اچانک تلوار کا وار کیا۔ گھومتی اور اوپر سے آتی تلوار نے چشم زدن میں اس بدنصیب کی گردن اڑا دی تھی۔ وہ پھڑک کر نیچے گرا، اس کا سر آگے چلا گیا اور جسم زمین پر گر کر لرزنے لگا تھا۔ میں دم بخود سا رہ گیا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے میں، مَیں نے موت کی بے پناہ ارزانی دیکھی تھی۔ گولیوں سے لوگوں کو چھلنی ہوتے دیکھا تھا۔ راکٹوں سے ان کے جسموں کے ٹکڑے ہوا میں اڑتے دیکھے تھے مگر اس موت نے مجھے دہلا دیا تھا۔ میں نے بمشکل پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔ ''راج...... یہ کیا ہے؟ اس بے چارے کو کیوں مارا؟''

''یہ بے چارہ وہی چوکیدار تھا جس کو تم نے قابو کیا تھا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔ ''اسے اس بات کی سزا ملی ہے اور اب یہ ان کے کام آئے گا۔''

مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ ''تت...... تمہارا مطلب ہے یہ اسے کھائیں گے۔ یہ آدم خور ہیں۔ تم نے ان کو آدم خوری پر لگا دیا ہے...... ذلیل آدمی؟''

''یہ صدیوں سے آدم خور ہیں۔ ان میں جو شخص مرتا ہے، اس کے خاندان والے اسے مل کر کھا لیتے ہیں۔ اب یہاں ان کا خاندان کہاں ہے اس لئے مجھے ان کے بھوجن کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔''

سردار نے پہلے کی طرح وار کر کے لاش کے پاؤں اور ہاتھ بھی جسم سے الگ کر دیئے تھے۔ یہ بھیانک منظر دیکھ کر میرا دل متلانے لگا تھا اور میں نے بہتر سمجھا کہ آنکھیں بند کر لوں۔ مگر راج نے خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے بتانا شروع کر دیا کہ اب بونے کیا کر رہے تھے۔ ''زیادہ ہوتے تو پورا آدمی چٹ کر جاتے۔ مگر ان چھ کے لئے دو ہاتھ اور دو پاؤں بھی کافی ہیں۔''

"اپنی بکواس بند کرو۔" میں نے غرا کر کہا۔
"باقی لاش ان کے لئے بے کار ہے، اسے یہ دفنا دیں گے۔"
"تمہارے خاندان میں جو مرے اسے ان کے حوالے کر دینا، کریا کرم کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"
"ممکن ہے آج اس کے بجائے تمہاری باری ہوتی۔"

میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مگر ناک اور کان تو بند نہیں کر سکتا تھا۔ میری ناک تک گوشت بھننے کی مکروہ بو آ رہی تھی۔ عجیب بات ہے اس بو میں اور گائے بکرے کے بھونے جانے والے گوشت کی بو میں کوئی فرق نہیں تھا، اُسے سونگھ کر منہ میں اشتہا سے پانی آ جاتا ہے جبکہ اِس بو سے دل متلانے لگا تھا اور اس وقت میرے معدے میں کچھ ہوتا تو وہ الٹ کر باہر آ جاتا۔ اتنی سفاکی اور درندگی کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ راج میری حالت دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ "کئی بار ان بونوں نے مجھے دعوت دی مگر میں نے انکار کر دیا۔"

"ہاں، تم اپنی ماں کے مرنے کا انتظار کر رہے ہو گے اس کا گوشت کھاؤ گے۔"

راج کی ہنسی رک گئی اس نے غرا کر کہا۔ "بہت بکواس کر رہے ہو۔ جلد تم بھی وہاں ہو گے۔"

اس کے اشارے میں، مَیں نے بے ساختہ دیکھا۔ بونے سلاخوں میں پرو کر دونوں بازو بھون رہے تھے۔ مجھے ابکائی آئی۔ پیٹ میں پانی تک نہیں تھا۔ میں راج کو دبی زبان میں گالیاں دیتے ہوئے دیوار سے لگا اور جلدی سے سیدھا ہو گیا۔ دیوار میں نوکیلے اور تیز دھار پتھر لگے تھے۔ بونے اب ہنس بول رہے تھے، ان کے ڈنر کا وقت ہو گیا تھا۔ ابکائی کی ناکام کوشش کے بعد اب میرے جسم پر سرد پسینہ بہہ رہا تھا اور میں کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ میں دیوار سے لگا تو ایک بار پھر بلبلا گیا تھا۔ دیوار سخت کھردری تھی۔ یہ شاید گرینائٹ کا پتھر تھا جو سب سے سخت ہوتا ہے۔ اچانک مجھے خیال آیا، میں نے ٹٹول کر دیکھا، جگہ جگہ سے دیوار چاقو کی سی دھار والی تھی۔ میں نے اس پر کلائی کی رسی رکھی اور اسے سختی کے ساتھ مگر کم سے کم حرکت کے ساتھ رگڑنا شروع کر دیا۔

راج اندر چلا گیا تھا اور اس کے بونے شکم سیر ہو رہے تھے۔ میری ناک بھی اس مکروہ بو کی عادی ہو گئی تھی۔ تاریکی ہوتے ہی میں نے اپنی کوشش تیز کر دی۔ بونے دور تھے اس لئے ان کی طرف سے مجھے اندیشہ نہیں تھا کہ وہ دیکھ لیں گے۔ اچانک ان میں سے ایک اٹھ کر میری طرف آ گیا۔ میں جلدی سے ساکت ہو گیا۔ شاید ایک بڑی سی بوٹی تھی۔ تاریکی میں اس کے زرد دانت نمایاں تھے، وہ ہنس رہا تھا، اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور بوٹی میری طرف بڑھائی۔

"لاحول ولا......" میں ہڑبڑا کر پیچھے ہوا تو اس نے ایک قہقہہ مارا، اس کے ساتھی بھی ہنسنے لگے۔ وہ اچھل اچھل کر بوٹی میرے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں عام سے آدمی کی طرح بچنے کی کوشش کرنے لگا حالانکہ میں چاہتا تو لات مار کر اسے فٹ بال کی طرح اچھال دیتا۔ میں نے لات چلائی بھی تو اناڑی پن سے کہ وہ آرام سے بچ گیا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور پھر سے رسی کاٹنے کی سعی شروع کر دی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں میری طرف سے ذرا بھی شک ہو۔ یہ بونے بے حد تیز طرار تھے اور مسلح بھی تھے۔ اس لئے میں خود کو ان کے سامنے بے ضرر سا شخص بنا کر پیش کرنا چاہتا تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ رسی کتنی کٹ گئی تھی کیونکہ میں اسے انگلیوں سے چیک نہیں کر سکتا تھا۔ سورج ڈوبے

ایک گھنٹا ہونے کو آیا تھا۔ دفعتاً میں گیٹ کی طرف سے شور کی آواز آئی۔ گورکھا چوکیدار کسی پر چلا رہا تھا پھر اس نے ایک فائر کیا۔ بونے اپنا اسلحہ اٹھا کر گیٹ کی طرف دوڑے تھے۔ جواب میں کسی نے لمبا برسٹ مارا جو آہنی جنگلے کے ساتھ گیٹ پر لگا تھا۔ اس کے بعد بونوں نے کارروائی شروع کر دی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکا۔ کیا بچے سادھنا اپنے بھائیوں کے ہمراہ آن پہنچی تھی؟ میں نے اس کی پروا کئے بغیر کہ میرے ہاتھ کی کھال بھی چھل جائے گی رسی کو پوری قوت سے رگڑنا شروع کر دیا۔

فائرنگ کی آواز سن کر راج بوکھلایا ہوا باہر آیا۔ اس نے آکر بونوں سے کچھ کہا اور واپس اندر چلا گیا۔ چھ کے چھ بونے باہر تھے۔ میں نے ان میں سے دو کو میں گیٹ کے اوپر چٹانوں پر چڑھتے دیکھا۔ بھاری رائفلوں کے باوجود وہ بندروں کی سی پھرتی سے اوپر جا رہے تھے۔ اچانک میرے ہاتھ کو جھٹکا لگا اور رسی کٹ گئی۔ میرا ہاتھ بھی کئی جگہ سے چھل گیا تھا اور تکلیف خاصی تھی مگر مجھے رسی کٹ جانے کی ناقابلِ بیان خوشی ہوئی تھی۔ اب میں ہاتھ ہلا کر رسی ڈھیلی کر رہا تھا۔ کم سے کم دو بونے ایسی جگہوں پر تھے جہاں سے وہ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے میں غیر ضروری حرکت کر کے ان کو شک میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

رسی کھلتے ہی میں نے اسے عقب میں ہی اپنے ایک ہاتھ میں لپیٹا اور اس کے دوسرے سرے پر پھندا بنانے لگا۔ یہ کام کر کے میں نے کمر سے بندھی رسی کھولنا شروع کی۔ اس کی گرہ میری پشت پر ہی تھی مگر بہت سخت تھی اور آسانی سے نہیں کھل پا رہی تھی۔ میں کوشش کرتا رہا۔ پشت کی طرف ہاتھ کئے کئے میرے بازوؤں کے پٹھے اکڑ گئے تھے اور میں شدید خواہش کے باوجود ان کو سامنے نہیں لا پا رہا تھا۔ آخرکار رسی کی گرہ کھل گئی اور میں نے اسے یوں اٹکا لیا کہ ایک جھٹکے سے اسے کھول سکوں۔ اچانک میں نے کوٹھی سے راج کے عام ملازموں کو برآمد ہوتے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور وہ گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ باہر جاری معرکے میں ابھی تک کوئی انسانی چیخ شامل نہیں ہوئی تھی یعنی دونوں طرف سے دفاع مضبوط تھا۔ حملہ آور نسبتاً غیر محفوظ پوزیشن میں تھے کیونکہ وہ کھلے میں تھے جبکہ راج کے آدمی محفوظ پوزیشن میں تھے۔ چھ افراد کے اور آ جانے سے ان کی پوزیشن مزید مضبوط ہوئی تھی۔

فائرنگ کے آغاز کے ساتھ ہی بونوں نے لاش کا دھڑ اور بچ جانے والے حصے پھرتی سے جھاڑیوں کے عقب میں چھپا دیئے تھے تاکہ راج کے دوسرے آدمیوں کو اس کی خبر نہ ہو کہ ان کے ایک ساتھی کو یہ بونے کھا رہے تھے اور امکان یہی تھا کہ باقی بدنصیبوں کو بھی اسی لئے رکھا تھا کہ بونے آدم خوروں کی شکم سیری ہو سکے۔ نئے آدمیوں کی شمولیت سے اندر والوں کے انداز میں یکدم جارحیت آ گئی تھی۔ ان کی طرف سے فائرنگ کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ اوپر جانے والے دونوں بونے بھی فائر کر رہے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے اندر والوں کا پلہ بھاری ہو۔

پھر وہ موقع آیا جس کا مجھے خاصی دیر سے انتظار تھا۔ ایک بونا غالباً خبر گیری کے لئے میری طرف آیا کہ میں بدستور اسیر تھا۔ جیسے ہی وہ میرے نزدیک آیا، میں نے اچانک دائیں ہاتھ سے اسے رائفل سمیت کھینچا۔ اس نے تڑپ کر مزاحمت کرنا چاہی مگر میں نے پھندا اس کے گلے میں ڈال کر اسے اوپر اٹھا لیا۔ اس کے ہاتھ سے رائفل گر گئی تھی اور وہ ہاتھ سے رسی کو نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے لاتیں چلا رہا تھا۔ اس کی لاتیں مجھے لگیں۔ اسے دم

گھونٹ کر مارنے کی کوشش میں وقت لگ سکتا تھا اس لئے میں نے معاملہ مختصر کیا۔ اسے اچانک زمین پر دے مارا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا میں نے پوری قوت سے رسی اوپر کھینچی۔ درحقیقت اس کا جسم زمین سے ٹکرایا بھی نہیں تھا جب میں نے رسی کو واپس کھینچ لیا۔ بونا ہونے کے باوجود اس کا وزن خاصا تھا اور مجھے اپنے بازوؤں کا پورا زور لگانا پڑا تھا مگر نتیجہ میری مرضی کا نکلا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

پھر میری نظر پڑی تو مجھے پتا چلا میں بال بال بچا تھا کیونکہ اس نے نہ جانے کہاں سے ایک خنجر نکال لیا تھا اور میں اسے بالکل نہیں دیکھ سکا تھا اور وہ بے خبری میں میرے پیٹ یا سینے پر وار کر کے مجھے مار سکتا تھا یا کم سے کم شدید زخمی ضرور کر سکتا تھا۔ شکر ہے میں نے اس کا فوری کام تمام کرنے کا فیصلہ کیا ورنہ خود میرا کام تمام ہو جاتا۔ رسی ڈھیلی کرنے سے وہ چھوٹ کر نیچے گرا تو مجھے اس کے دم توڑتے وجود کی پھڑپھڑاہٹ روکنے کے لئے جسم تلے دبانا پڑا تھا۔ ان بونوں کی آدم خوری دیکھ کر میرے اندر بھی سفاکی بھر گئی تھی اور اس بونے کو جہنم رسید کر کے مجھے دلی خوشی ہوئی تھی۔

اس کے جسم کے سرد ہوتے ہی میں نے اسے چھوڑا اور رائفل پر قبضہ کیا۔ اس کے دو عدد اضافی میگزین اس کی جیکٹ میں تھے۔ یہ بھی یوزی تھی جو میرے ہاتھوں میں کھلونا لگ رہی تھی مگر بونوں کے ہاتھ میں یہ خاصی بڑی لگتی تھی۔ اچانک چند گولیاں میرے پاس زمین سے ٹکرائیں۔ میں نے چونک کر اوپر دیکھا، ایک بونے نے دیکھ لیا تھا کہ میں آزاد ہوں اور اس کے ساتھی کو مار چکا ہوں۔ اس کے عجلت میں کئے گئے فائر بے کار گئے تھے۔ میں نے دیوار کی آڑ میں ہوتے ہوئے اوپر سے ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ سامنے ہی تھا اس لئے نشانہ بن گیا اور ایک چیخ مار کر نیچے آگرا۔ اس کی چیخ نے سب کو خبردار کر دیا تھا اور اب میرا اس جگہ ٹھہرنا حماقت ہی ہوتا۔

اس جگہ سے کوٹھی تک کا دروازہ کم سے کم تیس گز کی دوری پر تھا اور میرے عقب میں کم سے کم نصف درجن آتشیں ہتھیار میرا جسم چھلنی بنانے کے لئے تیار تھے۔ اگر میں دوڑ لگاتا تو یقیناً مجھے کوٹھی تک پہنچنا نصیب نہ ہوتا۔ مجھے فوری فیصلہ کرنا تھا۔ اس جگہ بھی میں قطعی غیر محفوظ تھا۔ میں نے فوری فیصلہ کیا۔ یوزی سے ایک برسٹ دروازے کی طرف مارا اور گردن ٹوٹ جانے سے مرنے والے بونے کی لاش رسی پکڑ کر اٹھائی اور اسے پشت پر لادتے ہوئے کوٹھی کی طرف دوڑا۔ میرا سر اور جسم کسی حد تک محفوظ تھا۔ میں بھاگا ہی تھا کہ عقب سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔

یہ میری پوری زندگی کے نازک ترین لمحات تھے۔ کسی وقت بھی کوئی گولی یا برسٹ میرا کام تمام کر سکتا تھا۔ میں جان توڑ کر بھاگا۔ میں شاید اتنے وزن کے ساتھ پھر اس طرح نہ دوڑ سکوں جس طرح اس سوا من کے بونے کی لاش کے ساتھ دوڑا تھا۔ کتنی ہی گولیاں اس کی جھولتی لاش میں اتر گئیں اور خوش قسمتی سے اس کے اندر ہی رہیں، نکل کر مجھے نہیں لگی تھیں۔ کوٹھی کا گیٹ کھلا تھا، اس کے پاس پہنچ کر میں نے جست لگائی اور اندر جا گرا۔ آخری موقع پر ان لوگوں نے اتنی شدت سے فائرنگ کی تھی کہ دروازہ چھلنی ہو گیا تھا، اسے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک کسی کی موت کا وقت نہ آجائے تو اسے ساری دنیا بھی مل کر نہیں مار سکتی۔

میں اندر گرتے ہی اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ کیونکہ کھلے دروازے سے گولیاں اندر آ رہی تھیں۔ بونے کی لاش سامنے پڑی تھی اور مزید چاند ماری کا نشانہ بن رہی تھی، اس کی وفات اگرچہ گردن ٹوٹنے سے ہوئی تھی مگر

گزشتہ ایک منٹ میں اس نے اتنی گولیاں کھائی تھیں جتنی کہ کسی پنجابی فلم میں ہیرو کھاتا ہے اور مزے کی بات ہے پھر بھی زندہ رہتا ہے۔ میں اٹھ کر ایک ستون کی آڑ میں اس طرح ہوا تھا کہ اندر سے آنے والی کسی گولی سے محفوظ رہ سکوں۔ راج اندر ہی تھا اور سومترا بھی یہیں تھی۔ اندران کے چند وفاداروں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے باہر دیکھا، دو قربانی کے بکرے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ یہ پرانے وفادار تھے۔ میں نے یوزی باہر نکالی اور ایک برسٹ میں دونوں کو قربان کر دیا۔

اندر برآمدے کے بعد کوٹھی میں داخلے کا دروازہ تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اور کوئی دروازہ تھا یا نہیں۔ میں عقبی طرف کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور کھڑکیوں سے اندر جھانک رہا تھا۔ پہلا کمرا جو بظاہر بیڈ روم تھا۔ میں نے کھڑکی پر دباؤ ڈالا، وہ کھلی تھی مگر میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا۔ میں نے سر اندر کرنے کے بجائے وہاں رکھے ایک خالی گملے کو رائفل کی نال پر رکھ کر اندر کیا اور دھڑام سے ایک ڈنڈا اس پر لگا۔ گملا ٹوٹ گیا اس کی جگہ میرا سر ہوتا تو وہ بھی ٹوٹ جاتا۔ میں نے سومترا کو ناکامی کے بعد دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔

''بس......'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر کے کہا۔ ''اب ایک قدم بھی بڑھایا تو وہ قدم پرلوک میں ہو گا۔'' اس کے قدم رک گئے۔ میں کود کر اندر گیا۔ سومترا چپ کھڑی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''راج کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

میں نے اسے بالوں سے پکڑا اور گھما کر فرش پر پھینک دیا۔ اسے مجھ سے اتنی بے رحمی کی امید نہیں تھی۔ وہ بالوں کے زور پر گری تھی اور اس کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔ اس کا مغز ہل گیا تھا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ''سومترا! میں آخری بار پوچھ رہا ہوں، راج کہاں ہے؟ یقین کرو مجھے تم کو مارتے ہوئے ذرا بھی ترس نہیں آئے گا۔''

''میرا قصور؟'' اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ میری سختی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''تم دونوں بہن بھائی کے قصوروں کی فہرست خاصی طویل ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بے شمار انسانوں کا خون تمہاری گردن پر ہے۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں، راج کا مجھے نہیں پتا۔''

میں نے ذرا جھک کر اس کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی تھامی۔ ''کبھی ہڈی تڑوانے کا اتفاق ہوا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے سہمے انداز میں کہا۔

''یعنی تمہیں نہیں پتا ہڈی ٹوٹنے پر کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ خیر ابھی پتا چل جاتا ہے۔'' میں نے الٹی سمت میں دبا کر اس کی نازک سی انگلی کچی پنسل کی طرح توڑ دی، وہ بلبلائی تھی۔

''ہائے......اُف......میں مر گئی۔''

''ابھی سے کہاں مر گئیں۔'' میں نے ٹوٹی انگلی ہلاتے ہوئے کہا۔

''بھگوان کے لئے۔'' اس کا رنگ سفید ہو گیا اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ ''میں مر جاؤں گی۔''

''اتنی شرم والی تو نہیں لگتیں۔''

"میں سچ کہہ رہی ہوں راج بھیا کچھ دیر پہلے آئے تھے اور مجھے کمرے میں رہنے کا کہہ کر چلے گئے۔"

"میں کوٹھی کے سامنے تھا وہ میرے سامنے باہر نہیں نکلا۔"

"میں نے کب کہا وہ باہر گئے ہیں۔" اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنی ٹوٹی انگلی تھام لی۔ "ممکن ہے وہ کوٹھی کے اندر ہوں۔"

"مجھے اس کے کمرے میں لے چلو۔" میں نے اسے جھٹکے سے کھڑا کیا اور دروازے کی طرف دھکیل دیا، اس وقت میں ذرا بھی رعایت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں اس کے پیچھے باہر نکلا۔ "اس کوٹھی میں اور کتنے آدمی ہیں؟"

"دو ملازم ہیں مگر وہ بے ضرر ہیں۔"

مگر میں ان کو بے ضرر سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ "سومترا! یاد رکھنا تم نے مجھے دھوکا دیا یا کسی نے تمہیں چھڑانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے تم مرو گی۔"

"میں کچھ نہیں کروں گی۔" اس نے ایک دروازے کے سامنے رک کر کہا۔ "یہ راج بھیا کا کمرا ہے۔"

"اندر چلو۔" میں نے اسے دھکا دیا۔ دروازے سے ٹکرا کر اس نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا اس نے اچانک پاؤں سے کسی شے کو ٹھوکر مار کر بیڈ کے نیچے کر دیا۔ میں اس کی طرف سے پوری طرح چوکنا تھا اس لئے اس کی یہ حرکت میری نظر سے چھپی نہ رہ سکی مگر اسے کچھ کہنے کے بجائے میں نے پہلے کمرے کے ان تمام حصوں کی تلاش لی جہاں کوئی آدمی چھپ سکتا تھا۔ باتھ روم بھی دیکھ لیا پھر میں بیڈ کی طرف بڑھا تو سومترا نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"بیڈ کے نیچے کوئی نہیں ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کیا!" میں نے کہا اور ذرا نیچے ہو کر دیکھا، نیچے راج لاما نہیں تھا مگر وہ چیز فوراً نظر آ گئی جسے سومترا نے پاؤں سے نیچے کیا تھا۔ یہ سنہری رنگ کی ایک چھ انچ لمبی دھاتی ٹیوب تھی۔ میں نے اسے اٹھایا ہی تھا کہ سومترا مجھ پر جھپٹی میں نے اس کے پیٹ میں سر مار کر اسے بیڈ پر پھینک دیا۔ ضرب شدید تھی مگر وہ پروا کئے بغیر چلائی۔ "یہ مجھے دے دو، تمہارے کام کی نہیں ہے۔"

"کیوں کیا یہ تمہارے ذاتی استعمال کی کوئی چیز ہے۔" میں نے ٹیوب کو غور سے دیکھا۔

اس کا رنگ ذرا دیر کے لئے سرخ ہوا تھا۔ "یہ میری ہے۔"

"او کے! میں نے مان لیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس میں کیا ہے جھوٹ مت بولنا۔"

وہ ہچکچائی۔ "اس میں، کچھ جواہرات ہیں۔"

"کچھ جواہرات!" میں نے ٹیوب کی ساخت دیکھی اور اسے اوپری سرے سے گھما کر کھول دیا۔ اندر اس میں سچ مچ ہیرے بھرے تھے۔ میں نے اسے بند کر کے اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ "سومترا! یہ جواہرات کہاں سے آئے ہیں، مجھے کان والی کہانی مت سنانا کیونکہ یہ تراشیدہ ہیں اور کان سے تراشیدہ ہیرے نہیں نکلتے ہیں۔"

"یہ سچ مچ کان سے ہی نکالے ہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔ "وادی کے راجا جتیندر کے پاس

ناتراشیدہ ہیرے تھے جو کان سے نکلے تھے۔ بمبئی اور دہلی سے آنے والے جوہری ان کو اونے پونے داموں خرید کر لے جاتے تھے۔ بھیا نے مشورہ دیا کہ سورت سے ماہرین اور مشینیں منگوا کر ان کو یہیں وادی میں تراش لیا جائے اس سے ان کی قیمت دس گنا ہو جائے گی۔"

"راج نے یہ سارا بندوبست کیا تھا۔" میں نے غور کیا۔ "اس کا مطلب ہے تراشیدہ ہیروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ راج کے پاس ایسی بے شمار ٹیوبیں ہوں گی اور تبھی عجلت میں یہاں سے جاتے ہوئے یہ ایک ٹیوب گر گئی اور اسے خبر نہیں ہوئی۔ ایسی اگر ایک یا دو ہوتیں تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا کہ غلطی سے یہاں رہ جائیں۔" سومترا چپ رہی، اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ میری بات درست ہے۔ اچانک مجھے ایک خیال اور آیا۔ "راج یہی ہیرے حاصل کرنے کے لئے وادی میں رک گیا تھا اور تم کو اس نے بھیج دیا تھا۔"

"مجھے نہیں پتا!" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری، اس نے وہاں پڑا ایک رومال اپنی سوج جانے والی انگلی پر باندھ لیا تھا۔

"تمہارا بے غیرت بھائی!" میں نے حقارت سے کہا۔ "اسے بہن سے زیادہ ہیرے عزیز تھے اس وجہ سے وہ ان کو لے کر نکل گیا اور تمہیں چھوڑ گیا۔"

"اب تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"تم میری نہیں وادی کے لوگوں اور کمار کے آدمیوں کی مجرم ہو۔ تمہارا فیصلہ کمار کرے گا۔"

"وہ مجھے مار دے گا۔" سومترا سہم گئی تھی۔

"خیر یہ بعد کی بات ہے، یہ بتاؤ کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ اس تہہ خانے میں یا ان کو کہیں اور منتقل کر دیا گیا ہے؟"

"وہ اسی جگہ ہیں۔" اس نے کہا۔

اسی لمحے باہر سے ایک سہمی ہوئی مردانہ آواز آئی۔ "مالکن آپ ٹھیک ہیں؟"

میرے اشارے پر سومترا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک عام سا شخص ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ وہ نوکر تھا۔ "رامو، راج بھیا کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں مالکن! کوٹھی کھالی پڑی ہے۔ مالک کے ساتھ کالیا بھی گائب ہے۔"

"کالیا کون ہے؟" میں نے سومترا کی طرف دیکھا۔

"ملازم ہے۔" سومترا نے بتایا۔

"راج کہاں گیا ہے؟" میں نے رامو سے پوچھا۔

"پتا نہیں سرکار! میں تو رسوئی میں چھپا تھا۔"

میں نے ذرا کان لگا کر سنا فائرنگ کی آواز خاصی مدھم پڑ گئی تھی۔ اِکا دُکا فائر ہو رہے تھے۔ کیا حملہ آور ناکام ہو گئے تھے یا مزاحمت کرنے والے مارے جا چکے تھے۔ بہرحال مجھے سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا تھا۔ میں نے رامو سے کہا۔

"تم اندر جاؤ۔" میں نے باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔

وہ شرافت سے راج کے کمرے کے باتھ روم میں چلا گیا اور میں نے باہر سے کنڈی لگا دی اور سومترا سے کہا۔ ''مجھے تہہ خانے لے چلو جہاں میرے ساتھی قید ہیں۔''

سومترا مجھے ایک اور راستے سے وہاں لے گئی۔ میں کوٹھی کے اندرونی نقشے سے ناواقف تھا اس لئے اس راستے سے بے خبر تھا۔ میں پوری طرح چوکنا رہا۔ تہہ خانے میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے قید خانے کے فولادی دروازے کی کنڈی کھولی۔ شکر ہے اس پر تالا نہیں تھا ورنہ مجھے اسے بھی توڑنا پڑتا۔ اندر وہ سب چپ بیٹھے تھے، مجھے ہتھیار بدست دیکھ کر کھل اٹھے۔ وسیم بھاگ کر آیا۔

''آپ، مجھے یقین تھا آپ کچھ نہ کچھ کریں گے۔''

''حالات اچھے نہیں ہیں۔ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ باہر کم سے کم سات آٹھ مسلح دشمن ہیں۔ باہر سے کسی نے حملہ کر کے الجھا لیا تھا مگر اب حالات بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔''

''باہر سے حملہ کس نے کیا ہے...... سادھنا نے؟'' کمار نے بے تابی سے پوچھا۔

''سادھنا کیسے حملہ کر سکتی ہے؟''

''اس کے ساتھ کوئی اور ہو سکتا ہے۔''

''میں نے کہا نا حالات اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ باہر بھی امکان ہے ہمارے دشمن ہی ہوں گے۔''

وسیم میرے خیالات کو بہتر طور پر سمجھتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''آپ کا مطلب ہے کنور اور اس کے آدمی!''

میں نے سر ہلایا۔ ''امکان یہی ہے، سادھنا سیدھی اپنے بھائیوں کے پاس گئی ہوگی اور انہیں یہاں لے آئی ہوگی۔''

کمار نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''سادھنا ایسا نہیں کر سکتی۔''

''بدنیتی سے ایسا واقعی نہیں کر سکتی مگر راج سے ہماری جان بچانے کے لئے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ اس بے چاری کو معلوم کہاں ہے کہ انسان کشی کا یہ کھیل اصل میں کس لئے کھیلا جا رہا ہے؟''

کمار چونکا۔ ''تم جانتے ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''کسی حد تک، افسوس کہ چند چمک دار پتھر سیکڑوں ہزاروں انسانی جانوں سے زیادہ قیمتی ہو گئے ہیں۔''

کمار نے سر جھکا لیا۔ ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔''

''تب تم نے یہ پتھر ان لالچی کتوں کے منہ پر کیوں نہیں مارے؟''

''اوّل تو یہ ہیرے میرے پاس نہیں تھے دوسرے اصل معاملہ کان کا ہے اور میں اکیلا کیسے اس سے دستبردار ہو سکتا تھا۔ قبیلے والے اس بات کو ماننے سے انکار کر رہے تھے۔''

''تو ان کو ہیرے ملے یا موت؟'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''اور جب ہیرے تھے تب بھی ان کا کیا فائدہ تھا؟''

''بہت ساری باتیں تجربے کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہیں۔'' کمار نے سرد آہ بھری۔

''شہباز صاحب! وقت کم ہے۔'' وسیم نے یاد دلایا۔ ''یہ وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا نہیں ہے۔ ہمیں

اسلحے کی ضرورت ہے۔''

''اسلحے کی ضرورت بی بی سومترا پوری کریں گی۔'' میں نے سومترا کی طرف دیکھا۔

''مجھے نہیں پتا اوپر اسلحہ کہاں ہے؟'' اس نے انکار کیا۔

''میرا خیال ہے تمہیں اپنی انگلیاں زیادہ عزیز نہیں ہیں۔'' میں نے اسے گھورا۔

ہم اوپر آئے۔ سومترا کو بھی اس کے نوکر کے ہمراہ باتھ روم میں بند کیا اور میں ان تینوں کو اسلحہ تلاش کرنے پر لگا کر اوپر منزل میں آیا اور ایک تاریک کمرے کی کھڑکی سے میں نے باہر کا جائزہ لیا۔ فی الحال تاریکی نظر آئی۔ اب فائرنگ مکمل طور پر رک گئی تھی۔ کوٹھی کے سامنے والے برآمدے میں ایک کیروسین لیمپ روشن تھا اور اس کی روشنی اندر تک محدود تھی۔ مگر لگاتار غور سے دیکھنے پر کچھ کچھ نظر آنے لگا تھا۔ مین گیٹ کی طرف سائے حرکت کرتے نظر آئے اور ان کی تعداد نصف درجن ضرور تھی۔ میرا دل ڈوبنے لگا اس کا مطلب تھا حملہ آور مارے جا چکے تھے یا پسپا ہو گئے تھے اور اب یہ لوگ کوٹھی کا رخ کرنے والے تھے۔ ایک یوزی مشین گن کے ساتھ ہم کتنی دیر مزاحمت کر سکتے تھے جبکہ مقابلہ چھ سات مسلح افراد سے تھا۔

چند منٹ بعد وسیم اوپر آیا۔ ''ادھر مزید کوئی اسلحہ ہے بھی تو ہمیں نہیں ملا۔'' اس نے بتایا۔ ''یہاں سے نکلنے کی اور کوئی جگہ ہے؟''

''نہیں، میں صرف گیٹ والے راستے سے واقف ہوں۔ ویسے مجھے شبہ ہے راج کسی خفیہ راستے سے فرار ہوا ہے اور سومترا اس راستے سے واقف ہے۔''

''ہم اس سے اگلوا سکتے ہیں۔''

''تشدد!'' میں نے غور کیا۔ ''نہیں یار! عورت پر ہاتھ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا حالانکہ یہ ذرا بھی رحم کی مستحق نہیں ہے۔ میں نے غصے میں آ کر اس کی انگلی توڑ دی تھی۔''

وسیم کچھ دیر خاموش رہا۔ ''جناب! اس رحم کے چکر میں آ کر کہیں ہم مارے نہ جائیں۔''

''میں تمہیں منع نہیں کر رہا۔'' میں نے اس کی غلط فہمی دور کی۔ ''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کچھ نہیں کروں گا، تم لوگ جیسے چاہو اس سے تفتیش کرو۔''

وہ خوش ہو گیا تھا۔ ''میں بس یہی پوچھنے آیا تھا۔''

وسیم چلا گیا۔ میں باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ کمرا اور کھڑکی بہترین مورچہ تھا جہاں سے میں نہ صرف وادی کے داخلی راستے اور کوٹھی کے سامنے والے حصے پر نظر رکھ سکتا تھا بلکہ دائیں جانب کے باغات بھی نظر آ رہے تھے البتہ کوئی کوٹھی کے دائیں پہلو کے انتہائی سرے سے آنا چاہتا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہی رہتا۔ مین گیٹ کی طرف حرکت کرنے والے سائے اب کوٹھی کی طرف محتاط پیش قدمی کر رہے تھے۔ میں نے دو افراد کو جو جسامت سے عام آدمی لگ رہے تھے، جھاڑیوں میں جاتے دیکھا شاید ان کو عقب سے کوٹھی میں داخل ہونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ دو افراد جو بونے تھے، دیوار کے ساتھ لگ کر چل رہے تھے اور دو شاید مین گیٹ پر تھے۔ پھر مجھے فصیل کے اوپر بچ جانے والے بونے کا خیال آیا۔ اس کا ساتھی میرے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ وہ اوپر سے ہی کوٹھی کی طرف آ سکتا تھا۔ اگرچہ اس طرح فصیل پر سفر کرنا آسان نہیں تھا مگر یہ بونے پہاڑوں کے باسی تھے اور میں نے

دیوار پر چڑھتے وقت ان کی صلاحیت دیکھ لی تھی۔ وہ دیوار پہ بالکل بندروں کی سی مہارت اور پھرتی سے چڑھے تھے۔

یہ سارے امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نیچے آیا۔ بیتو کے ساتھ مل کر میں نے اندر آنے والے تمام راستے بند کردیئے۔ ایک دروازہ کوٹھی کے عقبی طرف بھی کھلتا تھا۔ کھڑکیوں پر محض شیشے تھے مگر کوئی اندر آنے کے لئے شیشے توڑتا تو ہمیں علم ہو جاتا۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ بونوں سے تھا۔ میں اوپر جانے لگا تو مجھے سومترا کے رونے چلانے کی آواز آئی۔ کمار اور وسیم اس سے پوچھ گچھ کررہے تھے۔ ایک لمحے کو میرا دل نرم ہوا مگر میں نے فوراً اسے سخت کرلیا۔ اوپر کی طرف جاتے ہوئے اچانک مجھے اس نگرانی کرنے والے مینار کا خیال آیا جس سے پوری وادی پر نظر رکھی جاسکتی تھی۔ میں نے بیتو کو اوپری منزل کے تاریک کمرے میں جانے کا کہا اور خود گول چکردار سیڑھیوں سے واچ ٹاور تک پہنچا۔ پہلی بار میں وہ کمرا نہیں دیکھ سکا تھا۔

یہ چھوٹا سا کمرا تھا جس میں نیم دائرے میں تین اطراف میں کوئی دس عدد سوراخ تھے اور جب میں نے ان سے جھانک کر دیکھا تو مجھے پوری وادی نظر آئی تھی۔ وہاں سوائے ایک کرسی کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ کمرے میں بے حد مدھم روشنی والا ایک لیمپ تھا جو اس طرح لگا تھا کہ اس کی روشنی سوراخوں سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔ میں نے کرسی کھسکائی تاکہ عقبی سمت دیکھ سکوں تو کرسی اور دیوار کے درمیان میں رکھی کوئی شے آواز سے نیچے گری۔ تب میں نے دیکھا یہ ایک چھوٹی سی ایکوفیلڈر رائفل تھی۔ شاید ٹرپل ٹو کا ایک ترمیم شدہ ماڈل۔ یہ تین تین گولیوں کا برسٹ بھی مارتی تھی اور اسے خاص طور سے طویل فاصلے پر مار کے لئے بنایا گیا تھا۔ میں نے اسے چیک کیا۔ اس میں چالیس گولیوں کا مکمل میگزین لگا تھا۔ نہ جانے یہ رائفل کیسے یہاں رہ گئی۔ اس پر دوربین بھی لگی تھی اور جب میں نے اس کا معائنہ کیا تو دل شاد ہوگیا یہ نائٹ ویژن بھی تھی۔ ایک بٹن دبانے سے دوربین کو نائٹ وژن موڈ پر کیا اور عقبی حصے کی طرف رائفل نکال کر معائنہ کیا اور مجھے فوراً عقبی باغ میں جھاڑیوں کے درمیان دو عدد سرخ دھبے دکھائی دیئے۔ یہ دونوں وہی تھے جنہیں عقب سے اندر گھسنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

میں نے ایک کے جسم کا نشانہ لیا، انفرا ریڈ میں جسم کا خاکہ مکمل طور پر واضح نہیں ہوتا ہے کہ میں اس کے پیروں کا نشانہ لیتا۔ میں نے مجبوراً دھبے کے وسط کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔ گولی کی آواز کے ساتھ ہی چیخ سنائی دی۔ مارا جانے والا نیچے گرا اور دوسرا سرخ دھبا اچھل کر بھاگا۔ میں چاہتا تو اسے بھی نشانہ بنا سکتا تھا مگر مجھے زیادہ فکر مین گیٹ والوں اور ان تین بونوں کی تھی جو کوٹھی کے سامنے اور اوپر کہیں موجود تھے۔ میں نے تیزی سے رائفل سامنے والے رخ سے نکالی اور دوربین سے سامنے کا پورا معائنہ کیا مگر مجھے کہیں بھی کوئی زندہ انسان نظر نہیں آیا۔ مجھے فکر ہونے لگی کہیں وہ کوٹھی کے اندر تو نہیں پہنچ گئے تھے۔

میں واچ ٹاور سے اتر کر اس کمرے میں آیا جہاں بیتو تھا، وہ کھڑکی سے معائنہ کررہا تھا۔ میری آہٹ پر بھڑکا تھا۔ ”یہ میں ہوں۔“ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ”کوئی اندر تو نہیں آیا ہے؟“

”نہیں!“ اس نے واپس کھڑکی کی طرف پلٹ کر جواب دیا۔ ”فائر آپ نے کیا تھا۔“

”ہاں، ایک دشمن اور کم کردیا ہے۔“ میں نے اسے رائفل دی اور اس کا تھوڑا سا استعمال سمجھایا۔ ”اوپر واچ ٹاور پر چلے جاؤ وہاں سے تم ہر طرف دیکھ سکو گے۔“

بیتو رائفل لے کر چلا گیا اور میں نے کھڑکی کو مورچہ بناتے ہوئے باہر کا جائزہ لیا۔ بونے نظروں سے اوجھل تھے اور یہی بات مجھے مضطرب کر رہی تھی، آخر وہ کہاں تھے؟ کوٹھی میں سامنے والے راستے سے وہ میری نظروں میں آئے بغیر نہیں گزر سکتے تھے اور ان سے یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ شرافت سے بیٹھ گئے ہوں۔ ممکن ہے راج جانے سے پہلے ان کو بھرپور مزاحمت کا حکم دے کر گیا ہو۔ میں دیکھ چکا تھا یہ بونے پوری طرح اس کے وفادار تھے اور جان پر کھیل کر اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ مجھے مین گیٹ کی طرف نقل و حرکت محسوس ہو رہی تھی۔ اندر سے اب سومترا کے چیخنے کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ میں نے صورتِ حال جاننے کے لئے نیچے کا ایک چکر لگایا۔ انہوں نے سومترا کو ایک کرسی سے باندھ کر بٹھایا ہوا تھا اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ اسے بے لباس کر دیا تھا۔ میں نے برہمی سے کمار اور وسیم کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا حرکت ہے، اس کا لباس کیوں اتارا ہے؟''

''پلیز شہباز! تم یہاں سے جاؤ'' کمار نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہمیں اس سے نمٹنے دو۔''

''یہ سخت ڈھیٹ عورت ہے۔'' وسیم نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''آسانی سے بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

سومترا خوف اور سردی سے کانپ رہی تھی۔ کمار کے ہاتھ میں بلیڈ تھا اور اس نے سومترا کے ہاتھ اور پیروں پر اس سے کٹ لگائے تھے۔ میں نے اس کے سامنے جا کر کہا۔ ''کمار، تم اس عورت کو قتل کر سکتے ہو، مجھے ذرا بھی دکھ نہیں ہوگا۔ یہ اور اس کا بھائی ''سزائے موت'' کے مستحق ہیں لیکن میں ایک عورت کی تذلیل کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''میں نے تم سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے۔'' اس نے سرد انداز میں کہا۔ ''یہ عورت میرے ہزاروں لوگوں کی موت کی ذمے دار ہے۔''

''میں نے کہا نا تم اسے شوق سے قتل کر سکتے ہو مگر اسے بے لباس نہیں کر سکتے۔ وسیم اسے کھول دو اور اس کا لباس دو اسے۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''نہیں۔'' کمار نے بھی زور سے کہا، وسیم رک گیا تھا۔

''وسیم!'' میں دہاڑا تو وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

کمار جلدی سے سومترا کے سامنے آ گیا۔ ''کوئی اسے میری مرضی کے بغیر نہیں کھول سکتا۔''

میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر رائفل کمار کی طرف سیدھی کی۔ ''کمار، میں بھول جاؤں گا، تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ خدا کی قسم، میرا سگا بھائی بھی یہ حرکت کرے تو میں اسے نہیں بخشوں گا۔''

''نہیں، یہ عورت میری مجرم ہے۔''

میں نے کمار کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیلا۔ وہ پلٹ کر میری طرف آیا تھا، اس نے میرے منہ پر گھونسا مارنے کی کوشش کی تھی، میں نے ایک ہاتھ سے اس کا گھونسا روکا اور اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا۔ وہ پیچھے گرا اور پھر تیر کی طرح میری طرف آیا، وہ جنونی انداز میں مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ میں اسے کوئی ضرب نہیں پہنچانا چاہتا تھا، ابھی اس کا زخم درست طریقے سے بھرا بھی نہیں تھا میں نے اسے جکڑ لیا۔

''کمار، ہوش میں آؤ۔''

''نہیں۔'' وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔'' آج میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا، ان دو بہن بھائی کی وجہ سے میرا پورا خاندان ختم ہو گیا۔ میرے ہزاروں لوگ مارے گئے۔''

''میں مانتا ہوں لیکن جو تم چاہ رہے ہو میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' میں نے اسے پھر پیچھے دھکیل دیا۔ وہ اس بار پلٹ کر آیا تو میں تیار تھا۔ میں نے اس کی کنپٹی پر نپا تلا گھونسا مارا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ مجھے افسوس ہوا، میں اس حد تک نہیں جانا چاہتا تھا مگر کمار نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اس دوران میں وسیم سومترا کو کھول کر اسے اس کا لباس دے چکا تھا۔

''وسیم، تم مجھے جانتے ہو؟'' میں نے اسے گھورا۔''پھر بھی تم نے......؟''

''سوری شہباز صاحب! یہ کمار کا فیصلہ تھا اور میں نے سوچا یہ اس کی ہم قوم ہے، اس سے نمٹنے دوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بدمزگی سے کہا۔ سومترا نے جلدی سے لباس پہن لیا تھا۔ میں خاصی دیر اپنے مورچے سے غیر حاضر رہا تھا اور مجھے اچانک ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں تیزی سے واپس آیا۔ جیسے ہی میں نشست گاہ میں داخل ہونے لگا، اوپر جانے والی سیڑھیاں یہیں تھیں، ایک دھماکے سے کوٹھی کا داخلی دروازہ کھلا اور ایک بونے کی جھلک دکھائی دی، میں واپس بھاگا۔ اگر گیلری میں آنے میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو اس کے سارے برسٹ مجھے چھلنی کر دیتے۔ گولیاں دیوار پر لگی تھیں، میں نے پلٹ کر یوزی سے جوابی برسٹ مارا۔

''شہباز صاحب!'' اندر سے وسیم چلایا۔

''اندر رہو۔'' میں نے دیوار کی آڑ میں ہوتے ہوئے کہا۔''بونے نشست گاہ تک آ گئے ہیں۔''

میں جس گیلری میں تھا یہ ایل کی صورت میں تھی، اس کا ایک حصہ نشست گاہ سے اندر کی طرف جاتا تھا جبکہ دوسرا اسرا واچ ٹاور کی سیڑھیوں کی طرف جاتا تھا۔ بونے نہ جانے کس طرح اندر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہے تھے، مجھے بیتو پر غصہ آ رہا تھا، وہ اوپر تھا، اسے نظر رکھنا چاہئے تھی۔ صورتِ حال اچانک ہی گھمبیر ہو گئی تھی۔ اسلحے کی کمی نے یہ وقت دکھایا تھا۔ بونے وقفے وقفے سے گولیاں چلا رہے تھے اور میں دیوار کی آڑ میں دبکے رہنے پر مجبور تھا۔ اگر بونے نشست گاہ سے گیلری میں گھس آتے تو ہماری جان کے لالے پڑ جاتے۔ کاش کمار میرا وقت ضائع نہ کرتا۔

میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتا تھا اور بیک وقت کئی افراد کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے چیخ کر بیتو کو آواز دی۔ حالانکہ اس کی امید کم تھی کہ وہاں تک میری آواز جا سکے۔ واچ ٹاور خاصی بلندی پر تھا۔ میں اس جگہ سے پیچھے سیڑھیوں تک نہیں جا سکتا تھا، بونوں کو اندر گھسنے کا موقع مل جاتا اور میں نہ سہی کمار اور وسیم مارے جاتے، وہ نہتے تھے۔ میں نے گیلری میں لگے کیروسین لیمپ پر فائر کیا اور اُس کا شعلہ بجھ گیا۔ اب گیلری تاریکی میں تھی جبکہ نشست گاہ میں روشنی تھی۔ بونوں نے اس کے مختلف حصوں میں پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ اس کا اندازہ میں نے آنے والی گولیوں کے زاویے سے لگایا تھا۔ میری رائفل کا پہلا میگزین ختم ہونے والا تھا۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا تھا مگر میگزین بدلنے کے کھٹکے کی آواز بونوں کو بتا دیتی کہ میں میگزین بدل رہا ہوں اور وہ مجھ پر ہلا بول دیتے۔ میں نے رہی سہی گولیاں اچانک دیوار سے ہاتھ نکال کر اندازے سے اس طرف فائر کیں جس طرف

میرے حساب سے ایک بونا ہونا چاہئے تھا اور جب اس کی چیخ سنائی دی تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ ان میں سے ایک اور کم ہوا، اس کے بعد باقی دو نے مجھ پر جو اندھا دھند فائرنگ کی تو مجھے اس کے شور میں میگزین بدلنے کا موقع مل گیا تھا۔ مرنے والے کی دردناک کراہیں کچھ دیر سنائی دیتی رہی تھیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

بونے بھی ابتدائی جذبات پر قابو پا کر خاموش تھے، ان کو پتا تھا میں ہمیشہ دروازے کے پاس کھڑا رہ نہیں سکتا تھا۔ ان کو انتظار تھا کہ کب میں کوٹھی کے دوسرے حصے میں جانے کے لئے دروازے کے سامنے سے گزروں اور وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے مار دیں۔ میں زیادہ دیر تک چوکنا کھڑا رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ باتھ روم کا معائنہ کرتے ہوئے بیسن کے نل سے ذرا سا پانی پیا تھا۔ خالی پیٹ اپنا احساس دلانے لگا تھا۔ کسی طرح ان بونوں کو راستے سے ہٹانا تھا۔ مجھے جیتو کا خیال آیا۔ اتنی فائرنگ سے تو مُردے بھی قبروں میں جاگ جاتے ہیں اور اس کے کان پر جوں نہیں رینگی تھی۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش ہونے لگی تھی، اگرچہ وہ انتہائی محفوظ جگہ بیٹھا تھا مگر ناگہانی اسی وجہ سے ناگہانی کہلاتی ہے کہ اس کا پہلے سے کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں اس مورچے کو چھوڑ کر اسے دیکھنے نہیں جا سکتا تھا۔

بونوں کے پاس بھی یوزی مشین گنیں تھیں۔ مجھے ان کے میگزین بدلنے کی آوازیں آئیں۔ بونوں نے باری باری یہ کام کیا تھا۔ تا کہ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکوں۔ اس بار اچانک ہی ایک خیال میرے ذہن میں آیا، میں نے میگزین نکالنے والا بٹن دبایا۔ میگزین سرسراہٹ کے ساتھ نصف باہر آیا، اس کے ساتھ ہی میرے کانوں نے بونوں کے دوڑنے کی آواز سنی، میں نے نہایت سرعت سے میگزین اندر کیا اور پہلے بونے کے نمودار ہوتے ہی اسے چھلنی کر دیا۔ میں نے ٹریگر سے انگلی ہٹائی نہیں تھی، گرنے والے کے عقب میں آنے والے پر ذرا آگے ہو کر برسٹ مارا اور وہ بھی گر گیا۔ پہلا بونا حرکت کر رہا تھا۔ اس نے مرتے مرتے مشین گن کا رخ میری طرف کرنے کی کوشش کی۔ میں نے ٹریگر سے انگلی ہٹائے بغیر مشین گن کا رخ اس کی طرف کیا اور وہ پھر سے چھلنی ہو گیا۔ اس بار وہ مر گیا۔ دوسرا بونا بھی حرکت رہا تھا۔ میں نے اسے بھی ٹھنڈا کیا اور اس کے ساتھ ہی مشین گن کا میگزین خالی ہو گیا۔ اسی لمحے عقب میں آہٹ ہوئی، آواز واچ ٹاور کی سیڑھیوں کی جانب سے آئی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کوئی واچ ٹاور سے برآمد ہو رہا تھا۔ وہاں نیم تاریکی تھی اس لئے مختصر سا ہیولا دیکھتے ہی میں نے جست لگائی اور نشست گاہ میں جا گرا۔ مگر بونے نے حیرت انگیز پھرتی کا ثبوت دیا، جب تک میں سنبھل کر اٹھا، وہ نشست گاہ کے دروازے پر نمودار ہو چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے جست لگائی اور اڑتا ہوا صوفے کے عقب میں جا گرا۔ گولیوں کی بوچھاڑ اسی جگہ پڑی جہاں ایک لمحے پہلے میں تھا۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھل کر یوزی میں نیا میگزین لگاتا خبیث بونا پھر میرے سر پر تھا۔ یہ سردار بونا تھا اور اس کا قد سب سے زیادہ یعنی تقریباً ساڑھے تین فٹ تھا۔ اس نے مشین گن کا رخ میری طرف کرنا چاہا مگر اسی لمحے نشست گاہ کا بیرونی دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور کوئی دھاڑتا ہوا اندر آیا۔ ”کہاں ہیں حرام کے جنے! چوہے کی اولاد! آدم کھور کہیں کے۔ ایک ایک کا دیکھ لیتے ہیں۔“

یہ شاید پرانے محافظوں میں سے ایک تھا اور اس نے اپنے ساتھی کی ادھ کھائی لاش دیکھ لی تھی۔ اس کے پاس بھی ہتھیار تھا، اس نے آتے ہی سردار بونے پر فائرنگ کی تھی اور وہ بال بال بچا تھا حالانکہ سامنے ہی صوفے

پر کھڑا تھا۔ اس نے اپنی مشین گن سے جوابی فائرنگ کی اور اندر آنے والے کی زبان کی مشین گن رک گئی جو گولیوں کی رفتار سے زیادہ گالیاں برسا رہی تھی۔ یہ شاید ایک آخری موقع تھا جو مجھے قدرت نے اس مارے جانے والے شخص کی صورت میں مہیا کیا تھا اور میں اس سے فائدہ کیسے نہ اٹھاتا۔ میں نے تڑپ کر اٹھتے ہوئے بونے کے سینے پر ہاتھ مارا اور چاقو جو میں نے اس کے ساتھی سے چھینا تھا، اس کے دل میں دستے تک اتار دیا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور آرام سے صوفے سے نیچے گر کر مر گیا۔ میں نے چاقو نکال کر اس کے لباس سے صاف کیا اور چیخ کر وسیم کو آواز دی۔ ''وسیم، یہاں آؤ۔''

وسیم اندر سے نمودار ہوا، اس نے منظر کا جائزہ لیا اور مطمئن انداز میں بولا۔ ''سب مارے گئے۔''

''نہیں، ایک بونے سمیت کم سے کم دو افراد باقی ہیں۔''

وسیم نے ایک یوزی اٹھائی اور اس کا میگزین چیک کیا۔ ''اب کوئی فکر نہیں ہے۔''

''کمار اور سومترا کس حال میں ہیں۔''

''کمار کو ہوش آ گیا ہے اور اس کا دماغ بھی درست ہے۔ سومترا کی نگرانی وہی کر رہا ہے۔''

''بیتو اوپر تھا اور یہ اوپر سے آیا ہے۔'' میں نے سردار بونے کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ''نہ جانے کیسے یہ اوپر پہنچا تھا۔ مجھے بیتو کی جانب سے سخت تشویش ہو رہی ہے۔''

''میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' وسیم نے فکرمندی سے کہا۔

''نہیں تم اس جگہ رکو۔'' میں نے کہا اور پہلے کمار والے کمرے کی طرف آیا۔ اس نے میری اور وسیم کی باتیں سن لی تھیں۔

''شہباز، میں شرمندہ......''

''کمار، ان باتوں کا وقت نہیں ہے، اسے باندھو اور وسیم کے پاس جاؤ، میں بیتو کو دیکھ کر آتا ہوں۔''

کمار نے سر ہلایا اور سومترا کو کرسی پر باندھنے لگا۔ میں چکر دار سیڑھیوں کی طرف آیا، اوپر جاتے ہوئے میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا کہ شاید میں بیتو کو زندہ نہ دیکھ سکوں۔ میں نے دھڑکتے دل سے گول کمرے میں قدم رکھا۔ بیتو فرش پر پڑا تھا اور اس کے سر کے آس پاس خون ہی خون تھا۔ کمرے کی چھت ایک جگہ سے ٹوٹی تھی۔ بونا سردار اسی راستے سے اندر آیا تھا اور اس نے اندر گرتے ہی بیتو کے سر میں گولی ماری تھی۔ میں گہرے دکھ کے ساتھ بیتو کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس کا چہرہ سیدھا کیا، اس پر سکون تھا۔ میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرا، اچانک مجھے محسوس ہوا، وہ سانس لے رہا تھا، اس کی سانس میرے ہاتھ پر لگی تھی۔ میں نے جلدی سے گردن پر نبض دیکھی، وہ دھڑک رہی تھی۔ بیتو زندہ تھا، میں نے بے تابی سے اس کا سر ٹٹولا۔ اس کے سر پر زخم کا نشان تھا مگر یہ گولی کا نشان نہیں تھا۔ بونے سردار نے اسے کسی اور شے سے مارا تھا اور اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ کوئی باہر کی نس پھٹی تھی تبھی اس قدر خون بہا تھا۔ اس کی نبض کمزور لیکن باقاعدہ تھی۔ اس کی زندگی کو خطرہ نہیں تھا، میں نے مسرت آمیز سانس کے ساتھ اسے اٹھایا اور نیچے لے کر آیا۔

''کیا ہوا؟'' وسیم اور کمار بیک وقت میری طرف لپکے۔ ''یہ ٹھیک ہے نا؟''

''فی الحال بے ہوش ہے۔ کمار، اس کے لئے پانی دیکھو، اور یہاں کوئی اور دکھائی دیا؟''

کمار اندر چلا گیا۔ وسیم نے بتایا۔ ''میں نے کوٹھی کے احاطے کا معائنہ کیا ہے، وہاں کوئی نہیں ہے۔''

''یہ بونے اوپر سے نازل ہوئے تھے، میرا خیال ہے آخری بونا بھی فصیل پر کہیں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ تم بیتو کو دیکھو، میں اوپر سے آتا ہوں۔''

میں واچ ٹاور میں واپس آیا۔ بیتو کی رائفل وہیں تھی، میں نے اس کی انفراریڈ دوربین سے پورے فارم کا جائزہ لیا مگر مجھے کہیں بھی کوئی زندہ جسم نظر نہیں آیا۔ البتہ مین گیٹ کی طرف سے ہلکی سی سرخی جھلک رہی تھی اور شاید وہاں کوئی تھا۔ فصیل اور دیوار پر بھی کوئی نہیں تھا۔ میں اوپر والے سوراخ کی طرف سے بھی چوکنا تھا جب ایک بونا اس طرف سے آسکتا تھا تو دوسرا بھی آسکتا تھا۔ میں نے اکلوتا لیمپ بجھا دیا اور رائفل سنبھال کر چھت کے سوراخ کی نگرانی کرنے لگا۔

نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ آخری بونا اس طرف سے ہی آئے گا۔ میں ایک طرف ملبے کے ساتھ زمین پر اس طرح لیٹ گیا کہ ملبے کا حصہ نظر آؤں اگر کوئی بہت غور سے دیکھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دروازہ پاؤں سے دھکیل کر زور سے بند کر دیا۔ اگر بونا اوپر تھا تو اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز ضرور سن لی ہوگی۔ اوپر سوراخ ہو جانے سے اب اور بھی یخ ہوا اندر آنے لگی تھی۔ اتنی سردی میں ساکت لیٹے رہنا آسان نہیں تھا۔ میں نے یوزی کا رخ اوپر کی طرف رکھا تھا تا کہ کوئی حرکت کئے بغیر فائر کرسکوں۔

مجھے لیٹے ہوئے دس منٹ گزر چکے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ میرا خیال غلط تھا۔ بونا اوپر نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ مین گیٹ کی طرف ہو یا اپنے ساتھیوں کے مارے جانے پر فرار ہو چکا تھا۔ وہ جھاڑیوں کے درمیان میں بھی نہیں تھا کیونکہ یہ پودے انفراریڈ روشنی نہیں روک سکتے تھے اگر کوئی ان کے درمیان میں چھپا تھا تو وہ بہ آسانی نظر آجاتا۔ میں اٹھنے والا تھا کہ باہر سے بے حد معمولی سی آہٹ سنائی دی اور میں ساکت ہو گیا۔ آواز بے حد ہلکی سی تھی اور اوپر سے کسی کنکر کے گرنے سے بھی ہو سکتی تھی مگر ان حالات میں، مَیں موہوم سے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

چند لمحے بعد ایک سیاہ سی شے سوراخ کے اوپر نمودار ہوئی۔ یہ کسی کا سر تھا اور اس کا بھی چھوٹا سا حصہ تھا۔ بونا اندر جھانک رہا تھا اور وہ بے حد محتاط تھا۔ خاصی دیر تک وہ اسی طرح جھانکتا رہا اور میں اس پر فائر کرنے کی خواہش پر قابو پاتا رہا۔ اس وقت نشانہ کارگر ہونے کا امکان کم تھا اور اس کے جوابی فائر سے بچنے کے لئے یہاں جگہ بہت کم تھی۔ میں سانس بھی بے حد آہستگی سے لے رہا تھا۔ کوئی تین منٹ بعد اس نے سر ہٹا لیا اور پھر اس کی ٹانگیں اندر آئیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور جیسے ہی وہ کودنے کے لئے ہاتھوں کے بل لٹکا، میں نے اس کے جسم کے وسطی حصے کا نشانہ لے کر ہلکا سا برسٹ مارا اور فوری طور پر اس جگہ سے سرک گیا۔ وہ ایک فلک شگاف چیخ کے ساتھ نیچے گرا۔ پھڑ کنے کے دوران اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں نے ٹٹول کر اس کی رائفل اور اضافی میگزین نکالے اور نیچے آگیا۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' وسیم نے مجھے دیکھتے ہی بے تابی سے کہا۔ ''یہ خون......''

''فکر مت کرو۔ آخری آدم خور بونے کا ہے۔''

''آدم خور!'' وسیم اور کمار چونکے۔ بیتو کو انہوں نے صوفے پر لٹا کر پانی سے اس کا سارا خون صاف کر دیا

تھا۔

''ہاں، یہ آدم خور ہیں، میرے سامنے راج نے اپنے ایک ملازم کو ان کے حوالے کر دیا تھا اور یہ اسے مار کر کھا گئے تھے۔ اس بدنصیب کی لاش کے بقیہ حصے باہر جھاڑیوں کے درمیان پڑے ہیں اور مجھے کچھ دیر اور کھانے کو نہ ملا تو میں بھی آدم خوری پر اتر آؤں گا۔''

وسیم نے مجھے ایک عدد بسکٹوں کا ڈبا دیا اور کمار نے مٹروں کا ٹن۔ میں خدا کا شکر ادا کر کے کھانے لگا، اس دوران میں بیتو نے کراہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے جوس کے ڈبے پلائے گئے، اس کے سر میں درد تھا اسے پین کلرز دے دیں۔ کھا پی کر میں نے کہا۔ ''ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنا ہے۔ راج غائب ہے اور امکان ہے وہ ان بونوں جیسی کوئی آفت دوبارہ لے کر نازل ہوگا۔''

''سومترا کے لئے؟'' کمار نے کہا۔

''اتنا غیرت مند نہیں ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''اسے بہن کی فکر ہوتی تو اسے چھوڑ کر کیوں جاتا؟ وہ ایک اور چکر میں آئے گا۔ اس کے بارے میں بعد میں بتاؤں گا ابھی یہاں سے نکلنے کی کرو۔''

یہ بات وہ دونوں بھی سمجھتے تھے اس لئے تیزی سے حرکت میں آئے۔ ہم نے اسلحہ جمع کیا۔ میں نے چار عدد یوزی مشین گن اور دوربین والی رائفل رکھی۔ باہر کوٹھی کے پورچ میں ایک عدد لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ میں نے چابی تلاش کی مگر وہ نہیں ملی۔ سومترا کو بھی نہیں معلوم تھا۔ بیتو کی طبیعت کسی قدر بہتر ہوئی تھی اسے لا کر جیپ میں بٹھایا۔ چابی کے بغیر جیپ کو ہارٹ وائر کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ یہ کام وسیم نے کیا۔

''گیٹ پر چند افراد کی موجودگی ممکن ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا کرو تم لوگ جیپ لے کر نکلو اور میں جھاڑیوں کی طرف جاتا ہوں۔ اگر کسی نے راستہ روکنے کی کوشش کی تو میں اسے رائفل سے نشانہ بناؤں گا۔''

''سومترا کا کیا کرنا ہے؟'' کمار نے پوچھا۔

''اسے لے چلو۔ ویسے تو راج کو اس کی پروا نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے کہیں کام آ جائے۔'' میں نے جواب دیا۔

سومترا کو بندھی حالت میں لا کر جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا۔ میں کوٹھی کی چار دیواری کے ساتھ چلتا ہوا عقب میں جھاڑیوں تک پہنچا۔ وہاں سے میں نے دوربین کی مدد سے مین گیٹ کا جائزہ لیا اس کا بغلی دروازہ کھلا تھا اور وہاں کوئی نہیں تھا۔ زمین پر چند لاشیں تھیں، لاشیں اس لئے کہ ان کے جسموں کی حرارت مکمل طور پر خارج ہو چکی تھی اور وہ ماحول کی طرح ہلکی سرخ ہو رہی تھیں۔ واضح رہے کسی بھی نائٹ وژن میں لگے شیشے انفرا ریڈ روشنی کو دیکھ سکتے ہیں۔ تمام جاندار حرارت خارج کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ اس دوربین سے عام چیزوں سے الگ نظر آتے ہیں۔

مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا پھر بھی میں نے احتیاطاً جیپ کو دروازے تک جانے دیا۔ کسی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی، میں بھی مین گیٹ کی طرف آیا۔ وہاں چار عدد ساتھی محافظوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ایک میرے ہاتھوں کوٹھی کے عقبی حصے میں مارا گیا تھا اور دوسرا سردار بونے کے ہاتھوں۔ ایک کو ان بونوں نے ڈنر کے طور پر استعمال کر لیا تھا۔ اس کے باوجود ایک دو فرار ہونے میں کامیاب رہے تھے۔ میں نے لاشوں کا معائنہ کیا

اور مجھے گورکھا چوکیدار بھی نظر آیا۔ باہر جانے سے پہلے میں نے احتیاطاً انفرا ریڈ دوربین سے باہر کا جائزہ لیا۔ وہاں بھی خاموشی تھی۔ کم سے کم سامنے والے حصے میں کوئی زندہ فرد نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے خطرہ نہیں ہے، نکل چلو۔'' میں نے جیپ پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ لاشیں ایک طرف کر کے میں پہلے ہی مین گیٹ کھول چکا تھا۔

''یہاں اتنی فائرنگ ہوئی ہے اور کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔'' وسیم نے جیپ باہر نکالتے ہوئے حیرت سے کہا۔

''یہ علاقہ ویران ہے۔'' کمار نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ایک دو میل تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ پولیس تک اطلاع پہنچنے اور اسے یہاں آنے میں کچھ دیر تو لگے گی۔''

میں نے دوربین رائفل سے الگ کر لی تھی اور اس کی مدد سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ آسمان پر گھرے بادل تھے اور ستاروں کی روشنی بھی نہں تھی۔ اچانک مجھے آگے سڑک پر ایک حرارت کا دھبا نظر آیا۔ وہ بھاگ کر سڑک سے اتر گیا۔ اب پتا نہیں وہ انسان تھا یا جانور۔ ''آگے کوئی ہے۔'' میں نے خبردار کیا۔

''یہ تو گاڑی ہے۔'' وسیم بولا۔

''اس کے پاس ہی کوئی بھاگا تھا۔'' میں نے اسے بتایا۔ وسیم نے جیپ گاڑی کے پاس روک دی۔ یہ پک اَپ تھی، میں اور کمار نیچے اترے تھے۔ ''اس میں کوئی ہے۔'' کمار نے پک اَپ کے عقبی حصے میں دیکھا۔

''میں نے لینڈ کروزر کے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک عدد ٹارچ برآمد کی تھی۔ میں نے اسے روشن کیا تو کمار کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ ''سادھنا!''

پک اَپ کے عقبی حصے میں سادھنا لاش کی طرح ساکت پڑی تھی۔ اس کے بائیں شانے اور اسی طرف ران پر گولیوں کے نشانات تھے۔ میں نے جلدی سے اس کی نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی مگر رک رک کر۔ ''اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔'' میں نے کمار سے کہا۔ ''اسے فوری طور پر اسپتال پہنچنا ضروری ہے۔''

کمار کی بے تابی اس کے دلی جذبات کو عیاں کر رہی تھی۔ وہ سادھنا کے ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے آواز دے رہا تھا۔ اس لمحے مجھے نشیب کی طرف سے کسی کی حرکت کا احساس ہوا۔ میں نے بھڑک کر رائفل اور روشنی کا رخ اس طرف کیا تھا کہ مجھے ایک قبائلی ہاتھ اوپر کئے کچھ کہتا نظر آیا۔ حلیئے اور زبان سے وہ کمار کے قبیلے کا لگ رہا تھا۔ کمار اس کی آواز سن کر چونکا اور اس کی طرف گیا۔ وہ اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اس دوران میں، مَیں نے سادھنا کو وسیم کی مدد سے جیپ کی پچھلی نشست پر لٹایا۔ بیتو نے اسے سنبھال لیا تھا۔ جبکہ میں نے پک اَپ کا معائنہ کیا۔ اس کا ایندھن ختم ہو گیا تھا۔ میں نے جیپ کے عقبی حصے میں رکھے کین سے اس میں ڈیزل ڈالا اور اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی۔

''سادھنا میرے آدمیوں کو مل گئی تھی۔'' کمار میری طرف آیا۔ ''یہ کل چار آدمی تھے۔ ہم جس خفیہ راستے سے باہر نکلے تھے انہیں بھی وہ راستہ مل گیا تھا۔ یہ پک اَپ بھی وہیں تھی۔ اس پر وہ ہمیں ڈھونڈنے نکلے تھے۔ اتفاق سے یہ لوگ اسی راہ پر چلتے آرہے تھے جس سے ہم گزرے تھے کہ ایک جگہ سادھنا نظر آ گئی۔ اس سے صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے فارم پر حملہ کر دیا۔ میرے تین آدمی مارے گئے اور سادھنا زخمی ہوئی تھی۔ یہ

اسے لے کر بھاگ نکلا تھا کہ اس جگہ آ کر گاڑی کا ایندھن ختم ہو گیا۔''

''ایسا کرو اسے میرے پاس بھیج دو۔'' میں نے قبائلی کی طرف اشارہ کیا۔ ''سادھنا کو فوری طبی امداد کی اشد ضرورت ہے۔''

وسیم نے جیپ آگے بڑھادی اور میں نے پک اَپ اس کے پیچھے لگادی۔ وسیم خاصی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد ایک جگہ روشنیاں نظر آئیں۔ یہ مختصر سی آبادی تھی۔ وسیم نے جیپ سب سے پہلے نظر آنے والے مکان کے سامنے روک دی۔ جیپ کی آواز سن کر اندر سے ایک بوڑھا نکل آیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر وسیم سے کہا۔ ''آ گیا سرکار، کیا کھدمت کر سکتا ہوں۔''

''بابا اِدھر کوئی اسپتال ہے۔ ہمارے ساتھ ایک زخمی عورت ہے، اسے علاج کی ضرورت ہے۔''

''اِدھر اسپتال تو ہے، پر چھوٹا سا ہے، رات کو بس ایک ڈاکٹر ہوتا ہے۔'' اس نے بتایا اور پھر اسپتال تک جانے کا راستہ سمجھایا۔

اسپتال واقعی چھوٹا سا تھا اور ہمیں ایسے ہی اسپتال کی ضرورت تھی۔ کسی بڑے اسپتال میں سب سے پہلے پولیس کا چکر پڑ جاتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر سے ہم بہ آسانی نمٹ سکتے تھے۔ اندر موجود ڈاکٹر نوجوان تھا اور اپنے کمرے میں انگیٹھی کے سامنے بیٹھا ناول پڑھ رہا تھا۔ زخمی کا سن کر وہ پھرتی سے حرکت میں آیا۔ ہم نے سادھنا کو اسٹریچر پر آپریشن روم تک پہنچا دیا۔ اس کے زخم دیکھ کر ڈاکٹر چونکا۔ ''یہ تو گولی کا زخم ہے۔''

''تم نے درست پہچانا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ڈاکٹر، فالتو باتیں کرنے کے بجائے اسے بچانے پر توجہ دو ایسا نہ ہو اسے کچھ ہو جائے تو تم بھی نہ رہو۔'' میں نے اپنی یوزی کی جیکٹ سے جھلک دکھائی تو اس کا رنگ اُڑ گیا تھا اور وہ بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔

یہ ایک منزلہ مختصر سا اسپتال تھا۔ اس کا سامنے والا حصہ او پی ڈی کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے عقب میں جنرل وارڈ تھا جس میں چار عدد بستر تھے جبکہ عقب میں آپریشن روم اور ایک مختصر سی لیب تھی۔ ڈاکٹر کا نام امرناتھ تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ آپریشن کے لئے اسے ایک شخص کی معاونت کی ضرورت ہے۔ وسیم آگے آیا۔ ''میں نے سرجری اور ڈریسنگ کا کورس کیا ہے۔''

''گڈ، تم کام آ سکتے ہو۔ اسے پلازمہ اور خون کی ضرورت ہو گی۔''

''یہ کہاں سے ملے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''میرے پاس ہے۔ اسے پلازمہ کے ساتھ او نیگٹو خون دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''پلیز، باقی سب یہاں سے جائیں۔''

ہم آپریشن روم سے باہر آ گئے۔ سومترا جیپ کے عقبی حصے میں بندھی پڑی تھی۔ کمار اسے نکال لایا اور میں نے دونوں گاڑیاں اسپتال کے سامنے والے حصے سے ہٹا کر عقبی سمت میں پارک کر دیں۔

''ابھی تک پولیس حرکت میں نہیں آئی ہے۔'' کمار نے کہا۔ ''ہمیں راستے میں پولیس کی نقل و حرکت نظر نہیں آئی۔''

''ممکن ہے پولیس تک اس مار اماری کی خبر پہنچی نہ ہو۔'' میں نے ایک بستر پر دراز ہو کر کہا۔ ''میرا خیال

ہے ہمیں پھر بھی محتاط رہنا چاہئے ایک آدمی سامنے والے حصے میں رہ کر نگرانی کرے۔ اگر پولیس یا کوئی اور اس طرف آئے تو ہمیں فوراً مطلع کرے۔ ہمیں ایسی تمام نشانیاں ہٹا دینی چاہئیں جن سے یہاں ہماری نشاندہی ہو سکے۔''

کمار نے اپنے ساتھی قبائلی کو نگرانی کے لئے باہر بھیج دیا تھا اور ہم نے سامنے کی روشنیاں بجھا کر دروازے بند کر دیئے۔ اب بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ اسپتال خالی ہے یا سب سو رہے ہیں۔ ڈاکٹر کے کمرے میں ایک عدد بڑا تھرماس کافی سے بھرا رکھا تھا اور اس کے ساتھ خاصی تعداد میں میٹھی ٹکیاں تھیں۔ ہم نے یعنی میں نے، کمار اور بیتو نے بلا تکلف ان سے استفادہ کیا۔ سومترا کو بھی کافی دی۔ سردی اور اپنی انگلی کی تکلیف سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ میں ہر دس منٹ بعد چپکے سے جا کر آپریشن روم میں جھانکتا تھا اور وسیم کی طرف سے اوکے کا اشارہ پا کر لوٹ آتا تھا۔ سومترا رو رہی تھی۔

''فکر مت کرو۔ ابھی سادھنا کے بعد ڈاکٹر تمہیں دیکھے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' کمار نے میری طرف دیکھتے بغیر کہا۔ ''اسے کسی علاج کی ضرورت نہیں ہو گی، بہت جلد......'' اس کا لہجہ سفاک ہو گیا تھا۔

''یہ مجھے مارنا چاہتا ہے۔'' سومترا ہذیانی انداز میں چلائی۔

''خاموش!'' میں نے درشتی سے کہا۔ ''اگر یہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو تم اس کی حق دار ہو۔ ذرا غور کرو سومترا رانی، تمہارے اپنے قبیلے کے لوگوں کے قتلِ عام کے ذمے داروں میں تمہارا نام آتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ تمہاری موت کا فیصلہ فوراً ہو جائے۔''

سومترا سہم کر خاموش ہو گئی پھر اس نے لجاجت سے کہا۔ ''میں بھگوان کی سوگند کھاتی ہوں، مجھے راج بھیا نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم بھول رہی ہو، ہم شروع سے تمہیں دیکھتے آ رہے ہیں اور میرے خیال میں تم اتنی معصوم اور بے خبر نہیں ہو جتنا کہ خود کو ظاہر کر رہی ہو۔''

اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ ''میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گی، جس سے تمہیں مجھے مارنے کا موقع ملے۔''

''شکریہ، ہم بھی تمہیں دھوکے میں رکھ کر نہیں ماریں گے۔''

''میری بھی ایک بنتی ہے۔ اگر مجھے مارنا ہو تو اذیت مت دینا۔ ایک ہی گولی سے مار دینا۔'' اس نے کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں ایسا ہی ہوگا۔''

''اور تم مجھے نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔'' اس نے شکوہ کیا۔ ''مگر یہ سچ ہے میں پاک ہوں۔ آج تک کسی مرد نے مجھے نہیں چھوا ہے، تم پہلے مرد ہو جس نے......''

''اوہ ٹھیک ہے۔'' میں نے بوکھلا کر کہا۔ ''تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور چپ ہو گئی البتہ کمار اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا، اسے غالباً میرے خیالات سے اتفاق نہیں تھا مگر مجھے بھی اس معاملے میں اس کی پروا نہیں تھی۔ جب میں

اس بار آپریشن روم میں گیا تو ڈاکٹر سادھنا کی ڈریسنگ مکمل کر چکا تھا۔ اس کے ایک بازو سے خون کی بوتل لگی تھی اور دوسرے سے پلازمہ کی۔ میں نے دیکھا، اس کے چہرے کی سرخی لوٹ آئی تھی۔ فی الحال اس کے جسم پر صرف ایک چادر تھی، اس کے خون آلود کٹے کپڑے ایک طرف پڑے تھے۔ "اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ اسے ہوش آجاتا مگر میں نے اسے خواب آور انجکشن دے دیا ہے۔"

"وہ کیوں ڈاکٹر......؟"

"ڈاکٹر امرناتھ" اس نے تعارف کرایا۔ "اس طرح یہ تکلیف سے بھی بچی رہے گی۔ اب اسے صبح تک ہوش آئے گا۔"

"ڈاکٹر ہم رک نہیں سکتے۔" میں نے اسے کہا۔

"یہ دو دن سے پہلے نہیں جا سکتی ہے۔ زخم بگڑ گئے تو اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔" ڈاکٹر نے اپنے دستانے اتارتے ہوئے بتایا۔ "دوسرے یہ پولیس......"

"پولیس کا نام بھی مت لینا!" میں نے کہا۔ "اور ہمارے جانے کے بعد اس سارے معاملے کو بھول جانا۔ غلطی سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور یہ بات عام ہوئی تو ہم پھر آجائیں گے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔ "یہاں آپریشن ہوا ہے۔ میں نے خون، پلازمہ اور دوائیں استعمال کی ہیں ان کے بارے میں، مَیں کیا جواب دوں گا۔"

میں نے جیکٹ سے یوزی نکال کر اس کا رخ ڈاکٹر کی طرف کر دیا۔ "اس کا ایک آسان طریقہ ہے۔ ہم ایک گولی خرچ کر کے یہاں سے چلے جائیں گے اور پتا بھی نہیں چلے گا مگر اس میں تمہارا نقصان ہے۔ تم اس بھری جوانی میں رخصت ہو جاؤ گے۔"

"میں......" اس نے ذبح کی جانے والی بکری کی سی آواز نکالی۔

"دوسرا طریقہ بھی ہے تم اس سلسلے میں کوئی اچھی سی کہانی گھڑ لو۔ جس میں ہمارا ذکر نہ آئے اور تمہاری بھی بچت ہو جائے۔"

"میں کرلوں گا۔" اس نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ "اسے ہٹالو، یہ چل گئی تو میرا بلاوجہ رام نام ست ہو جائے گا۔"

"فکر مت کرو، یہ بلاوجہ نہیں چلتی اور نہ ہی تمہارا بلاوجہ رام نام ست ہوگا۔ جب بھی ہوگا کسی وجہ سے ہی ہوگا۔ جو تمہاری کوئی حماقت ہوگی۔"

"نہیں ہوگی۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میری حماقت۔"

سادھنا کو جنرل وارڈ کے ایک بستر پر شفٹ کیا گیا تھا اور اسے ایک عدد کمبل دے دیا گیا۔ ڈاکٹر نے سمترا کے زخموں کی ڈریسنگ کر کے اس کی انگلی کی ہڈی بٹھا کر اس پر پلاسٹر کر دیا تھا۔ اسے درد اور سوجن کم کرنے والی دوائیں بھی دے دی تھیں۔ جنرل وارڈ کے کمرے کو گرم رکھنے کے لئے وہاں ایک عدد انگیٹھی بھی تھی۔ سب کا تھکن سے برا حال تھا اس لئے طے پایا کہ دو افراد آرام کریں گے اور دو افراد جاگتے رہیں گے۔ پہلے میں اور ہم چار گھنٹے تک جاگتے رہے۔ پھر کمار اور اس کا قبائلی ساتھی جاگتے رہے۔ بیتو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے

اسے بھرپور آرام کا موقع دیا گیا تھا۔ میں صبح پانچ بجے سویا اور نو بجے کمار نے مجھے اٹھا دیا۔

"اسپتال کا دوسرا عملہ آ گیا ہے۔"

میں نے انگڑائی لی۔ "تو ان کا کیا، کیا ہے؟"

"ابھی تو سب کو لیب میں بند کر دیا ہے، دس بجے دوسرا ڈاکٹر آ جائے گا۔"

"سادھنا کیسی ہے؟"

"دیکھ لو۔" کمار نے اشارہ کیا۔

وہ ہوش میں تھی اور کمبل تلے مسکرا رہی تھی۔ میں اس کی طرف جھکا۔ "اب کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" اس نے شرما کر کہا۔ شاید اس لئے کہ اس نے لباس نہیں پہنا تھا صرف کمبل سے ستر پوشی کی ہوئی تھی۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟"

"ایک اسپتال ہے۔" میں نے کہا۔ "اور یہ تم نے کون سی حماقت کی تھی؟"

"آپ بھی......" اس نے منہ بنایا۔ "ابھی کمار بھی مجھے اس پر اتنا ڈانٹ چکا ہے۔"

روانگی سے پہلے مسئلہ سادھنا کو لباس پہنانے کا تھا۔ اسپتال میں خاصی تعداد میں مریضوں والے ڈھیلے اور آرام دہ لباس موجود تھے۔ میں نے کمار سے کہا تو اس نے گھبرا کر انکار کر دیا۔ "تم پہنا دو۔"

"وہ یار، کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا اس لئے مجھے تو معاف رکھو۔" میں نے کہا اور وسیم کی طرف دیکھا۔ اس نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"بیتو......تم......" کمار نے جھجک کر درخواست کی۔

"میں پہناتا ہوں، میری دیدی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا، اس لئے یہ مسئلہ اس کے سپرد کر کے ہم وہاں سے نکل گئے۔ صبح ہو چکی تھی مگر یہ دھند آلود صبح تھی اور اچھی بات تھی اس طرح ہمیں کم سے کم لوگ جاتے ہوئے دیکھتے۔ لینڈ کروزر جیپ کے عقبی حصے کی چوڑائی خاصی تھی اس لئے اس میں ایک عدد گدا اسپتال سے لے کر بچھایا اور اس پر سادھنا کو لٹا کر اسے اسپتال ہی کا ایک کمبل اوڑھا دیا تھا۔ فی الحال ہمارے پاس زر نقد نہیں تھا اس لئے وہ بھی اسپتال یعنی ڈاکٹر امرناتھ اور وہاں آ جانے والے دوسرے عملے سے لیا۔ ساڑھے نو بجے ہم ان سب کو لیب میں بند کر کے روانہ ہو گئے تھے۔ اس بار میں جیپ چلا رہا تھا اور کمار پک اپ، وسیم، سومترا اور بیتو میرے ساتھ تھے جبکہ قبائلی کمار کے ساتھ پک اپ میں تھا اور دھند کے باوجود ہم تیزی سے روانہ ہوئے تاکہ اسپتال کے عملے کے آزاد ہونے سے پہلے یہاں سے دور نکل جائیں۔

بیتو انگریزی نہیں جانتا تھا مگر سومترا کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ وہ جانتی ہے۔ اس لئے میں نے اور وسیم نے پشتو میں بات کی، پنجابی بھی بھارت میں عام سمجھی جاتی ہے، اس میں بات کرنے میں خطرہ تھا۔ میں نے وسیم کو اس ٹیوب کے بارے میں بتایا جس میں ہیرے بھرے تھے۔ اس نے کہا۔ "مجھے دکھائیے ذرا۔"

میں نے غیر محسوس انداز میں ٹیوب اس کے حوالے کر دی۔ وسیم نے ٹیوب کھول کر ہیرے نکال کر دیکھے اور حیرت ظاہر کئے بغیر بولا۔ "یہ تو بہت قیمتی ہیرے ہیں جناب! میرا خیال ہے ان کی مالیت کم سے کم کروڑ روپے ہوگی۔"

"یہ ہمارے لئے پاسپورٹ ہیں ان کی مدد سے ہم اس ملک سے نکل سکتے ہیں۔"

وسیم نے ہیرے ٹیوب میں ڈال کر ٹیوب مجھے دے دی۔ "کیا کماریا کسی اور کو ان کے بارے میں پتا ہے؟"

"نہیں اور نہ ہی پتا چلنا چاہئے۔" میں نے جواب دیا۔ "صرف سومترا جانتی ہے، اس نے اعتراف کیا ہے، اس کے بھائی کے پاس اس سے کہیں زیادہ اور قیمتی ہیرے ہیں، اس کا اندازہ اس سے کرو کہ عجلت میں جاتے ہوئے اس سے یہ ٹیوب گر گئی اور اسے خبر تک نہیں ہوئی۔"

"مجھے یہ سارا چکر ہیروں کا لگ رہا ہے۔"

"درست لگ رہا ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔ "یہ واقعی ان چمک دار پتھروں کا معاملہ ہے۔ چند لالچیوں نے ان کے لئے بے دریغ پانچ چھ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"کیا ان کی کان ہے؟"

"میرا خیال ہے کان تھی، اس سے یہ قبائلی صدیوں سے ہیرے نکالتے آرہے تھے جو راجا جتیندر کے پاس جمع ہو رہے تھے۔ اس نے راج لاما کی مدد سے چند ہیرے تراشنے کے ماہرین بلوا کر ان ہیروں کو ترشوا دیا اور اب یہ بہت بڑا خزانہ بن کر فتنہ و فساد پھیلا رہے ہیں۔"

"راج لاما اس ساری دولت کے ساتھ غائب ہے۔" وسیم نے غور کیا۔ "وہ کہاں جا سکتا ہے۔"

"کسی بڑے شہر دلی، بمبئی، کلکتہ، مدراس یا احمد آباد کی طرف جا سکتا ہے، ان ہیروں کی اصل قیمت وہیں لگے گی۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "پہلے وہ یہی کرے گا اور بعد میں باہر نکل جائے گا۔ دبئی، سنگاپور یا جنوبی افریقہ میں اسے ان ہیروں کی صحیح قیمت ملے گی۔"

"شاید وہ ایسا ہی کرے۔"

ابتدائی تیز رفتاری کے بعد میں نے رفتار اتنی سُست کر لی تھی کہ سادھنا کو دھچکوں سے تکلیف نہ ہو۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں ایک جھونپڑی ہوٹل نظر آیا، جہاں مزدور پیشہ لوگ ناشتا کر کے جا چکے تھے اور ہوٹل کے مالک سردار جی بچ جانے والی پوریوں اور بھاجی کے بارے میں فکر مند تھے کہ ہم نے آ کر ان کی فکر ختم کر دی۔ ہمیں دیکھ کر وہ کھل اٹھے تھے۔ "آؤ جی...... واہ گرو کی کرپا، ناشتا کرنا اے۔"

"ہور کی سردار جی! ناشتا نہیں کرنا تے رشتہ لینے واسطے آئیں نیں۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "ساری پوریاں اور بھاجی باندھ دو اور ہاں، چائے کے لئے تھرماس اور کپ بھی چاہئیں۔"

"ابھی لو جی!" سردار جی نے کہیں سے فٹافٹ ایک پرانا سا تھرماس برآمد کیا اور اس میں کیتلی کی ساری چائے بھر دی۔ اس کے بعد اپنے ہوٹل کے متروک ہو جانے والے کپ پیش کئے۔ پوری بھاجی کی قیمت ان چیزوں سمیت ساڑھے تین سو بنی تھی۔ سردار جی چار سو پا کر بے حد خوش ہوئے تھے۔

"ہور دسو...... کرپان سنگھ تہاڈی کی کھدمت کرے۔"

"سردار جی...... اصل میں ہم راستہ بھول گئے ہیں...... ہمیں دلی جانے والی ہائی وے پکڑنا تھی۔"

"اِدھر دے راستے بھی ایسے سودے ہوندے نیں۔" سردار جی نے داڑھی میں انگلیاں گھمائیں۔ "دہلی نوں راہ ہے پر آگے جا کر دائیں طرف جانے والی سڑک پر پکڑ لیں۔۔۔۔۔ وہ سدھی دیرہ دون جاتی اے۔"

"دیرہ دون یعنی انڈین ملٹری اکیڈمی!" میں نے پوچھا۔

"آہو جی، اِدھر سے دہلی کا راستہ سدھا ہے۔"

سردار کرپان سنگھ کا شکریہ ادا کر کے ہم روانہ ہوئے۔ کئی ملکوں میں رواج ہے والد ماجد اولادِ نرینہ کی آمد کی خبر سن کر نظر آنے والی پہلی چیز پر نومولود کا نام رکھ دیتے ہیں۔ کرپان سنگھ کے پتا جی غالباً اس وقت کرپان کا معائنہ کر رہے تھے جب اس کی پیدائش کی اطلاع ملی۔ بہرحال اس نے ناشتے کے ساتھ راستے کا مسئلہ بھی حل کر دیا تھا۔ کمار اور وسیم نے بھی اتفاق کیا کہ ہمیں دہلی کی طرف جانا چاہئے۔ مگر دہلی نہیں جانا چاہئے۔ ہم اس سے ملا کر اپنا سفر کلکتہ کی طرف جاری رکھ سکتے تھے۔ کلکتہ کی طرف جانے پر میرا، وسیم اور کمار تینوں کا اتفاق تھا۔ میں اور وسیم بنگلہ دیش کے راستے پاکستان واپس جانے کے حامی تھے جبکہ کمار، سادھنا کے ہمراہ آسام کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے وہاں بہ آسانی پناہ مل جاتی۔ سادھنا کی حالت خطرے سے باہر تھی مگر سفر نے اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوپہر تک اسے بخار ہو گیا تھا۔ ہمارا کم سے کم ایک دن کے لئے کہیں رکنا لازمی تھا۔ میں نے وسیم اور کمار سے بات کی اور طے پایا کہ ہم راستے میں آنے والے کسی الگ تھلگ مکان میں رک جائیں گے چاہے اس کے لئے ہمیں زبردستی سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ وسیم نے نظر آنے والے پہلے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ یہ چھوٹا سا پتھر اور لکڑی کا بنا مکان تھا۔ "اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے جیپ اس طرف موڑ دی۔ مکان ایک ہموار سطح پر تھا اور خاصا خستہ حال تھا اس کے اوپر چمنی سے دھواں نکل رہا تھا۔ میں جیپ سے اتر کر مکان تک گیا تو مجھے عجیب سی بدبو محسوس ہوئی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا سامنے ایک لمبا اور جسیم شخص کھڑا تھا۔ سر سے پاؤں تک اس کے جسم پر بال ہی بال تھے۔ اس کے پاس سے بھی ویسی ہی بدبو آ رہی تھی جیسی مکان کے پاس آنے پر محسوس ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور جسم پر صرف ایک جانگیا تھا۔

"کیا ہے بالک؟"

"ہمیں کچھ دیر کے لئے پناہ چاہئے۔" میں نے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر اس کا چوڑا جسم راستے کو پوری طرح کور کئے ہوئے تھا۔ "ہمارے ساتھ ایک مریض عورت ہے، اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

"میرے پاس جگہ نہیں ہے۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنی کمر پر تھا۔ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرنا چاہا تو اس کا یہ ہاتھ ایک لمحے کے لئے سامنے آیا تھا اور میں نے دیکھ لیا اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی اور اس سے تازہ لہو ٹپک رہا تھا۔ اس سے پہلے، وہ دروازہ بند کرتا میں نے اس میں جوتا اڑا دیا۔

"چلو پناہ نہ سہی، پانی مل سکتا ہے۔"

"پاؤں ہٹا۔" اس نے خطرناک لہجے میں کہا۔ "پانی نہیں ہے میرے پاس۔"

میں نے پاؤں ہٹانے کا ارادہ ظاہر کیا اور اچانک دروازے کو دھکیلا، وہ ذرا دور گیا تھا۔ اس کے پیچھے سے آتی بساند تیز ہو گئی تھی۔ اچانک مجھے یاد آ گیا۔ جب گوشت کو سادہ پانی میں محفوظ رکھنے کے لئے ابال کر اور نمک

لا کر خشک کیا جاتا ہے تو اس سے ایسی ہی بساند آتی ہے۔

"حرام جادے!" اس نے گالی دی اور چھری لہراتا میری طرف لپکا تھا۔ میں ذرا پیچھے ہوا اور جیسے ہی وہ نزدیک آیا۔ دروازہ بند کر کے اچانک کھول دیا۔ دروازہ اس کے رکتے رکتے بھی اس کے منہ پر لگا تھا۔ اس نے دہاڑ ماری۔ ضرب کاری تھی، میں نے اس کی ناک سے خون کا فوارہ بلند ہوتے دیکھا۔ اس کا چھری والا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچ کر باہر پھینک دیا جہاں وسیم اس کے استقبال کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنی یوزی گن کا رخ اس کی طرف کر کے اس کے چھری والے ہاتھ پر لات ماری اور چھری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

"اگر یہ اب اٹھے تو اس کا بھیجا اڑا دینا۔" میں نے وسیم سے کہا اور اندر جانے لگا تو وہ بلبلایا۔

"او ۔۔۔ میری سرکار ۔۔۔ بات سنو ۔۔۔ اندر نہ جاؤ۔"

اس پر وسیم نے اس سے ایک ناقابلِ اشاعت سوال کیا تھا، اندر کے حوالے سے۔ میں نے اندر قدم رکھا تو جا بجا کھالیں لٹکی تھیں، ایسا لگ رہا تھا یہ کوئی کھالیں اتارنے والا چمار تھا۔ بدبو اب ناقابلِ برداشت تھی۔ میں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور کھالوں کے درمیان سے گزرتا آگے بڑھنے لگا۔ یہ پورا مکان ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ اس میں دیواروں کے ساتھ رسیوں سے الگنی بی تھیں، کھالیں ان پر لٹکی تھیں۔ بالآخر میں کھانے پکانے والے حصے میں پہنچا۔ وہاں حسبِ توقع ایک شیشے کی کھڑکی کے سامنے گوشت کے ٹکڑے الگنی سے لٹکے خشک ہو رہے تھے۔ میں نے چولھے میں جھانکا۔ اس میں کوئی شے براہِ راست جل رہی تھی اور جب میں نے غور کیا تو چند لمحے کے لئے مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا تھا۔ یہ چند ہڈیاں اور ایک انسانی کھوپڑی تھی۔ کسی نہایت چھوٹے سے بچے کی اور ان کو اس چولھے میں جلا کر راکھ کیا جا رہا تھا۔ اوپر چمنی سے نکلنے والا دھواں اسی کا تھا۔ مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ پھر شدید متلی کی کیفیت کے ساتھ میں پلٹا اور باہر نکلتے نکلتے دروازے پر مجھے الٹی آ گئی۔

کمار میری طرف لپکا۔ "تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں، یہ حرام زادہ، اس کے مکان میں ایک انسانی بچے کی ہڈیاں جل رہی ہیں۔"

"انسان کے بچے کی؟" کمار نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

اس خبیث کا چہرہ خوف سے سفید ہو گیا تھا۔ میں اٹھ کر سامنے آیا تو وہ چلانے لگا۔ "میری بات سنو، مجھے مارنا مت۔"

میں اس سے ذرا دور رک گیا۔ "ذلیل شخص! تیرے مکان میں ایک بچے کی ہڈیاں جل رہی ہیں۔ کہاں سے آیا ہے بچہ ۔۔۔ تُو نے اسے کس لئے مارا؟"

"میں نے نہیں مارا۔ میں نے ایک قبرستان سے خریدا تھا۔ یہ بچہ مرا ہوا تھا۔"

"کیوں؟" میں نے اس کی پسلی میں ٹھوکر ماری۔ وہ پسلی دبا کر لوٹنے لگا۔ اس نے سوال کا جواب نہیں دیا مگر جب میں نے اسے لگاتار ٹھوکریں ماریں اور اس کے گھٹنے کے ساتھ اس کی چند پسلیاں بھی توڑ دیں تو اس نے بادلِ ناخواستہ زبان کھولی تھی اور اس نے جو انکشافات کئے وہ نہایت لرزہ خیز تھے۔ اس کریہہ المنظر شخص کا نام شمبو ناتھ تھا، ذات کا چمار تھا اور اسے جادوگری کے ذریعے طاقت اور دولت حاصل کرنے کا خبط تھا۔ اس نے سحر سیکھنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ اسے ایک گرو نے جادو کے ذریعے طاقت حاصل کرنے کا نادر نسخہ بتایا تھا کہ اسے

سات ہفتے تک ہر ہفتے ایک نوزائیدہ فوت ہو جانے والے بچے کی لاش حاصل کر کے اسے کھانا تھا اور اس دوران میں کچھ نہیں کھانا تھا۔ شرط یہ تھی کہ بچہ ازخود مرا ہو۔ اس دوران میں اسے ایک جاپ کرنا تھا۔ یہ آخری بچہ تھا جو اس نے ایک قبرستان سے حاصل کیا تھا۔ اس کی شامت اعمال کہ ہم آ گئے۔

"اس منحوس گرو کی کیا حالت ہے جس نے تمہیں نسخہ بتایا ہے؟"

"نسکھا...... وہ کیا جی؟"

"یہی کالا عمل...... خبیث کہیں کے۔" میں نے اس کے کمر پر اسے ایک لات اور رسید کی۔

"وہ جی، کرشنا کے مندر کے سامنے بھیک مانگتا ہے۔"

"اس نے خود یہ عمل کیوں نہیں کیا؟" وسیم نے طنز کیا۔

"پتا نہیں جی، میں نے پوچھا نہیں۔"

میں اس کو زبردستی مکان کے عقب میں لے گیا۔ میں نے اسے مارنے سے گریز کیا۔ "ایک انسان ہو کر تم نے اتنے غلیظ کام کیے۔"

"میں مجبور تھا۔" اس نے دردناک لہجے میں کہانی کا آغاز کرنا چاہا تھا۔

"لیکن میں مجبور نہیں ہوں۔" میں نے اپنی یوزی گن نکالی۔ "کوئی بھی مجبوری انسان کو اتنے قبیح کام پر آمادہ نہیں کر سکتی سوائے بے ضمیری کے۔"

"نہیں۔" وہ چلایا اور یک دم زمین سے اچھل کر بھاگا۔ اس کی پھرتی قابل دید تھی مگر وہ اجل سے زیادہ تیز رفتار نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے یوزی اس کی طرف سیدھی کر کے ایک ہلکا سا برسٹ مارا۔ اس کی پشت میں بیک وقت کئی سوراخ ہو گئے تھے اور وہ ایک گڑھے میں جا گرا۔ جب میں نے گڑھے میں جھانکا تو وہ اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کا خون گھاس میں جذب ہو رہا تھا۔ میں واپس آیا تو کمار غائب تھا۔ "یہ کہاں ہے؟"

"پتا نہیں، اندر گیا ہے۔" وسیم نے مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"اس اثنا میں مکان کے عقبی حصے سے شعلے بلند ہونے لگے۔ کمار عجلت میں اندر سے برآمد ہوا۔ "بس اب نکل چلو، میں نے مکان کو آگ لگا دی ہے۔"

"میں خود بھی یہی کرتا۔" میں نے جیپ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "عورتوں کو یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سادھنا جاگ رہی تھی۔ اسے دوا دی تھی جس سے اس کا بخار کم ہوا تھا مگر اسے علاج کے ساتھ آرام کی بھی ضرورت تھی اور آرام سفر میں ممکن نہیں تھا۔ مگر مجبوری تھی ہم نے سفر جاری رکھا۔ کچھ دیر پہلے ہم نے جو دیکھا تھا، اس نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا۔ وسیم کی بھی یہی کیفیت تھی۔ "انسان دولت کے لئے کتنا گر سکتا ہے۔" وسیم نے سرد آہ بھری۔ "مجھے تو اپنے ماضی پر شرمندگی ہوتی ہے۔"

"تم راستہ بھٹکے تھے۔" میں نے اس کو تسلی دی۔ "اس بے ضمیر شخص سے اپنا موازنہ مت کرو۔"

دو گھنٹے بعد ایک شہری طرز کی آبادی دکھائی دی۔ لنچ کا وقت تھا۔ کم سے کم مجھے بھوک نہیں تھی مگر سادھنا کو کھانے کے لئے کچھ دینا تھا۔ ہم نے گاڑیاں آبادی سے ذرا پہلے درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس روک دیں۔

سادھنا سو رہی تھی اور اس کا بخار مزید کم ہو گیا تھا۔ ہم نے اسے گدے سمیت اٹھا کر ایک ہموار جگہ لٹا دیا، درختوں کا سایہ تھا اور فضا میں خوشگوار خنکی تھی، میں نے کمار سے کہا۔ "تم یہاں رکو، میں اور وسیم جا کر کھانے کے لئے کچھ لاتے ہیں۔"

"اور سادھنا کی دوائیں بھی۔" اس نے یاد دلایا۔ ڈاکٹر امرناتھ نے چند دوائیں لکھ کر دی تھیں جو اسپتال میں نہیں تھیں۔ سادھنا کے زخموں کو انفیکشن سے بچانے کے لئے یہ لازمی تھیں۔ میں اور وسیم پک اپ میں روانہ ہوئے۔ جیپ میں ایندھن ختم ہونے والا تھا اس لئے ہم نے کین ساتھ رکھ لیا۔ پیٹرول پمپ قصبے کے آغاز میں تھا۔ یہاں سے پک اپ کی ٹنکی فل کرانے کے ساتھ ہم نے کین بھی بھروا لیا۔ یہ چالیس لیٹر کا کین تھا اتنے ڈیزل کی مدد سے لینڈ کروزر کم سے کم چار سو کلو میٹر کا فاصلہ آرام سے طے کر سکتی تھی۔ کھانے کے لئے ہوٹل اور ایک میڈیکل اسٹور قصبے کے واحد بازار میں مل گیا۔ وہاں سادھنا کے لئے تین میں سے دو دوائیاں مل گئیں۔ میڈیکل اسٹور کے تبتی نقوش والے مالک سے میں نے پوچھا۔ "یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ہم کچھ دیر یا ایک دن کے لئے رک سکیں۔ دراصل ہمارے ساتھ موجود ایک عورت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"وہ زخمی ہے۔" سادہ سے نظر آنے والے چالاک تبتی نے بھانپ لیا تھا کیونکہ ہم نے اس سے جو دوائیاں لی تھیں وہ زخموں کو خشک کرنے اور انفیکشن سے بچانے کے لئے ہی استعمال کی جاتی ہیں۔

"ہاں، ہم اسکیٹنگ کے لئے پہاڑوں کی طرف گئے تھے وہ برف پر پھسل گئی تھی۔" میں نے ایک مناسب قسم کا جھوٹ بولا۔

"اُدھر ذرا آگے دھرم شالا ہے۔" تبتی نے بتایا، مہاتما بدھ کا ایک مجسمہ بتا رہا تھا کہ وہ بدھسٹ ہے۔ "وہاں تم کو بلا معاوضہ رکنے کی جگہ مل جائے گی۔"

"تم نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

کھانا اور سادھنا کے لئے جوس، دودھ اور گلوکوز کے ڈبے لے کر ہم واپس آئے۔ کھا پی کر ہم نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا اور ایک گھنٹے میں ایک بدھ دھرم شالے میں پہنچ گئے۔ ان کے مندر پگوڈا کہلاتے ہیں مگر دھرم شالے متعدد سرگرمیوں کے مراکز ہوتے ہیں۔ ان میں مسافروں کو ٹھہرانے اور ان کو کھلانے پلانے کا بندوبست بھی ہوتا ہے۔ ایک ذمے دار شخص نے میری بات سنی اور ہمیں دو کمرے دے دیئے۔ زمین پر دری بچھی تھی اور نیم زمین دوز ہونے کی وجہ سے یہ کسی قدر گرم بھی تھے۔ ہم نے سب سے پہلے سادھنا کو وہاں پہنچایا، کھانے کے بعد اسے دواؤں کا ایک ڈوز اور دیا تھا۔ باقی سب بھی بہت تھکے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنا اسلحہ چھپا لیا تھا۔ دھرم شالا والوں کے لئے ہم عام سے لوگ تھے۔ اسلحہ ہمیں مشکوک کر دیتا۔

میں سادھنا اور کمار کے ساتھ ایک کمرے میں تھا۔ دوسرے کمرے میں وسیم، بیتو، سوشترا اور قبائلی رامن تھا میں لیٹ کر سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ کمار سادھنا کو چمچ سے دودھ پلاتے ہوئے اس سے سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا اور سادھنا کے چہرے پر چراغ کی روشنی میں محبت کی قوسِ قزح کے سارے رنگ نظر آ رہے تھے۔ اچانک اس نے کمار سے کہا۔ "تم سوشترا کو معاف کر دو، اس کا اتنا قصور نہیں ہے۔"

"تم اس معاملے میں مت بولو۔" کمار کا رومانٹک موڈ اچانک خراب ہو گیا تھا۔

''کیوں، میں اس میں شامل نہیں ہوں۔'' سادھنا کا لہجہ تیز ہو گیا۔ ''شروع سے تمہارا ساتھ دیتی آئی ہوں۔ یہ زخم کیوں لگے مجھے اور تم کہتے ہو کہ میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔''

''مارے جانے والے میرے لوگ تھے۔'' کمار بولا۔ ''یہ دونوں بہن بھائی قاتل ہیں۔''

''اب میں تمہاری ہوں تو تمہارے لوگ بھی میرے ہیں۔'' سادھنا آہستہ سے بولی۔ ''یقین کرو، مجھے بھی ان کے مارے جانے کا اتنا ہی دکھ ہے مگر اصل مجرم راج ہے، سومترا نہیں۔''

''یہ اس کی بہن تو ہے۔''

''کمار، تم بے انصافی کر رہے ہو۔ ایک کے کئے کی سزا دوسرے کو کیسے دی جا سکتی ہے؟''

''تب میں کیا کروں، بھول جاؤں مارے جانے والوں کو۔''

''کمار، تمہارے انتقام لینے سے وہ واپس نہیں آ سکتے۔ اس لئے بھول جاؤ، ایک نئی زندگی کا آغاز کرو۔''

''نئی زندگی کا آغاز تو کروں گا مگر یہ ناممکن ہے کہ میں راج اور سومترا کو معاف کر دوں۔''

میں اٹھ بیٹھا اور میں نے ایسا کرنا مناسب سمجھا تھا۔ کمار کا لہجہ بتا رہا تھا وہ اپنے ارادے پر پختہ تھا اور ان دونوں کے درمیان تلخی آنے والی تھی۔ ''کیا ہو رہا ہے، سادھنا کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے بے دلی سے کہا اور اچانک مجھ سے پوچھا۔ ''شہباز، تم لوگ سومترا کو مار دو گے؟''

''یہ کس نے کہا؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''کمار کا کہنا ہے......''

''کمار اپنی جگہ صحیح ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''مگر یہ قصائی نہیں ہے کہ اسے کاٹ دے۔ صرف شک کی بنا پر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی، تم فکر مت کرو ہم جو کریں گے پورے اطمینان کے بعد کریں گے۔''

میں نے کمار کو اشارہ کیا اور ہم باہر آئے۔ یہ جگہ مہمان خانے کے لئے مخصوص تھی۔ ہم نکل کر باہر باغ میں آئے جہاں گیس لیمپ روشن تھے۔ ''تمہیں اس سے بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے کمار سے کہا۔ ''اسے آرام کی ضرورت ہے۔''

''مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'' کمار نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جب میں سومترا کو دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔''

''سومترا کا معاملہ میں تم پر چھوڑ چکا ہوں۔ بس اس کے عورت ہونے کا خیال رکھنا اور دوسرے میں تم سے امید رکھتا ہوں تم جو بھی فیصلہ کرو گے، جذبات کے بجائے انصاف کو مدِ نظر رکھ کر کرو گے۔''

☆======☆======☆

یہ دھرم شالا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سامنے والے حصے میں مہمان خانہ اور دفتر تھا اس کے بعد پختہ صحن اور آخر میں پگوڈا کی چینی طرزِ تعمیر والی عمارت تھی۔ اس کے پیچھے ایک کھائی تھی جس نے اس پورے قطعہ زمین کو تین طرف سے گھیر رکھا تھا اور یہ جگہ سڑک سے خاصی بلندی پر اور کوئی دو فرلانگ دور تھی۔ سڑک سے دھرم شالا تک

پتھر کا پختہ راستہ آتا تھا۔ میں اور کمار اندر آئے تو دھرم شالا کے دو نوعمر خادم کھانا لے آئے تھے، یہ سبزیوں کا سوپ تھا۔ جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ کھانے کے لئے لکڑی کے پیالے اور لکڑی کے چمچ تھے۔ سوپ خوش ذائقہ تھا۔ سادھنا کو بھی یہی دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ خشک میوے تھے اور کھانے کے بعد ایک قسم کا قہوہ دیا گیا جس میں چینی نہیں تھی مگر اس کی مہک اور ذائقہ لاجواب تھا۔

رات گیارہ بجے دھرم شالا کی بیرونی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں اور سب سونے کے لئے چلے گئے۔ ہمارے علاوہ اس مہمان خانے میں دو بھکشو اور تھے جو پورے بھارت میں پگوڈوں کی سیر کرتے پھر رہے تھے اور دو دن سے یہاں تھے۔ سادھنا کے ساتھ سومترا اور بیتو بھی سو گئے تھے۔ مجھے، کمار اور وسیم کو اتنی جلدی نیند نہیں آئی اس لئے ہم باہر آ گئے، سردی تھی مگر قابل برداشت تھی۔ اتفاق سے وسیم نے بھی سومترا کے بارے میں سوال کیا۔

''اس کا کیا کرنا ہے؟ اگر اسے چھوڑنے کا ارادہ ہے تو اسے کلکتہ تک لے جانا کسی صورت مناسب نہیں ہوگا۔''

کمار نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے چھوڑنا ناممکن ہے۔''

''اوکے پھر ہم روانگی سے پہلے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور یہ کام تم کرو گے۔'' میں نے کمار کی طرف دیکھا۔

''میں؟'' وہ بوکھلا گیا تھا۔

''ہاں، تم...... تم اسے مارنے کے لئے جتنے بے تاب ہو...... یہ کام تمہیں ہی کرنا ہوگا۔'' وسیم نے میری تائید کی۔

کمار ہچکچانے لگا۔ ''یہ کام بعد میں نہیں ہو سکتا، جب میں اسے اپنے آدمیوں کے پاس لے جاؤں۔''

''میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' میں نے انکار کیا۔ ''اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے، بہتر ہے تم ابھی فیصلہ کر لو۔ اسے مارنا ہے یا چھوڑنا ہے جو بھی کرنا ہے اس جگہ کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے کل ہم راستے میں کہیں اس کا فیصلہ کر دیں گے۔'' کمار بولا تھا۔

''کمار یاد رکھنا اسے سزائے موت دینے کا فیصلہ تمہارا اپنا ہے اور اس میں ہم میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''اگر مستقبل میں کبھی پچھتاوا ہو تو صرف خود کو الزام دینا۔''

''تم اس طرح کی باتیں کر کے مجھے اپنے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وسیم ہائی وے کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے مجھے متوجہ کیا۔ ''دو گاڑیاں اس طرف آ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ دھرم شالا آنے والے راستے پر ہیں۔''

''شاید نہیں، یقیناً یہ دھرم شالہ کی طرف آ رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اور میری چھٹی حس کہہ رہی ہے یہ معاملہ گڑبڑ ہے، ہمیں اپنے ہتھیار لے لینے چاہئیں۔''

ایک خودکار رائفل کو چھوڑ کر ہم نے باقی اسلحہ لینڈ کروزر کے عقبی خانے میں چھپا دیا تھا۔ وسیم نے جا کر یوزی مشین گنیں اور ان کے اضافی راؤنڈز نکال لئے تھے۔ رائفل والی دوربین میرے پاس تھی۔ ہم پیچھے عمارت تک آئے اور وہاں ایک آڑ سے میں نے آنے والی گاڑیوں کا جائزہ لیا۔ یہ دونوں ہی بڑے سائز کی جیپیں تھیں جیسی کہ عام طور سے بدمعاش اپنے پاس رکھتے ہیں۔ گاڑیاں دھرم شالا سے کچھ فاصلے پر رک گئیں اور ان کی

روشنیاں گل ہوگئیں۔ وسیم نے لینڈ کروزر کے پیچھے اور کمار نے پک اپ کے پیچھے پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ میں نے دوربین کو نائٹ وژن پر کیا۔ اب مجھے جیپ سے اترنے والے ہیولے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں جیپوں سے کم وبیش بارہ افراد اترے تھے اور وہ دائیں بائیں پوزیشن لینے والے انداز میں دھرم شالا کے اردگرد پھیل رہے تھے۔ ان کا انداز محاصرہ کرنے والوں جیسا تھا۔ میں نے دبی زبان میں وسیم کو پکارا۔

''جناب!'' اس نے جواب دیا۔

''تمام اسلحہ لینڈ کروزر سے نکال کر اندر لے آؤ، ان کے ارادے اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔''

وسیم باقی اسلحہ بھی لے آیا۔ میں نے اندر جا کر بیٹو کو بیدار کیا۔ ''ایکشن میں آنے کا وقت آ گیا ہے برخوردار!'' میں نے اسے ایک یوزی تھمائی اور اپنی مشین گن شانے سے لٹکا کر میں نے رائفل پر دوربین نصب کی، اچانک باہر سے کسی کی گونجتی آواز آئی۔ میں جلدی سے باہر آیا۔ کوئی میگا فون پر بات کر رہا تھا۔

''شہباز! مجھے معلوم ہے تم اپنے ساتھیوں سمیت یہاں ہو۔'' اس بار میں نے آواز پہچان لی، وہ راج تھا۔

''اسے کیسے پتا چلا؟'' وسیم نے سرگوشی کی۔

''یار، ہم جا بجا اپنے نشانات چھوڑ آئے تھے۔ یہ ان کا تعاقب کرتا آیا ہے۔'' میں نے دوربین سے پھیل جانے والوں کا جائزہ لیا۔ میں نے وسیم کو جواب تو دے دیا تھا مگر راج کی حیرت انگیز مستعدی نے مجھے بھی حیران کر دیا تھا۔ اس نے بالکل درست خطوط پر ہمارا تعاقب کیا۔ سب سے بڑی حماقت میں نے ہوٹل والے سردار جی سے راستہ پوچھ کر کی تھی اور اس نے مجھے جو راستہ بتایا تھا وہ بعد میں آنے والے راج کو بھی بتا دیا تھا۔ اس کے بعد قصبے کے کیسٹ نے بھی جو دھرم شالے کا مشورہ دیا تھا، راج نے اس سے بھی پوچھا ہوگا اس لئے وہ سیدھا یہاں آیا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے درجن بھر افراد لازماً پوری طرح مسلح تھے اور ہمارے پاس صرف چار عدد مشین گنیں تھیں جو صرف کچھ فاصلے کے لئے کارآمد تھیں اور ایک دور مار رائفل تھی۔ رائفل کا ایک ہی میگزین تھا جبکہ یوزی مشین گنوں کے بھی زیادہ فالتو میگزین نہیں تھے۔ راج نے پھر للکارا۔

''شہباز، کمار! تم میری آواز سن رہے ہو۔ تم چھپ نہیں سکتے، تمہاری دونوں گاڑیاں یہاں موجود ہیں۔''

اس بار میں نے جواب دیا۔ ''راج بے شک تم نے ہمیں تلاش کر لیا ہے۔ مگر ہم بھی نہتے نہیں ہیں۔ بہرحال تم بتاؤ کس لئے آئے ہو؟'' میں نے اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ وہ سن لے۔ ''اگر ہمیں لے جانے کے لئے آئے ہو تو اسے بھول جاؤ۔''

''مجھے تم سے غرض نہیں ہے تمہارے پاس میری ایک امانت ہے۔ وہ دے دو میں چلا جاؤں گا۔''

''سومترا!'' میں نے کہا۔

''وہ بھی...... لیکن میں کسی اور چیز کی بات کر رہا ہوں۔'' اس نے بے غیرتی سے کہا۔ وہ سرے سے بہن کی بات ہی نہیں کر رہا تھا۔ اسے ہیرے درکار تھے۔ یعنی وہ ٹیوب جو مجھے اس کے بیڈروم سے ملی تھی۔ وہ اس کے لئے میرے پیچھے دوڑا آیا تھا۔ میں نے اَن جان بن کر پوچھا۔ ''اور کون سی شے ہے؟''

''شہباز، میرے ساتھ چالاکی مت دکھاؤ۔'' اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک دھرم شالا میں گھرے ہو اور یہاں اور بھی لوگ ہوں گے۔ ایک بار لڑائی ہوئی تو ان میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ میرے پاس کیا

قت ہے، ابھی میں اس کا نمونہ دکھاتا ہوں۔ اس پک اَپ کے پاس کوئی ہے تو ہٹ جائے، صرف دس سیکنڈ کی مہلت ہے۔"

پک اَپ کے پاس کمار تھا۔ وہ جلدی سے دوڑتا ہوا اندر آ گیا، میں نے احتیاطاً وسیم کو بھی بلا لیا۔ نہ جانے راج کون سا حربہ استعمال کرنے جا رہا تھا۔ اچانک ایک شعلہ سا بلند ہوا اور ہوا میں اڑتا ہوا پک اَپ پر آن گرا۔ چشم زدن میں پوری پک اَپ شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ یہ یقیناً فاسفورس کا گولا تھا۔ ہم سب اندر ہو گئے۔ ایک منٹ بعد پک اَپ کا ایندھن ٹینک دھماکے سے پھٹا اور شعلے بلندی تک گئے تھے۔ اس اثنا میں دھرم شالا کے ذمے دار آ چکے تھے۔ ان کے سربراہ بھکشو نے مجھ سے کہا۔ "یہ کیا معاملہ ہے؟"

"یہ میرے، بلکہ اس مظلوم لڑکی کے دشمن ہیں جو زخمی ہے اور ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔"

"مجھے ان سے بات کرنے دو مہاتما بدھ کا دھرم شالہ ہے اور ہم کسی سے نہیں لڑتے۔"

"یہ امن کی زبان سمجھنے والے لوگ نہیں ہیں۔" میں نے سربراہ بھکشو سے کہا۔ "آپ ذرا پک اَپ کا حشر دیکھیں۔ اگر انہوں نے چند گولے دھرم شالا پر داغ دیئے تو ہم سب جل کر مریں گے۔ اس لئے مجھے ان سے بات کرنے دیں۔"

"یہ چاہتے کیا ہیں؟"

"آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔ آپ کی خانقاہ اور لوگ محفوظ رہیں گے۔" میں نے کہا اور نکل کر باہر آیا۔ میں نے راج کو پکارا۔ "او کے، میں قائل ہو گیا کہ ہم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ بس ہماری جان مت مانگنا۔"

"تم جانتے ہو، وہ ٹیوب اور سوسترا کو میرے حوالے کر دو۔ میں چلا جاؤں گا۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ سوسترا اور ٹیوب کو حاصل کرنے کے بعد تم ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرو گے۔ جبکہ تمہارے فارم میں جو ہوا ہے، تم اس کا ذمے دار ہمیں ہی سمجھتے ہو۔"

"میں وہ سب بھول جاؤں گا۔" راج نے جلدی سے کہا۔ "بونے میرے لئے بہت قیمتی تھے مگر میں یہ نقصان بھی برداشت کر لوں گا، میں ضمانت دیتا ہوں میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"تمہاری زبان پر کوئی احمق ہی اعتبار کرے۔"

"تمہیں کرنا ہوگا۔" اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔ "ورنہ میں سب تباہ کر سکتا ہوں۔ شہباز، تم میری بات ماننے پر مجبور ہو۔" اس نے پُرغرور انداز میں کہا۔

"راج لاما! تمہارے لئے یہ ہیرے اتنے قیمتی ہیں کہ تم ان کے بدلے ساری دنیا کو موت کے گھاٹ اتار دو مگر میرے لئے ساری دنیا کی دولت اور ہیرے مل کر بھی ایک انسانی جان کے برابر نہیں ہو سکتے اس لئے میں چانس لیتا ہوں۔"

دراصل میرے ذہن میں یہ امکان تھا کہ راج دھرم شالا کی وجہ سے یہاں خونریزی سے گریز کرے گا کیونکہ اس صورت میں معاملہ بہت اوپر تک چلا جائے گا۔

"مجھے سادھنا بھی چاہیے۔" راج لاما نے اچانک ایک اور مطالبہ کر دیا۔

"اچھا ہوا تمہاری نیت پہلے کھل گئی۔" میں نے کہا اور ایک نظر آنے والے سرخ جسم پر رائفل سے فائر کیا۔ ابھی فائر کی بازگشت بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس کی چیخ گونجی۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ "راج، اگر تم سوترا اور ٹیوب کے ساتھ واپس جانے کو تیار ہو تو ٹھیک ہے ورنہ باقیوں کا انجام بھی اسی شخص جیسا ہوگا۔"

"مارے ارجن کو مار دیا۔" کسی نے پکار کر کہا اور مختلف اطراف سے گالیوں کے ساتھ گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ ہم پہلے ہی محفوظ پوزیشن میں تھے۔ راج چیخ چیخ کر میگافون پر فائرنگ روکنے کو کہہ رہا تھا۔ بالآخر فائرنگ رکی۔

"راج، اس ارجن کے بجائے یہاں تمہاری لاش بھی ہو سکتی تھی۔" میں نے پکار کر کہا۔ "تم بھی مجھے عقل مند نظر آرہے ہو، بولو اب کیا کہتے ہو؟"

"مجھے منظور ہے۔" راج کو اپنے آدمی کے انجام نے دہلا دیا تھا۔ "تم سوترا کو وہ ٹیوب دے کر بھیج دو۔"

"میں بھیج رہا ہوں مگر یاد رکھنا۔۔۔۔ تم میرے نشانے پر ہو۔ کسی بھی بد عہدی کی صورت میں سب سے پہلے تم مارے جاؤ گے۔"

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" کمار نے تیزی سے کہا۔ "ہم سوترا کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"اس پک اپ کا حشر دیکھ رہے ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اسے نہ چھوڑنے کی صورت میں ہم سب کا بھی یہی انجام ہوگا۔"

کمار ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔ وسیم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "دوست، ضروری نہیں ہے انسان کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں، کبھی نہ کبھی وقت آئے گا، جب تم اپنا انتقام لے سکو گے۔"

بیچو اندر سے سوترا کو لے آیا تھا۔ وہ خوش نظر آرہی تھی۔ میں نے اسے ٹیوب دی۔ "چاہو تو اسے کھول کر دیکھ لو اس میں ہیرے ہیں اور ایک بھی کم نہیں ہے۔"

اس نے ٹیوب لے لی اور آہستہ سے کہا۔ "شہباز! تم اچھے آدمی ہو، میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"بہتر ہے بھول جاؤ اور اپنے بھیا سے بھی کہنا کہ مجھے بھول جائے، اس نے یاد رکھا تو بلاوجہ اسے مشکل ہوگی اور میرے دشمن عام طور سے اچھے انجام سے دوچار نہیں ہوتے ہیں۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں، بھیا کو کچھ کرنے نہیں دوں گی۔"

مجھے اس پر تو اعتماد تھا مگر اس کے بھائی پر بالکل نہیں تھا۔ اسے سوترا کی پروا بھی نہیں تھی۔ میں نے اسے یہ بات بتانے سے گریز کیا تھا۔ یہ اس کا اور راج کا معاملہ تھا۔ سوترا ٹیوب لے کر روانہ ہوئی۔ میں نے کمار اور وسیم سے کہا کہ وہ عمارتوں سے ذرا دور پوزیشن لیں تاکہ حملے کی صورت میں جوابی کارروائی کر سکیں۔ خود میں نے رائفل سے راج کا نشانہ لے رکھا تھا۔ وہ ایک گاڑی کے عقب میں تھا مگر اس کا کچھ جسم سامنے تھا۔ سوترا اس کے پاس پہنچی۔ دونوں سرخ دھبے سامنے رہے پھر مجھے راج کی آواز سنائی دی۔

"شہباز، مجھے ٹیوب مل گئی ہے اور میں اپنے وعدے کے مطابق واپس جا رہا ہوں۔"

راج لا مانتے نہ جانے اپنے ساتھیوں کو کیا اشارہ کیا کہ وہ سمٹے اور دونوں گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش بھی لے گئے تھے۔ سربراہ بھکشو ابھی تک چپ تھا۔ ان لوگوں کے جاتے ہی

ملال ہو گیا۔ "یہ لوگ چلے گئے مگر تم اسلحہ لے کر یہاں کیوں آئے ہو؟"
"اس اسلحے نے تمہیں بچالیا ہے ورنہ تمہاری پوری خانقاہ راکھ کا ڈھیر بن جاتی۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔
"بھگوان بدھ کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "ورنہ کوئی اور آفت نہ آجائے۔"
"فکر مت کرو، اب کوئی آفت نہیں آئے گی۔" میں نے اندر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ہم بھی کل صبح یہاں سے چلے جائیں گے۔"
سادھنا جاگ گئی تھی۔ جیتو اسے دودھ میں گلوکوز ملا کر دے رہا تھا اور اسے باہر کی صورتِ حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ کھانے پینے اور دواؤں کے مسلسل استعمال سے اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ اس کا بخار مکمل طور پر اتر گیا اور زخموں کے آس پاس کی سرخی بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس کی ڈریسنگ جیتو کر رہا تھا۔ اس نے رپورٹ دی تھی۔ قریب قالین پر دراز ہو گیا۔ "سادھنا، ہمیں صبح یہاں سے نکلنا ہے۔"
"تم نے سوترا کو اتنی آسانی سے جانے دیا؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں، ورنہ اس کا بھائی دھرم شالا کو آگ لگا دیتا۔"
کمار بھی اندر تھا اس نے پہلی بار سوال کیا۔ "شہباز، اس ٹیوب میں کیا تھا؟"
"فارم سے چلنے سے پہلے میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ راج سوترا نہیں بلکہ اور وجہ سے واپس آئے گا وہ وجہ یہی ٹیوب تھی۔ یہ مجھے راج کے بیڈ روم سے ملی تھی۔"
میں نے انہیں تفصیل سے بتایا۔ کمار اچھل پڑا تھا۔ "وہ ہیرے اب راج لاما کے پاس ہیں اور تم نے اسے جانے دیا۔"
"ہاں، کیونکہ میرے نزدیک ان پتھروں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "ایسے کتنے ہیرے روزانہ میرے جوتوں تلے سے نکل جاتے ہیں۔"
کمار بے بسی سے تلملانے لگا اور سادھنا نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ "شہباز، دولت تو دولت ہے، اس کی اہمیت الگ ہوتی ہے۔"
"تم نہیں جانتے، میں نے گزشتہ کچھ عرصے میں جیسی زندگی گزاری ہے، ان چیزوں کی اہمیت میرے لئے ختم ہو گئی ہے۔ میں نے جان لیا ہے، میرا وہی ہے جو میرے پاس ہے، جو میں نے کھا لیا اور جو میں نے پہن لیا، باقی سب میرا نہیں ہے۔ مرتے ہی ان چیزوں سے تعلق ختم ہو جائے گا۔"
"تم تو سادھوؤں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" کمار نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "کیا واقعی تمہارے لئے دولت ایک بیکار سی چیز ہے؟"
"یہ تم سے کس نے کہا۔ میں بھی کمانا پسند کرتا ہوں۔ دولت تو زندگی کی آسائش حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن اسے مقصدِ حیات نہیں بنا سکتا۔" میں نے بیزاری سے کہا۔ "اور اب مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرو۔ مجھے ان لعنتی ہیروں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

وسیم باہر پہرا دے رہا تھا۔ کمار چپ ہو گیا۔ سادھنا دوا کھا کر سو گئی تھی جبکہ جیتو بھی لیٹ گیا۔ باقی ہم تین صبح تک جاگ کر پہرا دیتے رہے۔ پک اَپ کی آگ کچھ دیر بعد بجھ گئی تھی اور صبح کی روشنی میں، مَیں نے اس کا جلا ہوا بدصورت ڈھانچا دیکھا تھا۔ شکر ہے لینڈ کروزر اس سے ذرا فاصلے پر تھی ورنہ وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ جاتی۔ دھرم شالا والوں نے ہمیں ناشتا مہیا کیا اور خاصی صبح سویرے مہیا کر دیا تا کہ ہم ناشتا کر کے جلد از جلد یہاں سے رخصت ہو جائیں اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ مجھے خود راج کی جانب سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔

جیپ کو ایک بار پھر ہاٹ وائر کی مدد سے اسٹارٹ کر کے ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ سادھنا کو گدے سمیت عقبی حصے میں لٹایا تھا۔ وسیم ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں اس کے برابر میں تھا۔ کمار، جیتو اور رامن پچھلی سیٹ پر تھے۔ ہم دیرہ دون کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ راج واپس مخالف سمت میں گیا ہو گا جس طرف اس کا فارم تھا مگر ایک گھنٹے کے سفر کے بعد مجھے بائیں جانب سڑک سے ہٹ کر ایک بڑے سائز کی جیپ دکھائی دی تھی۔ "رکو......رکو۔" میں نے بے ساختہ وسیم سے کہا کیونکہ مجھے یاد آ گیا تھا راج لاما راتوں کو جن دو جیپوں کے ہمراہ آیا تھا۔ یہ ان میں سے ایک تھی۔ "یہ جیپ......"

"کیا ہے اس میں!" کمار نے بےزاری سے کہا۔ جب سے اسے اطلاع ملی تھی کہ میں نے راج لاما کو ہیرے واپس کر دیئے تھے، وہ چپ چپ سا تھا۔ "ہمیں جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہئے۔"

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" میں نے کہا۔ "میں ایک منٹ میں آیا۔"

جب میں جیپ کے پاس پہنچا تو مجھے اس کے بونٹ کے دوسری طرف ایک شخص اوندھے منہ پڑا دکھائی دیا۔ اس کی پشت میں ایک خنجر پیوست تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ جما ہوا خون بتا رہا تھا کہ اسے مرے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس کے باوجود میں چوکنا ہو گیا۔ میں نے پہلے اردگرد کا معائنہ کیا۔ جیپ خالی تھی۔ میں نے لاش سیدھی کی اور چونک گیا۔ وہ راج تھا۔ جس وقت میں نے جیپ دیکھی تھی تو سوچا بھی نہیں تھا کہ راج کی لاش دیکھنی پڑے گی۔ کل جو شخص مجھے بےبس کرنے کے دعوے کر رہا تھا وہ اب کتنی بےبسی سے مرا پڑا تھا۔ اس کی موت نے اس کے دعوؤں کے شاید چند گھنٹے بعد ہی اسے دبوچ لیا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے لباس سے مجھے ہیروں والی ٹیوب نہیں ملی تھی اچانک مجھے سومترا کا خیال آیا۔

"سومترا!" میں نے زور سے آواز دی تو کمار اور وسیم دوڑے چلے آئے۔

"کیا بات ہے، سومترا......" کمار کہتے کہتے رک گیا، اس نے راج لاما کی لاش دیکھ لی تھی۔

"واپس جاؤ اور چوکنا رہو۔" میں نے غرا کر کہا تو وہ دونوں بے چون و چرا کئے واپس چلے گئے۔ میں خود بھی چوکنا تھا۔ میں نے دو تین بار سومترا کو پکارا، آس پاس دیکھا۔ شاید اسے راج لاما کو مارنے والے ساتھ لے گئے تھے۔ مگر نہیں، میں واپس جانے لگا تھا کہ مجھے خفیف سی کراہ سنائی دی۔ میرے قدم رک گئے۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ آواز کس طرف سے آئی ہے۔ دوسری بار کراہ سنائی دی تو میں نزدیک جھاڑی کی طرف لپکا۔ میں نے شاخیں ہٹائیں تو ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر سامنے آیا تھا۔ سومترا لہولہو اور داغ داغ تن کے ساتھ اس طرح پڑی تھی کہ اس کی آنکھوں کی جگہ گڑھے تھے، اس کے دونوں کان غائب تھے۔ اس کے جسم کی ستر پوشی صرف خون سے ہو رہی تھی اور اس کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس پر دو پیروں والے جانور نے کیا

ستم ڈھائے تھے۔

''سومترا!'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''شہ...... باز!'' وہ کراہی تو میں اس کے پاس جھک گیا۔ اس کے ریشمی بال بھی بے دردی سے کھینچے گئے تھے۔

''یہ کس نے کیا؟'' میری آواز میں آگ دہکنے لگی تھی۔

''ان...... لوگوں نے...... جو بھیا کے ساتھ...... آئے تھے۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ ''ان کی نیت ہیروں...... پر خراب ہوگئی تھی...... انہوں نے...... بھیا سے ہیروں کے بارے میں پوچھا۔ پھر مجھے پکڑ لیا...... بھیا نے روکنے کی......'' اس کا سانس اکھڑ گیا تھا۔ ''پانی......'' اس نے دوبارہ کہا۔

''میں ابھی لایا سومترا!'' میں بھاگا اور جیپ سے تھرماس لے آیا۔ اس کے پاس آکر میں نے تھرماس کے کپ میں پانی ڈال کر اس کے منہ میں ٹپکایا۔ اس نے بے تابی سے پیا اور بولی۔ ''بھیا نے مجھے بچانے کی کوشش کی تو ان کو چاقو مار دیا۔''

راج لاما کتنا برا سہی...... آخر میں بہن کی محبت جاگ گئی تھی اور اس نے سومترا کو درندوں سے بچانے کے لئے جان دے دی۔ افسوس کہ وہ سومترا کو پھر بھی نہیں بچا سکا۔ ''تم چپ رہو، بولو مت۔'' میں نے کہا۔

''نہیں...... میں مر جاؤں گی۔ ادھر ایک درخت ہے۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔

اس کے سر سے چند فٹ دور ایک درخت کا تنا تھا۔ ''ہاں ہے، تمہارے سر کے پیچھے۔''

''اس کے نیچے کی طرف دیکھو۔ تنے میں ایک سوراخ ہے۔''

''ہاں سوراخ ہے۔'' میں نے سوراخ بھی دیکھ لیا تھا۔

''اس میں ہاتھ ڈالو۔ اس میں ہیروں والی...... ٹیوب ہے۔''

میں چونکا۔ ''یہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟''

''ان بدمعاشوں کے سردار کی جیب میں تھا۔ وہ مجھے یہاں لے آئے تھے اور باری باری......'' وہ کہتے کہتے رک گئی لیکن میں سمجھ گیا تھا۔ ''پھر وہ آیا تو مجھے اس کے لباس میں یہ محسوس ہوا تھا، میں نے چپکے سے......'' وہ رک کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

''تمہارا یہ حال......''

''میں نے اس کے بارے میں بتانے سے انکار کیا تھا۔'' اس نے پھر کہا۔ ''انہوں نے مجھے بہت مارا...... میری پشت چاقو سے گود دی لیکن میں نے نہیں بتایا۔''

''کیوں، یہ ہیرے تمہاری جان سے زیادہ قیمتی نہیں تھے۔''

''ہاں...... لیکن پتا نہیں...... کیوں مجھے ضد ہوگئی تھی۔'' وہ پھر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

''چلو میں تمہیں اسپتال لئے چلتا ہوں۔''

''نن...... نہیں۔'' اس نے آخری بار سانس لینے کی کوشش کی اور ہار گئی۔ سومترا نے دم توڑ دیا تھا۔ میں ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔ آہٹ ہوئی تو میں نے مڑ کر دیکھا عقب میں وسیم، کمار اور بیتو کھڑے تھے۔ میں نے کمار

سے کہا۔ ''لو...... انتقام کی خواہش پوری ہوگئی، کسی کو اس سے زیادہ اذیت سے مارنا ممکن ہے؟''

کمار کا چہرہ ست گیا تھا۔ ''میں نے ایسا تو نہیں سوچا تھا۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ ''آؤ، اب اس کی لاش سڑک کے کنارے لے جائیں۔ آگے کہیں سے فون پر پولیس کو اطلاع دیں گے۔ یہاں اس کو جانور نہ کھا جائیں۔''

ہم سومترا اور راج کی لاشیں ان کی جیپ کے سامنے لے آئے۔ سومترا کے چیتھڑا ہو جانے والے کپڑے اس پر پھیلا دیئے مگر وہ اسے چھپانے کے لئے ناکافی تھے۔ آخر میں نے اپنی جیکٹ اتار کر اس پر ڈال دی اور اس غنچہ دہن کو چھپا دیا جس کا چہرہ دیکھنا بھی اب دل گردے کا کام تھا۔ اس کے فوراً بعد ہم روانہ ہو گئے تھے۔ میں نے جیپ میں بیٹھ کر ہیروں والی ٹیوب کمار کی طرف بڑھا دی۔ اس نے بدک کر کہا۔ ''یہ کیا؟''

''اس میں ہیرے ہیں، جن کی تم کو خواہش تھی۔''

''نہیں، مجھے نہیں چاہئیں۔'' اس نے انکار کر دیا۔

''کیوں، اب ان میں کشش باقی نہیں رہی ہے۔ دیکھو، یہ اب بھی ہیرے ہیں۔ اتنے ہی قیمتی جتنے کہ پہلے تھے۔'' میں نے ٹیوب کھول کر اسے ہیرے دکھائے۔

کمار نے ہیروں کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ باہر دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔ ''شہباز، تمہاری بات میں آج سمجھا ہوں، جب میں نے سومترا اور راج کی لاشیں دیکھی ہیں۔ آج کے بعد میں بھی کہہ سکوں گا ایسے کتنے ہی ہیرے میرے جوتوں تلے سے نکل جاتے ہیں۔''

میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''کمار، اب تم زندگی کی حقیقت پا گئے ہو۔''

سادھنا کی طبیعت خاصی بہتر تھی اس وجہ سے ہم نے تیز رفتاری سے سفر کیا تھا۔ دو بجے ہم ایک سنسان جگہ رکے۔ سادھنا کو آرام کا موقع دیا، خود بھی کھا پی کر آرام کیا۔ روانگی سے پہلے سادھنا کو کھانا اور دوائیاں دیں، اس کی ڈریسنگ بدلنا تھی، یہ کام میں نے بیتو کے ساتھ مل کر کیا۔ سادھنا سرخ ہو رہی تھی میں اور بیتو جھینپ رہے تھے۔ اس کے زخم بھر رہے تھے مگر ابھی احتیاط لازمی تھی۔ ذرا سی بے احتیاطی سے یہ دوبارہ اکھڑ سکتے تھے۔ اسے کم سے کم دو دن مکمل آرام کی ضرورت تھی۔ شام تک ہم دیرہ دون سے آگے نکل چکے تھے۔ ہم نے دو جگہ ڈیزل بھروایا تھا اور ایک دس گیلن والا اضافی جیری کین لے لیا تھا۔

''رات کہاں رکیں گے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''جہاں تقدیر لے جائے۔'' میں نے جواب دیا۔

شام ہوتے ہی ایک گاؤں کی جھلک دکھائی دی اور اس میں خاص بات ایک مسجد کا مینار تھا جس سے مغرب کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے وسیم سے اس طرف گاڑی موڑنے کو کہا۔ یہ چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ساٹھ ستر گھرانوں پر مشتمل تھا۔ مسجد سادہ سی اور کچی دیواروں سے بنی تھی، صرف مینار پختہ تھا۔ میں اور وسیم گاڑی سے اتر کر اندر چلے گئے اور وضو کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔ کمار، بیتو اور سادھنا باہر رہے تھے۔ امام صاحب سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ ''السلام علیکم! شاید آپ باہر سے آئے ہیں؟''

''جی امام صاحب!'' میں نے کہا۔ ''ہم دور سے آ رہے ہیں اور دلّی کا قصد ہے لیکن ہمارے ساتھ ایک

مسئلہ ہے جس کی وجہ سے ہم یہاں رکنے پر مجبور ہوئے۔''

''یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔ بہر حال مناسب سمجھئے تو اپنے مسئلے کے بارے میں فرمایئے۔''

میں نے سادھنا کا بتایا کہ وہ زخمی ہے اور اس کا آپریشن ہوا ہے اسے آرام کی ضرورت ہے۔ میری بات سن کر مولانا نے خوش دلی سے کہا۔ ''یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ خاتون میرے گھر رک سکتی ہیں۔ میری زوجہ ان کی دیکھ بھال کر سکتی ہیں اور آپ حضرات کے لئے یہ مسجد حاضر ہے۔''

''میں جھجکا۔ ''امام صاحب، خاتون غیر مسلم ہے اور میرے ساتھ تین مرد بھی غیر مسلم ہیں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' امام صاحب نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ''اگر ہندو ہیں تو ہم احتیاط کریں گے۔ آج اتفاق سے غریب خانے میں گوشت پکا ہے۔''

''نہیں، یہ اس طرح کے ہندو نہیں ہیں۔ خاتون شاید گوشت نہ کھائے مگر میرے تینوں مرد ساتھی گوشت کھاتے ہیں۔''

''آپ خاتون کو مسجد کے عقب میں واقع غریب خانے میں لے آیئے۔''

سادھنا کو گدے سمیت امام صاحب کے دو کمروں کے کچے مکان میں پہنچا کر ہم مسجد میں آ گئے۔ جیسے ہی مغرب کے نمازی رخصت ہوئے، امام صاحب نے ہم سے ہمارے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ ہمارے نام، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے حتی الامکان سچ بولا۔

''برا مت مانیے گا۔ میں بھی مجبور ہوں۔ مہینے میں ایک بار دلی سے سرکار کے لوگ آتے ہیں اور مجھ سے قرآن پاک پر ہاتھ رکھوا کر پوچھتے ہیں اور مجھے سچ بولنا پڑتا ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ ہماری وجہ سے آپ پر آنچ نہیں آئے گی۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔ عشاء کی نماز کے بعد ہمارے لئے مختلف گھروں سے کھانے آئے۔ یہ سب غریب لوگ تھے۔ ایک گھر سے کدو کی ترکاری تھی اور کسی نے ماش کی دال بھیجی تھی۔ ایک گھر سے روٹیاں آئی تھیں۔ امام صاحب اپنے گھر سے گوشت کا سالن لے آئے تھے۔ کھانا کھا کر ہم مسجد میں فرش پر بچھی چٹائیوں پر دراز ہو گئے۔ امام صاحب کے پاس کمبل نہیں تھے، انہوں نے تین عدد کھیس اور باقی چادریں لا دیں۔ ہم نے ان میں گزارہ کیا۔ صبح کے وقت خاصی سردی ہو گئی تھی مگر ہم سوتے رہے۔ امام صاحب نے مجھے اور وسیم کو صبح سویرے اٹھا دیا۔

''جناب فجر کی جماعت کا وقت ہو گیا ہے۔''

مجھے شرمندگی ہوئی۔ نماز بھی مجبوری تھی کہیں اور ہوتے تو شاید نماز کا خیال بھی نہ آتا۔ یخ بستہ پانی سے وضو کر کے ہم نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد امام صاحب گھر چلے گئے۔ میں اور وسیم باہر نکل آئے۔ میری جیکٹ نہیں تھی اس لئے میں نے گرم کھیس کو چادر کی طرح لے لیا۔ وسیم نے سفید ہوتے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کلکتہ چل کر ہم نے کیا کرنا ہے؟''

''راجا عمر دراز سے رابطہ۔''

''وہ کیسے، ہمیں کیا پتا وہ کہاں ہے؟''

''درست لیکن میرے پاس اس کے لاہور کے نمبرز ہیں، وہاں کوئی تو ملے گا۔''

''اگر...... راجا عمر دراز بھارت میں ہو تو اس سے رابطہ ممکن ہے۔'' وسیم پُر جوش ہو گیا تھا۔

''یہ تو اور بھی اچھا ہوگا۔''

''راجا یہاں کیوں آیا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے اسی پُر اسرار وادی کا چکر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر چہ اس نے انکار کیا تھا کہ وہ وادی کی طرف جانے کے لئے انڈیا کا سفر نہیں کر رہا ہے۔''

''آپ کو شک ہے وہ وادی کے سلسلے میں آیا ہے۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''اس جگہ کا ذکر آتے ہی اچھے خاصے سمجھدار اور عمر رسیدہ راجا عمر دراز کا رویہ بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔''

''خدا کرے وہ مل جائے۔ ویسے شہباز صاحب ہمیں دلّی آنے سے پہلے مشرق کی طرف مڑ جانا چاہئے۔ دلّی میں داخلہ خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔ بلکہ میرا خیال ہے ہمیں یہ جیپ بھی چھوڑ دینی چاہئے اور بسوں میں سفر کرنا چاہئے، ہم نے اسے چرایا ہے اور ممکن ہے پولیس کے پاس اس کا نمبر ہو۔''

''یہ آپ نے درست کہا۔ ہمیں جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ یہاں سے نکلتے ہی ہم پہلا کام یہی کریں گے۔''

مگر ہم عجلت میں ایک پہلو نظر انداز کر گئے تھے۔ سادھنا...... جب مسجد آئے تو امام صاحب نے ناشتا تیار ہونے کی نوید سنائی۔ ''آپ کے ہمراہ خاتون نے بھی رات سکون سے گزاری ہے۔'' انہوں نے بتایا۔ ''اپنے ساتھیوں کو اٹھا دیں ورنہ دیر ہونے سے ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

میں نے کمار، بیتو اور رامن کو اٹھایا۔ وہ ڈٹ کر سوئے تھے، منہ ہاتھ دھو کر انہوں نے ناشتا کیا۔ سورج نکل آیا تھا اور اس کی کرنوں سے رات کی سردی زائل ہو رہی تھی۔ ناشتا کر کے ہم نے امام صاحب سے جن کا نام سکندر خان تھا، رخصت کی اجازت لی۔ ہم نے سادھنا کو دوبارہ عقبی نشست پر لٹایا۔ اس کے زخم باہر سے تقریباً خشک ہو چکے تھے۔ وہ سہارا لے کر خود جیپ تک آئی تھی۔ میں امام صاحب کے پاس تھا۔ باقی سب جیپ میں سوار ہو چکے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ امام صاحب اور گاؤں والوں نے ہماری جو خدمت کی تھی اس کا صلہ تو اللہ ہی دے سکتا تھا۔

''امام صاحب، کیا آپ کا یا گاؤں والوں کا کوئی مالی مسئلہ ہے۔''

''میرا تو نہیں ہے اور ہے بھی...... وہ یوں کہ سارے گاؤں کا مسئلہ ہے۔ ہماری ایک ہزار ایکڑ زمین ایک بینک کے پاس گروی ہے۔ اصل تو کیا ادا کرتے سود کی لعنت بڑھتی جا رہی ہے۔ چار لاکھ روپے دیں تو زمین واپس ملے گی۔ اس سال تو سنا ہے، بوائی سے بھی روک دیں گے۔''

''مجھے افسوس ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ رکئے، میں ابھی آیا۔''

جیپ میں آ کر میں نے ٹیوب سے چار عدد ہیرے نکالے اور امام صاحب کے پاس آیا۔ میں نے ہیرے ان کے حوالے کئے۔ ''مجھے ان کی درست مالیت کا پتا نہیں ہے مگر امید ہے یہ چار لاکھ سے اوپر ہوں گے۔''

''یہ تو بہت قیمتی ہیں۔'' امام صاحب نے حیرت سے کہا اور ایک ہیرے کو اوپر کر کے دیکھا۔ ''ان کا وزن کم سے کم چھ قیراط ہے اور ایک کی مالیت ہی دو لاکھ سے زیادہ ہے۔''

''آپ کو ہیروں کی پہچان ہے؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

انہوں نے سر ہلایا۔ ''بچپن میں آنکھ کھولی تو والدہ مرحومہ کو ہمیشہ جڑاؤ زیورات میں دیکھا۔ خدا مغفرت کرے، والد صاحب نے بعض غلط راستوں کی وجہ سے جائیداد اور دولت گنوا دی۔ ہمارے پاس صرف ایک حویلی رہ گئی تھی۔ والدہ کے بعد میں نے اسے فروخت کر کے یہ زمین لی تھی اور اسے آباد کرنے کے لئے گاؤں کے لوگوں نے مل کر بینک سے قرض لیا جو اَب تک ادا نہیں ہو سکا ہے۔''

''یہ تو اور اچھی بات ہے کہ آپ کو جواہرات کی پہچان ہے۔ بینک کا قرض ادا کرنے کے بعد جو رقم بچے اسے زمین پر خرچ کیجئے گا۔ یہ ساٹھ ستر گھرانے غربت اور بنیوں کے چکر سے نکل آئیں تو مجھے خوشی ہو گی۔''

امام صاحب ہچکچائے۔ ''شہباز صاحب! میں یہ ہیرے یوں قبول نہیں کر سکتا جب تک مجھے علم نہ ہو۔''

''یہ میری ملکیت ہیں اور قطعی حرام ذریعے سے حاصل نہیں کئے گئے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر ان کو استعمال کیجئے۔''

''آپ حلفیہ کہہ سکتے ہیں، اللہ کی قسم کھا کر......؟''

''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میرے ہیں اور کسی حرام طریقے سے حاصل نہیں کئے گئے ہیں۔'' میں نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر اس سے آپ کی تسلی ہو گئی ہے تو......''

''بس اب اور شرمندہ مت کریں۔'' امام صاحب نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''مجھے یقین آ گیا ہے۔''

''بس تو مجھے بلکہ ہمیں اجازت دیجئے۔'' میں نے ان سے ہاتھ ملایا۔

وسیم سب کو بتا چکا تھا کہ آگے ہم بس سے سفر کریں گے اور یہ سوال بھی کھڑا ہو چکا تھا کہ سادھنا کیسے بس میں سفر کرے گی؟

''یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں۔'' میں نے ندامت سے کہا۔

''ہمیں متبادل بندوبست ہونے تک اس گاڑی کو استعمال کرنا ہی ہو گا۔''

''لیکن بار بار ہاٹ وائر سے چلانا بھی مسئلہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کسی گیراج والے سے چابی بنوا لیتے ہیں۔''

''ان کے پاس پرانی چابیاں ہوتی ہیں جن کے دندانے گھس جاتے ہیں، ان کی مدد سے عام طور سے کام چل جاتا ہے۔''

دو گھنٹے بعد ہم دتی کے شمال مشرق سے گزر رہے تھے۔ ہائی وے پر ایک بڑا گیراج نظر آیا۔ میدانی علاقہ ہونے کی وجہ سے دوپہر تک خاصی گرمی ہو گئی تھی۔ اس لئے اے سی آن کیا تھا۔ ایک درخت کے سامنے ہی گاڑی روک کر میں نے کام کرنے والے ایک لڑکے کو بلایا۔ ''جی صاب...... حکم کرو۔''

''ایک تو گاڑی کی سروس کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرا مسئلہ ہے اس کی چابیاں گم گئی ہیں، تاروں کی مدد سے اسٹارٹ کر کے چلا رہے ہیں۔''

''سروس تو ابھی کر دیتے ہیں۔'' لڑکے نے مستعدی سے کہا۔ ''دو سو روپے لگیں گے۔''
''اور چابی کا مسئلہ؟''
اس نے چور نظروں سے چار پائی پر بیٹھے شخص کی طرف دیکھا۔ ''استاد سے کہا تو وہ ہزار روپے سے کم نہیں لے گا۔ مجھے سو روپے دو تو میں ایک گچھا لا دیتا ہوں، کوئی نہ کوئی چابی لگ جائے گی۔''
''گڈو کے بچے!'' استاد نے اسے للکارا۔ ''کیا مجاکرات کرنے بیٹھ گیا ہے۔''
''استاد سروس کرنی ہے۔'' گڈو نے چلا کر کہا۔
''تو کرنا حرام کے جنے!''
گڈو نے کوئی ردِعمل دیئے بغیر جیپ کا بونٹ کھولا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ ہم سب نیچے اتر آئے تھے۔ سادھنا نے احتجاج کیا۔ ''تم لوگ خود تو مزے سے ٹہل رہے ہو۔''
''تم کہاں آؤ گی، یہاں صرف چار پائیاں ہیں اور تم کو لٹایا تو تماشا بن جائے گا۔ سب اپنا کام چھوڑ کر یہاں دیکھیں گے۔'' میں نے کہا تو سادھنا لال ہو گئی تھی۔ میں نے لڑکے سے پوچھا۔ ''پاس کوئی ریستوران ہے جہاں اچھا کھانا مل سکے؟''
''ادھر آگے ایک ہوٹل ہے گاڑی والے صاحبوں کا۔'' لڑکے نے بتایا۔ ''پر کھانا ایک دم کنڈم ہوتا ہے۔ اگر مٹن ہو تو شریف خان کے ہوٹل چلے جانا۔''
''وہ کہاں ہے؟''
''ادھر صاحب والے ہوٹل سے ذرا آگے ہے۔'' لڑکے نے پوائنٹس اور پلگ کی صفائی مکمل کر کے کہا اور ڈل چیک کرنے لگا۔ اس نے مجھے تیل دکھایا۔ ''صاحب! تیل چینج کرنا ہے، یہ بہت گندہ ہو گیا ہے۔''
''بدل دو۔'' میں نے کہا۔ ''پانی کہاں سے ملے گا؟''
''ادھر ہینڈ پمپ لگا ہے۔'' لڑکے نے پیچھے اشارہ کیا۔
ہم نے ادھر جا کر ہینڈ پمپ سے منہ ہاتھ دھویا اور پانی پیا۔ لڑکے نے آدھے گھنٹے میں تیل کی تبدیلی کا کام مکمل کر لیا۔ ٹائروں کی ہوا چیک کر کے اس نے گاڑی کو اوکے قرار دے دیا۔ میں نے اسے بل ادا کیا، اس کے بعد اس نے مجھے دو درجن چابیوں کا ایک گچھا دیا۔ میں نے باری باری ٹرائی کیں اور ایک چابی اگنیشن میں لگ گئی۔ انجن اسٹارٹ کر کے بند کر کے میں نے وہ چابی نکال لی اور گچھا سو روپے کے ساتھ لڑکے کے حوالے کر دیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر ہم نے شریف خان کے ہوٹل کا رخ کیا۔ اس نے اپنے ہوٹل میں فیملیز کے لئے پردہ لگا کر دو کیبن بنا رکھے تھے۔ ہم سہارا دے کر سادھنا کو اندر لے گئے اور اسے ایک طرف کی سیٹ پر لٹا دیا، شریف خان ہم سے آرڈر لینے خود آیا تھا۔ اس نے افسوس کیا۔ ''چچ...... چچ بیگم صاحب کا طبیعت خراب ہے۔''
''بیگم صاحب اس کی ہے۔'' میں نے کمار کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہماری بہن ہے۔''
''ماف کرنا...... اب ہم کیا لاوے؟''
میں نے کہا کہ جو کچھ ہے، لے آؤ۔ سادھنا کے لئے سبزیوں کا سوپ منگوایا تھا۔
''آپ بے فکر ہو جاؤ، ابھی لاتا ہے۔''

ہال میں میلی میزیں اور کرسیاں لگی تھیں اور وہاں زیادہ تر مڈل کلاس لوگ کھا رہے تھے مگر کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں بتا رہی تھیں کہ گیراج والے لڑکے کا دعویٰ درست تھا۔ شریف خان نے حیرت انگیز طور پر نصف گھنٹے میں ہمیں کھانا مہیا کر دیا تھا اور سب تازہ اور بے حد لذیذ تھا۔ میں نے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد پہلی بار ڈھنگ کا کھانا کھایا تھا۔ سادھنا گوشت نہیں کھاتی تھی مگر کمار کے اصرار پر اس نے چکھ کر دیکھا تو اسے اتنا اچھا لگا کہ اس نے سوپ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ ''میں تو یہی کھاؤں گی، کیا نام ہے اس کا؟''

''قورمہ!'' وسیم نے اسے آگاہ کیا۔

کھا پی کر جب بل دینے کا مرحلہ آیا تو کل رقم صرف ڈھائی سو روپے تھی۔ پاکستان میں تو میں اکیلا کھاتا تو اتنا بل بن جاتا۔ میں نے شریف خان کو تین سو دیئے تو وہ خوش نظر آنے لگا اور کھانوں کی تعریف پر اس سے بھی زیادہ جذباتی ہو گیا۔ ہمارے جانے سے پہلے اس نے خاص طور سے ہمارے لئے قہوہ بنوایا اور اس کا بل لینے سے انکار کر دیا۔ ''یہ ہماری طرف سے ہے۔''

''شکریہ خان صاحب!'' میں نے کہا تو وہ چونک گیا، اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''صاب تم پاکستانی ہے؟''

''یہ شبہ تمہیں کیوں ہوا؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''تمہارا لہجہ صاب۔ اِدھر کا مسلمان ایسے بات نہیں کرتا۔''

''میں کچھ عرصے پاکستان میں رہا ہوں۔'' میں نے گول مول سے انداز میں کہا۔ ''اس وجہ سے تم نے ایسا محسوس کیا۔''

صاب، کوئی ایسا بات اے تو ہم کو بتا دو۔'' شریف خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کس قسم کی بات!'' میں نے لہجہ ذرا سخت کر لیا۔ ''تمہارا مطلب کیا ہے؟''

''کچھ نہیں صاب!'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

ہم باہر نکل آئے۔ اس بار سادھنا نے ضد کی کہ اسے نشست پر بٹھایا جائے، وہ لیٹے لیٹے تھک گئی تھی۔ ''میں ہرگز اس بیماروں والے گدے پر نہیں لیٹوں گی۔''

''تو تم اور کیا ہو؟'' کمار نے کہا، میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی پسند اور محبت کے باوجود ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ ''بیٹھنے سے تمہارے گھاؤ پھر سے ہرے ہو سکتے ہیں۔''

''میں نے کہہ دیا۔ میں اس پر نہیں لیٹوں گی۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''اوکے، جب تک تمہارا دل چاہے نشست پر آ جاؤ۔'' میں نے اجازت دے دی۔ ''لیکن جب تھکنے لگنا تو شرافت سے واپس گدے پر جا کر لیٹ جانا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہو گئی اور اگلی نشست پر آ گئی۔ اینٹی بایوٹک اور پین کلرز کے استعمال سے اس کی تکلیف بہت معمولی رہ گئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ دونوں گولیوں نے کسی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا اور نہ ہی کسی اہم عضو یا شریان کو متاثر کیا تھا۔

وسیم ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ایک جگہ جیپ روکی اور بولا۔ ''میرا خیال ہے جیپ کے نمبر بدل دیئے

جائیں۔"

"نمبر بدل دیئے جائیں!" میں چونکا۔ "وہ کیسے؟"

وسیم مسکرایا۔ "گیراج کے پیچھے ایک پرانی ہو جانے والی فاکس ویگن کھڑی تھی، میں فارغ ہونے اس طرح گیا تو اس کی نمبر پلیٹیں اتار لایا۔"

"یہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے، کسی چنگی ناکے پر کاغذات چیک ہو گئے تو پول کھل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"اس بارے میں سوچ لو۔"

"ابھی تک کسی بھی جگہ ہمیں نہ تو روکا گیا ہے اور نہ ہی کاغذات چیک ہوئے ہیں۔" وسیم نے کہا۔ کمار نے بھی اس کی تائید کی اور جیپ کی نمبر پلیٹیں بدل دی گئیں۔ کچھ دیر بعد ہم ایک بڑے قصبے کے پاس سے گزرنے لگے۔ مجھے خیال آیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں لباس اور کچھ سامان لے لینا چاہئے۔ اس طرح ہم سفر کرنے والے لگیں گے۔"

انہوں نے اتفاق کیا۔ یہ ذرا ماڈرن قسم کا قصبہ تھا اور یہاں شاپنگ کے لئے جدید طرز کی دکانیں بھی تھیں۔ ہم نے ملبوسات خریدے اور وہیں تبدیل بھی کر لئے۔ تین عدد بیگ لئے۔ سادھنا کے لئے ڈھیلے سے ٹراؤزر اور ساڑھیاں لیں۔ جوتے، چپل اور ہینڈ بیگ خریدے۔ ہمارے جوتوں اور کپڑوں کا اس سفر میں حشر ہو گیا تھا۔ میں نے کمار سے کہا۔ "رامن کو یہاں سے رخصت کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس کا وجود اضافی ہے اور اس کا ہماری منزل سے بے خبر رہنا ہی ٹھیک ہو گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" کمار نے کہا۔ "میں نے اسے ہماری منزل کے بارے میں نہیں بتایا ہے، میں اسے کچھ رقم دے کر رخصت کرتا ہوں۔"

قصبے کے ایک سیلون سے میں نے، کمار اور بیتو نے بال بنوائے۔ شیو کرائی اور نہا دھو کر دوسرے لباس پہن لئے۔ سادھنا نے جیپ کی درمیانی نشست پر بیٹھ کر دوسرے کپڑے پہنے۔ میں نے اسے ایک لوشن لا کر دیا جس سے چہرہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس نے منہ صاف کر کے بالوں میں برش کیا اور لپ اسٹک لگائی تو ایک دم تیار نظر آنے لگی تھی۔ ہم نے ایک کیفے سے چائے کے ساتھ سموسے اور نمک پارے لئے۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے قصبے کی کمرشل اسٹریٹ کا ایک چکر لگایا کہ کوئی کام کی چیز نظر آ جائے اور کام کی چیز ایک جوہری کی دکان دکھائی دی۔

ہمارے پاس کیش کم ہو گیا تھا کیونکہ سب نے دل کھول کر شاپنگ کی تھی اور ہمیں آگے رقم کی ضرورت تھی۔ میں نے ٹیوب سے ایک عدد ہیرہ اور نکالا۔ ٹیوب میں ایسے سو عدد ہیرے تھے اور یہ سب ایک سائز، رنگ اور تراش کے حامل تھے۔ میں دکان میں داخل ہوا تو شیشے کے شوکیس کے عقب میں بیٹھے بھاری بھرکم لالہ جی نے ایک بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کیا۔ اس کی سادگی میں عیاری تھی اور خلوص میں مکاری۔ اپنی تاجرانہ صلاحیتوں اور اس سے بھی زیادہ چاپلوسی سے مسلمانوں کو تجارت کے میدان سے باہر کر دیا تھا۔ "آیئے سرکار! کہئے کیا کھدمت کروں؟"

"لالہ جی! مجھے ایک ہیرا بیچنا ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر آپ تو سنار ہیں۔" میں نے اردگرد سجے سونے

کے زیورات دیکھ کر کہا۔

''کیا سنار اور کیا جوہری!'' لالہ جی مینسے انداز میں مسکرائے۔ ''ہم تو بیوپار کے لئے بیٹھے ہیں۔ لائیے پتھر دکھائیے۔''

میں نے اسے ہیرا دیا۔ اس نے ماہرانہ انداز میں اس کا تجزیہ کیا۔ ''اچھا پتھر ہے، میری کھرید سے باہر ہے۔''

اس نے ہیرا میرے سامنے شوکیس پر رکھ دیا۔ ''پھر بھی...... لالہ جی، اپنی بولی تو دیں۔''

اس نے ہیرے کی طرف دیکھا۔ ''میں اس کے دو لاکھ دے سکتا ہوں۔''

میں نے اپنے تاثرات پر جلدی سے قابو پایا۔ یہ قیمت تو سکندر خان نے بتائی تھی۔ اس کا مطلب تھا اس کا اندازہ غلط تھا۔ یہ ہیرا کم سے کم چار لاکھ کا تھا۔ لالہ جی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آدھی قیمت لگائی تھی۔ میں نے بے پروائی سے ہیرا اٹھا لیا۔ ''لالہ جی، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ دلی میں اس کی قیمت چار لاکھ سے زیادہ ہے۔ آپ شاید مجھے بے خبر سمجھ رہے ہیں۔''

''ہم تو یہاں کی قیمت لگا رہے ہیں۔'' لالہ نے عیاری سے کہا۔ ''ویسے آپ کے پاس اس کا کاگج تو ہوگا؟''

''میں برٹش شہری ہوں اور دلی کے ایمبیسیڈر ہوٹل میں میرا سامان ہے۔ میں فی الحال سیر کے لئے نکلا ہوں۔ ادھر ٹریولر چیک کیش کرنے والا بینک نہیں ہے۔ اگر آپ نے رسید چیک کرنی ہو تو دلی آ جائیے گا۔''

میں باہر جانے لگا تو لالہ جی نے تمام تر وزن کے باوجود پھرتی سے اٹھ کر میرا راستہ روک لیا۔ ''سرکار، آپ تو ناراج ہو گئے۔''

''میری آپ سے رشتے داری تو نہیں ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''خیر فرمائیے۔''

کچھ حجت کے بعد لالہ جی نے ساڑھے تین لاکھ میں ہیرا لے لیا۔ اس نے تین لاکھ بڑے نوٹوں اور پچاس ہزار چھوٹے نوٹوں کی صورت میں دیئے۔ میں نے لالہ جی سے ایک لیدر کیس بھی لیا جس میں وہ بڑے سائز کے زیورات دیتا تھا۔ اس میں تمام نوٹ آسانی سے سما گئے۔ لالہ جی نے مجھے چائے پانی کی پیش کش کی مگر میں نے مسترد کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''لالہ جی! اس ڈیل کے بارے میں، بس آپ اور میں ہی جانتے ہیں۔ اگر میرے ساتھ کچھ الٹا سیدھا ہوا تو اتنا یاد رکھئے گا میں برٹش نیشنل ہوں اور بات بہت اوپر تک جائے گی۔''

''رام...... رام! میں ہمیشہ کھرا کام کرتا ہوں۔''

''لالہ جی! برٹش نیشنل ہونے سے پہلے میں مسلمان بھی ہوں اور آپ لوگوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔'' میں نے کہا اور دُکان سے نکل آیا۔ باقی سب بے چینی سے جیپ میں میرا انتظار کر رہے تھے۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' کمار نے خفگی سے کہا۔ ''ہمیں پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔''

''تم اتنی دیر میں کام کا کوئی کام کر لیتے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے کیا ہے۔'' وسیم بولا۔ ''چار عدد گرم اونی قمیص اور ایک ہلکا کمبل اور فرش پر بچھانے والا ربر پلاسٹک لیا ہے۔ اگر ہمیں کہیں رات رکنا پڑا تو ہم گاڑی میں بھی رہ سکتے ہیں۔ دوسرے میں نے راستے کے لئے

کھانے پینے کا سامان لے لیا ہے اور بڑے تھرماسوں میں چائے اور کافی بھروالی ہے۔''

''یہ کیا نا تم نے کام!''

''اور آپ نے......؟'' بیتو نے پوچھا۔

''میں نے اسے کرنسی والا بیگ دکھایا۔'' ایک ہیرا ساڑھے تین لاکھ میں گیا ہے۔''

''یعنی خاصے قیمتی ہیرے ہیں۔'' سادھنا نے حیرت سے کہا۔

وسیم نے قصبے کے پیٹرول پمپ سے ڈیزل بھروالیا اور جیری کین پہلے ہی فل تھا۔ سادھنا کے لئے مزید دوائیاں، جوس کے ڈبے اور گلوکوز لے لیا تھا۔ اب وہ ٹھوس غذا بھی آرام سے لے رہی تھی۔ فی الحال وہ آگے بیٹھی تھی۔ ڈرائیونگ کمار کر رہا تھا اور ہم تین پیچھے بیٹھے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کمار نے کب اور کیا کہہ کر رامن کو رخصت کیا تھا۔ میں جھاڑ جھنکاڑ بالوں سے نجات پا کر خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر بال کریو کٹ رکھوائے تھے۔ شیو بنوانے کے ساتھ مختصر تراشی ہوئی مونچھیں بنوائی تھیں۔ بیتو نے شیو بنوائی تھی مگر بال نہیں کٹوائے تھے۔ شیو کرانے کے بعد اس نے اپنے سلکی بال جُوڑے کی شکل میں پیچھے باندھ لئے تھے۔

''بیتو، اگر پیچھے سے کوئی تمہیں دیکھے تو بجا طور پر تمہیں کوئی سانولی حسینہ سمجھے گا۔'' میں نے کہا۔

''اور ممکن ہے عاشق بھی ہو جائے۔'' وسیم شرارت سے بولا تو بیتو جھینپ گیا تھا۔

''ویسے بیتو، تم کہاں جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔ میرا خیال تھا وہ کمار کے ساتھ جائے گا مگر اس کا جواب غیر متوقع تھا۔

''جہاں آپ جائیے گے۔'' اس نے کہا۔

سادھنا نے پلٹ کر دیکھا۔ ''بیتو، تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے؟''

''دیدی، تم کو پتا ہے بھائی بہن کے گھر نہیں رہتا ہے۔''

''مگر بیتو، میں تو پاکستان جا رہا ہوں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''تب میں بھی پاکستان جائے گا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیں۔'' وسیم ہنسا۔ ''کوئی اس پر عاشق ہو یہ اس سے پہلے آپ پر عاشق ہو گیا ہے۔''

''بیتو، یہ تمہارا ملک ہے، یہاں تمہارے لوگ ہیں۔''

''میرا ملک نہیں ہے۔'' اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے لوگ مر چکے ہیں۔''

کمار نے کہا۔ ''بیتو، ہم بھی تو تمہارے لوگ ہیں۔''

''ہاں......تم ہے، دیدی ہے، پر میرے ماتا پتا، دیدی، میرا بھائی جیتو......'' وہ اچانک رونے لگا۔ ''سب مر گئے ہیں، میں اکیلا ہے۔''

یہ کمسن لڑکا اپنے اندر کتنا دکھ اٹھائے ہمارے ساتھ پھر رہا تھا۔ اس سے پہلے مجھے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ بمباری سے مارے جانے والے قبائلیوں میں اس کا خاندان تھا مگر بیتو نے کبھی ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''بیتو، مجھے دکھ ہے......اب ہم تمہارا خاندان ہیں۔''

اس نے آنسو صاف کیے۔ ''میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میری پوری کوشش ہوگی۔'' میں نے اس سے وعدہ کیا۔ ''لیکن کوئی مجبوری آ گئی تو میں معافی بھی چاہوں گا۔''

دو گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ہم ایک جگہ رکے۔ ایک گھنٹا آرام کر کے دوبارہ روانہ ہو گئے۔ طے پایا تھا کہ رات بارہ بجے ہم رک جائیں گے۔ میدانی علاقہ ہونے کی وجہ سے سردی کا وہ عالم تو نہیں تھا مگر پھر بھی خاصی سردی تھی۔ گیارہ بجے ہمیں سڑک کے کنارے ایک کار اور ایک جوڑا کھڑا دکھائی دیا۔ مرد نے جیپ دیکھتے ہی ہاتھ ہلانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''جیپ روکنا!''

''کسی چکر میں نہ پڑ جائیں۔'' اس نے رفتار آہستہ کی۔

''سب ہوشیار رہنا۔'' میں نے نیچے اترتے ہوئے ان سب سے کہا۔

مرد جلدی سے آگے آیا۔ ''شکر ہے بھگوان کا۔ کوئی تو رکا۔'' اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''میں آنند ورما ہوں اور یہ ایشا ورما میری پتنی۔ ہم دونوں ڈاکٹر ہیں۔''

''شہباز!'' میں نے صرف نام بتایا۔ ''کوئی مسئلہ ہے؟''

''جی، ایک گھنٹے سے گاڑی خراب ہے اور کوئی رکنے کو تیار نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''ہم ایک مریضہ کو دیکھ کر واپس جا رہے تھے۔''

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''اگر آپ ہمیں لفٹ دے سکیں تو، یہاں سے چند میل آگے ہماری کوٹھی ہے۔''

''ہماری جیپ میں تو جگہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اصل میں ایک بیمار خاتون ہے اور عقبی نشست پر وہ لیٹی ہے۔''

''اوہ!'' اس کے انداز میں مایوسی آ گئی تھی۔ ''لگتا ہے آج پیدل مارچ کرنا پڑے گی۔''

''نہیں، اب ایسا ہوگا کہ آپ اپنی کار میں بیٹھیں، کوئی رسی ہے تو اس سے ہم آپ کی کار ٹو کر لے جاتے ہیں۔''

''رسی تو ہے۔'' ایشا کھل اٹھی تھی۔ وہ ستائیس اٹھائیس برس کی دلکش عورت تھی، اس نے سردی سے بچنے کے لئے لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔

''بس تو ہم آپ کو لے چلتے ہیں۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ڈاکٹر نے پھرتی سے رسی نکالی اور اسے ہماری جیپ کے عقب میں لگے ہک سے باندھ دیا۔ میں نے کمار سے کہا کہ جیپ کو دوسرے گیئر سے اوپر نہ لے جائے۔ آنند ورما اور ایشا اپنی کار میں جا بیٹھے۔ ان کی کار دس قدم پیچھے تھی اور یہ محفوظ فاصلہ تھا۔ کمار نے جیپ آگے بڑھائی۔ اسے ڈرائیونگ آتی تھی مگر ہائی ویز پر گاڑی چلانے کا تجربہ کم تھا۔

''یہ کیا مصیبت ہے۔'' سادھنا نے بے زاری سے کہا۔ ''اتنی سستی سے چل رہے ہیں۔''

''بی بی، شکر کرو یہ مل گئے اور رات گزارنے کا مسئلہ حل ہو گیا۔''

وسیم چونکا۔ ''ان کے پاس رکیں گے؟''

''ہاں، جب ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں تو ان کا بھی فرض ہے ہماری مدد کریں۔''

''اگر انہوں نے انکار کر دیا؟'' سادھنا نے پوچھا۔

''تب مجبوری ہے ہم زبردستی مہمان ہو جائیں گے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور تھرماس میں بچ جانے والی چائے نکالی جو ٹھنڈی اور بے ذائقہ ہو چکی تھی۔

''اچھا انہوں نے اجازت دے دی۔'' وسیم نے سوچ کر کہا۔''تب بھی یہ سادھنا کو دیکھ کر سوال کریں گے اور ممکن ہے اس کا علاج کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔''

''اوپر سے اس کے زخموں کا پتا نہیں چل رہا ہے، ہم کہہ دیں گے، ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے ویسے میں نے سادھنا کو مریضہ ہی ظاہر کیا ہے ان کے سامنے۔''

آنند ورما نے کہا تھا کہ جب ان کی کوٹھی آئے گی تو وہ ہیڈ لائٹس جلا کر اشارہ دیں گے، کوئی چار میل کے بعد کار کی ہیڈ لائٹس آن آف ہونے لگیں۔ یہ سوزوکی ماروتی کا پرانا ماڈل تھا اور کار کی خستہ حالی سے لگ رہا تھا کہ میاں بیوی کی پریکٹس اچھی نہیں چل رہی ہے مگر آنند ورما نے کار سے اتر کر جس کوٹھی کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ خاصی شاندار تھی۔ اس علاقے میں سڑک کے دونوں جانب ذرا فاصلے پر کوٹھیاں تھیں۔ کمار نے جیپ اس طرف موڑ دی اور مین گیٹ سے پہلے جیپ روک دی۔ ہارن کی آواز سن کر چوکیدار نے باہر جھانکا اور غالباً الجھن میں پڑ گیا کہ ہارن تو اس کے مالک کی کار کا تھا اور سامنے لینڈ کروزر کھڑی ہے۔

پھر آنند ورما اتر کر آیا۔''اے پریشول! منہ کیا دیکھتا ہے، دروازہ کھول۔''

''مالک، آپ......'' اس نے دانت نکالے اور گیٹ کھولنے لگا۔

''آپ لوگ اندر آئیں۔ ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پئیں۔'' آنند ورما نے کہا۔

ایشا نے شوہر کو گھورا اور جلدی سے بولی۔''چائے کیوں، کھانا کھائیں گے آپ۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔''کھانا ہمارے ساتھ ہے اصل میں ہم رات گزارنے کے لئے کسی جگہ کی تلاش میں ہیں۔ کیا آپ اس جگہ کسی ہوٹل سے واقف ہیں؟''

''ہوٹل تو یہاں پچاس میل تک نہیں ہے۔'' آنند ورما نے جواب دیا۔

''ہمارے لئے تو مسئلہ نہیں ہے مگر میری بہن سادھنا بیمار ہے اتنے لمبے سفر میں اس کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔ ہم اسے کلکتہ لے جا رہے ہیں۔''

''کلکتہ کیوں جب کہ یہاں ایک سے ایک ڈاکٹر ہے۔'' آنند ورما چونکا۔

''معاملہ اس کے علاج کا نہیں منت کا ہے۔'' میں نے گول مول انداز میں کہا۔''ہم تین گھنٹے سے کسی ہوٹل کی تلاش میں ہیں۔''

''بھائی، آپ ہمارے پاس رک جائیں۔'' ایشا نے پھر شوہر کے گھورنے کی پروا کئے بغیر کہا۔''صبح آرام سے ناشتا کر کے جائیے گا۔''

''ایشا، ہم ان کو نہیں جانتے۔'' آنند ورما نے دبی زبان میں کہا لیکن میں نے سن لیا تھا۔

''یہ بھی ہمیں نہیں جانتے تھے۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔''اس کے باوجود ہماری مدد کے لئے رک گئے۔ گھنٹے سے کھڑے تھے کسی نے رک کر پوچھا تھا؟''

"وہ ٹھیک ہے پر......؟"

"آنند! ان کو رکنے کو کہو۔" اس بار ایشا کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا تھا۔ وہ بے بسی سے سانس لے کر میری طرف آ گیا۔

"میری پتنی کا اصرار ہے آپ ہمارے پاس رات کو رک جائیں۔"

"اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو......" میں نے مسرت سے کہا۔

"تکلیف تو نہیں ہوگی پر......" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اگر آپ اعتماد کرتے ہوئے ڈر رہے ہیں تو میں یقین دلاتا ہوں، ہم سب بے حد شریف لوگ ہیں۔ میرے ساتھ میری بہن اور اس کا شوہر ہے۔"

"ابھی آپ نے بہن کا نام سادھنا بتایا اور آپ کا نام شہباز ہے تو پھر......؟"

"میں سمجھ گیا۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میں مسلمان ہوں اور سادھنا ہندو ہے۔ یہ میری منہ بولی بہن ہے، میرے ماں باپ نے اس کی پرورش کی ہے۔ ہماری کوئی ماجائی بہن نہیں ہے مگر ہم اسے ماجائی سے کم بھی نہیں سمجھتے۔" میں نے فراٹے سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"میں مہمان خانہ کھول دیتا ہوں۔" آنند ورما نے کہا۔

"آپ لوگ ذرا انتظار کر لیں تو میں کھانا بنوا دوں۔" ایشا نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ اپنے شوہر کے مقابلے میں وہ فراخ دل تھی۔

"نہیں بہن، آپ کا یہی احسان بہت ہے کہ رات کے اس پہر دربدر پھرنے سے بچا لیا۔" میں نے سچ کا تشکر سے کہا۔

"آپ جیپ اندر لے آئیں۔" آنند ورما نے پورچ کی طرف اشارہ کیا جہاں پہلے ہی ایک شاندار سی کار کھڑی تھی۔

"جب آپ کے پاس اتنی اچھی کار ہے تو......؟"

آنند ورما اتنی دیر میں پہلی بار ہنسا۔ "شہباز صاحب، آپ کو میرے رویے سے شاید دکھ ہوا ہو مگر میں کئی بار بھگت چکا ہوں۔ ایک بار میری کار چھن گئی تھی۔ میں نے مہینہ پہلے لی تھی اور دو بار ڈاکو آ گئے تھے۔"

"فطری بات ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "اگر آپ کو اب بھی کوئی خدشہ ہے تو......"

"بس بھائی صاحب!" ایشا بولی۔ "مجھے آدمی کی پہچان ہے آپ لوگ اندر آ ئیں۔"

"تبھی مجھے منتخب کیا تھا؟" آنند ورما ہنسا۔

"ایشا نے چوٹ کی۔ "بس یہیں چوک ہوئی تھی۔"

اس سے پہلے ہم کوٹھی کے اندر جاتے اچانک عقب سے تیز روشنی ہوئی۔ ایک جیپ آ کر ہمارے بالکل پاس رکی اور اس میں سے مسلح پولیس والوں نے کود کر ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا، ان کی قیادت ایک ایس آئی کر رہا تھا، اس نے کڑک کر کہا۔ "خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔"

میری نظر جیپ میں بیٹھے ایک چادر پوش پر گئی تھی، میں چونک گیا۔

آنند ورما آگے آیا۔ ''انسپکٹر! کیا بات ہے، اس حرکت کا مقصد؟''
''تم کون ہو؟'' ایس آئی غرایا، لگتا تھا اسے غرانے کا بہت شوق تھا۔
''میں اس کوٹھی کا مالک ڈاکٹر آنند ورما ہوں۔''
''اچھا!'' ایس آئی محتاط ہو گیا اور اس نے غرانا موقوف کر کے شرافت سے کہا۔ ''ہمیں اس جیپ اور اس میں موجود لوگوں کی تلاش ہے۔''
اس بار میں آگے بڑھا۔ ''جیپ میری ہے اور اس میں میری فیملی ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر انگریزی میں کہا۔ ''تمہیں ہماری تلاش کیوں ہے؟ ہم نے کیا جرم کیا ہے؟''
''جرم کا بھی پتا چل جائے گا۔'' ایس آئی نے پھر سے غرانا شروع کر دیا۔ ''کہاں سے آ رہے ہو؟''
''دلی سے۔'' میں نے جواب دیا۔
''اور کہاں جا رہے ہو؟''
''کلکتہ۔''
''کیوں؟''
''کلکتہ جانا جرم ہے؟''
''تم نے راستے میں شیام پور نامی قصبے میں ایک جوہری کو ایک ہیرا فروخت کیا تھا؟''
''کیا ہیرا بیچنا جرم ہے؟''
''بک بک مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔'' اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔
''ہاں، فروخت کیا تھا۔ کیا وہ نقلی نکلا؟''
''تم نے ہیرا کہاں سے حاصل کیا تھا؟''
''انسپکٹر! یہ سوال تو مجھ سے انکم ٹیکس آفیسر بھی نہیں پوچھ سکتا تم کیا چیز ہو۔'' میں نے بھی اس پر اس بار غرا کر کہا۔ ''دلی میں کسی سے شہباز خان کا نام پوچھنا۔''
ایس آئی پھر دب گیا اور اس نے غرانا کم کر دیا۔ ''جوہری نے رپورٹ کی ہے، اسے شبہ ہے ہیرا چوری کا ہے۔''
''اگر چوری کا ہے تو اس نے خریدا کیوں؟'' میں نے کہا۔ ''دوسرے یہ ہیرا میری خاندانی ملکیت ہے، اس کا دستاویزی ثبوت ممکن ہی نہیں ہے۔''
''تم نے جوہری سے کہا تھا کہ تم برٹش نیشنل ہو۔''
''اسے خواب آیا ہوگا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''انسپکٹر! اگر کوئی وارنٹ لائے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ سمجھ لو، تم کل صبح تک خاصی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''
میں پورے اعتماد سے انسپکٹر کو دھونس دے رہا تھا اور درحقیقت میرے پاس یہی ترپ کا ایک پتا تھا جو معاملات خراب ہونے سے بچا سکتا تھا۔ اگر انسپکٹر شک کی بنیاد پر ہماری تلاشی لینے پر تل جاتا تو مجبوراً ہمیں حرکت میں آنا پڑتا اور حالات مزید پیچیدہ ہو جاتے۔ میں نے محسوس کیا کہ آنند ورما مجھے عجیب سی نظروں سے...

اگ، رہا تھا جیسے ہی اسے پتا چلا تھا کہ پولیس ہمارے پیچھے آئی ہے اس کا رویہ لاتعلقانہ ہو گیا تھا۔

''وارنٹ تو نہیں ہے۔'' ایس آئی نے اپنی خودی بلند رکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن پولیس کے پاس اختیار ہوتا ملک کی بنیاد پر کارروائی کرنے کا۔''

''لگتا ہے اس جوہری سے تمہارا کوئی گٹھ جوڑ ہے۔'' میں نے غور سے جیپ میں بیٹھے چادر پوش کو دیکھا۔ ''یہ چوری کا مال خرید کر تمہیں رپورٹ کرتا ہے۔''

''اگر کرتا ہے تب بھی قانون سے تعاون کرتا ہے۔''

''اب میں بتاتا ہوں تم دونوں کیا کرتے ہو۔ یہ خبیث بنیا چوری کا مال خریدتا ہے اور تمہیں اطلاع کرتا ہے۔ تم بیچنے والے کو پکڑ کر اس سے معاملہ کرتے ہو۔ وہ رقم دے کر اپنی جان چھڑاتا ہے۔ رقم تم اور جوہری آپس میں بانٹ لیتے ہو اور چوری کا مال پہلے ہی اس کے پاس ہوتا ہے۔''

''یہ غلط ہے۔'' ایس آئی نے گڑبڑا کر کہا۔

''اسے عدالت میں ثابت کرنا۔ جب ڈاکٹر آنند ورما اور ان کی بیوی ڈاکٹر ایشا ورما تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم دونوں جیل کی ہوا کھاؤ گے۔''

''ایسے اکڑتا ہے جیسے مجرم ہم ہیں۔'' ایس آئی پھر غرایا مگر اس کی غراہٹ اعتماد سے محروم تھی۔

اس بار ایشا آگے آئی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم دونوں ملے ہوئے ہو اور جب عدالت میں پیش ہو گے تو پول کھل جائے گا۔ یہ مت سمجھنا کہ بچ جاؤ گے۔ دلی کا پولیس کمشنر میری چاچی کا بیٹا ہے۔''

اس بار سچ مچ ایس آئی کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی۔ ''دیوی جی! چھما چاہتا ہوں، پر رپورٹ پر کارروائی تو کرنا پڑتی ہے۔''

''رپورٹ کہاں لکھوائی ہے، اس کی نقل دو۔ کل صبح خود میں ان کو لے کر آؤں گی اور باقی کارروائی دلی پولیس کمشنر کے سامنے ہوگی۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' ایس آئی جلدی سے بولا۔ ''خان جی نے بتا تو دیا ہے ہیرا ان کی خاندانی امانت ہے۔''

''یعنی تم بغیر تحریری رپورٹ کے میری کوٹھی پر دوڑے آئے۔'' ایشا کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''سارے محلے نے تماشا دیکھا ہے۔ بس اب کل پولیس کمشنر کے سامنے بات ہوگی۔''

ایس آئی اس بار پٹے ہوئے کتے کی طرح دم دبا کر اور ناک نیچی کر کے گڑگڑانے لگا تھا۔ آخر آنند ورما نے بے زاری سے کہا۔ ''ایشا، ختم کرو یہ تماشا، رات ہو گئی ہے۔''

ایشا ورما نے بظاہر شوہر کی بات مان لی۔ ''ٹھیک ہے اس بار معاف کر رہی ہوں مگر یاد رکھنا دوبارہ کبھی اس طرف دکھائی دیئے تو وردی اتر جائے گی۔''

پولیس کے اہلکار اس طرح دم دبا کر بھاگے کہ مجھے وہ منظر دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔ چادر پوش جوہری بنیا تھا جب ایس آئی جیپ میں سوار ہوا تو اس نے اپنی رقم کا سوال اٹھایا تھا، میں نے اس کی منمنانے کی آواز سنی مگر الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے غضب ناک ایس آئی نے غصہ اس پر نکالا تھا۔ ایک طمانچے کی آواز آئی۔

''حرام زادے! تیری وجہ سے مرتے مرتے بچا، دیتا ہوں پیسا تجھے، ذرا تھانے چل۔''

جیپ روانہ ہوئی۔ مجھے یقین تھا، آج رات لالہ جی تھانے میں عبرت ناک حالات سے گزریں گے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے ایشا کی طرف دیکھا۔ ''کچھ دیر میں آپ نے دوسری بار ہمیں ممنون کر لیا ہے۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا گڑ بڑ ہے۔'' آنند ورما زیر لب بولا۔

''کوئی گڑ بڑ نہیں ہے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔ ''میں نے جو ہیرا بیچا تھا وہ میری ملکیت ہے، ہمیں رقم کی ضرورت تھی اس لئے بیچ دیا۔''

''پولیس نے تماشا تو لگا دیا۔'' اس نے طنز کیا۔

''کسی کو کیا معلوم کہ پولیس کس لئے آئی تھی؟''

''پولیس نے جو کمانڈو ایکشن پیش کیا تھا، وہ نہ جانے کتنوں نے دیکھا ہوگا۔'' آنند ورما نے طنز کیا۔ ''اور صبح تک پورے علاقے کو پتا چل جائے گا کہ رات ڈاکٹر صاحب اِن کا وُنٹر ہوتے ہوتے رہ گئے۔''

''تم کہہ سکتے ہو کہ پولیس غلط فہمی کی بنا پر آئی تھی اور غلط فہمی رفع ہونے پر چلی گئی۔''

''کوئی کچھ نہیں کہے گا جی!'' ایشا نے مداخلت کی۔ ''کیا مہمانوں کو ساری رات باہر کھڑا رکھیں گے؟''

''مہمان!'' آنند ورما کا لہجہ اور بھی طنزیہ ہو گیا۔ ''ان کے آنے پر یہ حال ہے، صبح تک نہ جانے کیا ہو گا؟''

آنند ورما کے بس میں ہوتا تو وہ ہمیں کوٹھی میں قدم بھی نہ رکھنے دیتا مگر بیوی کے آگے مجبور تھا جس کی موٹی کالڑ کا دلی میں پولیس کمشنر تھا اس لئے وجہ مجبوری صاف ظاہر تھی۔ ایک کمرا میاں بیوی یعنی کمار اور سادھنا کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ دوسرا وسیم اور بیتو کو ملا اور تیسرا مجھے مگر ایشا کے جاتے ہی کمار میرے پاس آ گیا۔

''شکر ہے، یہ جگہ کوٹھی سے الگ ہے۔'' کمار نے کہا۔ ''ورنہ یہ لوگ شک میں پڑ جاتے کہ یہاں الگ کمرے میں کیوں ہے؟''

''شک تو اب بھی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''شکر ہے ایشا کا کزن دلی کا پولیس کمشنر نکل آیا۔''

''یہ بھی تشویش والی بات ہے۔'' کمار نے فکر مندی سے کہا۔ ''اگر بات اس تک گئی تو وہ انویسٹی گیشن پر اتر آئے گا۔ یہ پولیس والے اپنے باپ کے نہیں ہوتے۔''

پولیس کی آمد نے سب کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ کھانے کا خیال کسے رہتا۔ اب ذرا سکون سے بیٹھے تو کھانا یاد آیا۔ میں جیپ سے کھانا لے کر اندر آیا تو میری نظر لاؤنج میں پڑے فون پر گئی۔ مجھے خیال آیا، پاکستان کال کرنے کا۔ میں نے سامان کا تھیلا بیتو کے سپرد کیا اور فون اٹھایا۔ دوسرے لمحے مجھے ایشا کی آواز سنائی دی

''جانکی، میں کہہ رہی ہوں مجھے اجے سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''بی بی، اب تو جان چھوڑو۔'' دوسری طرف سے کسی جانکی نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اجے کی شادی کو بھی پانچ سال گزر چکے ہیں اور اب ہمارے تین بچے ہیں۔''

''تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ مجھے اجے کو چند مجرموں کے بارے میں اطلاع دینی ہے۔ وہ مسلح ہیں، ان

پاس خطرناک گنیں ہیں۔"

یہ سنتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔ ایشا نے بے حد چالاکی سے کام لیا تھا۔ نہ جانے کس طرح اس نے ہمارا اسلحہ دیکھ لیا تھا اور اب اپنے کزن کو اطلاع دینے جارہی تھی۔ مگر ہماری خوش قسمتی کہ فون جانکی نے ریسیو کیا تھا جو اجے کی بیوی تھی۔ شاید کسی زمانے میں اجے اور ایشا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر کسی وجہ سے شادی نہ ہو سکی۔ جانکی یہ بات جانتی تھی اور ان پر اب بھی شک کرتی تھی۔ "تو اس بہانے اب کمشنر صاحب سے راز و نیاز ہوں گے۔"

"جانکی! بھگوان کے لئے۔" ایشا بھنا گئی تھی۔ "یہ بہت خطرناک مجرم ہیں۔ مجھے تو آتنگ وادی (دہشت گرد) لگتے ہیں۔"

"ایسا کرنا، صبح ان کے دفتر میں بات کر لینا۔ نمبر تو پتا ہوگا۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

☆======☆======☆

شائستہ اور سلجھی ہوئی نظر آنے والی ایشا نے ایک ایسی گالی دی جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ میں نے جلدی سے خود بھی ریسیور رکھ دیا تاکہ اسے شک نہ ہو۔ ہم سخت خطرے میں تھے۔ ایک بار پولیس کمشنر اس معاملے میں ملوث ہو جاتا تو ہمارے لئے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو جاتیں اور پکڑے جانے کی صورت میں گلوخلاصی مشکل تھی۔ مجھے بہرصورت ایشا کو روکنا تھا۔ جب تک میں اس تک پہنچتا، اجے کو پھر کال کر چکی ہوتی اور عین ممکن تھا اس بار وہ اس کا موبائل نمبر ملاتی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے فون کا تار کھینچا اور دانت سے اس کو چھیل کر اس کے دونوں تار آپس میں جوڑ دیئے۔ فون ارتھ ہو گیا تھا اور اس کے دونوں تار جوڑ دیئے جانے سے لائن انگیج ہو گئی تھی۔ اگر ایشا پھر کال کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو اسے فون انگیج ملتا۔

"وسیم!" میں نے اس کے کمرے میں جھانکا۔ وہ کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ "خطرہ ہے۔ ایشا ہمارے بارے میں اپنے پولیس کمشنر کزن کو مطلع کرنے والی ہے، اسے روکنا ہے، ہری اپ!"

تمام اسلحہ ایک بیگ میں تھا اور یہ بیگ ان کے پاس تھا۔ وسیم نے جلدی سے دو عدد یوزی مشین گنیں نکالیں۔ ایک میری طرف اچھال دی اور ہم مہمان خانے سے نکل کر کوٹھی کی طرف لپکے۔ میں نے جانے سے پہلے سب کو ایک جگہ اور ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔ ہم کوٹھی کی دیوار کے پاس پہنچے۔ "وسیم تم دائیں طرف سے اور میں بائیں طرف سے اندر جاتا ہوں۔ جو سامنے آئے اسے ہینڈز اَپ کرا لینا اور کوئی مزاحمت کرے تو اسے بے ہوش کر دینا۔ فائر انتہائی ناگزیر وقت میں کرنا۔"

"میں سمجھ گیا۔" وسیم کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں کھڑکیوں پر گرل نہیں تھی اس لئے میں پٹ چیک کرنے لگا۔ اگر کوئی کھلا ہوتا تو مجھے اندر گھسنے میں آسانی پیش آتی۔ مگر ساری کھڑکیاں بند تھیں، ان کو چیک کرتے کرتے میں سامنے والے دروازے تک آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ کھڑکیاں بند کرنے والوں نے دروازہ کہاں کھلا چھوڑا ہوگا مگر میں نے اسے چیک کیا تو وہ کھلا ملا۔ میں نے احتیاط سے کھولا اور اندر جھانکا۔ یہ گیلری تھی اس کے دائیں جانب ایک کمرا تھا۔ میں خاموشی سے اندر آیا۔ یہ نشست گاہ تھی اور اس سے ڈاکٹر ورما کی منمناتی آواز آ رہی تھی۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ لوگ مجھے صحیح نہیں لگ رہے ہیں مگر تم سنتی کہاں ہو، ان کو گھر میں گھسا

لیا۔''

''ارے مجھے کہاں پتا تھا۔ یہ کم بخت فون بھی عین موقع پر خراب ہوا ہے۔ ورنہ اس بار میں اجے کا موبائل نمبر ملاتی۔''

''اچھا تمہارے پاس اس کا موبائل نمبر بھی ہے؟'' ورما نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے تو یہ بات پتا ہی نہیں تھی۔''

''وہ میرا کزن ہے۔'' ایشا تنک کر بولی۔

''سنا ہے پہلے تمہیں پسند کرتا تھا۔''

''اگر وہ مجھے پسند کرتا تھا تو اس میں میرا کیا قصور ہے البتہ تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں شادی سے پہلے اور بعد میں تم کہاں کہاں منہ مارتے رہے ہو۔''

''اچھا اب گڑے مردے مت اکھاڑو۔'' ورما نے کھسیا کر کہا۔ ''فون ملاؤ۔''

''کہاں سے ملاؤں، انگیج کی ٹون آ رہی ہے۔ موبائل بھی اس علاقے میں کام نہیں کرتا ہے۔''

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ آنند ورما نے تجویز پیش کی۔ ''کیوں نہ پریشول کو بھیج کر کسی اور کوٹھی سے فون کروا دیں؟''

''میں خود جاتی ہوں۔'' ایشا نے اپنی تجویز پیش کی۔

''کوئی کہیں نہیں جائے گا۔'' میں نے اندر داخل ہو کر کہا۔ یوزی مشین گن دیکھ کر دونوں ہی ساکت رہ گئے تھے۔

''شہباز بھائی! یہ کیا کر رہے ہیں؟'' ایشا نے خود کو سنبھالا اور مسکرائی۔

''میں نے سب سن لیا ہے، پہلے فون پر اور اب یہاں۔'' میں نے دوٹوک کہا۔ ''فون بھی میں نے انگیج کیا ہے۔''

اب ان کے پاس کوئی گنجائش نہیں تھی۔ آنند ورما نے تھوک نگل کر کہا۔ ''ہم سے غلطی ہوئی۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم مجرم ہو۔''

''تمہیں کس نے کہا ہم مجرم ہیں؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''میں نے خود تمہارے پاس اسلحے سے بھرا بیگ دیکھا تھا، تمہارا ملازم اسے جیپ سے نکال رہا تھا تو بیگ کھل گیا تھا۔ میں اوپر سے دیکھ رہی تھی۔'' ایشا کسی قدر تیز لہجے میں بولی۔

''اسلحہ آدمی اپنی حفاظت کے لئے بھی رکھتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے دشمن ہیں اس لئے اسلحہ تو رکھنا پڑتا ہے۔''

''یہ خطرناک اور ممنوعہ اسلحہ۔'' ایشا نے مشین گن کی طرف اشارہ کیا۔

''میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور پولیس کے چکر میں بھی نہیں پڑنا چاہتا۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ، اس کوٹھی میں چوکیدار کے علاوہ اور کتنے افراد ہیں۔ جھوٹ مت بولنا، ہمیں پتا چل جائے گا۔''

''ایک بنگالی رسوئیا ہے۔'' ڈاکٹر ورما نے بادلِ ناخواستہ بتایا۔ ''اور اس کی بیوی ہے۔''

"یہ دونوں کہاں ہیں؟"

"پیچھے سرونٹ کوارٹر بنا ہے، وہیں ہوں گے۔"

"چوکیدار اکیلا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، اس کے بیوی بچے اپنے گاؤں میں ہیں۔" ایشا بولی۔

میں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ "تو مسٹر اینڈ مسز ورما! صورتِ حال کچھ یوں بنتی ہے کہ آج رات ہم تمہاری کوٹھی میں رکیں گے۔ ابھی میں فون کا انجیج ختم کر دوں گا تو تم اس بات کا خیال رکھو گی۔ اگر تمہارے کزن کا فون آ جائے تو اسے مطمئن کرو گی۔"

"وہ حرافہ اسے بتائے گی تو اسے پتا چلے گا۔" ایشا نے زہرناک لہجے میں کہا۔ "تم نے سن تو لیا ہوگا اس ناگن کا جواب۔"

میں نے غور سے ایشا کو دیکھا۔ "ناگن وہ کس کے حق میں ہے، تمہارے یا اجے کے۔"

"دونوں کے۔" آنند ورما ہنسا۔

"بہرحال تم اس کا فون آنے پر کہو گی کہ وہ سب غلط فہمی تھی۔ اسلحہ اصل میں بچوں کے کھلونے تھے اور تمہارے شک کرنے پر مہمان ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟" ایشا نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "تم کو بتا کر تو نہیں گئے۔ باقی اسٹوری تم وہی سناؤ گی کہ ہم نے تمہاری مدد کی اور تم ہمیں مہمان بنا کر لے آئیں۔"

"یعنی مصیبت کو خود دعوت دی۔"

"مسٹر ورما، بلاضرورت بول کر بلاوجہ فوت ہونے کی کوشش مت کرو۔" میں نے مشین گن کو حرکت دی۔

اس اثنا میں وسیم ایک دبلے اور سوکھے ہوئے تہبند اور بنیان میں ملبوس بنگالی اور اس کی صحت مند بیوی کو وہاں لے آیا۔ بنگالن میں چشم بنگال اور زلف بنگال سے زیادہ جسمانی پیچ و خم کا بے پناہ جادو تھا اور وہ اپنے شوہر کے مقابلے میں ایسی نظر آتی تھی جیسے سائیکل کے پنکچر پہیے کے مقابلے میں کسی جیپ کا تنا ہوا ٹائر۔

"بس یہی دونوں ہیں؟" میں نے وسیم سے پوچھا۔

"جی یہی نظر آئے ہیں۔" اس نے تصدیق کی۔

"ان کو کسی ایسے کمرے میں بند کر دو جہاں سے یہ نکل نہ سکیں۔" میں نے وسیم سے کہا اور وہ ان دونوں کو لے گیا۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ فی الحال ڈاکو صاحب کا ان کو قتل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ یہ خدشہ اب مسٹر اینڈ مسز ورما کو لاحق تھا۔ آنند ورما نے لرزتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"کیا تم ہمیں مار دو گے؟"

"اصلی مجرم ہوتے تو یہی کرتے۔" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہاری خوش قسمتی کہ ایسا نہیں ہے اس لئے جب تک تم خود فوت ہونے کی کوشش نہیں کرو گے، زندہ رہو گے۔"

"بھگوان کے لئے تم لوگ چلے جاؤ۔"

''چلے جائیں گے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ ایک بیمار عورت ہے، اسے آرام کی اشد ضرورت ہے۔ خیر یہ بتاؤ، تمہارا چوکیدار کوٹھی کے اندر تو چکر نہیں لگاتا ہے۔''

''نہیں رات کے وقت اسے گیٹ سے ہٹنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''کال آف نیچر کے لئے بھی نہیں؟''

''اس کے لئے وہاں ایک عدد باتھ روم ہے۔''

''اس کی ڈیوٹی کب ختم ہوتی ہے؟''

''صبح نو بجے۔ رات نو سے صبح نو بجے تک اس کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور دن میں ایک اور چوکیدار آتا ہے۔''

وسیم اپنا کام کر کے آیا۔ ''باقیوں کو بھی یہاں بلا لو۔ سادھنا سو رہی ہے تو اسے سونے دینا۔ بیتو کو اس کے پاس چھوڑ آنا کمار کو لے آنا۔''

''صبح تک تم یہاں رکو گے۔'' ایشا نے فکر مند ہو کر کہا۔

''معزز خاتون، بلاشبہ ہم صبح تک یہاں رکیں گے اور ممکن ہے کچھ کھائیں پئیں بھی۔ مگر نہ تو تمہیں کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی ہم یہاں سے کچھ لے کر جائیں گے۔''

''تمہاری بات کا کیا بھروسا۔'' ایشا بولی۔

''ہم زبان پر جان دینے والے لوگ ہیں، کسی کو مہمان بنا کر اس کے احسان کا صلہ یوں نہیں دیتے کہ پولیس کو کال کریں۔'' میں نے طنز کیا تو وہ خفیف ہو گئی۔

''میں نے جو دیکھا تھا اس کے بعد مجھے پولیس کو کال کرنا ہی تھا۔''

''تو اب بھگتو۔'' میں نے جواب دیا۔ وسیم کمار کے ساتھ آیا۔ ہم نے پہلے تو کھانا کھایا۔ وسیم نے بیکری سے خاصا سامان لے لیا تھا اس کے بعد ایشا نے کمار کی نگرانی میں کافی تیار کی۔ کافی کے بعد میں اور کمار سو گئے۔ وسیم جاگتا رہا اور ان میاں بیوی کی نگرانی کرتا رہا۔ چار گھنٹے بعد اس نے کمار کو اٹھا دیا اور دو گھنٹے بعد میں خود اٹھ گیا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ کمار اصرار کے باوجود دوبارہ نہیں سویا۔ ایشا اور آنند ورما صوفوں پر آڑے ترچھے پڑے تھے۔ میں نے ان کو جگایا۔

''اپنے ملازموں سے کہو ہمارے لئے ناشتا بنائیں تا کہ یہاں سے رخصت ہوں۔''

آنند ورما نے اپنی عینک ناک پر جمائی اور بولا۔ ''تمہارا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔''

''کلکتہ۔''

''بائی روڈ۔''

آنند ورما کے لہجے نے مجھے چوکنا کر دیا۔ ''ظاہر ہے۔''

''اس گاڑی پر؟''

''ہاں اگر تم کوئی دوسری دلا دو تو اس پر چلے جائیں گے۔''

بنگالی باورچی اور اس کی نصف بہتر نے ناشتا بنانا شروع کر دیا۔ ہم سب نے باری باری منہ ہاتھ دھویا۔ دوسری ضروریات سے فارغ ہوئے۔ جب میں سادھنا کے کمرے میں گیا تو وہ ایک اسٹک کے سہارے چلنے کی

کوشش کررہی تھی۔اسٹک بھی قبضے سے لی تھی۔"میں اب چل سکتی ہوں،تھوڑی سی تکلیف ہے۔"

"زخم پر زورمت دو اور تم نے دوالی۔"

"ابھی کھانے کے بعد لوں گی۔"

"سادھنا میری بات غور سے سنو۔"میں نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔"یہاں سے تم اور کمار دلی کی طرف جاؤ گے۔"

"اکیلے؟"اس نے بے ساختہ کہا۔

"اکیلے کہاں،دونوں۔"میں نے کہا۔"تم کوئی ٹیکسی لو گے اور سیدھے دلی ائیر پورٹ پر جا کر کلکتہ کے لئے ملنے والی اوّلین فلائٹ سے روانہ ہو جاؤ گے۔"

"ہم الگ الگ جائیں گے۔"اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ ضروری ہے۔"میں نے اسے سمجھایا۔"اس طرح ہم نظروں میں نہیں آئیں گے۔تم اور کمار پڑھے لکھے ہو اگر کوئی مسئلہ ہو تو کسی ٹریول ایجنسی سے رابطہ کرنا،ان سے ٹکٹ بنوا لینا۔"

"تم تینوں کیسے آؤ گے؟"

"اسے چھوڑو،ہم کوئی مناسب راستہ اختیار کریں۔بس اتنا یاد رکھنا دو دن بعد دھرم تلہ کے شہید مینار کے پاس صبح دس سے بارہ کے درمیان ملاقات ہو گی۔یہ مشہور جگہ ہے تم لوگ آسانی سے تلاش کر لو گے۔"

"شہباز مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"اس نے میری طرف دیکھا۔

"ڈرو مت!تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔"میں نے اسے تسلی دی۔"اگر کہیں پھنس جاؤ اور نکلنے کی راہ نہ رہے تو اپنے بھائیوں کو بتا دینا۔"

"تا کہ وہ مجھے اور کمار کو مروا دیں۔"اس نے تلخی سے کہا۔

"جب پریشانی سے بچ جاؤ تو ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دینا۔تم عاقل بالغ ہو،کوئی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔"

"تم نے کمار سے کہا ہے؟"

"نہیں،لیکن بتا دوں گا۔"میں نے کہا اور رقم والے بیگ سے ڈیڑھ لاکھ نکال کر سادھنا کے پرس میں رکھ دیئے۔"ناشتا کر لو۔ہمیں اب روانہ ہونا ہے۔میرا ایک مشورہ ہے۔ائیر پورٹ جانے سے پہلے کسی بیوٹی پارلر سے اپنا حلیہ بدل لینا۔ممکن ہے تمہارے بھائی خفیہ طریقے سے تم کو تلاش کروا رہے ہوں۔"

ناشتے کے بعد میں نے باری باری وسیم اور کمار کو اپنا پروگرام بتایا۔کمار نے مجھ سے اتفاق کیا۔وسیم نے کہا۔"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ہمیں اب سڑک کے ذریعے کلکتہ نہیں جانا چاہئے۔بلکہ مخالف سمت میں جانا چاہئے۔"

"ہم ایسا ہی کریں گے۔"

"ان لوگوں کا کیا کرنا ہے؟"کمار نے پوچھا۔اس کا اشارہ ورما اور اس کے متعلقین کی طرف تھا۔

"ان کو بند کر جائیں گے،کوئی آ کر ان کو آزاد کر دے گا۔"

"اور اگر کوئی نہ آیا تو......؟" وسیم نے نکتہ اٹھایا۔
"ہم مین گیٹ اور کوٹھی کا دروازہ کھلا چھوڑ جائیں گے، اسے دیکھ کر کوئی نہ کوئی آئے گا۔" میں نے ان کو تسلی دی۔ "یہ مریں گے نہیں، ہم کلکتہ جا کر ان کو کال کر کے اطمینان کر سکتے ہیں۔ بالفرض وہ بدستور قید ہوئے تو ہم دتی پولیس کو کال کریں گے، ایک دو دن میں یہ مریں گے نہیں۔"
جب ہم نے چوکیدار سمیت پانچوں کو اس اسٹور روم میں بند کیا جس میں رات بنگالی باورچی اپنی بیوی کے ہمراہ رہا تھا تو انہوں نے خاصا شور مچایا تھا۔ میں نے ان سے اجے کا فون نمبر لے لیا تھا۔ وہ مجبور تھے اس لئے بند ہونا پڑا۔ ان کو پانی اور کھانا لے جانے کی اجازت بھی دی تھی لیکن کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی تھی جس سے وہ دروازہ توڑ سکیں۔ یہ ساگوان کا مضبوط دروازہ تھا لیکن باہر آ کر میں نے مین گیٹ کھلا رکھنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس طرح وہ جلدی آزاد بھی ہو سکتے تھے۔ ہم نے واپس دتی کا رخ کیا تھا۔ ہم دتی سے کوئی چار گھنٹے کی مسافت پر تھے۔ ایک جگہ ٹیکسی دیکھ کر ہم نے سادھنا اور کمار کو اس میں روانہ کرنے کے لئے جیپ روک لی۔
"اب تم دونوں اس کے ذریعے دتی جاؤ گے۔"
"شہباز، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" سادھنا نے ڈرتے ہوئے انداز میں کہا۔
میں نے ان کا سامان اتارا۔ کمار نے ٹیکسی والے سے بات کی اور سامان ٹیکسی میں رکھنے لگا پھر مجھ سے گلے ملا۔ اس کے بعد سادھنا میرے گلے لگ گئی۔ میں نے آہستہ سے اس کا سر تھپتھپایا اور اس دوران میں میری بند مٹھی خاموشی سے اس کے پرس میں جا کر کھلی اور پھر میں نے زپ بند کر دی، اسے خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس میں دس عدد ہیرے ڈال دیئے تھے۔ سادھنا رو رہی تھی جو مشرقی خواتین کے لئے معمول کی بات ہے۔ اگر نہ روئیں تو تعجب ہوتا ہے۔
"چلو بھی اب۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "تم بابل کے گھر سے رخصت نہیں ہو رہی ہے۔"
"اب میرا تم سب کے سوا کون ہے۔" اس نے آنسو صاف کئے۔
"او بی بی! صاحب...... چلنا نہیں ہے کیا۔" ٹیکسی والے نے شور کیا۔
"چلتے ہیں یار!" کمار نے اسے تسلی دی۔ "سادھنا چلو، کیا دو دن یہاں گزارنے ہیں؟"
سادھنا ٹیکسی میں بیٹھنے لگی تو میں نے کھڑکی سے جھک کر کہا۔ "پرس کا خاص خیال رکھنا اور اسے ہر کسی کے سامنے مت کھولنا۔"
"کیوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔
"بس تم دیکھ لینا۔"
"ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد اس کے نظروں سے اوجھل ہونے تک ہم ہاتھ ہلاتے رہے تھے۔" "بس چلیں جناب!" وسیم نے کہا تو میں چونکا۔
"راہ میں کیسے کیسے کردار ملتے ہیں جو اپنا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔" میں نے گہرا سانس لیا۔
"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ان سے دوبارہ ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وسیم نے غور کیا۔

"تم نے درست کہا۔ ہم ان سے جتنے دور رہیں گے، ان کے لئے خطرہ کم ہوگا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہو۔" بیتو نے کہا۔

"اب اس جیپ اور اس اسلحے کا کیا کرنا ہے؟" وسیم نے پوچھا۔

"اضافی ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔" میں نے فیصلہ کیا۔ "سب ایک ایک رائفل پاس رکھ لیں، اپنی پسند کی۔ باقی ہم کہیں پھینک جائیں گے۔"

"جیپ کے ساتھ نہ چھوڑ دیں؟" وسیم نے تجویز دی۔

"نہیں، اسلحہ چھپانا ہے۔ خالی جیپ پولیس کو ملی تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا لیکن اگر اتنی مہلک مشین گنیں مل گئیں تو وسیع پیمانے پر ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ جیپ ہمیں کلکتہ کے رخ پر چھوڑنی چاہئے۔"

"بس سے سفر کریں گے۔" بیتو نے پوچھا۔

"ہاں اور حلیہ بھی بدلنا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹر آزاد ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے سابقہ رقیب کو ہمارے حلیوں سے خبردار کرے گا۔"

ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا اور ذرا دور جانے کے بعد ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔ ایک جگہ دھوبی گھاٹ پر کپڑے سوکھ رہے تھے۔ میں نے جیپ کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ وہاں ایک خرانٹ نظر آنے والا بڈھا کپڑوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

"پرنام چاچا!" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"کہو صاحب، کیا کام ہے۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد اسے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ آج کل کوئی بلاوجہ دوسرے کو پرنام نہیں کرتا ہے۔ میں نے دوٹوک بات کی۔

"چاچا، ہمیں تین جوڑے چاہئیں۔ کتنے میں دو گے؟"

"یہ ہمارے نہیں ہیں۔" اس نے انکار کیا۔

میں نے جیب سے سو کے نوٹوں والی گڈی نکالی۔ "میرا خیال ہے تین جوڑوں کے چھ سو کافی ہوں گے۔"

بڈھے کی آنکھ میں لالچ نمودار تھا۔ "کپڑے غائب ہوں تو بہت شور کرتے ہیں گراہک۔"

"چلو آٹھ سو کر لو۔" میں نے نوٹ الگ کئے۔

"ہزار روپیا!" بڈھے نے اپنی قیمت بتا دی۔ میں نے فوراً اسے ہزار کے نوٹ پکڑا دیئے اور گھوم پھر کر تین سوٹ تلاش کرنے لگے۔ بعض سوٹوں پر بڈھے نے اعتراض کیا تو میں نے کہا۔ "چاچا ہزار روپے اس لئے دیئے ہیں کہ اپنی مرضی سے کپڑے لینے ہیں۔"

ہم تینوں نے اپنے سائز کے کرتے اور دھوتیاں تلاش کیں۔ سر پر باندھنے کے لئے پگڑیاں لیں۔ اب مسئلہ پیروں کے جوتوں کا تھا۔ ہم سب نے شہری انداز کے جوتے پہن رکھے تھے۔ بہرحال ان سے گزارہ کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے باری باری جیپ میں جا کر کپڑے بدلے۔ اپنے لباس ہم نے بیگوں میں رکھ لئے تھے۔ لباس بدل کر ہم روانہ ہوئے۔ جیپ کو ذرا آگے جا کر بظاہر ویران نظر آنے والے درختوں کے جھنڈ میں چھوڑا۔ سب

نے یوزی مشین گنیں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اس لئے ایک یوزی اور رائفل ہم نے وہاں زمین میں گڑھا کھود کر دبادی اور اپنے بیگ لے کر سڑک کی طرف روانہ ہو گئے۔

''شہباز صاحب، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس طرح ایک اجنبی سرزمین پر سفر کروں گا۔''

''اس کی وجہ یہ ہے دوست کہ ہماری تقدیر کا کاتب کوئی اور ہے۔ خدا کے وجود کی یہی سب سے بڑی نشانی ہے کہ جو انسان چاہتا ہے ویسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔''

''صاحب آپ بار بار خدا اور اللہ کہتے ہو۔'' بیتو نے مداخلت کی۔ ''یہ بھگوان ہے یا دیوتا۔''

''یہ سب کچھ ہے اور ایک ہی ذات ہے۔'' میں نے کہا اور اسے مختصراً اللہ کے بارے میں بتایا۔ ''ہمارے لئے سب وہی ہے اور ہمارے سارے راستے اس کی طرف ہی جاتے ہیں۔''

وسیم بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا، اس نے خبردار کیا۔ ''ایک ٹرک آ رہا ہے۔''

یہ چارے کا ٹرک تھا اور اس کے سکھ ڈرائیور نے ہمارے اشارے پر ٹرک روک دیا۔ ''اوئے، کی اے۔''

''سردار جی! ہمیں دلی جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''دلی!'' اس نے غور سے ہمیں دیکھا۔ ''اوہ پتا اے دلی کنا دور اے۔ بوتھا اٹھا کر چل پڑے ہو۔'' مجھے اس کی آواز اور لہجے سے لگا، وہ نشے میں ہے۔

''تمہارا بوتھا کس طرف ہے۔''

''جانا تے مینوں داس نگر اے۔ پر یہ راستہ دلی کو جاتا ہے۔''

''تب ہمیں وہاں اتار دینا جہاں سے تم داس نگر کے لئے گھوم جاؤ گے۔''

''اوئے آ جاؤ۔'' اس نے کہا اور عقبی حصے کی طرف اشارہ کیا۔

''ادھر تو جگہ تنگ ہے۔'' میں نے اندر جھانکا۔ ''اوپر نہ بیٹھ جائیں۔''

''اونہیں اوئے، پولیس نے دیکھ لیتا تے چالان ہو جاسی۔''

''چالان ہم ادا کریں گے۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

''جے توں بعد میں مکر گیا فیر!'' اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

''چالان کتنے کا ہوتا ہے؟''

''دوسو کا۔'' اس نے اپنی داڑھی کھجا کر کہا۔

''یہ لو۔'' میں نے دوسو روپے اس کو پیش کر دیئے۔

اس نے پھر مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''اوئے پیسے ہیں تو بس میں سفر کیوں نہیں کرتے۔''

''بس ملے تو بس میں سفر کریں۔'' میں نے جواب دیا۔

''چل چل کر لاتیں ٹوٹ گئی ہیں۔'' وسیم بولا اور بیگ سمیت اوپر چڑھ گیا۔ بیتو اور اس کے بعد میں نے اس کی تقلید کی۔ ڈرائیور نے مجھے خبردار کیا تھا کہ اپنی ذمے داری پر بیٹھیں کوئی گر گیا تو اس کا ذمہ نہیں ہوگا۔ میں نے اوپر آ کر بیتو اور وسیم کو خبردار کیا۔ ''سردار جی، نشے میں ہے اس لئے جم کر بیٹھنا۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ ٹرک

روک کر ہمیں اترنے کو کہے تو ہم پہلے کہیں اتر چکے ہوں۔"

ہم نے سامان ٹرک کے کیبن کے اوپر والے حصے میں رکھ دیا۔ یہ دیواروں والا خانہ تھا اور اس سے سامان صرف اس صورت میں گر سکتا تھا کہ جب ٹرک الٹ جائے۔ ہم گھاس کے گٹھوں پر لیٹ گئے۔ دھوپ تھی اور تیز تھی مگر تیز ہوا کی وجہ سے بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہم اس سے لطف اٹھانے لگے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ گزشتہ رات کے کچھ باسی بن تھے ہم نے ان کو کھا کر پانی پیا۔ وسیم نے پرانے قصے چھیڑ دیئے۔ "شہباز صاحب، مرشد علی اور ڈیوڈ شا کہاں ہیں۔"

"مرشد علی اپنے اڈے میں ہے۔ نادر علی کا علاج نا کام رہا ہے۔ سنا ہے اب اسے باقی عمر بستر پر گزارنی ہوگی۔ ڈیوڈ شا واپس چلا گیا تھا۔" میں نے اسے تفصیل سے بعد کے واقعات سنائے جب وہ غائب ہو گیا تھا۔ مرشد علی نے لاہور کے بدمعاش گروپوں سے مدد چاہی تھی ان دونوں کا بیڑا غرق ہو گیا۔ شاہ نواز کا قبحہ خانہ مرشد نے ہتھیا لیا تھا مگر وہ برباد ہو گیا۔ جامی شاہ اور شاہ نواز دونوں مارے گئے ان کے بیشتر ساتھی بھی اس میں ختم ہو گئے۔ میرا خیال ہے اس معاملے کو آرمی والوں نے ٹیک اوور کر لیا ہو گا کیونکہ لال حویلی میں بڑے پیمانے پر بھارتی ساخت اسلحہ موجود تھا جو ملک کے شورش زدہ حصوں میں سپلائی کیا جا رہا تھا۔"

"یعنی مرشد علی اس سرزمین کا غدار بھی ہے۔"

"یہ تو ہمارے ہاں بہت عام سی بات ہو گئی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "آج کل تعجب ان سیاست دانوں پر ہوتا ہے جو اب تک ملک کے وفادار ہیں۔"

"فیرو اور مونا کہاں ہیں؟"

"دبئی میں۔ وہاں راجا عمر دراز کا کوئی سیٹ اپ ہے؟"

"راجا پُراسرار سا شخص ہے۔ ہر بار اس کی شخصیت کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ ڈیوڈ شا نے اس کی تصویر واپس کی؟"

"نہیں، بلکہ راجا کا شاہی حکیم قادس بھی اس کے قبضے میں ہے اور تعجب کی بات ہے راجا کو ان کی پروا بھی نہیں ہے۔"

"میں نے کہا نا راجا پُراسرار شخص ہے۔ اس کی بہت ساری باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔"

"میں نے کبھی اس کے معاملے میں ایک حد سے زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ مجھے ویسے ہی اپنی پڑی ہے۔ ندیم نے آخری بار کہا تھا کہ بعض معاملات میں مرشد علی سے سودے بازی کے بعد مجھ پر تمام خاص مقدمات ختم کر دیئے جائیں گے۔"

"آپ کے دو مقدمات اہم ہیں، ایک وہ فقیر جو آپ کی گاڑی کے سامنے آ کر مرا تھا یعنی راجا کا خاص آدمی۔ پولیس نے کیس کو جان بوجھ کر آپ کے خلاف کیا اور دوسرا نادر علی پر فائرنگ کا کیس۔"

"پہلے کیس میں پوسٹ مارٹم رپورٹ میرے حق میں جاتی ہے۔ فقیر حادثے میں مارا گیا تھا جب کہ نادر علی پر فائرنگ کیس میں پولیس کی ابتدائی ایف آئی آر میں نہ تو کسی ثبوت کا ذکر ہے اور نہ گواہ کا۔ ندیم کا کہنا ہے دونوں کیسوں میں میری بہ آسانی بریت ممکن ہے۔"

''بشرطیکہ آپ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں۔''

''اور موجودہ حالات میں پولیس کے حوالے کرنے کا مطلب ہے میں خود کو مرشد علی کے حوالے کر دوں۔''

''ڈیوڈ شا کو ہیروں سے بھی تو دلچسپی ہوگئی ہے۔'' وسیم کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''ہاں مگر میں اس سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ بظاہر اس سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں وہ مجھے اپنے لئے مرشد علی سے کہیں زیادہ خطرناک محسوس ہوتا ہے۔''

''وہ خطرناک آدمی ہے۔'' وسیم نے زور دے کر کہا۔ ''میرا اس سے صرف ایک بار سامنا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں میں مجھے شیطانی قوت سی محسوس ہوئی تھی۔''

''وہ ان دواؤں کا فارمولا حاصل کرنے کے چکر میں ہے جو حکیم قادس نے مجھ پر آزمائی تھیں اور جن کی وجہ سے میرا ناکارہ ہو جانے والا ہاتھ بھی درست ہو گیا تھا۔ ڈیوڈ ان فارمولوں سے اربوں ڈالرز کمانے کی فکر میں ہے۔''

''اچھا......'' وسیم نے کہا۔

''مگر اس کا جزو اعظم راجا عمر دراز کے پاس ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''بلکہ اس کے پاس بھی اس کی ایک محدود مقدار ہے۔ اصل میں یہ چیزیں بھی اسے پُر اسرار وادی سے ملی تھیں۔''

''تب ڈیوڈ شا لازماً پُر اسرار وادی کی طرف جانے پر غور کر رہا ہوگا۔''

''غور کرنے سے وہ نہیں جا سکتا ہے۔ اس وادی تک رسائی ناممکن حد تک مشکل ہے۔''

''مگر راجا عمر دراز تو جا چکا ہے۔'' وسیم نے یاد دلایا۔

''وہ جس طرح گیا ہے اس طرح ہر کوئی نہیں جا سکتا۔'' میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''ڈیوڈ شا بغیر کسی مدد کے وہاں نہیں جا سکتا۔''

''شاید اس نے تصویر اس لئے حاصل کی ہے۔'' وسیم نے میری طرف کروٹ لی۔ ''کیا اس تصویر میں وادی کی طرف جانے والے راستے کا نقشہ ہے؟''

''کہانیوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''مگر کہانیوں میں بہت کچھ ایسا نہیں ہوتا جو حقیقی زندگی میں ہوتا ہے۔'' وسیم نے اصرار کیا۔ ''اگر آپ کو اس وادی تک سفر کا موقع ملا تو آپ جائیں گے۔''

''میں فی الحال حالات کے دھارے پر ہوں اور دیکھو یہ مجھے کہاں لے جاتے ہیں، اپنی مرضی سے میں کہیں جانے والا نہیں ہوں۔''

''یعنی آپ کی مرضی ہوگی تو نہیں جائیں گے۔''

''ایسا نہیں ہے دوست! آدمی بعض اوقات اپنی مرضی سے بھی مجبور ہو جاتا ہے۔''

اسی لمحے ٹرک ایک جھٹکے سے رکا اور نیچے سے سردار جی نے پکارا۔ ''یارو! اتھے راستہ جدا اے۔ تھلے آ جاؤ۔''

"ہم سامان سمیت نیچے آئے۔" "شکریہ! سردار جی!"

"واہ گرو کی۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور ٹرک دھول اڑاتا چلا گیا۔

"سردار نے چالان کے پیسے تو دیئے نہیں۔" بیتو نے یاد دلایا تو میں نے سر پر ہاتھ مارا۔

"سکھ ہاتھ دکھا گیا ہے؟" وسیم نے ہائی وے کی طرف دیکھا، ٹرک ایک ذیلی سڑک پر مڑا جو اس نگر کی طرف جاتی تھی شام قریب تھی اور ہم سب بھوسے میں نہائے ہوئے تھے، اچھی طرح جھاڑنے کے بعد بھی یہ بھوسا جا بجا لباس سے چپکا ہوا تھا۔ ہم نے ایک بار پھر سامان سمیت پیدل مارچ شروع کیا۔ وسیم نے ایک نکتہ اٹھایا۔ "رات تک دلی میں داخل ہونے کے بعد قیام کہاں ہوگا؟" کچھ رک کر اس نے کہا۔ "میری ایک تجویز ہے، ہمیں دلی کے پاس کسی چارپائی ہوٹل میں رک جانا چاہئے۔ وہاں کوئی نہیں پوچھے گا۔"

"تجویز تو اچھی ہے۔" میں نے غور کیا، اسی اثنا میں ایک سیاہ لگژری کار زن سے ہمارے پاس سے گزری اور میں ہکا بکا رہ گیا۔ "تم لوگوں نے دیکھا؟"

"یہ وہی کار ہے جی!" بیتو نے یقین سے کہا۔ "ڈاکٹر کی۔"

"میرا خیال ہے ڈاکٹر خود کار چلا رہا تھا اور اس کے برابر میں اس کی پتنی تھی۔" وسیم نے بتایا۔

"یہ جلدی آزاد ہو گئے۔"

"پھر بھی یہ کل صبح تک بند رہتے تو ہمارے لئے آسانی رہتی۔" وسیم نے عقب میں دیکھا۔ "ایک بس آ رہی ہے۔"

بس میں جگہ تھی اور وہ دلی جا رہی تھی۔ اس لئے ہم سوار ہو گئے۔ "کہاں جانا ہے؟" ایک فاقہ زدہ مریل سے نوجوان نے پوچھا۔

"دلی تک کا ٹکٹ بنا دو۔" میں نے اس سے کہا۔

"اوہ جی، دلی میں کہاں جانا ہے؟" اس نے جھنجلائے انداز میں کہا۔

"تم آخری اسٹاپ تک کا ٹکٹ بنا دو۔" میں نے بھی کھردرا لہجہ اختیار کیا۔ "ہماری مرضی ایک فرلانگ بعد اتر جائیں۔"

"اس نے ٹکٹ بنا دیا اور مجھے گھورتا چلا گیا۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے نوجوان سے پوچھا۔ "دلی کتنی دور ہے؟"

جواب میں اس نے کچھ گڑ گڑ کیا، جس کا کچھ بھی مطلب نکالا جا سکتا تھا۔ اس کے پاس بیٹھے شیروانی پوش بڑے میاں نے کہا۔ "میاں، ہنوز دلی دور است۔ مطلب یہ کہ یہ بس جس رفتار سے چل رہی ہے تو دو گھنٹے سے زیادہ لگ سکتے ہیں۔"

واقعی بس جس رفتار سے جا رہی تھی، اتنی رفتار سے تو میں بھی دوڑ سکتا تھا اور ہر آدمی کو دیکھ کر بس ڈرائیور بلاوجہ رفتار اور سست کر دیتا تھا۔ اس امید میں کہ شاید پیدل چلنے والا بس میں سوار ہو جائے مگر اکثر لوگ ہوشیار ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اس رفتار سے ویسے بھی چل رہے ہیں، پیدل چلنے سے صحت بنے گی اور پیسے بھی بچ جائیں گے۔ مسافروں کے شور کرنے پر ڈرائیور رفتار ذرا تیز کرتا تھا اور چند منٹ بعد پھر وہی کچھوے

کی چال پر آ جاتا تھا۔ مجھے وطنِ عزیز کی کوچز اور بسیں یاد آئیں۔ جن کے ڈرائیوروں کی عجلت سے لگتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے اور ان کو بروقت میدانِ حشر میں پہنچنا ہے۔ میں ذرا دیر بعد اونگھنے لگا تھا۔ وسیم اور بیتو کو پیچھے نشستیں ملی تھیں۔ بس کے ہچکولے جھولے کا کام دے رہے تھے اس لئے میں سو ہی گیا۔ اچانک مجھے کسی نے ہلایا۔ یہ وہی خوف ناک زبان والا نوجوان تھا۔ اس نے مجھ سے گڑگڑا کر کے کچھ کہا اور میرے برابر سے ہو کر چلا گیا۔ بس رکی ہوئی تھی۔ شیروانی والے بزرگ نے فرمایا۔

''میاں، دلّی آ گیا ہے۔ اب کیا بس میں سونے کا ارادہ ہے؟''

''دلّی آ گیا۔'' میں نے بوکھلا کر کہا۔ ''ہمیں تو پہلے اترنا تھا۔''

''اب تو آ ہی گئے ہو۔'' وہ فرما کر بس سے اتر گئے۔ میں نے بیتو اور وسیم کو اٹھایا جو باقاعدہ خراٹے لے رہے تھے۔ شکر ہے کسی نے ہمارے بیگ نہیں اٹھائے تھے اور نہ ہی پولیس نے ہمیں اٹھایا تھا۔ ''دلّی آ گیا ہے۔''

وسیم نے انگڑائی لی۔ ''ہم نے غالباً پہلے اترنا تھا۔''

''جی مگر تینوں ہی گھوڑے گدھے بیچ کر سوتے رہے شکر ہے پولیس سب کو ایک لاٹھی سے ہانک کر نہیں لے گئی۔''

''رات کہاں رکیں گے؟'' وسیم پریشان ہو گیا تھا۔

''پہلے بس سے تو باہر تشریف لائیں، اس کے بعد سوچتے ہیں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

ہم بیگز لے کر باہر آئے۔ یہ بیگز ہمارے حلیوں سے میل نہیں کھا رہے تھے مگر وہاں توجہ دینے والا تھا ہی کون؟ کچھ دور گئے ہوں گے تو بس اڈے کے ٹیکسی والے حصے میں وہی شیروانی والے بزگوار دکھائی دیئے۔ میں نے وسیم اور بیتوں سے رکنے کو کہا اور ان کی طرف لپکا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے۔

''بزرگو، ذرا سنیئے گا۔''

وہ رک گئے۔ ''میاں، تم...... خیر کہو۔''

''ہم دلّی میں نئے ہیں، کیا آپ کسی سستے اور مناسب ہوٹل کا بتا سکتے ہیں جہاں ہم رات گزار سکیں۔''

''نہیں میاں، ہم نہیں جانتے۔'' انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''ارے میاں، سردار سنگھ کے ہوٹل چلے جاؤ۔'' ٹیکسی ڈرائیور جو غور سے سن رہا تھا، بولا۔ ''اس سامنے والی سڑک پر فرلانگ بھر دور ہے۔''

''شکریہ بھیا!'' میں نے کہا اور واپس آیا۔ وسیم اور بیتو ایک بینچ پر بیٹھے تھے۔ یہ دلّی کا مرکزی بس ٹرمنل تھا اور مرکز شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کو سردار سنگھ کے ہوٹل کے بارے میں بتایا، ہم نے بیگز اٹھا کر پیدل مارچ شروع کر دیا۔ دو آدمیوں سے پوچھ کر ہم سردار سنگھ کے ہوٹل جا پہنچے۔ یہ تین منزلہ معمولی سا ہوٹل تھا۔ سردار سنگھ خود کاؤنٹر پر براجمان تھا۔

''ست سری اکال!'' اس نے ہمیں دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''سردار جی، ہمیں رات بھر کے لئے کمرے چاہئیں۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

"جی، کمرے ہی کمرے ہیں۔" اس نے پھر ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "کتنے چاہئیں؟"

"فی الحال تو تین کافی ہیں بعد میں ضرورت ہوگی تو اور لے لیں گے۔"

"اور کمرے، وہ کس کے لئے؟"

"یہ میرا بھائی ہے۔" میں نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کے لئے لڑکی دیکھنے آئے ہیں۔ ممکن ہے مل جائے تو اس کے لئے بھی کمرا چاہئے ہوگا۔"

"کڑی...... یعنی پتنی!" اس نے غور کیا۔ "پر پتنی کے لئے الگ کمرے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے، ہمارے ہاں رواج ہے لڑکی اور لڑکا الگ الگ کمرے میں رہتے ہیں۔"

"الگ الگ۔" سردار سنگھ نے مزید غور کیا۔ "پر دوسرے معاملات ...... اوہ میرا مطلب ہے کیا......"

"دوسرے معاملات کی فکر نہ کریں، فی الحال تو تین کمرے بک کریں۔"

"نام بتائیں جی......"

"میں امیر چند اور یہ فقیر چند!" میں نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔

"اور یہ......؟" سردار سنگھ نے بیتو کے بارے میں پوچھا۔

"یہ وزیر چند ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ہمارا سب سے چھوٹا بھائی۔"

"اچھا!" سردار سنگھ نے مشکوک نظروں سے بیتو کو دیکھا جو ذرا بھی ہمارا بھائی نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے ہمارے نام لکھے اور ولدیت میں راج چند لکھ دیا۔ "یہ رہیں چابیاں!"

"ہم نے رات کا کھانا نہیں کھایا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "کھانے میں خیال رکھنا۔ ماس کو ہم پاپ سمجھتے ہیں۔"

"نہ کھانا مہا پاپ سمجھتے ہیں۔" وسیم نے آہستہ سے کہا۔

"کیا کہا؟" سردار سنگھ نے پھر غور کیا۔

"کچھ نہیں۔" وسیم نے کہا۔

اوپر آ کر اس نے مجھ سے شکوہ کیا۔ "میں آپ کا دست راست ہوں۔ آپ مجھے وزیر چند بھی بنا سکتے تھے۔"

"بس فوری طور پر یہی نام آئے۔"

"سب قسمت کی بات ہے۔" بیتو نے دانت نکالے۔ "ہمارا صورت بھی وزیر جیسا ہے۔ اگر کما صاحب سردار ہوتا تو ہم وزیر ہوتا۔"

"فی الحال تم صرف برطرف وزیر ہو۔" وسیم نے بھنا کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بیتو نے حیرت سے میری طرف دیکھا کہ وسیم کو کیا ہو گیا ہے، میں نے اس کا شانہ تھپکا۔

"فکر مت کرو۔ ہم ایک دوسرے سے ایسے ہی لڑتے جھگڑتے ہیں اور کچھ دیر بعد پھر ایک ہو جاتے ہیں۔ چلو اپنے کمرے میں جاؤ۔"

مجھے سادھنا اور کمار کی فکر ہو رہی تھی۔ کمرے میں ٹی وی تھا اس لئے میں نے جاتے ہی پی ٹی وی لگایا اور نیوز

کے چینل دیکھنے لگا۔ بالآخر مجھے دلی پولیس کمشنر کی کزن اینٹا اور اس کے شوہر کی ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے اور قید کئے جانے کی خبر دکھائی دی۔ کیمرا اسی اسٹور روم کو دکھا رہا تھا جہاں ہم نے ان کو بند کیا تھا اور ایک رپورٹر اس طرح رپورٹ کر رہا تھا کہ ڈاکٹر اور اس کی بیوی اگر کچھ دیر اور آزاد نہ ہوتے تو نہ جانے ان پر کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ آنند ورما اور اینٹا کے انٹرویوز بھی تھے۔ جن میں آنند ورما نے اپنی رہائی کی جدوجہد فلمی انداز میں بیان کی تھی اور ہمیں بڑھا چڑھا کر خوف ناک قسم کا آتنک وادی یعنی دہشت گرد قرار دیا تھا۔ اس نے تفصیل سے پولیس کو ہمارے حلیوں اور عزائم سے آگاہ کیا تھا کہ ہم پوری طرح مسلح تھے اور دہشت گردی کی کوئی واردات کرنے کلکتہ جا رہے تھے۔ اس کے بعد دلی کے پولیس کمشنر کے کچھ تاثرات تھے۔ اس نے روایتی انداز میں کہا کہ ہمیں دہشت گردی کی کوئی کارروائی کرنے نہیں دی جائے گی اور ہمیں جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ روایتی بیان نہیں تھا، کم سے کم کلکتہ جانے والے راستوں پر ہماری لینڈ کروزر کو شدومد سے تلاش کیا جا رہا ہو گا۔ قابل اطمینان بات کسی خبر میں سادھنا یا کمار کا ذکر نہ ہونا تھا۔ اگر وہ پکڑے جاتے تو آنند ورما اور اینٹا کے حوالے سے ان کا نام لازماً ٹی وی پر آجاتا۔ ابھی میں خبر دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے ٹی وی بند کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ ”آجاؤ۔“

”ڈبل سردار یعنی سردار سنگھ اندر آیا۔ وہ کسی قدر بدحواس ہو رہا تھا۔ ”جی آپ کے آتے ہی مسئلہ ہو گیا ہے۔“

”کیا ہوا سردار جی!“

”نیچے پولیس آئی ہے۔“ اس نے انکشاف کیا۔ ”وہ سارے مسافروں کو چیک کرنا چاہ رہی ہے۔“

”تو کرا دو۔“ میں نے اپنی اضطراری حالت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”اوہ جی، کیسے کرادوں۔ آپ کے ساتھ بلاوجہ میں بھی مارا جاؤں گا۔“

”یہ تو ہے، تب کیا کریں؟“

”ابھی تو ان ماں کے......“ سردار جی نے روانی میں گالی دی۔ ”چائے بسکٹ میں لگا کر آیا ہوں۔“

”یار، اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے صاف انکار کردو۔“

”انکار کیسے کردوں، وہ رجسٹر دیکھ چکے ہیں۔“

”ہم کمرے لاک کر دیتے ہیں۔ تم کہہ دینا کہ ہم سیر و تفریح کے لئے باہر گئے ہیں۔“

”یہی کرنا پڑے گا۔“ سردار جی نے کہا اور پھر اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ ”واہ گرو کی۔ سردار سنگھ جب کوئی غلط کام کرتا ہے، موقع پر ہی پکڑا جاتا ہے۔“

”حوصلے سے کام لو اور ڈٹ کر پولیس والوں کا سامنا کرو۔ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو، ایک ہوٹل کے مالک ہو۔“

”اچھا جی!“ اس نے سوچ کر کہا۔ ”میں یہی کرتا ہوں ان حرام زادوں کی تو......“ سردار جی نے جاتے جاتے ایک اور گالی دی۔

خطرے کی گھڑی سر پر آگئی تھی۔ اگر پولیس والے اوپر آجاتے اور ہمارے سامان کی تلاشی لینے پر تل

جاتے تو پھر مسئلہ بن جاتا۔ ہمارے پاس خطرناک قسم کا اسلحہ تھا۔ میں نے وسیم کے کمرے کا رخ کیا اور جیتو کو بھی وہاں بلالیا۔ دونوں کو مختصر حالات سے آگاہ کیا۔ جیتو پریشان ہو گیا۔ "اب کیا کریں؟"

"تم کیا کہتے ہو؟"

"ایسی کی تیسی ان پولیس والوں کی۔" وسیم نے جواب دیا۔ "ہم نے کسی صورت پولیس کے ہاتھ نہیں آنا۔"

"گڈ، میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "اب پلان یوں ہے کہ پولیس آ گئی تو ہم یہاں سے نکل کر الگ ہو جائیں گے اور پھر سب نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر چار پر ملیں گے۔"

"الگ الگ کیوں جی؟" جیتو پریشان ہو گیا تھا۔

"تا کہ سب ایک ساتھ نہ پکڑے جائیں؟" میں نے کہا۔

وسیم نے جیتو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "ننھے بچے تم...... اپنے ننھے سے دماغ پر زیادہ زور مت ڈالو اس کام کے لئے ہم ہیں نا۔"

"میرے پاس بھی بدھی ہے۔" جیتو نے خفگی سے کہا۔

"تبھی تم بدھو نظر آتے ہو۔"

"بدھو آپ خود ہو گے۔" جیتو مزید خفا ہو گیا۔

"اوہ بھائیو، ابھی لڑنے کا وقت نہیں ہے۔ کسی وقت بھی پولیس آ جائے گی اس لئے تیار ہو جاؤ، ہمیں رقم آپس میں بانٹ لینی چاہئے۔"

میں نے بقیہ تقریباً دو لاکھ روپے مساوی حصوں میں تقسیم کرنا چاہے مگر وسیم اور جیتو نہیں مانے تھے اس لئے میں نے دس دس ہزار ان کے حوالے کئے۔ ابھی میں نے یہ کام کیا تھا کہ باہر گیلری سے شور سنائی دیا۔ "دروازہ کھولو۔" کسی نے گرج کر کہا۔

"اوئے تم لوگ میرا دھندا چوپٹ کر دو گے۔" سردار سنگھ نے فریاد کی۔ "میں پولیس کمشنر سے شکایت کر دوں گا۔"

"چپ کر پولیس کمشنر کی اولاد!" کسی نے ایک پٹاخا سا بجا کر کہا۔ امکان یہ تھا کہ پٹاخا سردار سنگھ کی گدی پر بجایا گیا تھا۔

"مارتے کیوں ہو؟" سردار سنگھ نے بلبلا کر کہا، وہ پولیس والوں کو روکنے میں ناکام رہا تھا۔

"میرا خیال ہے پولیس والے میرے کمرے کے سامنے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اس کمرے تک آتے آتے دیر لگے گی۔ اس سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"کیسے؟" وسیم نے کہا اور کھڑکی سے جھانکا۔ تین منزل سے نیچے اترنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یہ حصہ ایک گلی میں کھل رہا تھا۔ میں نے نیچے دیکھا اور اپنے موزے میں اڑسا وہ خنجر نکالا جو میں نے راج کے ہونے سے حاصل کیا تھا۔ میں نے بیڈ کی چادر اتاری۔

"اسے پکڑو، وسیم دروازہ اندر سے بند کر لو۔"

بیتو نے چادر پکڑی اور میں نے خنجر سے اس کی پٹیاں کاٹنا شروع کیں۔ وسیم نے اندر سے دروازہ بند کیا اور کٹنے والی پٹیوں کو جوڑ کر رسی بنانے لگا۔ اتفاق سے بیتو کا بیگ بھی اس کمرے میں تھا، اس نے اپنا اور وسیم نے اپنا بیگ شانوں پر لٹکایا۔ پہلے بیتو نیچے گیا کمرے میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس سے رسی باندھی جاتی اس لئے میں رسی تھامے رہا۔ وسیم نے نیچے جانے سے پہلے کہا۔ ''آپ کیسے آئیں گے؟''

''تم نیچے جاؤ، میں کچھ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا جیسے ہی وسیم کے قدم نیچے پہنچے وسیم کے کمرے کے تالے میں چابی گھومی مگر اندر سے کنڈی بھی لگی تھی۔

''اندر کوئی ہے۔'' باہر سے کسی نے کہا اور گرج دار آواز والے نے اسے دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ دروازے پر پے در پے ضربوں کے ساتھ سردار سنگھ کا واویلا سنائی دیا۔

''چپ کر سکھ کی اولاد!'' گرج دار آواز والے نے ایک پٹاخا اور بجایا۔ ''یہ جو مشین گن نکلی ہے، اس کا جواب تُو دے گا اگر وہ ہاتھ نہ آئے تو...... دروازے کی نہیں اپنی فکر کر۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کوئی چیز نہ پا کر لوہے کا بیڈ گھسیٹا اور اس کے پائے سے رسی باندھی۔ پے در پے ضربوں سے دروازہ لرزنے لگا تھا۔ میں نے نیچے کی طرف چھلانگ لگائی اور رسی سے اترنے کے بجائے اسے تھام کر پھسلتا ہوا نیچے گیا۔ اس روز مجھے ہائیکنگ کی مشق کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ میں آرام سے نیچے جاتا اور راستے میں مارا جاتا کیونکہ اِدھر میں نے زمین پر پاؤں رکھا اور اُدھر ایک پولیس والے نے اوپر سے جھانکا اور چلایا۔ ''وہ رہے...... بھاگ رہے ہیں۔''

میں نے جیسے ہی رسی چھوڑی وسیم نے لائٹر سے اسے آگ دکھائی اور ریشمی چادر دھڑا دھڑ جلنے لگی تھی، اوپر سے ایک پولیس والا جو رسی کے ذریعے نیچے آرہا تھا، آگ دیکھ کر بدحواسی میں اوپر جانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس چکنی رسی سے اوپر جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ میں، وسیم اور بیتو عقبی حصے کی طرف بھاگے۔ عقب سے پولیس والا چیخ مار کر زمین پر آگرا تھا۔

''اس طرف کہاں جا رہے ہیں؟'' وسیم نے پوچھا۔

''سامنے پولیس ہوگی۔'' میں نے کہا اور رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ ''جلدی سے اوپر چڑھ جاؤ۔''

وسیم نے قدم رکھا اور دیوار پر چڑھ گیا۔ ''اس طرف تو کوئی گھر ہے۔''

''کود جاؤ۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''بیتو جلدی کرو۔''

بیتو پہلے ہی میرے اوپر پاؤں رکھ کر چڑھ چکا تھا۔ میں سیدھا ہوا، دو قدم پیچھے سے بھاگ کر چھلانگ لگائی اور میرے ہاتھ دیوار کے سرے پر جم گئے۔ وسیم اور بیتو نے مشترکہ طور پر مجھے کھینچ لیا۔ یہ چھوٹا سا غریبانہ سا گھر تھا۔ ہم تینوں اندر کودے۔ ایک کمرا تھا اور اس کے ساتھ پتلی سی گلی تھی۔ سامنے والے حصے سے کوئی عورت چلانے لگی۔ ''کون حرام کا جنا ہے؟''

''مارے گئے۔ یہ الارم تو سارے محلے کو بتا دے گا گڑبڑ کہاں ہے؟'' وسیم بولا، ہم پتلی سی گلی سے گزر رہے تھے اور جب سامنے آئے تو چار دیواری والے غسل خانے سے خاتون محض تولیا باندھ کر برآمد ہو رہی تھی، میں ایک جست میں اس کے سر پر جا پہنچا اور خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔

"چپ کر......اب کے آواز نکلی تو گلا کاٹ دوں گا۔"

عورت نے صحیح سے تولیا باندھا بھی نہیں تھا مارے خوف کے وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے لاحول پڑھی اور جلدی سے تولیا اٹھا کر عورت کو دیا، اس نے لرزتے ہاتھوں سے اسے باندھ لیا۔

"اس طرف سے باہر جانے کا راستہ کس طرف ہے۔"

"اس......درواجے سے نکل جاؤ۔" عورت نے کہا۔

"اس علاقے سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟"

"سامنے سے نکل جا......دائیں طرف والی گلی میں مڑ جانا، آگے جا کر وہ بڑی سڑک ملے گی۔" عورت کو اب ذرا اطمینان تھا کہ ہم اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے نہیں آئے تھے۔ اسی لمحے اندر سے کوئی مرد نشے میں بولا۔

"کدھر ہے تُو، میں نے پورا سو روپیا دیا ہے، اِدھر آ۔"

اپنا پول کھل جانے پر عورت کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ وہ اچھی، جوان اور دلکش عورت تھی جو نہ جانے کس وجہ سے اس پیشے میں تھی۔ ہم تینوں دروازہ کھول کر خاموشی سے باہر نکل آئے۔

☆======☆======☆

یہ کچھ کچی بستی ایسی آبادی تھی۔ ٹین کی شیٹوں سے بنے مکانات اور ٹیڑھے میڑھے راستے۔ گلی میں ایک جوانی میں بوڑھی ہو جانے والی عورت بیڑی پی رہی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھ کر بلند آواز کہا۔ ''آج تو اس حرام جادی کا جیک پاٹ لگا ہے...... تین، تین!''

اس کے پاس سے گزرے تو چرس کی تیز بو آئی تھی۔ ہم تیز قدموں سے روانہ ہوئے تھے۔ وسیم نے کہا۔

''ہمیں حلیہ بدلنا ہوگا۔''

''کہاں، ادھر گلی میں؟'' بیتو نے پوچھا۔

''تم بدل لو۔ ہم ہیں ذرا شرم و حیا والے۔''

میں نے ایک دروازے سے نکلنے والے بوڑھے سے زبردستی بغل گیر ہو کر کہا۔ ''اور چاچا، لونڈا اندر ہے؟''

''کون لونڈا؟'' اس نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''اندر تو کوئی نہیں ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' میں نے بڑے میاں کی گردن پکڑ لی اور اسے اندر لے گیا۔ ''آواز نہ نکلے ورنہ گلا کاٹ دوں گا۔'' میں نے خنجر لہرایا تو وہ رضا کارانہ طور پر بے ہوش ہو گیا ورنہ میں نے ہاتھ پاؤں باندھنے کا سوچا تھا۔ ''لو بھئی، جگہ بھی مل گئی، اب جلدی سے کپڑے بدلو۔''

میں نے بیتو کے ساتھ مل کر منہ دوسری طرف کیا اور وسیم نے کپڑے بدلے۔ پھر بیتو نے، میں نے وسیم کا ٹراؤزر اور قمیص لی جو کسی قدر تنگ تھی۔ مگر کام چل رہا تھا، میرا بیگ تو مع یوزی کے ہوٹل میں رہ گیا تھا۔ بیتو نے مشورہ دیا۔ ''ہمیں کچھ دیر یہاں رکنا چاہئے اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دینے چاہئیں، ورنہ ممکن ہے ہوش میں آ کر وہ شور مچا دے۔''

ہم نے بیتو سے اتفاق کیا اور اتفاق رائے کے اس عمل میں بیتو اور وسیم کے درمیان ہلکی سی جھڑپ ہوئی تھی۔ یہ ایک کمرے کی کھولی تھی۔ ''کوئی آ گیا تو......؟''

''تو میں چاچا کا بھتیجا بن جاؤں گا۔'' بیتو بولا۔

اسی لمحے باہر سے دوڑنے اور چلانے کی آواز آئی۔ ''وہ ادھر سے گزرے ہیں۔'' گرج دار آواز والے نے کہا۔ ''ہر گھر کی تلاشی لو۔''

"جناب! وہ گھروں میں کیوں گھسیں گے۔" کسی اور پولیس والے نے اپنے افسر اعلیٰ سے اختلاف کیا۔

"وہ بھاگ گئے ہیں ہمیں ان کو پکڑنا چاہئے۔"

"تو پکڑو میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔"

"اگر اس نے تلاشی لے لی تو ہم پکڑے جائیں گے۔" میں نے دروازے کی جھری سے جھانکنے کے بعد سرگوشی کی۔

"ہمیں باہر دیکھنا چاہئے۔" بیتو بولا۔ "ورنہ پولیس شک کرے گی، اس وقت سب باہر جھانک رہے ہوں گے سوائے اس بڈھے کے۔"

"جیتے رہو برخوردار! میرا ساتھ ملتے ہی کتنی عقل مندانہ باتیں کرنے لگے ہو۔" وسیم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "باہر بھی تم دیکھو۔"

"مگر اس طرح مت جھانکنا کہ اہل محلہ تمہاری صورت دیکھ لیں۔"

بیتو نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ "پولیس ہے۔"

میں نے ذرا اوپر سے دیکھا۔ ایک موٹا سا سیاہ فام پولیس انسپکٹر کھڑا تھا۔ غالباً وہی گرج دار آواز والا تھا، وہ پستول لہرا لہرا کر اپنے ماتحتوں کو حکم دے رہا تھا کہ اُدھر دیکھو اور اِدھر دیکھو۔ گلیوں کی ناکا بندی کر دو۔ اب مجھے بھی تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ اگر پولیس نے گھیرا ڈال کر تلاشی لینے کا فیصلہ کر لیا تو ہم مارے جائیں گے۔ اس بھول بھلیوں جیسے علاقے کے راستوں سے بھی واقف نہ تھے۔ اس کھولی سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا۔

"اگر پولیس نے تلاشی لی تو ہمارے پاس نکلنے کا راستہ بھی نہیں ہے۔" وسیم نے گھبرا کر کہا۔ میں نے کوٹھری کی عقبی دیوار دیکھی۔ یہ کچی مٹی سے اٹھی تھی۔ میں نے خنجر سے اس پر ضرب لگائی تو خشک مٹی کا ایک ٹکڑا نیچے گرا تھا۔ میں نے مزید ضربیں لگائیں اور مٹی کا خاصا حصہ نیچے گرا۔ اس کے بعد کی دیوار ذرا نم تھی۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ آواز نہ نکلے ورنہ مشکل ہوتی۔ تقریباً دس منٹ بعد دیوار میں سوراخ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی بدبو کا ایک بھبکا آیا تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو دوسری طرف ایک لیٹرین پایا تھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ "اس طرف تو لیٹرین ہے۔"

بیتو دروازہ بند کر کے آیا۔ "پولیس نے گلی کے سب مکینوں کو باہر آنے اور گھروں کی تلاشی لینے کا حکم دیا ہے۔"

"ہمیں اس طرف سے نکلنا ہوگا۔" میں نے بیتو کو بتایا۔ اس نے دوسری طرف جھانکا۔

"اتنی بدبو!"

"یہ لیٹرین ہے۔" وسیم بولا۔ "اب باقی سوراخ تم کرو گے۔"

بیتو بادلِ ناخواستہ خنجر سنبھال کر دیوار کا سوراخ بڑا کرنے لگا۔ باہر لوگوں کے شور کے اندازہ ہو رہا تھا کہ پولیس ان کو زبردستی گھروں سے نکال رہی تھی۔ کسی نے کھولی کا دروازہ توڑنے کی نیت سے بجایا۔ "باہر آؤ۔"

"کون ہے جی!" میں نے بوڑھے کی طرح لرزتی آواز نکالی۔

"پولیس...... باہر آ۔"

"آپا جی...... کپڑے پہن لوں۔"

بیتو کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ فٹ بھر کا سوراخ ہو گیا تھا۔ میں بلاوجہ سامان اِدھر اُدھر کرنے لگا تا کہ آواز باہر نہ جائے۔ ایک ٹین کی پیٹی تھی۔ میں نے اسے گھسیٹ کر سوراخ کے سامنے کیا۔ سوراخ جیسے ہی اتنا ہوا کہ بیتو باہر جا سکے تو وہ گزر گیا۔ اس نے دوسری طرف سے جا کر کھدائی شروع کر دی۔ پھر وسیم کسی نہ کسی طرح گیا۔ ان کے بیگ دے کر میں بھی سوراخ سے گزرا اور جست کی پیٹی کھینچ کر کسی نہ کسی طرح سوراخ کے سامنے کر لی تھی۔ اب ہم باتھ روم میں اس طرح کھڑے تھے کہ سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ ایک وجہ تو بدبو تھی اور دوسری وجہ جگہ کی تنگی تھی۔

"جناب! کب تک یہاں رکنا ہے؟" بیتو نے سرگوشی میں پوچھا۔

میں لیٹرین کے باہر کس سن گن لے رہا تھا فی الحال خاموشی تھی۔ "نکلو...... مگر بے آواز۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" وسیم نے بے بسی سے کہا۔ "باہر سے دروازہ بند ہے۔"

"مارے گئے۔" میں کراہا۔ "پولیس نے نہ بھی مارا تو اس بدبو سے میرا انتقال ہو جائے گا۔"

"تینوں مل کر زور لگاتے ہیں، کمزور سا دروازہ ہے۔" بیتو نے تجویز دی۔

ہم سب نے مل کر زور لگایا مگر دروازہ اتنا کمزور بھی نہیں تھا۔ اس نے ہلنے سے انکار کر دیا اور ہم زوردار حملہ کرتے تو آواز بھی زوردار ہوتی جو سب سے پہلے پولیس والوں کو متوجہ کرتی۔ میں نے غور کیا اور بیتو سے خنجر مانگا۔ جس طرف کنڈی لگی تھی، اس طرف چوکھٹ کی لکڑی مسلسل پانی گرنے سے پھول گئی تھی۔ میں نے خاصے مشکل زاویے سے اس پر خنجر کی نوک سے وار شروع کئے۔ لکڑی کی کھپچیاں نکلنے لگیں۔ پے در پے وار کر کے میں نے کنڈی والے حصے تک رسائی حاصل کر لی۔ ویسے بھی چوکھٹ تین انچ چوڑی تھی۔ ایک بار کنڈی والا حصہ کمزور ہوا تو ہمارے زور لگاتے ہی نکل گیا تھا۔ کھلی فضا میں آ کر سب نے سکون کا طویل ترین سانس لیا۔ اب عقبی طرف سے شور سنائی دے رہا تھا۔

"ابے بڈھے نے کہا تھا کپڑے بدل رہا ہے۔" دروازہ بجانے والے سپاہی نے شور کیا۔

"دروازہ توڑ دو۔" انسپکٹر نے اپنی گرج دار آواز میں کہا۔

یہ مکان خالی اور ویران لگ رہا تھا۔ سامان برائے نام تھا اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔ "شاید یہاں کوئی نہیں رہتا۔" بیتو نے دائیں بائیں دیکھا۔

"تو کیا تمہارا آباد ہونے کا ارادہ ہے؟" وسیم نے اسے گھورا۔ "اب نکلنے کی کرو۔"

"بیگ خطرناک ہوں گے۔" میں نے صحن کے عین اوپر چمکنے والے چودھویں کے چاند کی روشنی کی طرف دیکھا۔ "ایسا کرو کہ گرم چادر اوڑھ کر اور ان میں بیگ چھپا کر نکلتے ہیں۔"

"اب ہمارا الگ ہونا ضروری ہو گیا ہے۔" وسیم نے تجویز دی۔ "یہاں سے الگ الگ نکل کر نئی دِتی ریلوے اسٹیشن پر جمع ہوتے ہیں۔"

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ بیتو اور وسیم اپنی گرم چادریں اوڑھ کر دائیں بائیں سے رخصت ہو گئے اس وقت بڈھے کی کھولی کا دروازہ توڑ کر اس سے پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی پھر کسی نے زور سے کہا۔

"اوئے بڈھا تو مر گیا ہے۔"

مجھے افسوس ہوا، غالباً خوف کی وجہ سے اس کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ میں نے بھی باہر نکل کر دائیں طرف چلنا شروع کر دیا۔ ابھی ان گلیوں تک پولیس نہیں آئی تھی اور خوش قسمتی سے یہ گلی بہت دور تھی، اس لئے یہاں تک پولیس دیر سے آتی۔ وہ ہمیں سامنے تلاش کر رہی تھی۔ بارہ بجے کے وقت ان گلیوں میں سناٹا تھا۔ یہاں بجلی تھی مگر لوگوں نے غیر ضروری روشنی سے گریز کیا ہوا تھا۔ مگر پورے چاند کی وجہ سے تاریکی نہیں تھی۔ جیسے جیسے میں اس علاقے سے دور ہوتا جا رہا تھا، مجھے اطمینان ہو رہا تھا۔ بالآخر میں ایک بڑی سڑک کے کنارے جا پہنچا۔ مجھے اس کا نام بھی پتا نہیں تھا۔ سامنے سے آتے آٹو رکشا کو روک کر میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پہلے کسی رات کے وقت کھلے رہنے والے بڑے شاپنگ اسٹور کی طرف چلو۔"

"اور اس کے بعد صاحب؟" اس نے رکشا آگے بڑھایا۔

"نئی دلی اسٹیشن جانا ہے۔"

"اتنی رات کو کہاں جاؤ گے صاحب!" باتونی رکشا والے نے سوالات شروع کر دیئے۔

"چلا جاؤں گا تمہیں کیا فکر ہے؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"فکر ہے نا صاحب! اِدھر رات کو مسلمان مل جائے تو پولیس اس سے بہت سوال کرتی ہے اور ذرا سا شک ہونے پر ساتھ لے جاتی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں مسلمان ہوں؟"

وہ ہنسنے لگا۔ "لو جی مسلمان تو لہجے سے پہچانا جاتا ہے۔ آپ تو مجھے پاکستانی لگتے ہو۔"

"نہیں۔" میں یک دم محتاط ہو گیا۔ "میں لکھنؤ میں رہا ہوں، پاکستانی نہیں ہوں۔"

"میں مسلمان ہوں صاحب، مجھ سے مت چھپاؤ، اگر کوئی مسئلہ ہے تو؟" اس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "رکشا چلاؤ، باتیں مت کرو۔"

وہ چپ ہو گیا۔ بیس منٹ کے بعد اس نے رکشا ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے روکا۔ یہ کناٹ پیلس کا علاقہ تھا۔ رکشے والے نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا کہ پاکستانی یہاں اپنے لہجے سے پہچانے جاتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب عوامی جگہوں پر انگریزی سے کام چلاؤں گا۔ اندر میں نے ملبوسات والے حصے کا رخ کیا اور وہاں دو عدد سوٹ خریدے، اس کے بعد ایک کرتہ پاجامہ اور ایک عدد چادر لی۔ سوٹ کے ساتھ میچنگ کی ٹائی اور جوتے موزے بھی لئے۔ ایک سلیپر اور ایک عام چپل لی۔ اس کے علاوہ پرس اور گھڑی لی۔ چیزیں رکھنے کے لئے ایک عدد سوٹ کیس لیا۔ اب میں ہر طرح سے مسافر لگ رہا تھا۔ بھوک سے میرا برا حال تھا اس لئے اسٹور کے کیفے ٹیریا سے برگر اور کافی لی۔ یہ سارا کام میں نے مشکل سے آدھے گھنٹے میں کیا اور واپس رکشے والے کے پاس آیا۔ وہ اونگھ رہا تھا۔ میں سوٹ میں اور سوٹ کیس سمیت سوار ہوا تو اس نے چونک کر کہا۔

"صاحب رکشا انگیج ہے۔"

"میں وہی ہوں یار، اب چلو۔"

وہ شرمندہ ہوا۔ "معاف کرنا صاحب، میں اونگھ گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ بس رکشا چلاتے ہوئے مت سو جانا۔"

ریلوے اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اسٹیشن پر اتر کر میں نے اسے کرایہ اور ٹپ دی تو وہ خوش ہو گیا تھا۔ میں نے ایک قلی سے پلیٹ فارم نمبر چار کا پوچھا۔

"ادھر کیا کرے گا صاحب! کلکتہ جانے والا گاڑی تو صبح پانچ بجے آئے گا۔"

"میں جلدی آ گیا ہوں۔"

"صاحب ادھر فرسٹ کلاس کا ویٹنگ روم ہے نا۔"

"نہیں، وہاں کچھ جاننے والے ملیں گے۔" میں نے کہا۔

"اس راستے سے چلے جاؤ۔ اوپر برج سے نمبر دیکھتے رہنا۔"

میں برج پر گیا۔ وہاں سے پلیٹ فارم نمبر چار تک رسائی آسان ثابت ہوئی۔ اس وقت پلیٹ فارم واقعی سنسان تھا۔ وہاں سوائے چند سوتے قلیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ مجھے وسیم اور بیتو بھی دکھائی نہیں دیئے تھے۔ وہ شاید آئے نہیں تھے یا کسی کونے کھدرے میں دبکے تھے۔ میں ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا، وہاں پولیس یا ریلوے پولیس کا کوئی اہلکار نہیں تھا۔ دس منٹ بعد مجھے ایک طرف سے وسیم آتا دکھائی دیا۔ وہ اکیلا اور محتاط تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اسے شک تھا کہ آس پاس پولیس یا کوئی اور نہ ہو جو ہماری تاک میں ہو۔ جب اسے اطمینان ہو گیا تو وہ میری طرف آیا۔

"آپ کے بارے میں مجھے امید تھی، آپ سب سے پہلے آئیں گے، میں ابھی پہنچا ہوں۔"

"بیتو کے بارے میں کوئی خبر؟"

"میں نے اسے آخری بار وہاں سے روانہ ہوتے دیکھا تھا۔" وسیم بھی میرے برابر میں بیٹھ گیا۔ "آپ نے یہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا سوچا۔ اب تو پولیس باقاعدہ ہمارے پیچھے لگ چکی ہے۔"

"ایک قلی بادشاہ نے اطلاع دی ہے، اس پلیٹ فارم سے کلکتہ ایکسپریس روانہ ہو گی صبح پانچ بجے۔ میرا خیال ہے ہم اس میں نشستیں بک کرا لیتے ہیں۔"

"بیتو ابھی نہیں آیا ہے۔"

"اس کی بھی بک کرا لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ممکن ہے وہ کچھ دیر میں آ جائے۔"

میں اور وسیم مین پلیٹ فارم پر آئے جہاں بکنگ آفس تھا۔ وہاں بکنگ چوبیس گھنٹے ہوتی ہے۔ شکر ہے بکنگ کلرک نے صرف ناموں پر ٹکٹ بنا دیئے۔ بیتو کا نام میں نے ارجن کمار بتایا تھا۔ اپنا سریش کمار اور وسیم کا کبیر داس۔ وسیم اس دوران میں پھر چار نمبر پلیٹ فارم پر چلا گیا تاکہ وہاں بیتو آ جائے تو اسے ساتھ لے آئے۔ میں نے فرسٹ کلاس اے سی پارلر کا ٹکٹ لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک اسٹال سے چائے کے لئے کہا اور خود چار نمبر اسٹال پر آ گیا، وسیم اکیلا بیٹھا تھا۔

"بیتو کا کچھ پتا نہیں ہے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"ممکن ہے وہ آ رہا ہو، وہ اس جگہ سے اور شہری طور طریقوں سے ناواقف ہے۔" میں نے کہا۔ "ممکن ہے اسے دشواری ہو رہی ہو۔ ویسے وہ ہوشیار آدمی ہے، مجھے امید ہے وہ نکل آئے گا۔"

"فرض کریں، وہ پکڑا گیا......؟"

"تب بھی ہم اس کی مدد نہیں کر سکتے۔ اسے اپنی مدد آپ کرنا ہوگی۔ ہم صرف اپنی جان بچا سکتے ہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "تم نے بھی یہی کرنا ہے۔ اگر میں پکڑا جاؤں، کسی ایک کو چھڑانے کے لئے کسی کو پکڑے جانے کا رسک نہیں لینا ہے۔"

ہم انتظار کرتے رہے۔ دو بجے اور پھر تین بج گئے مگر بیتو کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے بھوک نہیں تھی اس لئے میں نے صرف چائے لی۔ پیسٹری وسیم نے کھائی۔ "میں تو بھول گیا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔" اس نے پیسٹری کا ایک ٹکڑا کھاتے ہوئے کہا۔ "انڈیا میں ریل سسٹم اچھا ہے۔ کاش ہمارے ہاں بھی عوام کو اتنی سہولتیں دی جاتیں۔"

"ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ چار بجے پلیٹ فارم پر ذرا چہل پہل ہونے لگی۔ ٹرین میں جانے کے لئے اِکا دُکا افراد آنے لگے تھے۔ یہ ٹرین امرتسر سے آرہی تھی۔ ساڑھے چار بجے مسافروں کی خاصی تعداد جمع ہوگئی تھی۔ روانگی سے بیس منٹ پہلے ٹرین پلیٹ پر لگی۔ بیتو نہیں آیا تھا، میں نے مایوسی سے کہا۔

"لگ رہا ہے، وہ کسی مشکل میں پڑ گیا ہے۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "اتنی دیر میں تو آدمی پیدل بھی آجائے۔"

میرے اندر کش مکش بڑھنے لگی تھی۔ کچھ ہی عرصے میں مجھے بیتو سے ایسی انسیت ہوگئی تھی جیسی وسیم یا سفیر سے تھی۔ اگر وہ کسی مصیبت میں پڑ گیا تھا تو میرا دل اسے چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں تھا۔ جب ٹرین کی روانگی میں دس منٹ رہ گئے تو میں نے وسیم سے کہا۔ "یار، میں رک رہا ہوں، تم نکل جاؤ۔"

"اگر آپ رک رہے ہیں تو میں بھی......"

"نہیں، یہ میرا حکم ہے۔ میں بیتو کو تلاش کروں گا، ہم اگلی ٹرین سے آجائیں گے۔"

"مگر......" اس نے کہنا چاہا۔

"اگر مگر چھوڑو......تم وہاں جا کر روز صبح دس بجے دھرم تلہ میں ہمیں دیکھنا۔"

وسیم تذبذب میں تھا۔ "لیکن......؟"

"آؤ۔" میں نے اپنا سوٹ کیس اور اس کا بیگ اٹھا لیا۔ "وہاں کسی ایسے ہوٹل میں قیام کرنا جو زیادہ نمایاں نہ ہو۔"

ہمارا اے سی پارلر کا ڈبا انجن سے تیسرے نمبر پر تھا۔ وسیم کے نہ چاہنے کے باوجود میں نے اسے زبردستی ڈبے میں سوار کرا دیا۔ اس کا ٹکٹ اس کے حوالے کیا۔ اس نے بے حد فکرمندی سے کہا۔ "میرا دل نہیں مان رہا۔"

"دل کو چھوڑو میری سنو، وہاں جا کر تم پیچھے فون کر کے راجا صاحب کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنا اور وہ یہاں ہوں تو ان سے رابطہ کرنا۔"

"اگر وہ مل جائیں تو؟"

"اس کے بعد ہمارا انتظار کرنا۔"

وسیم نے سمجھ لیا تھا کہ میں نہیں مانوں گا، اس نے سر ہلایا۔ "اگر راجا صاحب مل گئے اور میرے کاغذات بنوا دیئے تو میں آپ کی تلاش میں پھر آؤں گا۔"

"نہیں۔ وہیں انتظار کرنا، ممکن ہے دیر......"

"بیتو!" وسیم کا منہ کھل گیا۔

"اس کی وجہ سے میں رک رہا ہوں، اسے لے کر آؤں گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں...... جناب بیتو!" وسیم کی آنکھیں میرے عقب میں مرکوز تھیں۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بیتو نے سیاہ رنگ کی چادر اوڑھی تھی جو زنانہ تھی کیونکہ اس کے کنارے کڑھائی والے تھے۔ بیتو دہشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور اس کا بیگ بھی غائب تھا۔ میں نے اسے اشارہ کیا جو اس نے نہیں دیکھا، مجبوراً مجھے ذرا نمایاں ہونا پڑا اور اس بار بیتو نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ لپک کر میرے پاس آیا۔ "آپ یہاں...... جلدی سے نکل چلئے۔ پولیس میرے پیچھے ہے، میں زخمی ہوں۔"

"پولیس!" میں نے تشویش سے کہا اور اسے ڈبے میں کھینچ لیا۔ "ہم نے تو ٹرین کے ٹکٹ لے لئے ہیں۔"

"ٹرین چلنے والی ہے۔" وسیم نے وسل سن کر کہا۔

"اِدھر مت رکیں، یہاں سے چلیں ورنہ سب پکڑے جائیں گے۔" اس نے کہا۔

"فکر مت کرو۔" میں نے اسے شانے سے پکڑا۔ "فی الحال ٹرین محفوظ ہے۔"

ہم اندر اپنی نشستوں کی طرف آئے۔ اتفاق سے یہ نشستیں عقب میں باتھ روم کے پاس تھیں۔ میں نے بیتو کو کونے والی نشست کی طرف دھکیلا۔ اس نے خود کو چادر میں چھپا رکھا تھا۔ میں نے چادر ہٹائی تو اس کا بازو خون سے تربتر تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "لوہے کا پائپ لگا ہے۔ میں پولیس سے بچنے کے لئے بھاگ رہا تھا۔"

میں نے اس کی چادر کا ایک حصہ پھاڑ کر اس کے بازو سے باندھ دیا۔ "ہوا کیا تھا؟"

"ایک پولیس والا گلی سے میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ جب میں ایک رکشے والے سے ریل اسٹیشن کی طرف چلنے کو کہہ رہا تھا تو اس نے مجھے رکنے کو کہا۔"

"اور تم بھاگ کھڑے ہوئے؟" وسیم بولا۔

"اور کیا کرتا۔" بیتو نے شرمندگی سے کہا۔

"احمق آدمی! پولیس والا رشوت کے چکر میں تمہارے پیچھے تھا۔ اسے کچھ رقم دے کر جان چھڑا لیتے۔"

"مجھے ان باتوں کا کیا پتا؟"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے کہا اور بیتو کی طرف دیکھا۔ "تم نے پھر کیا، کیا؟"

"میں بھاگا تو وہ بھی میرے پیچھے تھا۔ میں گلیوں میں بھاگتا رہا۔ دوڑنے میں وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب وہ پیچھے رہ گیا تو میں نے پھر کسی گاڑی کی تلاش شروع کر دی۔ وہ عجیب سی جگہ تھی۔ سیاہ اینٹوں سے بنی

ہوئی گلیاں تھیں۔ میں ان میں بھٹکتا پھر رہا تھا، ان میں نہ تو کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی، بس گلیاں تھیں۔ میں ایک چھوٹے سے صحن میں نکلا۔ اس میں ایک دروازہ تھا، میں نے جا کر اندر دیکھا۔''

بیتو بات کرتے کرتے رک گیا۔ اس کا سانولا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وسیم نے غور سے اسے دیکھا۔'' کیا بات ہے برخوردار، اتنے لال نیلے کیوں ہو رہے ہو؟''

''جناب! وہاں لڑکیاں تھیں۔'' اس نے بمشکل کہا۔'' وہ سب ننگی اور نشے میں تھیں۔ وہ ایسی حرکتیں کر رہی تھیں کہ......'' بیتو کہتے کہتے رکا۔'' میں وہاں سے بھاگ گیا تھا۔''

وسیم نے اسے ملامت سے کہا۔'' بزدل...... لڑکیاں تمہیں کھا جاتیں؟''

''مجھے ویسے ہی لڑکیوں سے ڈر لگتا ہے، انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور چڑیلوں کی طرح شور مچاتی میرے پیچھے بھاگی تھیں۔''

''تم وہاں سے کیسے نکلے؟'' میں نے پوچھا۔

مگر اسی لمحے ٹرین کو جھٹکا لگا اور اس نے رینگنا شروع کر دیا۔ اے سی پارلر میں نصف کے قریب نشستیں خالی تھیں۔ ممکن ہے ان پر آگے سے کہیں بکنگ ہو۔ یہ تیز رفتار ٹرین تھی۔ مجھے بیتو کے زخم کی فکر ہو رہی تھی۔ میں اسے لے کر واش روم کی طرف آیا۔ وہاں ٹشو پیپر کا رول تھا اس سے اس کا زخم صاف کیا، یہ چار انچ لمبا اور کوئی نصف انچ گہرا زخم تھا۔ خون ابھی تک رس رہا تھا۔ میں نے بمشکل اس کی قمیص اتاری۔ خاصی کوشش کے بعد خون رکا تو اس کے بازو پر چادر سے پھاڑ کر نئی پٹی باندھی۔ جب ہم واپس آئے تو کئی مسافروں نے چونک کر دیکھا، ایک سوبر سے عمر رسیدہ شخص نے پوچھا۔

''اسے کیا ہوا؟''

''اسٹیشن آتے ہوئے حادثہ ہوا، بازو پر چوٹ لگی ہے۔''

''اوہ...... میں ڈاکٹر ہوں۔ اسے دیکھ سکتا ہوں۔''

میں خوش ہو گیا۔'' کیوں نہیں سر!''

بوڑھے ڈاکٹر کا بیگ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بیتو کو اپنی برابر والی نشست پر بلا لیا۔ جب تک وہ اس کو دیکھتا رہا، میں نے بیتو کی خون آلود شرٹ دھو دی۔ یہ گہرے رنگوں والی تھی اس لئے معمولی سے داغ رہ گئے تو پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ میں واپس آیا تو ڈاکٹر نے زخم صاف کر کے اس پر ٹانکے لگا دیئے تھے پھر اس پر زخم خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر چکنی پٹی کر دی۔ آخر میں اس نے بیتو کو دو عدد انجکشن لگائے۔ ایک اے ٹی ایس کا اور دوسرا کوئی اینٹی بایوٹک تھا۔ پین کلر گولیوں کی صورت میں دیں۔

''اب یہ چوبیس گھنٹے تک ٹھیک رہے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔'' میں مغل سرائے میں اتر جاؤں گا۔ اس کے بعد کسی اور ڈاکٹر کو دکھا لینا۔''

میں نے اسے فیس کے طور پر پانچ سو روپے دیئے جو اس نے خوش ہو کر لے لئے۔'' شکریہ نوجوان، اس کی ضرورت نہیں تھی مگر بہت عرصے بعد اپنے کام سے کمائی ہوئی ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد زیادہ تر فری میں پریکٹس کرتا ہوں، فیس کوئی نہیں دیتا ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ پچاس سے زیادہ کا نہیں لگ رہا تھا۔ "آپ نے قبل از
ریٹائرمنٹ لے لی؟"

"نہیں، میں تو باسٹھ سال پورے کر کے ریٹائر ہوا تھا۔ اب تو ریٹائرمنٹ کو بھی چار سال ہو چکے ہیں"

"آپ کہیں سے بھی چھیاسٹھ برس کے نہیں لگ رہے ہیں۔"

"بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کے طور پر میں نے سب سے پہلے اپنی صحت کا خیال رکھا۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناتے مجھے معلوم ہے، صحت کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔ مناسب کھانا، باقاعدگی سے ہلکی پھلکی ایکسرسائز اور پوری مقدار میں منرل اور وٹامنز۔ میں یہ سب لیتا رہا ہوں اور اس عمر میں پوری طرح فٹ ہوں۔"

"آپ کا کلینک نہیں ہے؟"

"میں نے کبھی کلینک نہیں کیا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے میڈیکل کی ساری تعلیم سرکاری طور پر حاصل کی تھی اور ساری عمر سرکاری اسپتالوں میں جاب کی۔ میرا ضمیر مجھے کلینک کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ہاں آف ڈیوٹی کوئی بلا لیتا یا گھر آ جاتا تو اس سے فیس لیتا تھا۔"

میں نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا کیونکہ برصغیر اور خاص طور سے پاکستان میں طب کے پیشے کو سونے کی کان سمجھا جاتا ہے۔ یہ ہندو تھا، ڈاکٹر امیش کورگ۔ دوسرا ڈاکٹر جس سے میرا واسطہ پڑا تھا۔ وہ باتونی تھا میں اس کے پاس آ بیٹھا تھا تاکہ بیتو آرام سے پھیل کر بیٹھ جائے۔ دوائیوں اور ڈریسنگ کے بعد ڈاکٹر نے بیتو کو گلوکوز بھی دیا تھا جسے اس نے ایسے ہی کھا لیا۔ امیش کورگ بنارس میں ایک تین کمروں کے سادہ سے مکان میں اپنی بیوی کے ہمراہ رہتا تھا اور وقت گزاری کے لئے ایک خیراتی اسپتال میں صبح شام تین تین گھنٹے کے لئے بیٹھتا تھا۔ دو بیٹے تھے۔ ایک دلی میں اپنا کاروبار کر رہا تھا دوسرا ڈاکٹر تھا اور جمشید پور میں پریکٹس کرتا تھا، ایک لڑکی تھی جس کی شادی ناگ پور میں کی تھی۔ ڈاکٹر امیش بیٹے کے پاس سے ہو کر واپس جا رہا تھا۔ "بیٹے سے زیادہ پوتے پوتی یاد آتے ہیں، آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"کلکتہ!" میں نے جواب دیا۔ "مقصد سیر و سیاحت ہے۔"

ٹرین چلنے کے بعد میرا پولیس کا دھڑکا کم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ٹکٹ چیکر آ گیا تھا۔ اس نے ہمارے ٹکٹ چیک کئے۔ فرسٹ کلاس کے افراد کے لئے چائے کافی کی سہولت تھی۔ میں نے آرڈر دیا تو دس منٹ بعد ہم سب کے لئے کافی آ گئی تھی۔ میں کافی پی کر جاگتا رہا۔ بیتو اور وسیم سو گئے تھے۔ صبح آٹھ بجے ناشتے کی ٹرالی آئی۔ میں نے اپنے لئے چند بٹر سینڈوچز لئے اور چائے لینے کے بعد دس بجے وسیم کو جگا کر میں خود سو گیا۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ دیر جاگنے کی وجہ سے تھکن اور نیند سے برا حال تھا۔ میں سویا تو پھر شام سات بجے ہی آنکھ کھلی۔ مجھے یہ خبر بھی نہیں ہوئی کہ ٹرین نے کہاں کہاں اسٹاپ کیا کیونکہ اب بیشتر نشستیں پُر ہو چکی تھیں۔ وسیم اور بیتو جاگ رہے تھے اور آپس میں دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ میں اٹھ کر پیچھے آیا۔

"اٹھ گئے آپ...... آج تو سب مویشی بیچ کر سوئے۔" وسیم ہنسا۔

"نہیں دورہ گئے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"غالباً آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟"

''یہ بتاؤ کھانے میں کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''بھوک سے فوت ہونے والا ہوں۔''

''آٹھ بجے ڈنر آئے گا۔'' وسیم نے بتایا۔

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے۔'' وسیم نے بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے وہ نشے میں دھت لڑکیاں یاد آ رہی ہیں۔''

''یہ جھوٹ ہے جی!'' بیتو نے احتجاج کیا۔ ''میں نے تو ایسے ہی ذکر کر دیا تھا۔''

''جھوٹ تم بول رہے ہو۔ بہانے بہانے سے ان لڑکیوں کا تذکرہ نکال لیتے ہو۔'' وسیم نے شرارت سے کہا۔

میں ان کو لڑتا چھوڑ کر واش روم کی طرف آیا۔ لیڈیز اور جینٹس واش روم آمنے سامنے تھے۔ اتفاق سے اس وقت لیڈیز واش روم سے ایک عورت نکلی اور میں کوشش کے باوجود اس سے تصادم سے بچ نہیں سکا تھا۔ ایک گداز اور ریشمی لمس تھا جو مجھے چھو گیا۔ عورت بلکہ اسے لڑکی کہنا درست ہوگا۔ اس نے سرخ رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ سیاہ رنگ کے بلاؤز میں اس کی سنہری جلد کچھ زیادہ ہی دمک رہی تھی۔ نازک سے نقوش، سیاہ بالوں کی چوٹی اور بے حد متناسب جسامت۔ جیسے اس کا سراپا خاص سانچے میں ڈھالا گیا ہو۔ بلاؤز کی کشادگی کو پلو سے اتنی مہارت سے ڈھانپا گیا تھا کہ نظر شاد کام ہونے کے باوجود تشنہ سی رہ جاتی۔ میں ایک لمحے کے لئے مبہوت رہ گیا تھا۔ پھر وہ مسکرائی۔ ''ایکسکیوز می!''

''سوری!'' میں نے گڑبڑا کر کہا اور ایک طرف ہو گیا۔

''نو پرابلم!'' اس نے پھر مسکرا کر کہا اور بادِ صبا کے معطر جھونکے کی طرح میرے پاس سے گزر گئی۔ عقب سے اس کا بلاؤز ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے کی عملی تفسیر پیش کر رہا تھا اور کمر کی نازکی اور مست خرامی پوری طرح عیاں تھی۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر لاحول پڑھ کر واش روم میں داخل ہو گیا۔ اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر اور تازہ دم ہو کر واپس آیا تو وسیم معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''چوٹ تو نہیں لگی۔ تصادم بہت اچانک ہوا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''تم نے دیکھ لیا تھا؟'' میں جھینپ گیا۔

''نہیں، دیکھا تو نہیں تھا۔ بس ایسے ہی ایک لمحے کے لئے نظر ادھر چلی گئی تھی۔'' وسیم نے شرارت سے کہا۔ میں نے محسوس کیا، وہ اب اپنے اصل رنگ میں آ رہا تھا۔ کچھ عرصے پہلے تک وہ ایک مسلح گروہ کا باس تھا اور اس حیثیت سے ہنسی مذاق اسے زیب نہیں دیتا تھا اس لئے وہ سنجیدہ رہتا تھا مگر اب یہ معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کی فطری شوخی عود آئی تھی۔ ''واللہ، کیا خاتون ہیں۔ پاس سے گزریں تو روح تک مہک گئی تھی۔''

''بہت بدمعاش ہو گئے ہو تم!'' میں اپنی نشست پر آ گیا۔

''یہی تو میں کہتا ہوں۔'' بیتو نے شکایت کی۔ ''کہاں آپ اور کہاں یہ...... انہوں نے مجھے تنگ کر دیا ہے۔''

''ابھی کہاں بیٹے، ابھی تو میں نے ہاتھ ہلکا رکھا ہے۔''

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے تم نے اب تک ہاتھ ہلکا رکھا تھا۔'' میں ہنسا۔''بیتو، تمہاری کیا حالت ہے؟''

''بہت اچھی جی، ڈاکٹر صاحب نے تو جادو کر دیا۔ لگ ہی نہیں رہا میرے بازو پر چوٹ لگی ہے۔''

''ابھی احتیاط کرنی ہے، کم سے کم دو دن۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔''تم نے دوا لی ہے؟''

''جی، ہر چھ گھنٹے بعد لے رہا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

آٹھ بجے ڈنر کی ٹرالیاں آنا شروع ہوئی تھیں۔ میں نے دال چاول اور بھاجی پوری لی تھی۔ گوشت کی ڈشوں کے بارے میں خدشہ تھا، نہ جانے گوشت ذبح کا ہے یا جھٹکے کا۔ کھانا کھا کر میں نے ذرا چہل قدمی کی اور اس دوران میں سرخ ساڑی والی کو دیکھا۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھی عینک لگائے اپنے نوٹ بک کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک سیکرٹری نما شخص مؤدب بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی بلاشبہ مقناطیسی حسن کی مالک تھی اور اپنے حلیے اور انداز سے بہت پوش لگ رہی تھی۔ مجھے تعجب ہوا اس نے سفر کے لئے ٹرین کا انتخاب کیوں کیا تھا، اسے تو بائی ائر سفر کرنا چاہئے تھا نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ چاہتی تو اپنا طیارہ چارٹرڈ کر کے بھی کہیں آ جا سکتی تھی۔

میرے ذہن میں تھا کہ بائی ائر جایا جائے مگر اس میں خطرات زیادہ تھے۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا اور کوئی شناختی کاغذ نہیں تھا۔ میں اور وسیم پاکستانی تھے جو بھارت کی سرزمین پر کسی سنگین جرم سے کم نہیں ہے۔ سادھنا اور کمار بہرحال بھارتی باشندے تھے اور پکڑے جانے پر کوئی ان کی بھارتی شناخت کو جھٹلا نہیں سکتا تھا ورنہ دلّی سے کلکتہ تک کی پرواز محض تین گھنٹے کی ہے اور اس ٹرین میں ہمیں دو دن لگ جاتے۔ ٹکٹ چیکر نے بتایا تھا کہ ٹرین کل دوپہر میں کلکتہ پہنچے گی۔

فرسٹ کلاس ہونے کی وجہ سے غیر متعلقہ افراد اور پولیس والوں کا ادھر سے گزر نہیں تھا۔ رات تک اے سی پارلر پوری طرح بھر گیا تھا۔ اِکا دُکا نشستیں ہی خالی نظر آ رہی تھیں۔ میں جی بھر کر سو لیا تھا اس لئے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بارہ بجے تک وسیم اور بیتو بھی سو گئے تھے۔ ہمارا سامان اوپر خانوں میں محفوظ تھا۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ اگلی بوگی کا ایک چکر لگا لوں۔ یہ کمپارٹ والی بوگی تھی اور اس میں راہ داری تھی۔ اس کی کھڑکیوں سے آدمی تازہ ہوا کھا سکتا تھا۔ میں وہاں آ گیا۔ اس بوگی میں بھی سناٹا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی کھولی تو نباتات کی خوشبو لئے ہوا اندر آئی تھی۔ یہ نومبر کا وسط تھے۔ اس لئے سردی میں تیزی نہیں تھی۔ اور میں اپنے کوٹ میں آرام سے تھا، اچانک میں نے اپنے پاس کسی کی موجودگی محسوس کی۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور سرخ ساڑھی والی لڑکی کو پاس پا کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ اتنی خاموشی سے آئی تھی کہ جب تک میرے پاس نہیں آئی، مجھے خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں بلا کی کشش تھی اور یہ بات وہ بھی جانتی تھی۔''میرا نام کانتا ہے، کانتا جین!''

''سریش کمار!'' میں نے جواب دیا۔

''میں جاگ رہی تھی اور بور ہو رہی تھی اس لئے یہاں آ گئی۔ مجھے آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

''مجھے بھی خوشی ہوئی۔'' میں نے رسمی انداز میں کہا۔

''شاید آپ کو بھی نیند نہیں آ رہی ہے؟''

''میں دن میں خاصا سولیا تھا۔''

''آپ سوچ رہے ہوں گے عجیب لڑکی ہے خود سے فری ہو رہی ہے؟''

میں مسکرایا۔ ''حالانکہ لوگ آپ سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہوں گے۔''

''سریش کمار جی، آپ نے ٹھیک کہا لیکن ہر عورت کے اندر ایک حس ہوتی ہے جو اسے بتاتی ہے، وہ کس مرد پر اعتماد کر سکتی ہے اور کس سے بات کر سکتی ہے۔''

''آپ کو مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''کمار جی! دشمن میری تاک میں ہیں۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''کیسے دشمن؟''

''بس ہیں...... کچھ میری فیملی کے لوگ...... دراصل میرے پتاجی...... میرے بچپن میں دیہانت کر گئے تھے، انہوں نے میرے لئے بہت بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ اس پر میرے تاؤ کا قبضہ ہے۔''

''تو میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں، تم عدالت میں جاؤ۔''

''وہ تو جاؤں گی مگر مسئلہ ابھی بچنے کا ہے۔ تاؤ ایشانت جین نے اپنے آدمی میرے پیچھے لگا رکھے ہیں۔ یہ شخص جو میرے ساتھ ہے، میرے تاؤ کا ایجنٹ ہے، یہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

''سوال یہ ہے......'' میری بات ادھوری رہ گئی تھی، اچانک کانتا نے میرے گلے میں بانہیں ڈالیں اور مجھے اپنی طرف جھکا لیا۔ میں مزاحمت نہ کر سکا۔ یہ سب بے حد اچانک ہوا تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر ایک حلاوت آمیز لمس محسوس کیا۔ پھر وہ یوں الگ ہو گئی جیسے کسی نے چوری پکڑ لی ہو۔ وہ پیچھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دروازے پر اس کا سیکرٹری اور بقول اس کے اس کے تاؤ کا ایجنٹ کھڑا تھا۔

''سوری!'' وہ بولا۔ ''آپ نظر نہیں آئیں تو میں پریشان ہو گیا تھا۔''

''فکر مت کرو، میں سریش کمار جی کے ساتھ ہوں، تم جاؤ۔'' کانتا نے ناگواری سے کہا۔

''جی اچھا!'' سیکرٹری نے کہا اور واپس چلا گیا۔

''سوری! میں نے اچھا نہیں کیا۔'' اس نے ندامت سے کہا۔ ''آپ میرے بارے میں سوچ......''

''خاتون، میں فی الحال آپ کے بارے میں کچھ نہیں سوچ رہا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''کیونکہ میں سمجھ ہی نہیں سکا، یہ سب کیا ہے؟''

''میں سمجھاتی ہوں۔ میری ساری جائیداد اور دولت کا نگران ایشانت جین ہے۔ بائیس سال کی عمر سے پہلے میں اس دولت اور جائیداد پر حق حاصل نہیں کر سکتی۔''

''تم بائیس برس کی نہیں ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''کیا میں لگتی ہوں؟'' اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔ میں نے نظریں چرائیں۔

''نہیں، تم بیس سے زیادہ کی نہیں لگتی ہو۔''

''میں اگلے ہفتے دو مارچ تک بائیس کی ہو جاؤں گی اور اس کے بعد میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ میں بائیس برس کی عمر سے پہلے مر جاتی تو یہ ساری دولت اور جائیداد ایک ٹرسٹ کو چلی جاتی اور تایا کو

اس میں سے پھوٹی کوڑی نہیں ملے گی اور جب میں وارث بن جاؤں گی تو خود بخود میری یہ دولت
ایشانت جین کو مل جائے گی۔"
"میں سمجھ گیا مگر میں اس معاملے میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں، تمہیں پولیس سے مدد لینی چاہئے
"میں پولیس تک نہیں جا سکتی۔ اس کے آدمی میری پوری نگرانی کرتے ہیں۔ اگر میں نے پو
جانے کی کوشش کی تو یہ مجھے انجکشن لگا کر بے ہوش کر دے گا۔"
"وری فنی! یہ اس حد تک چلے جاتے ہیں، کیا کبھی تمہارے ساتھ ایسا ہو چکا ہے؟"
"دو بار...... اور دونوں بار میری کوشش ناکام رہی۔"
"ان کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں میرے پاس دیکھ کر اتنے اطمینان سے واپس چلا گیا
"نہیں۔ ایشانت جین بنگال کا ایک بڑا نام ہے، اس کے سیاست دانوں اور حکمرانوں تک سے
ہیں۔ اس کے لئے خطرہ صرف میں ہوں۔"
"تمہاری رہائش کلکتہ میں ہے۔"
اس نے سر ہلایا۔ "بڑی مشکل سے اس نے مجھے دلی آنے کی اجازت دی تھی۔ دلی میں میرے
رہتے ہیں۔"
"تم ٹرین سے کیوں سفر کر رہی ہو، جبکہ بائی ائر بھی جا سکتی تھیں۔"
"بائی ائر میں سیٹوں کا مسئلہ تھا۔ رونددو کو سیٹ کہیں اور مل رہی تھی اس طرح وہ مجھ پر ہمہ وقت نظر
سکتا تھا۔ اس نے ٹرین سے سیٹیں بک کرالیں۔"
اس دوران میں جب کہ اس سے سوال جواب کر رہا تھا، میں سوچتا بھی جا رہا تھا اور میں نے جلد
لیا۔
"مس جین! مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن افسوس، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ میں ایک عام
ہوں، فلمی ہیرو نہیں ہوں۔"
"پلیز، تم مجھے صرف ایک بار اس کے چنگل سے فرار ہونے میں مدد دو...... باقی میں خود کر لو
میرے دوستوں اور ہمدردوں کی کمی نہیں ہے۔"
وہ جس قسم کی لڑکی تھی، جتنی حسین اور بے باک تھی اس کے دوستوں کی کوئی کمی ہونی بھی نہیں چاہئے
"مجھے افسوس ہے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"
"سنو، تم جو مانگو گے میں دوں گی...... روپیا...... پیسہ یا اور کچھ۔" اس کے انداز میں کھلی دعوت تھی۔
"تم نے بہت کم قیمت لگادی ہے میری۔" میں نے سرد انداز میں کہا اور وہاں سے پلٹ کر اپنی بوگی
گیا۔ چند منٹ بعد وہ میری سیٹ کے پاس سے گزری تھی۔ اس کے انداز میں شکست خوردگی تھی۔
صبح میری آنکھ آٹھ بجے کھلی۔ بیتو ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "یک من
بڑی تیزی سے ری کور کر رہا ہے۔ کلکتے جا کر اس کے ٹانکے کھلوا دینا۔"
اس نے بیتو کو ایک انجکشن اور دیا۔ "اب پین کلر اس وقت دینا جب درد ہو۔ ورنہ اس کی ضرورت

میں نے پھر ڈاکٹر کو فیس دینی چاہی تو اس نے منع کر دیا۔ ٹرین الہ آباد پہنچ کر اب آگے سفر کر رہی تھی۔
کے بعد بیتو نے مجھے باقی کہانی سنائی۔ وہ بڑی مشکل سے ان لڑکیوں سے جان بچا کر اس جگہ سے نکلا تھا۔
لے وہ کون سی جگہ تھی۔ بہر حال باہر آنے کے بعد بیتو نے ٹیکسی رکشے کی تلاش شروع کی اور بڑی مشکل سے
ایک ٹیکسی ملی تھی۔ وہ اس پر ریلوے اسٹیشن تک پہنچا تھا تو وہاں پولیس کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس نے
کی طرف سے جانے کے بجائے گھوم کر پٹریوں کی جانب سے اسٹیشن کے اندر جانے کی کوشش کی۔ اس کی
کہ پولیس نے اسے تاڑ لیا۔ دو پولیس مین اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ اس نے اسٹیشن کے اندر ان سے
ہوئے بھاگ دوڑ کی تھی۔ ایک رکاوٹ سے گزرتے ہوئے جو لوگوں کو ریل ٹریک پر آنے سے روکنے کے
کالی گئی تھی، ایک نکلا ہوا پائپ بیتو کے بازو پر لگا تھا اور اسے زخم آیا تھا۔
پلیٹ فارم پر آنے کے بعد اس نے پولیس والوں کو چکمہ دے دیا تھا مگر اس کا بیگ رکاوٹ عبور کرتے
گندے پانی کے نالے میں گر گیا تھا اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ بیگ واپس حاصل کر سکتا۔ کسی نہ
طرح اس نے پلیٹ فارم نمبر چار دریافت کر لیا۔ ایک عورت اپنی چادر بینچ پر چھوڑ کر کہیں گئی تو بیتو نے چادر
۔ اس کا خون سے تربتر بازو اسے مشکوک بنا سکتا تھا۔ شام کے قریب ٹرین مغل سرائے پہنچی۔ یہ دلی اور کلکتہ
ریباً وسط میں ہے، ڈاکٹر وہاں رخصت ہو گیا۔ اس نے ہماری مدد کی تھی ورنہ بیتو کی مرہم پٹی ہمیں خود کرنی
جس کے پاس لے جاتے وہ اس کے بارے میں دس سوال کرتا۔



کانا جین سے میرا دو تین بار آمنا سامنا ہوا اور اس نے ہر بار منہ پھیر لیا۔ میں بھی دل میں کہتا بی بی خوش
ر کسی اور احمق کی تلاش جاری رکھو۔ میں پہلے ہی خاصا احمق واقع ہوا ہوں۔ اس کے بعد کلکتہ تک کا سفر
سکون سے گزرا اور تیسرے دن ہم شام کے قریب کلکتہ کے ریلوے اسٹیشن پر اترے تھے۔ یہ شہر آبادی کے
ے بھارت کا سب سے بڑا اور دنیا کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ بندرگاہ اور صنعتی علاقہ ہونے کی وجہ سے کلکتہ
ت کا تجارتی و صنعتی حب ہے۔ دلی کے دارالحکومت بننے سے پہلے کلکتہ سو برس سے بھی زیادہ انگریزوں کا
فذر ہا تھا اور اس دور کی عمارتیں یہاں جا بجا دکھائی دیتی ہیں۔
جب پرتگالی جہاز راں واسکوڈی گاما نے افریقہ کا چکر لگا کر اور کوئی تیس ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے
تان کی سرزمین پر قدم رکھا تو اس جگہ کا نام کالی کٹ تھا۔ اکثر اسے موجودہ کلکتہ سمجھتے ہیں مگر گاما درحقیقت
ہندوستان میں مدراس کے کسی ساحلی علاقے میں اترا تھا جب انگریزوں نے بنگال سراج الدولہ سے چھین
واب سراج الدولہ کے والد نواب علی وردی خان کے نام پر بسائے گئے شہر علی پور سے ذرا ہٹ کر اس جگہ
ر بسانے کا فیصلہ کیا تو شاید گاما کی کالی کٹ آمد کی یاد میں اس جگہ کو کالی کٹ کا نام دیا جو بعد میں بگڑ کر کلکتہ
سنا ہے کہ یہاں ہندوؤں کی دیوی کالی کا سب سے بڑا مندر ہے اسی لئے کلکتہ کو ایک بار پھر کالی دیوی کے
الی کٹ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
ایک ریلے کے ساتھ ہم اسٹیشن سے باہر آئے۔ ریلا اتنا شدید تھا کہ دس بارہ افراد جو باہر جانے والوں

کے ٹکٹ چیک کر رہے تھے، وہ بھی نہ سنبھال سکے اور ان کے ساتھ ہم بھی باہر آ گئے۔ بغیر ٹکٹ چیک کرائے اور نہ جانے کتنے بے ٹکٹ کے بھی اسی طرح باہر آئے۔ ایک آدمی وسیم کے بیگ میں گھسا ہوا تھا، اس نے چلا کر کہا۔
''اس میں کیا بھرا ہے، لوہا لے جاتا ہے یا ویپن!''
''تمہارا سر!'' وسیم نے غرا کر کہا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ''چوری کے چکر میں ہو۔''
''اس میں ویپن ہے۔'' اس نے چلا کر کہا مگر خوش قسمتی سے ارد گرد اردو یا ہندی جاننے والے نہیں تھے، یہ زیادہ تر بنگالی تھے۔
''اگر ویپن ہوتا تو سب سے پہلے تیرا مرڈر کرتا۔''
وسیم کی اس بات پر اس نے لاؤڈ اسپیکر کی سی آواز نکالی۔ ''مرڈر...... ارے دوڑو، بچاؤ۔ یہ میرے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔''
مجھے خدشہ ہوا اس کی لاؤڈ اسپیکر جیسی آواز کسی نہ کسی پولیس والے کو متوجہ کر لے گی۔ اگر چہ ارد گرد شور قیامت برپا تھا۔ میں نے عقب سے ایک نپا تلا ہاتھ اس کی پشت پر مارا اور اس کی آواز رک گئی۔ اس کے بعد وہ لڑکھڑا کر اپنے سے آگے والے پر جا گرا، اس نے بنگالی میں شور مچایا اور جب تک دوسرے اس کی طرف متوجہ ہوتے، میں اور وسیم آگے جا چکے تھے۔ وسیم بیتو کے زخمی بازو کو تحفظ دے رہا تھا ورنہ اس ہجوم میں اس کا زخم کا سے ہرا ہو سکتا تھا، میں اور دوسرے بمشکل باہر آئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔
''اب کہاں جانا ہے۔'' وسیم نے پسینہ صاف کیا جو کلکتہ کی گرمی کے ساتھ اس دھکم پیل کی وجہ سے بھی بہ نکلا تھا۔ ''یہاں کس قدر گرمی ہے۔''
''سنا ہے کلکتہ میں سردی آتی ہی نہیں ہے۔''
بیتو سرد علاقے کا عادی تھا اس لئے گرمی سے زیادہ ہی بوکھلایا ہوا تھا۔ ''میں تو مر جاؤں گا۔''
''ادھر کروڑوں لوگ رہتے ہیں اور کوئی گرمی سے نہیں مرتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔
''گرمی سے نہیں بھوک سے۔'' بیتو کراہا۔ ''میں نے صبح ناشتے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا ہے اور اس گرمی نے کسر پوری کر دی۔''
''او کے، پہلے طعام اور اس کے بعد قیام۔'' میں نے کہا اور ایک ٹیکسی والے کو اشارہ کیا اور جواب میں ٹیکسی والے ہماری طرف دوڑے۔ وہ سب آپس میں جھگڑنے لگے کہ صاحب نے مجھے اشارہ کیا تھا۔ میں بلند آواز میں کہا۔ ''میں نے اسے اشارہ کیا تھا جسے ہندی آتی ہو۔''
اتفاق سے اسے آتی تھی جسے میں نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے خوش ہو کر باقیوں کو نہایت غلط اشارہ کر رخصت کیا۔
''شالا لوگ۔'' اس نے وسیم کا بیگ لینے کی کوشش کی مگر وسیم نے نہیں دیا البتہ میں نے اسے اپنا سو کیس پکڑا دیا تھا۔ جسے اس نے عزت سے ٹیکسی کی ڈکی میں رکھ دیا۔ بعد میں ثابت ہوا کہ ڈرائیور کی ہندی یا اتنی ہی اچھی تھی جتنی کہ بیتو کی انگریزی۔ وہ ایک جملے کے دس الفاظ میں سے دو میں بنگالی کی پیوندکاری کرتا میں نے اس سے کہا۔ ''پہلے کسی اچھے سے ہوٹل لے چلو، جہاں ہم کچھ کھا پی سکیں۔''

اور اس نے نصف گھنٹے بعد ہمیں ایک خستہ حال سی عمارت کے سامنے اتارا۔ جس میں رہائش کا بندوبست تھا مگر کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے سڑک کے پار ہی ایک اعلیٰ درجے کا ریستوران تھا۔ ہم وہاں چلے گئے۔ شام کا وقت تھا اس لئے ہجوم کم تھا۔ میں نے ایک چیز سینڈوچز، پیسٹریز اور کوکیز کا آرڈر دیا۔ ریستوران کا ماحول اے سی اور قدرے نیم تاریک تھا۔ بیتو نے سکون کا سانس لیا۔ ''یہاں کتنا مزہ آرہا ہے۔''

''بیٹے زیادہ مزے مت کرو۔'' وسیم نے کہا۔ ''ممکن ہے ہم جس ہوٹل میں ٹھہریں، وہ اے سی نہ ہو۔''

''اے سی...... کیا؟'' بیتو نے پوچھا۔

''اے سی ایک مشین ہوتی ہے جو کمروں کو ٹھنڈا کرتی ہے۔'' وسیم نے اسے سمجھایا۔

''یہ تو کمرا نہیں ہے۔'' بیتو سادگی سے بولا۔ ''یہ ہوٹل ہے۔''

''اوہ بابا، ہوٹل بھی تو کمرے میں ہے۔''

اس کے بعد دونوں میں زوردار بحث شروع ہوگئی جو اشیائے خورد ونوش آنے تک جاری رہی تھی۔ اس کے بعد بیتو نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ میں اور وسیم لنچ کر چکے تھے اس لئے چائے پینے لگے اور ہوٹلوں کے بارے میں بات کرنے لگے۔ میں نے بات کرتے کرتے برابر والی میز کی طرف دیکھا تو اس پر موجود شخص کو اپنی طرف متوجہ پایا تھا۔ وہ ہماری باتیں غور سے سن رہا تھا۔ میں نے قدرے بلند آواز سے کہا۔ ''یار، مجھے ہوٹلوں سے وحشت ہوتی ہے اگر کرائے پر کوئی جگہ مل جائے تو مناسب رہے گا۔ ہوٹلوں میں کرایہ بھی بہت لگ جاتا ہے اور آرام بھی نہیں ملتا ہے۔''

میرے ان الفاظ کا فوری ردعمل ہوا۔ وہ شخص اٹھ کر ہماری میز کی طرف آیا اور انگریزی میں بولا۔ ''معاف کیجئے گا میں نے غیر ارادی طور پر آپ لوگوں کی باتیں سنی ہیں۔''

''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' میں نے بدمزگی سے کہا، وہ چھوٹے قد کا نسبتاً موٹا اور سامنے سے گنجا شخص تھا اس کی صورت ہالی وڈ کے ایک اسی حلئے والے شخص سے بہت ملتی تھی اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ہم بھی انگریزی میں بات کر رہے تھے۔

''اچھی بات تو نہیں ہے لیکن ممکن ہے آپ کے فائدے کی ہو۔''

''کیسا فائدہ؟'' وسیم نے اسے غور سے دیکھا۔

''میرے دریائے ہگلی کے کنارے چند مکان ہیں جنہیں میں کرائے پر دیتا ہوں اگر آپ پسند کریں تو ان میں سے کوئی بھی مکان لے سکتے ہیں۔''

''کرایہ کتنا ہوگا؟''

''کرایہ کم ہی ہوگا، کم سے کم ہوٹل سے کم پڑے گا۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''پھر خادمہ بھی ہوگی، جو کھانے پکانے سے لے کر تمام تر خدمات کے لئے حاضر ہوگی۔'' اس نے لفظ خدمات پر زور دے کر کہا۔

میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''ہمیں خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تب کرائے پر مکان ٹھیک رہے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جہاں تک دوسری خدمات کا تعلق ہے، اس کا معاوضہ کرائے میں شامل نہیں ہے۔''

بیتو کھانے سے فارغ ہو چکا تھا اور ہم بل ادا کر کے باہر آئے۔اس شخص کا نام جوشی تھا۔اس نے بس اتنا ہی بتایا تھا۔ریستوران کے باہر اس کی سوزوکی ڈبا نما پرانی سی کار کھڑی تھی۔مقامی طور پر تیار کردہ یہی کار یہاں عام ہے۔اسے عام طور سے ایمبیسیڈر کہا جاتا ہے اور بھارت میں صدر اور وزیراعظم تک یہی کار استعمال کرتے ہیں۔اس کی ڈکی میں ہمارا سارا سامان آ گیا تھا۔میں نے اسے اپنے وہی نام بتائے تھے جن سے ریل کے ٹکٹ لئے تھے۔اس نے اپنے بارے میں بتایا۔"میں آسام کا رہنے والا ہوں......لیکن گزشتہ تیس برس سے روزگار کی وجہ سے کلکتہ میں مقیم ہوں۔"

"اور ہم پہلی بار کلکتے آئے ہیں۔"

"سیر و تفریح کے لئے؟"

میں نے سر ہلایا۔"اور کچھ بزنس کے نقطۂ نظر سے بھی۔"

"اگر میری ضرورت ہو تو ضرور بتائیے گا، میں ہر طرح کے سودے کراتا ہوں۔"

"اگر تمہاری ضرورت پڑی تو ضرور مدد لوں گا۔"میں نے کہا۔

"راستے میں کسی میڈیکل اسٹور پر روک لینا۔"وسیم نے اس سے کہا۔

"کیوں؟"

"ہمارے ساتھی کے بازو پر زخم ہے۔اس کے لئے ڈریسنگ کا سامان لینا ہے۔"

"یہ ساتھی ہے۔"اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔"نام سے تو بھائی سمجھا تھا میں۔"

"بھائی نہیں، کزن ہے۔"میں نے جلدی سے بات بنائی

"ڈریسنگ کا سامان آپ کو مکان میں مل جائے گا، اگر ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو وہ بھی آ جائے گا۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کے مکان خاصے دور تھے۔کلکتہ شہر سے تقریباً باہر، جب اس نے گاڑی ایک جنگل کی طرف موڑی تو ہم سب ہی چوکنا ہو گئے تھے۔"اس طرف کہاں جا رہے ہو؟"

"ہاوڑا کی طرف جناب!"وہ بولا۔"بے فکر رہیں۔میں برا آدمی نہیں ہوں۔"

کلکتہ اور ہاوڑا دو شہر ہیں مگر انہیں ہاوڑا برج جوڑتا ہے اس لئے ایک شہر کہلاتا ہے مگر کلکتہ نسبتاً زیادہ گھنا اور بازاروں سے بھرا ہے۔

بنگال اصل میں سبزے کی سرزمین ہے اور یہاں مشکل سے ہی کوئی جگہ سبزے سے خالی نظر آتی ہے اور جو جگہ انسانی استعمال میں نہ ہو وہاں لازماً جنگل اگ آتا ہے۔یہ بھی ایک ایسا ہی خودرو جنگل تھا۔جنگل جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم ہو گیا اور سامنے دریا کا پانی چاندنی میں جھلمل کرتا دکھائی دینے لگا تھا۔ہگلی بہت بڑا دریا ہے اور مون سون کے موسم میں اس کا پاٹ دس میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے۔دریا کے کنارے جا بجا بنگلے اور چھوٹے مکان بنے ہوئے تھے۔راستہ کچا مگر ہموار تھا۔اسے کیچڑ زدہ ہونے سے بچانے کے لئے اس پر چھوٹے گول پتھر بچھائے ہوئے تھے۔کار ایک باغ کے سامنے رکی جس کے اندر لائن سے نصف درجن مکانات بنے تھے۔کار کے رکتے ہی ایک شخص لپکا اور اس نے بنگالی میں جوش سے کچھ کہا جواب میں اس

نے بھی بنگالی بولی اور پھر ہم سے کہا۔

"آیئے جناب! یہ چوکیدار ہے راجو...... یہ مکان کی رکھوالی کرتا ہے اور گیسٹس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔"

مکان ایک بیڈروم اور ایک ڈرائنگ پر مشتمل تھا۔ ساتھ میں ایک واش روم تھا۔ اس سے متصل ایک اوون کی جگہ جتنا کچن تھا جس میں چائے کافی بنائی جاسکتی تھی۔ فرنیچر پرانا مگر اچھی حالت میں اور صاف ستھرا تھا۔

"کھانا کہاں بنتا ہے؟"

"آپ آرڈر کریں گے تو ملازمہ بنا کر لائے گی۔"

"خوب، مکان ٹھیک ہے کرایہ کتنا ہوگا؟"

"ایک دن کا پانچ سو روپیا۔" اس نے جواب دیا۔

میں چونکا۔ "پانچ سو زیادہ نہیں ہے۔"

"آپ ہوٹل میں رکیں تو اتنا ایک کمرے کا ہوتا ہے اور آپ کو کم سے کم دو کمرے لینا پڑتے۔"

"اتنے میں تو اے سی کمرا مل جائے۔"

"یہ بھی اے سی ہے۔" اس نے دریا کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول دی اور فراٹے بھرتی ہوا اندر آنے لگی۔ "ادھر سکون ہے۔ ہوٹل میں شور بہت ہوتا ہے۔"

مجھے کرائے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مال بہت تھا اور میرے پاس ابھی خاصے ہیرے بھی موجود تھے۔ میں فوراً اس کی بات مان کر اسے مشکوک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر تین سو روپے روز پر طے ہوگیا اور میں نے دو دن کا پیشگی کرایہ دے دیا۔ اس نے چھ سو جیب میں رکھے۔ "اگر چائے یا کافی کی خواہش ہو تو راجو سے کہہ کر منگوا لیجئے گا اور کھانے کے پیسے مینا کو دیجئے گا۔"

"کھانے کے الگ سے؟" میں نے اچھل کر کہا۔

"ہاں، ہوٹل کے کرائے میں کھانا کہاں شامل ہوتا ہے۔ اس کا پیسا الگ سے دینا پڑتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "ویسے مینا معقول لیتی ہے۔"

"یہ مینا کون ہے؟"

"ادھر کی ملازمہ، وہ کھانا لا کر دیتی ہے اور صفائی کرتی ہے۔ راجو کی بیوی ہے۔ مہمانوں کے کپڑے بھی دھو دیتی ہے۔"

یعنی سب کی دولت مشترکہ تھی۔ میں نے سوچا۔ وہ یہ سارے کام کرنے کے بعد مہمانوں کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتی تھی۔ وہ عورت تھی یا جن۔ ہم سامان اندر لے آئے۔ بیڈروم میں ایک جہازی سائز بیڈ کے علاوہ ایک الماری اور ایک رائٹنگ ٹیبل اور کرسی کے ساتھ ایک مختصر سی ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ایک صوفہ سیٹ کے ساتھ ایک کاؤچ بھی تھی۔ کھڑکیوں، دروازوں پر پردے تھے۔ مجموعی طور پر صاف ستھری جگہ تھیں بیٹو تھک گیا تھا اس لئے اندر جا کر لیٹ گیا۔ میں نے جوشی کے جانے کے بعد راجو کو بلا کر اس سے جوس اور دودھ کے ڈبے اور چائے...... کافی کا سامان لانے کو کہا۔

"تھوڑا دیر لگے گا شاب!" اس نے بنگالی اردو میں کہا۔

"رات کے کھانے کا کیا ہوگا؟"

"ابھی ہمارا پتی آتا ہے، مینا بیگم!"

"ٹھیک، یہ چیزیں لے آؤ اور ہاں، جلدی آنا۔" میں نے اسے ایک پانچ سو کا نوٹ دیا۔

میں اندر آیا تو وسیم نہانے کے لئے گھس گیا تھا۔ میں نے بھی کرتہ پاجامہ نکالا۔ اس موسم میں سوٹ عذاب سے کم نہیں تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا سامنے ایک گہرے سانولے رنگ کی دبلی سی عورت کھڑی تھی۔ نیم تاریکی میں اس کے چہرے کے نقوش واضح نہیں تھے۔

"سلام صاب، ہم مینا بیگم ہے۔" اس نے اپنے شوہر کی نسبت صاف اردو میں کہا۔

وہ اندر آئی۔ وہ اچھے نقوش کی جوان عورت تھی۔ مگر بے رحم وقت اور خود پر زیادہ بوجھ ڈالنے کی وجہ سے وہ زوال کی طرف گامزن تھی۔ اس کا شباب مرجھا رہا تھا۔ "رات کھانے میں کیا کھائے گا صاب!"

"تم کیا اچھا بناتی ہو؟"

"سب کچھ صاب!"

"ہم بریانی اور کوفتے کھائیں گے۔"

"ملے گا صاب۔ روٹی لے گا یا چپاتی۔"

"روٹی......اور کتنی دیر میں ہو جائے گا؟"

"ایک گھنٹا لگے گا صاب!" اس نے کہا۔ میرا خیال تھا وہ چلی جائے گی مگر جب وہ کھڑی رہی تو میں نے اسے رقم دی، اس نے نوٹ لئے۔ "صاب، دن کے بعد حساب کر دیا کروں گی۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" میں نے کہا

وسیم کے نکلتے ہی میں اندر گھس گیا تھا۔ دو دن سے زیادہ کے سفر نے مجھے گرد گرد کر دیا تھا۔ میں دل بھر کر نہایا حتیٰ کہ وسیم نے دروازہ بجا کر مجھے باہر آنے پر مجبور کیا۔ "باہر آ جائیں ورنہ پانی کے ساتھ خود بھی بہہ جائیں گے۔"

میں کپڑے پہن کر باہر آیا۔ "درست کہا آدمی بلبلا ہے پانی کا۔"

"مینا کماری اطلاع دینے آئی تھی، کھانا نصف گھنٹے میں آ جائے گا۔"

"اس کا شوہر سامان لے کر آیا؟"

"ہاں، وہ سامان دے گیا ہے۔"

جیتو کے بازو کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ اس نے مجھے حسرت سے دیکھا۔ "میرا دل نہانے کو چاہ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے نہائے ہوئے زمانہ گزر گیا ہے۔"

"فکر مت کرو۔" "کل ڈاکٹر کو دکھائیں گے اس کے بعد نہا لینا۔"

"اگر ڈاکٹر نے اجازت دی تو......" وسیم ایک یخ بستہ ٹن لایا اور مجھے تھما دیا، یہ بھارت کی کوئی مقامی سافٹ ڈرنک تھی اور اس کا ذائقہ اچھا تھا۔ "ویسے شہباز صاحب، یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہم پولیس کو انتہائی

مطلوب افراد میں سے تھے اور اتنی آسانی سے یہاں تک چلے آئے۔"

"اسے فضل رب سمجھو۔" میں نے جواب دیا۔ "ورنہ پولیس بیتو کے تعاقب میں اسٹیشن تک آ گئی تھی۔"

"میرے پیچھے۔" بیتو چونکا۔ "وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ تم نے پولیس والے کو چکما دینے سے پہلے ایک رکشے والے سے ریلوے اسٹیشن چلنے کو کہا تھا، اس سے پولیس نے معلوم کر لیا۔"

"بالکل یہی ہوا۔" بیتو نے جوش میں کہا۔ "میں بھی حیران تھا۔ پولیس میرے پیچھے ریل اسٹیشن تک کیسے آئی۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔ وسیم نے جا کر دروازہ کھولا۔ مینا ٹرالی میں کھانے سجائے اندر آئی۔ بریانی کی خوشبو پورے مکان میں پھیل گئی تھی۔ اس نے سلیقے سے میز پر کھانا سجایا۔ بریانی کی ٹرے، کوفتے کے سالن کا ڈونگا، روٹیاں ہاٹ پاٹ میں تھیں۔ برتن اور ایک پیالے میں کوئی مٹھائی نما شے تھی۔ اس نے پیالہ سامنے رکھا۔

"یہ میری طرف سے...... ناریل کی مٹھائی ہے۔"

کھانا واقعی مزے کا تھا۔ مینا نے سب کچھ لاجواب بنایا تھا۔ میں نے کئی اچھے بریانی بنانے والوں کی بریانی کھائی ہے مگر اس بریانی کی بات سب سے الگ تھی۔ میں نے مینا کو پانچ سو روپے دیئے تھے اور میرے حساب سے یہ کھانا اس سے زیادہ کا تھا مگر جب وہ برتن لینے آئی اور اس نے اس سے مزید رقم کا پوچھا تو اس نے سادگی سے کہا۔

"ابھی تو رقم باقی ہے صاب۔ پچپن روپے بچے ہیں۔"

"وہ تم رکھو۔"

"شکریہ صاب!" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "صبح ناشتے میں کیا لے گا اور کب لے گا؟"

"مجھے پراٹھے کے ساتھ پیاز والا آملیٹ!" وسیم نے کہا۔

میں نے سر ہلایا۔ "میرے لئے بھی یہی۔ ساتھ میں ایک گلاس ناریل کا پانی۔"

"میں بھی۔" بیتو نے بریانی کا اینڈ کرتے ہوئے کہا۔

"صبح نو بجے۔"

آرڈر لینے کے بعد بھی وہ کھڑی رہی تھی۔ پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "صاب، کوئی اور کھدمت۔"

میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "نہیں کوئی اور خدمت نہیں، اب تم جاؤ۔"

بیتو نہیں سمجھ سکا تھا لیکن میں اور وسیم سمجھ گئے تھے اس لئے جھینپ گئے۔ اس کے جانے کے بعد وسیم نے سرد آہ بھری۔ "نہ جانے کس مجبوری نے اسے اس درجے تک پہنچایا ہے؟"

بیتو چونکا۔ "کیسی مجبوری وسیم بھائی!"

"تم نہیں سمجھو گے منے!" وسیم نے اسے چمکار کر کہا۔ "یہ عمر ابھی ان باتوں کو سمجھنے کی نہیں ہے۔"

"اس کا شوہر بھی بے غیرت ہے۔ اپنی بیوی سے اس قسم کا کام کراتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے یہ سارا جوشی کا حرامی پن ہے، اس نے ان میاں بیوی کو اس لائن پر لگایا ہے۔"

سونے کے لئے طے ہوا کہ بیتو بستر پر سوئے گا۔ ڈبل بیڈ پر خاصی جگہ تھی مگر وسیم نے اس کے ساتھ سونے سے انکار کر دیا۔ "اگر اس نے رات کو سوسو کر دیا تو۔"

"سوسو کیا؟" بیتو نے پوچھا۔

جب میں نے اسے سوسو کا مطلب سمجھایا تو وہ جھینپ گیا پھر اس نے غصے سے کہا۔ "وہ تو میں بچپن میں کرتا تھا۔"

"اب بھی تم کہاں بڑے ہوئے ہو۔"

"تم لوگ لڑتے رہو۔" میں نے ہنس کر کہا اور تکیہ لے کر نشست گاہ کے قالین پر دراز ہو گیا۔

میری آنکھ صبح سویرے پرندوں کی چہکار سے کھلی۔ سورج طلوع ہونے والا تھا اور باہر روشنی پھیل رہی تھی۔ میں نے سوٹ کیس سے چپل نکالی اور باہر آ گیا۔ دروازے کا لاک آٹو میٹک تھا۔ باہر سے صرف چابی سے کھل سکتا تھا۔ میں نے چابی لے لی، دریا کی طرف سے بھیگی ہوئی مست خرام ہوا آ رہی تھی۔ میں مکان کے پاس سے ٹہلتا ہوا باغ کے آخری حصے کی طرف بڑا کیونکہ مجھے وہاں ایک کمرے کے اوپر سے دھواں نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور میں نے جھانکا تو حسبِ توقع وہاں مینا کو پایا۔

"صاب آپ!" اس نے آٹا گوندھتے ہوئے کہا۔ "تم کیوں آیا مجھے بلایا ہوتا۔"

"کیسے بلاتا۔"

"ادھر مکان میں دروازے کے پاس لال رنگ کا بٹن لگا ہے اسے دبائے گا تو اِدھر ہم کو آواز آئے گا، تم بتائے گا کیا کام ہے۔"

"اچھا، میں نے غور نہیں کیا تھا۔ خیر چھوڑو...... ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

"چھوڑو صاب...... وہ گندہ شے...... ہم آپ کو تاڑی کا پانی پلاتا ہے۔"

"تاڑی...... اس میں تو نشہ ہوتا ہے۔"

وہ ہنسی۔ "نہیں صاب، ابھی نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے دن گزرے گا تو نشہ ہوگا، ابھی تو شربت ہے۔"

"اچھا تم کہہ رہی ہو تو میں مان لیتا ہوں، لاؤ۔"

"تم باغ میں چلو صاب! میں ابھی لاتی ہوں۔"

میں باغ میں آیا اور تب میں نے ایک طرف تاڑ کے درخت دیکھے۔ عجیب درخت تھے، ناریل کی طرح کے درخت بالکل سیدھے، سر پر صرف چار چھ، پانچ فٹ قطر کے گول پتے۔ ان پتوں سے ذرا نیچے ہانڈیاں لٹک رہی تھیں۔ تاڑی جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ درخت کے تنے کے اوپر کی طرف پتوں کے پاس کٹ لگا کر مٹی کی ہانڈیاں ان کے نیچے لٹکا دی جاتی ہیں اور رات بھر ان میں قطرہ قطرہ رس جمع ہوتا رہتا ہے۔ صبح تک یہ ہانڈیاں بھر جاتی ہیں اور سورج نکلنے کے بعد رس نکلنا بند ہو جاتا ہے۔ اگر اس وقت ان ہانڈیوں کو اتار کر ان کا رس پیا جائے تو وہ خوش ذائقہ اور صحت بخش مشروب ہوتا ہے مگر جیسے جیسے دن چڑھتا ہے تو گرمی سے مشروب میں خمیر پیدا ہوتا ہے اور وہ اسے نشہ آور بنا دیتا ہے۔ عام طور سے ہانڈیاں نشہ آور مشروب کی تیاری کے لئے ہی لٹکائی جاتی ہیں۔ شام

تک ان میں تیز شراب کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پورے بنگال، آسام اور جنوبی بھارت میں جہاں تاڑ کا درخت ملتا ہے تاڑ کی شراب عام استعمال کی جاتی۔

مینا آٹا گوندھ کر آئی اور اس نے ایک درخت کے نیچے رکھی ہانڈی اٹھا کر اسے ایک کپڑے سے چھان کر گلاس میں بھرا اور مجھے دیا۔ میں نے چکھ کر دیکھا۔ واقعی خوش ذائقہ مشروب تھا اسے پی کر طبیعت میں فرحت آ گئی تھی۔ میں ٹہلتا ہوا دریا کے کنارے چلا گیا۔ سردی کے آغاز اور خشک موسم کی وجہ سے دریا میں پانی کم تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں واپس آیا تو بیتو اور وسیم اٹھ گئے تھے۔ بیتو نے اپنی پٹی خود ہی کھول لی تھی اور نہانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ''میرا گھاؤ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔'' اس نے مسرور لہجے میں اطلاع دی۔

''اچھی بات ہے مگر پٹی خود کیوں کھولی...... ڈاکٹر سے کھلواتے۔''

''بے کار ہے جناب! وہ بھی ایسے ہی کھولتا۔'' بیتو نے کہا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔ دس منٹ بعد مینا ناشتا لے آئی۔ ناشتے میں وہ سب تھا جس کی ہم نے رات کو فرمائش کی تھی۔ میں اور وسیم کچھ دیر بیتو کا انتظار کرتے رہے مگر جب اس کا باتھ روم میں قیام کچھ زیادہ ہی طول پکڑتا چلا گیا تو ہم نے ناشتا شروع کر دیا۔ خستہ لذیذ پراٹھے اور ہری پیاز میں بنا ہری مرچ کے ساتھ آملیٹ تھا۔ ہم زیادہ ہی کھا گئے۔ بیتو نکل کر سید ھا میز کی طرف آیا۔

''بس یہ بچا ہے؟'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''بچا کھچا کھا۔'' وسیم نے پراٹھے اور آملیٹ اس کی طرف سرکا دیئے۔ ''یہی تیرا نصیب ہے۔''

بیتو نے شکایتی نظروں سے مجھے دیکھا، میں مسکرانے لگا۔ ''ابھی میں مینا سے کہتا ہوں وہ اور لے آئے گی۔''

سرخ گھنٹی بجا کر مینا کو بلایا اور اسے چائے کے ساتھ مزید پراٹھے اور آملیٹ لانے کو کہا۔ بیتو ناشتے کے ساتھ وسیم کی باتوں کا جواب دینے کی کوشش بھی کر رہا تھا جو اسے مسلسل چھیڑے جا رہا تھا۔ مینا چائے کے ساتھ مزید ناشتا لے آئی۔ میں نے چائے بنائی اور وسیم سے کہا۔ ''جناب! ذرا ایک توجہ اِدھر بھی۔''

''فرمایئے۔'' اس نے ہمہ تن گوش ہو کر کہا۔

''اب ہمیں کیا کرنا ہے، راجا عمر دراز کی تلاش کے لئے۔''

''پاکستان فون کر کے اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔''

''فون کہاں ہے یہاں؟''

''فون کہیں نہ کہیں تو مل جائے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے جوشی کی خدمات حاصل کی جائیں اگر ہم کو ایک موبائل فون مل جائے۔''

میں اچھل پڑا تھا۔ ''یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں۔''

''فون حاصل کر کے ہم پاکستان رابطہ کر سکتے ہیں۔ پی سی او میں خطرہ ہے، کوئی نہ کوئی سننے والا موجود ہوتا ہے۔''

''فرض کرو، راجا عمر دراز یہاں سے جا چکا ہو تو ہم کیا کریں؟''

"تب ہم بھی پاکستان چلے جائیں گے۔ کلکتہ میں سب مل جاتا ہے۔ پاسپورٹ، ویزا...... سب لگ جائے گا بس آپ کی جیب میں پیسا ہونا چاہئے۔"

"پیسا بہت ہے۔" میں نے ہیروں والی ٹیوب کو تھپتھپایا۔ میں نے اٹھ کر مینا سے بات کی۔ "جوشی سے کیسے رابطہ ہو سکتا ہے۔"

"وہ ابھی آئے گا۔" مینا بولی۔ "کوئی کام ہو تو راجو کو کہہ دو صاب!"

"راجو کہاں ہے؟"

"میں بھیجتی ہوں صاب!"

کچھ دیر میں راجو آیا۔ میں نے اس سے کہا۔ "ہمیں تین موبائل فون چاہئیں۔"

"مل جائیں گے شاب! پر شہر جانا ہوگا۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر ہم خود شہر جانا چاہیں تو؟"

"ہم بڑی سڑک تک چھوڑ آئے گا۔ اُدر سے ٹیکشی مل جائے گا۔"

"تم کیسے چھوڑو گے؟"

"ہمارے پاس شائیکل رکسا ہے۔" اس نے س ش کا بیڑا غرق کرتے ہوئے کہا۔ "اس پر لے جائے گا۔"

"بس تو لے آؤ۔" میں نے کہا۔

ہم تیار ہوئے تب تک وہ اپنا سائیکل رکشا لے آیا۔ پاکستان میں اس کا رواج نہیں ہے مگر انڈیا اور بنگلہ دیش یعنی سابقہ مشرقی پاکستان میں اس کا بہت رواج ہے۔ ہم تین افراد کو بٹھا کر راجو ہانپتا کانپتا بڑی سڑک تک لے گیا۔ مجھے افسوس ہوا یہ تو انسان کی تذلیل کرنے والی سواری تھی۔ ایک انسان بیٹھے اور دوسرا اسے جانوروں کی طرح کھینچتا ہے۔ ایسی مشقت تو جانور بھی نہیں کرتے جیسی اس وقت راجو کر رہا تھا۔ جب وہ زور لگاتا تو اس کے رگ پٹھے بری طرح کھنچ جاتے تھے، اس کی پسلیاں باہر نکل آتی تھیں۔ راجو سے زیادہ میرے لئے یہ اذیت ناک سفر خدا خدا کر کے اختتام پذیر ہوا اور میں نے نیچے اترتے ہوئے عہد کیا کہ آئندہ اس انسانیت سوز سواری میں نہیں بیٹھوں گا۔ جب راجو کو پچاس روپے دیئے تو وہ خوشی سے بے حال ہو گیا۔ غالباً اس مشقت کا صلا اسے دس بیس سے زیادہ نہیں ملتا تھا۔

ایک ٹیکسی والا ہمیں کلکتہ لے جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے ہمیں ایک معروف نظر آنے والے بازار میں اتارا۔ یہ مارکیٹ جیسا کہ بعد میں پتا چلا کلکتہ کی اہم مارکیٹ تھی، اسے بڑا بازار کہتے تھے۔ ہم ایک موبائل کی دکان پر پہنچے۔ میں نے وہاں سے زیادہ ٹاک ٹائم والے تین عدد موبائل لئے۔ ان کے لئے تین عدد سم لیں۔ پھر وسیم نے مشورہ دیا۔ "انڈیا میں موبائل سروس دینے والی تمام ہی کمپنیوں کی سم لے لی جائیں۔ ہو سکتا ہے کہیں ایک کے سگنلز نہ ملیں تو ہم دوسری موبائل کمپنی کی سروس استعمال کریں۔ اس کے ساتھ ہم نے تینوں موبائلز کے لئے الگ الگ دکانوں سے ریلائنس، ٹاٹا کے علاوہ بھی تقریباً تمام ہی کمپنیوں کے کارڈز خاصی تعداد میں لے لئے۔ بھارت میں حکومت نے شناختی کارڈ جاری کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔ اسی لئے وہاں کسی کے پاس

نہیں ہوتا، ہم سے بھی کسی نے مانگا نہیں صرف فارم پُر کرنا پڑا تھا۔ ہم نے نام غلط لکھایا تھا یہی کافی سمجھا گیا۔ بیتو کے لئے موبائل ایک انوکھا آلہ تھا۔ اس کے ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے وسیم نے اس کے لئے ایک کلر اسکرین کا ذرا جدید قسم کا موبائل لیا۔

''لو منے، تمہارے لئے کھلونا ہے، اس میں گانے بھی ہیں اور ناچنے والیاں بھی۔''

''تھینک یو وسیم بھائی!'' بیتو نے چہک کر کہا۔ ''تم بہت اچھا ہے۔''

''جب تک تمہیں چھیڑتا نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

ہم نے کپڑے بھی لئے۔ وسیم کا کہنا تھا کہ ایک گاڑی بھی لے لی جائے مگر میں اس کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ گاڑی لینے کے لئے بہرحال کاغذات کی ضرورت پڑتی تھی اور میں بلاوجہ کسی کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے تینوں کھانا کھا کر واپس آ گئے تھے۔ جوشی کی کھٹارا کار کھڑی تھی اور وہ خود ایک درخت تلے کرسی پر نیم دراز تھا اس کے ہاتھ میں بیئر کا ٹن تھا۔

''کیا حال ہیں؟'' اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''کل میں آپ لوگوں سے نام پتا لینا بھول گیا تھا۔ ابھی خیال آیا ہے۔''

میں نے اسے نظریں جما کر دیکھا۔ ''تم اپنے کاروبار کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتے ہو؟''

''ہاں اس لئے تو ایسا کر رہا ہوں۔''

''تم اپنی آمدنی پوری دکھاتے ہو؟''

''ہاں۔'' اس بار اس نے ہچکچا کر کہا۔

''او کے۔ میں نے تمہیں جو چھ سو دیئے تھے، اس کی رسید دو۔''

''رسید!'' وہ بدکا۔ ''وہ کس لئے؟''

''جیسے تم اپنی آمدنی پوری شو کرتے ہو، اسی طرح ہم بھی اپنی آمدنی پوری شو کرتے ہیں اور ساتھ ہی اخراجات کی رسید بھی دیتے ہیں۔''

''رسید تو میں نہیں دیتا۔''

''تب معافی چاہوں گا۔''

جوشی کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ وہ یقیناً اپنی آمدنی کہیں کم دکھاتا اور اس طرح ٹیکس بچاتا تھا۔ میرے انکار سے اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ ''نام پتا لکھنا ہوٹلوں کا اصول ہوتا ہے۔''

''درست! اسی طرح ہوٹل گاہک کے کہنے پر اسے بل کی کاپی دیتے ہیں جب کہ تم کاپی دینے کے لئے تیار نہیں ہو۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں نے کبھی رسید نہیں دی کیونکہ میں پرائیویٹ کام کر رہا ہوں۔''

''نہیں دی ہوگی، مجھے تو چاہئے۔''

اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

''فرض کرو میں انڈین نہیں ہوں تو؟'' میں نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔ ''تو کیا تم مجھے ڈرائیونگ

لائسنس بنوا دو گے؟"

"ہاں۔" اس نے غیر متوقع طور پر کہا۔ "لیکن خرچہ ہوگا۔"

"کتنا خرچہ؟" میں نے اپنے انداز میں تبدیلی لائے بغیر کہا۔

"ایک آدمی کا دس ہزار لگے گا۔"

"چاہے وہ بھارتی شہری نہ ہو۔"

"اسی کا تو لگے گا۔" اس نے ٹن سے ایک گھونٹ بھرا۔ "کتنا بنگلہ دیشی روز اِدھر آجاتا ہے۔ اپنا ڈرائیونگ لائسنس، پاسپورٹ بناتا ہے اور مزے سے آگے چلا جاتا ہے۔"

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا اور ہم ایک طرف چلے آئے۔ "کیا خیال ہے، اس سے بات کی جائے۔ اس طرح ہم بہت سارے خطرات سے بچ سکتے ہیں کیونکہ انڈیا میں ڈرائیونگ لائسنس بہت اہم ہوتا ہے۔ یہاں شناختی کارڈ کی جگہ اسے ہی شہریت نامہ سمجھا جاتا ہے۔"

"اس میں بھی خطرہ ہے۔" وسیم نے خدشہ ظاہر کیا۔ "اس نے پولیس کو مخبری کر دی تو۔"

"میرا خیال ہے اس کا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔"

"دیکھ لیں آپ، میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یہ لالچی آدمی ہے۔" بیتو نے مداخلت کی۔ "لالچی آدمی ہمیشہ رقم کی فکر کرتا ہے۔"

"یعنی ہم اسے دس ہزار دے دیں تو یہ کام کرا دے گا؟"

"نہیں، اسے تھوڑی سی رقم دیں...... یہ باقی کے لالچ میں کام کرے گا۔"

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ "منا تو بڑا ہو گیا ہے۔ عقل مندی کی باتیں کرنے لگا ہے۔"

"میرا خیال ہے یہی کرنا چاہئے۔" میں نے کہا اور جوشی کے پاس آیا۔ "میں نے سوچا ہے۔"

"سوچو مت صاحب! کام کرانا ہے تو کرالو۔ جوشی زبان کا پکا آدمی ہے۔ تمہارا راز اِس سینے میں رہے گا ورنہ اِدھر اس معاملے میں بہت دھوکے بازی ہے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ لائسنس اصل ہوگا؟"

وہ ہنسا۔ "کدھر سے اصلی ہوگا۔ اصلی جیسا ہوگا صاحب! آپ فکر مت کرو، جب تک کوئی ویری فائی کا کام نہیں ہوگا۔"

"مثلاً کس قسم کی ویری فائی؟"

"آپ پاسپورٹ نہیں بنوا سکتے، کسی کی ضمانت نہیں لے سکتے کیونکہ اس میں کبھی کبھی لائسنس ویری فائی ہو جاتا ہے۔"

"او کے۔ تم ہم تینوں کے لائسنس بنوا کے دو۔"

"ابھی چلو۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "لیکن پہلے پندرہ ہزار نکالو۔ پندرہ کام کے بعد۔"

"ابھی میں صرف دس دوں گا۔" میں نے کہا۔ "تم کو منظور ہے تو ٹھیک ہے، باقی کام کے بعد۔"

"چلو دس دو۔"

میں نے اسے دس ہزار دیئے۔ وہ ہمیں اپنی کار پر لاد کر نزدیکی بازار تک لے گیا اس نے ہماری تصاویر بنوائیں، دستخط اور انگوٹھوں کے نشانات لئے اور ہمیں گھر میں چھوڑ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ لائسنس کب تک ملیں گے تو اس نے کہا۔ ''ممکن ہے آج رات تک مل جائیں۔''

''یہ تو اچھا رہے گا۔''

''آپ بھی بیس ہزار تیار رکھنا۔''

''جوشی، تم نے یہ کام کر دیا تو تم سے ایک کام اور لینا ہوگا۔''

وہ مسکرایا۔ ''جوشی ہر وہ کام کر سکتا ہے جس میں پیسا ملنے کی امید ہو۔''

ہم گھر میں آئے تو وسیم نے بے تابی سے کہا۔ ''کیا...... سونیا سے رابطہ ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں، میرا خیال ہے راجا کے سیکرٹری بیگ یا اس کے خاص آدمی عبداللہ کے پاس ناصر کا یا سونیا کا نمبر ہوگا۔''

وسیم مارے جذبات کے لرز رہا تھا۔ دنیا میں خون کا اس کا ایک ہی رشتہ تھا۔ سونیا، اس کی بہن اور اس کے لئے وہ مر گیا تھا۔ میں نے پہلے راجا عمر دراز کی لاہور والی کوٹھی کا نمبر ملایا۔ ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت کی وجہ سے اب ساری دنیا سے رابطہ آسان ہو گیا ہے۔ بیل جانے لگی اور کسی ملازم نے فون اٹھایا۔ ''راجا صاحب موجود ہیں یا ان کے سیکرٹری بیگ صاحب!''

''جی، یہ دونوں تو نہیں ہیں۔'' ملازم نے ادب سے کہا۔

''اچھا ایک اور صاحب ہیں، عبداللہ۔''

''جی وہ ہوتے ہیں مگر ابھی کوٹھی سے باہر گئے ہیں۔''

''ان کا موبائل نمبر دو۔''

''جی، میں ان کا موبائل نمبر نہیں دے سکتا، مجھے اجازت نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہارے پاس اس کا موبائل نمبر ہے۔ ایسا کرو یہ میرا نمبر اسے دے دو۔ فون کے سی ایل آئی پر نمبر آ گیا ہے۔''

''جی جناب! آپ انڈیا سے بات کر رہے ہیں نا؟''

''ہاں، یہ ارجنٹ معاملہ ہے، میرا نام شہباز ملک ہے اور میں اس وقت کلکتہ میں ہوں۔ عبداللہ سے کہو کہ مجھے فوراً کال کرے۔''

''میں ابھی آپ کا پیغام ان کو دے دیتا ہوں۔'' ملازم نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''راجا اور بیگ لاہور میں نہیں ہیں۔'' میں نے وسیم کو بتایا۔ ''البتہ عبداللہ مل گیا ہے۔''

وسیم نشست گاہ میں ٹہل رہا تھا۔ ''وسیم بھائی!'' بیتو نے معصومانہ انداز میں کہا۔ ''کیا کال ملاتا ہے اس طرح ٹہل کر؟''

''منے، اس وقت مجھ سے بات مت کرو۔''

''کیوں، تم مجھ سے پوچھ کر بات کرتا ہے۔'' بیتو نے اسے لاجواب کیا۔

''ابھی اسے تنگ مت کرو۔'' میں نے بیتو کو گھورا۔

دس منٹ بعد میرے موبائل کی بیل بجی۔ میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے عبداللہ کی آواز آئی۔

''شہباز صاحب!''

''عبداللہ، یہ تم ہو؟''

''آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔'' اس کا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا۔ ''خدا کی قسم، میں نے پورا لاہور چھان مارا۔''

''بس یار، تقدیر نے انڈیا دھکیل دیا اور ابھی تک یہیں دھکے کھا رہا ہوں۔ راجا صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ تو انڈیا میں ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا، اچھا عبداللہ تمہارے پاس سونیا اور ناصر کا کوئی نمبر ہے؟'' میں نے کہا۔ ''میرے پاس ایک خوش خبری ہے۔ وسیم زندہ ہے اور میرے پاس ہے۔''

''سچ مچ!'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''آپ کو کہاں ملے؟''

''یہ ایک لمبی داستان ہے۔ فرصت سے سناؤں گا۔ فی الحال وسیم اپنی بہن سونیا سے بات کرنے کے لئے بے چین ہے۔''

عبداللہ ایک لمحے کے لئے چپ ہوا پھر اس نے کہا۔ ''میرے پاس ناصر کا نمبر تو ہے مگر گزشتہ دو دن سے یہ نمبر بند ہے۔'' اس کے انداز میں بے یقینی سی تھی۔ ''میں نے خود جا کر ناصر کی رہائش گاہ پر دیکھا تھا۔ اس کے پڑوسیوں نے بتایا کہ وہ صبح سویرے ایک خاتون کے ساتھ کہیں گیا تھا۔''

''عورت کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟'' میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''اس کا حلیہ سونیا بی بی جیسا تھا۔''

''تم نے سونیا کی قصور والی کوٹھی پر معلوم کیا؟''

''ہاں، اس کے چوکیدار نے سونیا بی بی کے بارے میں بتایا کہ وہ صبح سویرے لاہور کی طرف گئی تھیں اور کوٹھی بند کر کے گئی تھیں۔''

''تمہارا مطلب ہے سونیا اور ناصر اپنی مرضی سے کہیں گئے ہیں؟''

''ہاں، پھر میں نے تفتیش کی تو پتا چلا کہ ان کی جیپ جو سونیا بی بی کے نام تھی، لاہور ائیر پورٹ کی پارکنگ میں کھڑی ہے۔ مزید انکوائری پر دہلی جانے والی پی آئی اے کی پرواز سے دونوں کا دہلی جانا بھی ثابت ہوا تھا۔''

''میرے خدا! انہوں نے یہ کام تمہیں بتائے بغیر کیا؟''

''ظاہر ہے، ورنہ میں ان کو اتنی آسانی سے جانے نہیں دیتا۔''

''مگر وہ بھارت کیوں گئے؟''

''میں نے اس کی بھی جاسوسی کی اور بالآخر ناصر کے ایک جونیئر رپورٹر کو تلاش کر لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ناصر کے دہلی کے کسی اخبار کے ایک رپورٹر سے رابطے تھے اور اس نے ناصر کو بتایا تھا کہ آپ ہماچل پردیش میں کہیں دیکھے گئے اور انتہائی مطلوبہ افراد میں شامل ہیں۔''

"تو اس احمق کو سونیا کے ساتھ یہاں دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے خفگی سے کہا۔

"یہی تو میں بھی سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ سونیا بی بی اور ناصر صاحب کو صرف آپ کی ہی نہیں وسیم صاحب کی موجودگی کی اطلاع بھی مل ہو گی اور اس کے بعد سونیا بی بی کا ردعمل آپ خود سوچ سکتے ہیں۔"

"دہلی کا رپورٹر کس اخبار سے تعلق رکھتا ہے؟"

"ٹائمز آف انڈیا کا مقامی رپورٹر ہے۔ کسی صحافی کنونشن میں ناصر صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان کا دوست بن گیا۔ نام ایس پی جوزف ہے۔"

"تم نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں مگر رابطہ نہیں ہو سکا۔ اصل میں وہ سیاسی رپورٹر ہے۔ دفتر میں کم ہی آتا ہے اور اس کا موبائل نمبر بھی بند ہے۔"

"میرے خدا! ہم یہاں سے نکلنے کی سوچ رہے تھے اور ان لوگوں نے ایک نئے چکر میں ڈال دیا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔

"کیا ہوا؟" وسیم نے دبے لہجے میں کہا۔

میں نے اسے ایک منٹ رکنے کا اشارہ کیا اور عبداللہ سے پوچھا۔ "رانا صاحب کہاں ہیں، مجھے ان کا کنٹریکٹ نمبر دو۔"

عبداللہ نے مجھے دو نمبر دیئے۔ "ان پر رابطہ ہو سکتا ہے۔"

میں نے نمبر نوٹ کر کے عبداللہ کو وسیم اور چیتو کے نمبر نوٹ کرائے اور کال کاٹ کر وسیم سے کہا۔ "سونیا اور ناصر یہاں آ گئے ہیں۔"

"میرے خدا! یہ کیا کام کیا ہے ان لوگوں نے؟" اس نے اضطراب سے کہا۔

میں نے اسے اپنے اور عبداللہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ "انہیں میرے اور تمہارے بارے میں معلوم ہوا تھا۔"

"سونیا تو اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی مگر ناصر تو عقل مند ہے۔"

"یار، جب معاملہ خواتین کا ہو تو اچھے خاصے مردوں کی عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔ بہر حال ہم کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایس پی جوزف کا نمبر ہے۔ ہم اس سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے آپ راجا صاحب سے رابطہ کیجئے۔ میں جوزف سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" میں نے کہا اور بیڈ روم میں چلا آیا۔ میں نے عبداللہ کے دیئے ہوئے نمبروں میں سے ایک ملایا۔ چند لمحے بعد کسی نے جواب دیا۔ "گیتا ہاؤس۔ کس سے بات کرنی ہے؟"

"مجھے راجا عمر دراز سے بات کرنی ہے۔"

ایک لمحے کے لئے خاموشی رہی۔ "یہاں کوئی راجا عمر دراز نہیں رہتا ہے۔ آپ کون بات کر رہے ہیں؟"

"اگر یہاں کوئی عمر دراز نہیں ہے تو آپ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

''ممکن ہے میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔''

''اگر آپ میری راجا صاحب سے بات نہیں کرا سکتے تو آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔'' میں نے جواب دیا، میں نے محسوس کیا کہ وہ بلاوجہ بات کو طول نہیں دے رہا تھا۔

''او کے۔ میں وعدہ نہیں کرتا مگر ممکن ہے مدد کر ہی دوں۔'' اس نے کہا اور اچانک لائن کاٹ دی۔ میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ میں مایوس نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد کال آئے گی اور ایسا ہی ہوا، ایک منٹ کے بعد بیل بجی، میں نے کال ریسیو کی۔

''میں بات کر رہا ہوں۔'' آواز راجا عمر دراز کی تھی، اس نے اپنا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

''آپ پہچان گئے ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم کہاں ہو؟''

''کلکتہ میں۔ میرا ایک پرانا ساتھی اور ایک نیا ساتھی بھی ہے۔''

''تم محفوظ ہو؟''

''فی الحال تو ہوں۔''

''کل صبح بارہ بجے جادو گھر کے سامنے پہنچ جانا۔ جادو گر گھر یعنی میوزیم، دھرم تلہ میں ہے، کسی سے پتا کر لینا۔''

''اکیلے یا میرے ساتھی بھی ساتھ ہوں؟''

''اکیلے۔ زیادہ لوگ نظروں میں آتے ہیں۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

''آپ نے میرے پرانے ساتھی کے بارے میں نہیں پوچھا۔''

''میں جانتا ہوں۔ اس کی بہن بھی یہاں آ گئی ہے۔''

''میرے دونوں ساتھی جو بیرون ملک چلے گئے تھے۔''

''وہ بھی کچھ دنوں میں یہاں آنے والے ہیں مگر تمہاری طرح نہیں۔'' راجا عمر دراز نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆======☆======☆

میں نے مونا اور سفیر کے بارے میں پوچھا تھا اور راجا عمر دراز نے یہ بتا کر مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ بھی چند دن میں یہاں آنے والے ہیں۔ اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ مونا اور سفیر قانونی طریقے سے آ رہے تھے۔ میری طرح غیر قانونی طریقے سے نہیں آئے تھے۔ راجا نے جس نمبر سے کال کی تھی اسے ذہن نشین کر کے میں نے ریسیونگ کالز سے ڈیلیٹ کر دیا۔ راجا عمر دراز جیسا شخص محتاط تھا تو مجھے تو بہت ہی محتاط رہنا چاہیے تھا۔ اچانک مجھے احساس ہونے لگا کہ میں نے جوشی پر کچھ زیادہ ہی اعتماد کر لیا تھا۔ میں جس طرح سے انڈیا کی سرزمین پر تھا اور میں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے ان کی روشنی میں مجھے بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیے تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں اب تک بھارتی ایجنسیوں کے شکنجے میں آنے سے محفوظ رہا تھا اور مجھے اپنے بارے میں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ میں نشست گاہ میں آیا تو وسیم فکرمند سا بیٹھا تھا۔ ''ایس پی

جوزف کا فون بند ہے یا اس نے سم بدل لی ہے۔ میں نے ٹائمز آف انڈیا دہلی آفس فون کیا تھا۔ وہاں سے مجھے بتایا گیا ہے کہ ان کو بھی جوزف کا نہیں پتا ہے۔ اور اس کے فلیٹ کے فون پر کال ریسیو نہیں ہو رہی ہے۔"

"تم نے فلیٹ کا فون نمبر لیا ہے؟"

"ہاں، میں نے نمبر لے کر کوشش کی مگر وہاں کوئی فون ریسیو نہیں کر رہا ہے۔"

"یہ خبر تشویش ناک ہے کیونکہ صرف جوزف بتا سکتا ہے کہ سونیا اور ناصر کہاں ہیں۔" میں نے کہا اور اسے راجا عمر دراز سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنایا۔ مونا اور سفیر کی آمد کا سن کر وہ بھی فکر مند ہو گیا تھا۔

"راجا کو انہیں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جان سکا۔ دوسرے راجا عمر دراز کو سونیا اور ناصر کی یہاں آمد کا علم ہے اور وہ تمہارے زندہ ہونے کے بارے میں بھی جانتا ہے۔"

"تب تو اسے یہ علم بھی ہو گا کہ سونیا کہاں ہے؟"

"راجا عمر دراز کی باتوں سے مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ملا ہے کہ وہ سونیا کی جائے وقوع سے واقف ہے۔ وہ بہت محتاط ہو کر بات کر رہا تھا۔ اس لئے ہمیں بھی محتاط رہنا چاہئے۔"

"یہ میں آپ سے پہلے بھی کہہ رہا تھا۔ ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔ جوشی پر اتنی جلدی بھروسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں اس سے ملے ایک ہی دن تو ہوا ہے۔" وسیم کے لہجے میں جھنجلاہٹ آگئی تھی۔ یہ سونیا کے غائب ہونے کی مایوسی تھی جو اس کے لہجے میں جھلک آئی تھی۔

"مجھ سے غلطی ہوئی۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اگر جوشی نے پولیس کو انفارم کر دیا تو؟"

میں نے اچانک فیصلہ کر لیا۔ "ہمیں یہاں سے ابھی چل دینا چاہئے۔"

اور لائسنس......؟" وسیم نے سوال کیا۔

"راجو کو میں اپنا موبائل نمبر دے جاتا ہوں کہ جوشی اس پر مجھ سے رابطہ کرے۔" میں نے کہا اور راجو کو بلایا۔ وہ فوراً آیا تھا۔ میں نے اس سے پہلے جوشی کے موبائل نمبر کے بارے میں پوچھا۔

"ہے شاب! ابھی دیتا ہے۔" راجو نے جیب سے ایک میلی سی نوٹ بک نکالی اور مجھے جوشی کا موبائل نمبر بتایا جو میں نے اپنے موبائل میں محفوظ کرتے ہوئے اس سے رابطہ کیا۔ دوسری بیل پر اس نے کال ریسیو کر لی۔

"جوشی! کون بول رہا ہے؟"

"میں بات کر رہا ہوں ارجن کمار!"

"جی صاحب، حکم کرو۔"

"ہمارے کام کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ "آج رات تک ہو جائے گا۔"

"بالکل ہو جائے گا۔ ابھی میں اسی شخص سے ملنے جا رہا ہوں جو یہ کام کرے گا۔ وہ مل گیا تو بس ایک گھنٹے کی بات ہے۔"

"جوشی، ہمارے ساتھ دھوکا نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ "ورنہ سمجھ لینا...... ہم تین ہی

نہیں ہیں، پیچھے اور بھی لوگ ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔"

"صاحب، دھوکا کر کے مجھے اپنا دھندا چوپٹ نہیں کرنا ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "آپ پہلا آدمی تھوڑی ہو جس کا کام کر کے دے رہا ہوں۔"

"او کے۔ جب کام ہو جائے تو پہلے مجھے اس نمبر پر کال کرنا ٹھیک ہے۔"

"جیسا تمہاری مرضی صاحب!" اس نے کہا۔

میں نے فون بند کیا۔ اور ہم نے صرف وسیم والا بیگ لیا جس میں مشین گن تھی، باقی سامان رہنے دیا ورنہ عین ممکن تھا راجو مشکوک ہو کر جوشی کو اطلاع کر دیتا۔ ہم باہر نکلے تو راجو ہماری طرف آیا۔ "اب! کدھر جاتا...... رکسا لائے؟"

"نہیں، ذرا ٹہلنے کے لئے نکلے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا شاب!" اس نے وسیم کے بیگ پر ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ ایسا ہوتا ہو گا، مسافر اپنی قیمتی اشیاء گھر میں چھوڑنے کے بجائے ساتھ لے جانے کو ترجیح دیتے ہوں۔

"مجھے اس طرف کشتیوں کا گھاٹ نظر آیا تھا۔" وسیم نے باہر آ کر کہا۔ "اس طرف نہ چلیں؟"

"یعنی دریا کی سیر۔ آئیڈیا برا نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

ہم گھاٹ تک پہنچے تھے کہ کشتی والوں نے سیاح جان کر گھیر لیا۔ "فرسٹ کلاس کشتی سر! ولایتی ٹائپ...... صاحب بیوٹی فل بوٹ۔ بیوٹی فل گرل، اونلی دو تھاؤزینڈ ز!"

ایک نوجوان ذرا دور تھا۔ میں نے اسے اشارہ کیا، وہ اڑتا ہوا آیا۔ "سر، کیا خدمت کروں؟" اس نے انگریزی میں پوچھا۔ کلکتہ میں ہندی اور بنگالی کے بعد دوسری زبان انگریزی ہے۔ اکثر لوگ سمجھ اور بول لیتے ہیں۔

"تمہاری بوٹ کون سی ہے؟"

اس نے ایک...... کشتی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ صاحب! ایک دم پرفیکٹ۔ خدمت کا واسطے میرا بیوی بھی ہے۔" اس بار وہ اردو میں بولا۔

"موٹر بوٹ ہے۔"

"جی صاحب، دو انجن والا۔ حادثے کا امکان نہیں ہے۔"

"حادثہ تو ٹائی ٹینک کو بھی ہو سکتا ہے، یہ بتاؤ کیا لو گے؟"

"ایک گھنٹے کا ایک ہزار روپیا سر! کشتی رو کے گا تو ایک گھنٹے کا پانچ سو۔"

"منظور ہے۔" میں نے کہا اور ہم اس کی بوٹ پر سوار ہو گئے۔ اندر سے اس کی نازک سی بیوی نکلی تھی۔ اس نے بنگالی انداز میں ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ نوجوان کا نام سانیال تھا جبکہ اس کی بیوی کا نام جوشنا تھا۔ اس نے ہم سے ڈرنک کے بارے میں پوچھا، جس کی مراد شراب سے تھی۔ "ہم میں سے کوئی چائے کافی اور سافٹ ڈرنک سے آگے نہیں گیا۔"

"تو جو آپ کہیں سر!"

''میں سافٹ ڈرنک لوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس موسم میں چائے کافی نہیں پی جاتی ہے۔''

جوشنا نیچے سے آئی۔ وہ پھر نیچے چلی گئی۔ وسیم اور بیتو عقبی طرف جا کر ریلنگ سے دریا میں جھانکنے لگے۔ میں نے سانیال سے کہا۔ ''تمہاری بیوی خوبصورت ہے۔''

''یس سر! آئی ایم لکی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''تمہیں اس کے حوالے سے ڈر نہیں لگتا۔ ظاہر ہے تمہاری کشتی ہائر کرنے والے سب شریف تو نہیں ہوتے ہیں۔ کسی کی نیت خراب ہو جائے یا نشے میں دست درازی پر اتر آئے۔''

سانیال نے دانت نکالے۔ ''میں اپنی اور جوشنا کی حفاظت کرنا جانتا ہوں سر! میرے پاس اس کا بندوبست ہے۔''

شاید اس کے پاس کوئی ہتھیار تھا۔ ''تم سمجھ دار آدمی ہو۔''

''شکریہ سر! ایک بار ایسا ہوا تھا سر، دو آدمی آیا، جوشنا کے ساتھ رات گزارہ اور جب پیسا دینے کا وقت آیا تو بدمعاشی کرنے لگا، ہم نے ان کو سیدھا کر دیا۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ''تمہارا مطلب ہے، تم اپنی بیوی سے پیشہ کراتے ہو؟''

اس نے سادگی سے جواب دیا۔ ''ہاں سر! اس میں کیا برائی ہے، یہ بھی تو بزنس ہے۔''

''یہ بے غیرتی ہے۔'' میرا موڈ آف ہو گیا تھا۔ ''تم لوگوں کو ذرا بھی احساس نہیں ہے، بیوی مرد کی عزت ہوتی ہے۔''

''وہ تو ہے سر! کوئی میری بیوی کو میری مرضی کے بغیر ہاتھ لگا کر دیکھے۔'' اس نے سینہ تان کر کہا۔

''بے کار ہے شہباز صاحب!'' عقب سے وسیم نے کہا۔ ''آپ ان سے بلا وجہ بحث کر رہے ہیں۔ یہ ان کا کلچر ہے۔ یہ اسے برا نہیں سمجھتے ہیں۔''

''لعنت ہو ایسے کلچر پر!'' میں ان کے پاس آ بیٹھا۔ ''جب یہ غریب اور بھوکے تھے تب تو اس بے غیرتی میں مبتلا نہیں تھے، اب اسے دیکھو، راجو کو دیکھو۔ یہ سب کمانے والے لوگ ہیں، بھوکے نہیں مر رہے ہیں، اس کے باوجود بیویوں سے دھندا کراتے ہیں، ان کو احساس نہیں ہے۔''

''چھوڑو صاحب!'' بیتو بولا۔ ''جب ان کو احساس نہیں ہے تو آپ کیوں اپنا خون جلاتے ہو۔ ادھر دنیا دیکھو، کتنا خوب صورت ہے۔''

دریا کے دوسرے کنارے پر دور تک سبزہ نظر آ رہا تھا۔ دوسری جانب کلکتہ شہر اور اس کی بندرگاہ کی تنصیبات دکھائی دے رہی تھیں۔ بندرگاہ دریائے ہگلی کے کنارے پر ہے۔ دو گھنٹے بعد سورج غروب ہونے لگا تھا اور اس کی شفق رنگ کرنیں ہگلی کے سرخی مائل زرد پانی پر مچل رہی تھیں۔ میں نے موبائل نکال کر دیکھا، اس پر سگنل تھے اور ابھی تک جوشی کی کال نہیں آئی تھی حالانکہ اس سے بات کئے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ وسیم اپنے موبائل پر جوزف کا موبائل اور گھر کا نمبر بار بار ملا رہا تھا۔ میں نے اسے منع کیا۔ ''اتنی جلدی کال مت کرو، بیٹری کا چارج ویسے ہی کم ہے۔ اسے ایس ایم ایس کر دو۔''

''ہاں جیسے ہی اس کا موبائل آن ہو گا، میرے پاس ڈلیوری رپورٹ آ جائے گی۔'' وسیم نے سر ہلایا۔

''مجھے پتا چل جائے گا کہ اس کا موبائل آن ہو گیا ہے۔''

''اب تک جوشی کی کال آ جانی چاہئے تھی۔'' میں نے تاریک ہوتے آسمان کی طرف دیکھا۔

''شاید!'' بیتو نے کہنا چاہا مگر اس کی بات میرے موبائل کی بیل کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ کال جوشی کی ہی تھی۔

''جناب، کام ہو گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں لے کر آ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، راجو کے پاس پہنچ کر پھر کال کرنا۔'' میں نے اس سے کہا۔

''کیوں، آپ مکان میں نہیں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، ہم ذرا سیر کو نکلے ہیں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''اب لائسنس کیسے وصول کئے جائیں گے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''دیکھو۔'' میں نے غور کیا۔

''اسے دریا کے کنارے کیوں نہ بلا لیں۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔ ''اس سے سامان بھی منگوا لیں گے اور کشتی کے ذریعے ہی کلکتہ شہر چلے جائیں گے۔''

میں نے بے ساختہ بیتو کی پشت تھپکی۔ ''منا، واقعی ہوشیار ہو گیا ہے۔''

''کیا ترکیب سوچی ہے منے!'' وسیم نے اس کے بازو پر ہاتھ مارا تو وہ کراہا تھا۔

''زخم ابھی بھرا نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

میں نے سانیال سے کہا کہ وہ کشتی کو اس جگہ رکھے دور جانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہاں موبائل کے سگنلز آ رہے تھے۔ میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وسیم نے جوشا سے کافی بنوالی تھی، میں نے بھی پی۔ کافی کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ گرم ہوتی ہے اور یہ تاثر کسی حد تک درست ہے مگر وہ افراد جو کسی اور علاقے سے گرم مرطوب جگہوں پر آئیں ان کے لئے کافی کا استعمال لازمی ہوتا ہے۔ یہ ان کو ذہنی اور جسمانی طور پر سست ہونے سے بچاتی ہے۔ ہم مستقل کافی کا استعمال کر رہے تھے کیونکہ دو دن پہلے ہم سرد علاقے میں تھے اور یہاں مستقل گرمی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد مجھے جوشی کی کال ملی۔ ''آپ کہاں ہیں جناب، میں آ گیا ہوں۔''

''جوشی، ایسا کرو۔ ہمارے کمرے میں ہمارا جو سامان رکھا ہے اسے لے کر دریا کے کنارے چلے آؤ۔''

''سامان لے کر...... مگر کیوں، آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں، ہم چیک آؤٹ کر رہے ہیں۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ مگر میں چیزیں اسی وقت دوں گا جب مجھے میری باقی رقم بھی مل جائے گی۔''

''رقم کی پروا مت کرو، وہ مل جائے گی۔''

''کس ساحل پر آنا ہے۔''

''جو تمہارے مکان کے پاس ہے اور کوئی اشارہ کرنے کے لئے ٹارچ بھی لیتے آنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے سانیال سے کہا کہ وہ کشتی کا رخ گھاٹ سے ذرا آگے والے ساحل کی طرف کر لے۔ ''کشتی کنارے تک چلی جائے گی؟''

''بالکل، آپ فکر نہ کریں سر!'' اس نے کشتی گھمائی۔ ''آپ جاں کہیں گے، میں وہاں کشتی روک دوں گا۔''

ہم ذرا فاصلے پر تھے اس لئے ہم سے پہلے جوشی ساحل پر آ گیا تھا۔ وہ ٹارچ جلا بجھا کر مستقل اشارے کر رہا تھا۔ میں نے سانیال سے کہا۔ ''اس طرف چلو۔ ہمیں اس شخص سے ملنا ہے جو ٹارچ سے روشنیاں کر رہا ہے۔''

سانیال لانچ کو کنارے تک لے گیا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''ہوشیار رہنا، اگر کوئی مسئلہ ہو تو سانیال کو فوراً یہاں سے چلنے پر مجبور کرنا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے کہا۔

جیسے ہی کشتی کنارے سے لگی، میں پانی میں کود گیا۔ یہاں پانی میرے گھٹنوں سے ذرا نیچے تھا۔ جوشی کے ساتھ راجو تھا، جس نے میرا اور بیتو کا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ میں جوشی کے پاس نہیں گیا، میں نے اسے کشتی کی طرف آنے کو کہا۔ ''تم ادھر آؤ۔''

جوشی آگے آیا۔ ''کیا بات ہے صاحب! ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟''

''جوشی، اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی تو تم اس پر پچھتانے کے لئے اس دنیا میں نہیں رہو گے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''سامان کہاں ہے؟''

''پہلے رقم!'' اس نے کہا۔

''میں نے اسے بیس ہزار دیئے جو میں نے پہلے ہی سامنے والی جیب میں رکھ لئے تھے۔ اس نے مجھے ایک لفافہ دیا جس میں تین عدد لائسنس تھے۔ میں نے اس سے ٹارچ لے کر ان کا معائنہ کیا، اس سے پہلے میں نے کوئی انڈین لائسنس نہیں دیکھا تھا۔ میں نے جوشی سے اس کا لائسنس مانگا اور اس سے موازنہ کیا۔ بظاہر ایک جیسے تھے، صرف تصویروں اور تفصیلات کا فرق تھا، جوشی بیس ہزار پا کر خوش تھا۔

''مکان کا مزید کوئی چارج!'' میں نے اس سے پوچھا۔

''نہیں صاحب! ابھی تو آپ کل دوپہر تک رک سکتا ہے۔''

''نہیں جوشی! ہمیں جانا ہے، تمہارا نمبر ہے میرے پاس، ضرورت پڑی تو پھر کال کریں گے۔'' میں نے کہا اور اسے ہزار روپے دیئے۔ ''یہ مینا کو دینا، اس کا حساب نکلتا ہے۔''

راجو نے اس کا برا منایا تھا مگر مجھے یقین تھا، اگر میں نے اسے ہزار روپے دیئے تو وہ کبھی مینا کو نہیں دے گا۔ اس دوران میں بیتو آ کر راجو سے ہمارا سامان لے جا چکا تھا۔ میں نے جوشی سے ہاتھ ملایا اور کشتی پر چڑھ گیا۔ جوشی نے دھوکا نہیں دیا تھا مگر ہمارا محتاط ہونا پھر بھی درست تھا۔ سانیال نے انجن چلا رکھا تھا۔ اس نے کشتی کنارے سے نکال کر اس کا رخ وسط دریا کی طرف کر دیا۔ اب ہمیں کلکتہ جانا تھا۔ میں نے وسیم اور بیتو کے لائسنس ان کے حوالے کئے۔ ''انہیں سنبھالو اور اپنے نام یاد رکھنا۔''

''شکر ہے، اس فقیر چند سے جان چھوٹی۔'' وسیم نے سکھ کا سانس لیا۔

سانیال نے نصف گھنٹے بعد ہمیں کلکتہ کی بندرگاہ کے ایک گوشے میں اتار دیا۔ یہاں مقامی لانچیں اور کشتیاں تھیں۔ میں نے اس کا معاوضہ دیا۔ "ہمیں باہر جانے سے کوئی روکے گا تو نہیں۔"

"میں چلتا ہوں۔" سانیال بولا۔ "میرے پاس اجازت نامہ ہے ویسے روکتا کوئی نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی پولیس والے تنگ کرتے ہیں۔"

سانیال ہمیں بندرگاہ کے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے ایک ٹیکسی لی اور اسے کسی اچھے ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا۔ "سر! اناپورنا ہوٹل چلے گا؟" اس نے جواب دیا۔ "ایک دم فرسٹ کلاس ہوٹل ہے۔"

"چلے گا۔" میں نے کہا۔

یہ ہوٹل اچھا تھا مگر اتنا اچھا بھی نہیں کہ جتنا ٹیکسی والے نے بتایا تھا۔ وہاں مناسب کرائے پر ہمیں تین عدد کمرے مل گئے۔ ایک بات ہم نے طے کر لی تھی کہ رقم اور موبائل ہمیشہ اپنے پاس رکھنا ہے تاکہ بھاگنے کی نوبت آئے تو یہ چیزیں ہمارے پاس ہی ہوں۔ اس لئے سامان رکھ کر ہم نیچے ڈائننگ ہال میں آئے۔ کھانا کھایا اور واپس اوپر آئے۔ کمرے اے سی تھے اس لئے سکون تھا۔ وہ دونوں بھی میرے کمرے میں آ گئے۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا۔ وسیم چپ چاپ سا تھا۔ "سونیا یاد آ رہی ہے؟"

اس نے سرد آہ بھری۔ "ایک ہی تو بہن ہے میری۔"

"فکر مت کرو وہ اور ناصر خیریت سے ہوں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ جیتو ٹچ اسکرین والے موبائل سے الجھا ہوا تھا۔ میں نے اپنا اور وسیم کا موبائل آتے ہی چارجر پر لگا دیا تھا، جب تک ہم کھانا کھا کر آئے، یہ چارج ہو چکے تھے۔ میں نے وہ نمبر ملایا جس سے راجا عمر دراز نے مجھے کال کی تھی۔ مگر اس نے کال کاٹ دی۔ میں سمجھ گیا، وہ فی الحال بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

وسیم نے مجھے دیکھا۔ "جناب، کیا راجا عمر دراز کے کہے پر عمل کرنا ضروری ہے؟"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم اس کے لئے کام کرتے ہو۔"

"کرتا تھا، اب میں کام چھوڑ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے ہمیں راجا صاحب کے بجائے اپنا مقصد دیکھنا چاہئے۔"

"وسیم، میں ذاتی مفاد کے بجائے لوگوں کو ترجیح دیتا ہوں۔ ٹھیک ہے، اس وقت ہم مشکل میں ہیں اور ہمیں اپنی آسانی دیکھنی چاہئے لیکن راجا عمر دراز کے مجھ پر بہت سارے احسانات ہیں اس لئے جب وہ مجھے کچھ کہتا ہے تو میں کسی صورت اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"میں راجا صاحب کے لئے آپ کے جذبات سمجھتا ہوں اس کے باوجود میرا خیال ہے ہمیں جلد از جلد اس ملک سے نکل جانا چاہئے۔"

"یہاں سے جانا بھی آسان نہیں ہے اور اس سلسلے میں کوئی بھی لغزش سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گی۔"

"ہمیں واپس مشرقی پنجاب کی طرف جانا چاہئے، اس طرف میرے کچھ روابط ہیں ان کی مدد سے ہم......"

"تم شاید جانتے نہیں ہو...... اس وقت سرحدوں پر صورتِ حال کشیدہ ہے اور اس طرف سے سرحد پار کرنے میں بہت رسک ہے۔ یہی کام ہم بنگلہ دیش کی طرف سے زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد...... وہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"وہاں پاکستانی ہائی کمیشن سے نئے پاسپورٹ بنوا کر ہم کسی اور ملک جا سکتے ہیں۔"

"مرضی آپ کی۔" اس نے بےدلی سے کہا۔ "مجھے تو یہ کام آسان نہیں لگ رہا۔"

میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ جب سے اسے سونیا کے دہلی آنے کی اطلاع ملی تھی، وہ مضطرب تھا۔

"آسان تو یہ مرحلہ بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کل آپ اکیلے جائیں گے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ظاہر ہے۔ اس کے بعد دیکھتا ہوں کہ راجا عمر دراز کیا کرتا ہے۔"

اچانک وسیم کے موبائل نے بیپ دی۔ اس نے موبائل نکالا اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "جوزف کا موبائل آن ہو گیا ہے۔"

وسیم نے بےتابی سے نمبر ملایا اور رابطہ ہوتے ہی بولا۔ "ایس بی جوزف! ہاں میں سونیا کا بھائی بات کر رہا ہوں۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟ ہاں پلیز...... نمبر بتاؤ۔" وسیم نے رف پیڈ اپنی طرف گھسیٹا اور اس پر ایک نمبر لکھا۔ پھر اس نے جوزف کا شکریہ ادا کر کے فون بند کیا اور ہیجانی لہجے میں بولا۔ "وہ دونوں دہلی میں ہیں۔ ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔"

"یہ نمبر کس کا ہے؟" میں نے رف پیڈ پر نظر ڈالی۔ "یہ تو کوئی فکس یا وائرلیس فون لگتا ہے۔"

"یہ ہوٹل کا فون ہے۔" وسیم نے نمبر ملاتے ہوئے کہا۔ "جہاں سونی اور ناصر ٹھہرے ہیں۔" اس نے موبائل کان سے لگایا اور رابطہ ہونے پر کہا۔ "پلیز، مس سونیا کے کمرے میں ملا دیں...... کیا...... پولیس......" وسیم اچانک چلایا۔

اسی لمحے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور کسی نے کرخت آواز میں کہا۔ "دروازہ کھولو...... پولیس ہے۔"

ہم سب ساکت رہ گئے تھے۔

موقع نہایت سنگین ہو گیا تھا۔ ایک طرف وسیم کی بات نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا سونیا اور ناصر کسی مشکل میں تھے اور اس وقت ہمارے دروازے پر بھی پولیس تھی۔ میں نے اشارے سے وسیم سے موبائل بند کرنے کو کہا اور خود دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"پولیس!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک انسپکٹر اور دو سپاہی کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ایک گھبرایا ہوا نوجوان تھا۔ اس نے انسپکٹر سے کہا۔ "انسپکٹر...... پلیز! میرے ہوٹل کی ری پوٹیشن کا خیال رکھو۔"

"چپ کرو۔" انسپکٹر نے اسے جھڑک دیا اور اندر آنے لگا، میں دروازے پر جما رہا۔

"ایک منٹ!" میں نے انگریزی میں کہا۔ "بات کیا ہے انسپکٹر؟"

''اندر آنے دو۔'' اس نے مطالبہ کیا۔

''اس کے لئے وارنٹ دکھاؤ۔''

''پلیز سر!'' ہوٹل کے نمائندے نے لجاجت سے کہا۔ ''ہم اندر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔''

میں گرجا۔ ''اندر آ جاؤ۔ مگر میں بتا دوں اگر کوئی قانونی کارروائی ہوئی تو اس کے لئے سارے لوازمات پورے کرنے ہوں گے۔ ورنہ میں اپنے وکیل کو کال کر کے سب سے پہلے اس ہوٹل پر اور اس کے بعد پولیس پر ہتک عزت کا دعویٰ کروں گا۔''

''کر دینا۔'' انسپکٹر بے زاری سے بولا۔ وہ اندر آئے اس نے ہم تینوں کو دیکھا۔ ''اپنا لائسنس دکھاؤ۔''

''میں کبیر داس ہوں۔'' میں نے اپنا لائسنس اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شنکر داس!'' وسیم نے بھی اپنا لائسنس دکھایا۔ جیتو نے بھی اپنا لائسنس دکھایا۔ اس نے منہ سے کچھ کہنے سے گریز کیا۔ اس کا نام روی کمار تھا۔ انسپکٹر نے تینوں لائسنس کا غور سے معائنہ کیا اور اصل بات پر آ گیا۔

''یہ اصل ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔ ''کیا نقلی لائسنس بھی ہوتے ہیں؟''

''زیادہ معصوم مت بنو۔'' انسپکٹر دبلا اور لمبا سا بنگالی تھا۔ وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔ ''میں نے پوچھا ہے یہ اصلی ہیں؟''

''سو فی صد اصلی ہیں۔''

''کب بنوائے؟''

اچانک مجھے احساس ہوا کہ تینوں لائسنس بالکل نئے اور چمکتے دکھتے تھے۔ یہ کسی طرح پرانے نہیں لگ رہے تھے۔ ''ابھی چند دن پہلے بنوائے ہیں۔ دراصل سفر کے دوران ہمارے لائسنس گم ہو گئے تھے۔''

''کہاں سے بنوائے ہیں؟''

''یہیں کلکتہ سے۔''

''کس جگہ سے...... دفتر پتا ہے؟''

مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ہم پھنس رہے ہیں۔ انسپکٹر ہوشیاری سے گھیر رہا تھا۔ ''نہیں پتا...... کیونکہ ایک ایجنٹ کے توسط سے بنوائے ہیں۔''

''یہ لائسنس جعلی ہیں۔'' اس نے کہا اور پستول نکال لیا۔ ''میں تمہیں گرفتار کر رہا ہوں۔ ان کو ہتھکڑیاں ڈال دو۔''

''کیوں...... تم کیسے کہہ سکتے ہو یہ نقلی ہیں؟'' ہوٹل منیجر نے داخلت کی۔

''ہم ایسے ہی نہیں آتے، ہمارے پاس پوری اطلاع ہوتی ہے۔''

''تمہیں کس نے کہا کہ یہ لائسنس نقلی ہیں؟'' اس بار میں نے پوچھا۔

''پولیس اسٹیشن پہنچ کر پتا چل جائے گا۔'' اس نے کہا پھر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ ''منہ کیا دیکھ رہے ہو، ان کو ہتھکڑیاں ڈالو۔''

"ایک منٹ انسپکٹر!" میں نے اچانک اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "ذرا ادھر آ کر میری ایک بات سن لو ......ورنہ تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔"

دراصل میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر ایک بار ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں تو پھر یہ کسی جیل کی کوٹھری میں جا کر کھلیں گی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا، ایک بار میری شناخت سامنے آ جاتی تو پھر میری گلو خلاصی ناممکن ہو جاتی، مجھے جو کرنا تھا، ابھی کرنا تھا۔ انسپکٹر میرا نرم رویہ محسوس کر کے اکڑ گیا۔ "رشوت دینا چاہتے ہو؟"

"رشوت کیسی انسپکٹر!" میں نے ہوٹل منیجر کو آنکھ ماری۔ "تم نے بلاوجہ اتنی زحمت کی اور اب دیکھو نا، لائسنس ویری فائی کرانے کے لئے بھی زحمت کرو گے، میرے پاس کچھ ایسے ثبوت ہیں کہ تم یہاں بھی مطمئن ہو سکتے ہو۔ ذرا ادھر آنا۔"

انسپکٹر سمجھ گیا تھا، میں کس لئے اسے ایک طرف لے جا رہا ہوں اور مال پانی کے خیال سے اس کے چہرے پر جو تاثرات آئے تھے، اس سے مجھے امید بندھی کہ کام بن جائے گا۔ "چلو۔" اس نے اپنی خودی بلند رکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی چالاکی مت دکھانا۔ میں فوراً گولی مار دوں گا۔"

"تم سے کیا چالاکی انسپکٹر!" میں اسے کمرے کے ایک کونے میں لایا اور جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر دی۔ گڈی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں لالچ نمودار ہوا تھا۔

"پانچ نہیں دس!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "دونوں سپاہیوں کے الگ سے۔"

"بیس!" میں نے احتجاج کیا۔ "یہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

"اُدھر تھانے گئے تو بات اوپر چلی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پر اُدھر سے تمہیں بھی پھر معمولی سا حصہ ملے گا، زیادہ تر اوپر والے پی جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں زیادہ سے زیادہ دس دے سکتا ہوں۔"

انسپکٹر بھی ایک پرانا پاپی تھا، اس نے ماننے سے انکار کر دیا، اپنی بات پر اڑا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ میں مجبور ہوں اور اس کی بات مان جاؤں گا۔ جعلی لائسنس کا معاملہ خاصا سنگین ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خوف ناک چیز یعنی اسلحہ ہمارے بیگز میں تھا، وہ سامنے آ جاتا تو معاملے کی نوعیت ہی بدل جاتی اور عین ممکن تھا کہ انسپکٹر رشوت لینے سے انکار کر دیتا۔ اس لئے میں نے بادلِ ناخواستہ انداز میں اس کا مطالبہ مان لیا۔ بظاہر اس نے پانچ ہزار کم کر کے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری تھی اور یہ حقیقت تھی بیس ہزار دے کر میں بہت سستا چھوٹ رہا تھا۔ انسپکٹر نے نوٹ اپنی جیب میں یوں غائب کئے جیسے مداری گولا غائب کرتا ہے۔

"انسپکٹر، یہ تو بتا دو کہ ہمیں کس نے پھنسانے کی کوشش کی ہے؟"

"ہے ایک شخص!" انسپکٹر مسکرایا۔

"پتا نہیں، اس نے ہم سے کس بات کا بدلہ نکالا ہے۔"

"کسی بات کا نہیں۔ وہ ہمارا آدمی ہے۔ جب اس کی کشتی میں کوئی مشکوک آدمی آتا ہے، وہ ہمیں اطلاع کر دیتا ہے۔" انسپکٹر نے مسکرا کر کہا، اس کا اشارہ واضح طور پر سانیال کی طرف تھا۔ اس حرام زادے نے ہمیں جوشی سے لائسنس لیتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے انسپکٹر کو مطلع کیا تھا۔ مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ ہم سے

مال کھینچا جائے۔ میں نے اسے بھی فراخ دلی سے معاوضہ دیا تھا۔ جبکہ یہاں رقم خرچ کرتے ہوئے لوگوں کی جان جاتی تھی، ان کے جینے کا اصول ہے چمڑی بے شک چلی جائے، پر دمڑی نہ جائے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا، اب مجھے جیسا دیس ویسا بھیس والے فارمولے پر عمل کرنا ہوگا۔ یہاں حاتم طائی والا رویہ نہیں چلے گا۔

رشوت وصول کر کے انسپکٹر نے ایمرجنسی ختم کرنے کا اعلان کردیا یعنی اب ہمیں ہتھکڑیاں نہیں لگیں گی۔ "چلو۔"

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ہوٹل کا منیجر معاملہ خوش اسلوبی سے ختم ہونے پر مطمئن تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "بعد میں میرے پاس آنا منیجر، تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"مجھ سے کیوں؟" وہ فکر مند نظر آنے لگا۔

"کچھ حساب تم سے بھی نکلتا ہے۔" میں نے دانت پیسے۔

انسپکٹر جاتے جاتے رکا۔ اس نے بیگز کی طرف دیکھا۔ "ان میں کیا ہے؟"

"ہمارا سامان...... کپڑے......" وسیم نے بھنائے لہجے میں کہا۔ "ہم اس منحوس شہر میں ننگے گھومنے تو نہیں آئے تھے۔"

"ٹھیک ہے، پر خیال رہے، ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے انسپکٹر!" میں نے اسے یقین دلایا تو وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ دفع ہو گیا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور سرگوشی میں دونوں سے کہا۔ "یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

"یہاں سے بھی۔" بیتو نے سرد آہ بھری۔

"ہاں دوستو، ہمارے پیروں میں چکری بندھی ہے۔"

بیتو بھونچکا رہ گیا تھا۔ "پیر میں...... وہ کیسے؟"

"یہ محاورہ ہے منے۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے۔" وسیم نے اسے چھیڑا اور مجھ سے بولا۔ "شہباز صاحب، ہوٹلوں میں رکنا ویسے بھی درست نہیں ہے، ہمیں جوشی جیسا کوئی بندہ تلاش کرنا چاہئے تھا۔"

"ہمیں کل صبح بارہ بجے تک کا وقت کہیں نہ کہیں گزارنا ہے۔" میں نے کہا پھر چونک کر سر پر ہاتھ مارا۔

"اس چکر میں وہ بات تو ذہن سے نکل گئی، تم نے ہوٹل کال کی تھی تو کیا جواب ملا۔"

"میں نے سونیا اور ناصر کا پوچھا تو کسی نے بتایا، وہاں پولیس آئی ہے۔"

"ان کے لئے۔" میں نے غور کیا۔

"یہ تو میں نے پوچھا نہیں۔ پر آپ کے اشارے پر لائن کاٹ دی۔"

"اب معلوم کرلو۔ ممکن ہے پولیس کسی اور مقصد سے آئی ہو۔"

وسیم پھر کال کرنے لگا۔ چند لمحے میں رابطہ ہوا۔ "مجھے مسٹر ناصر اور مس سونیا سے بات کرنی ہے۔" وہ چپ ہو کر سننے لگا۔ "اچھا باہر گئے ہیں، او کے! جب آئیں تو ان سے کہیں اس نمبر پر کال کرلیں۔"

"وہ باہر گئے ہیں۔" وسیم نے فون بند کر کے کہا۔ اس کے چہرے پر خوشی جھلک آئی تھی۔ "پولیس کسی اور چکر میں وہاں آئی تھی۔"

"شکر ہے خدا کا۔" میں نے کہا۔ "اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی، میں نے اندر آنے کی جازت

دی۔ ”آ جاؤ۔“

ہوٹل منیجر اندر آیا۔ ”سر، آپ نے ----“

”سر کے بچے! تمہارے ہوٹل میں پولیس یوں منہ اٹھائے گھس آتی ہے۔“ میں نے گرج کر کہا۔ ”ان حرام زادوں کی جرأت کیسے ہوئی؟“

”سر، مجھے کیا معلوم، ان کو باہر سے کسی نے اطلاع دی تھی۔“

”تم لوگ بھی شامل ہو۔ پولیس اسٹیشن جانے سے بچنے کے لئے میں نے اسے بیس ہزار دے دیئے ہیں مگر اسے نہیں معلوم اس نے بیس ہزار کے بدلے اپنے بیوی بچوں کا سودا کر لیا ہے۔“

منیجر کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ”صاحب، میں بے قصور ہوں۔“

”تم بھی نہیں بچو گے۔ یہ ہوٹل بھی نہیں رہے گا۔ ممکن ہے کسی دن یہاں اس کا جلا کھنڈر رہ جائے۔“

اس بار منیجر کا رہا سہا رنگ بھی اُڑ گیا تھا۔ میرے لہجے اور انداز نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ ہم مافیا کے غنڈے ہیں۔

”مجھے معاف کر دیں۔ میں نے تو وہی کیا جو پولیس نے کہا تھا۔“

”اسی وجہ سے تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو ورنہ یہاں تمہاری لاش ہوتی اور ہم ہوٹل سے جا چکے ہوتے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”یہ انسپکٹر کس قسم کا آدمی ہے؟“

”ایک نمبر کا بے ایمان اور چور ---- اپنے باپ کو بھی چونا لگا جائے؟“

”ہم اس کے باپ نہیں ہیں اس لئے ہمیں چونا ضرور لگائے گا تو مسٹر ----“

”ستیش آنند!“ اس نے جلدی سے نام بتایا۔

”مسٹر آنند ہمیں ہوٹل سے نکلنا ہے مگر کسی کی نظروں میں آئے بغیر۔ تمہارے پاس سلیمانی چادر ہے؟“

”سلیمانی چادر!“ وہ دنگ رہ گیا تھا۔ ”وہ کیا ہوتی ہے جناب!“

”ہوتی ہے۔ خیر چھوڑو، کوئی راستہ ہے جس سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر نکل جائیں؟“

”مگر کیوں سر؟“ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”آپ نے کرایہ پیشگی دیا ہے۔“

”کیونکہ تمہارا وہ مینہ باپ ہمارا منتظر ہوگا ہوٹل کے باہر۔“ وسیم نے اسے گردن سے پکڑ کر کھینچا۔ ”جیسے ہی ہم سامنے سے نکلیں گے، وہ ہمیں گرفتار کر لے گا۔“

”اور ہم شرافت سے گرفتار نہیں ہوں گے۔ بڑا خون وکشت ہوگا۔ ممکن ہے سب سے پہلے تم مارے جاؤ۔“

”میں کیوں، سر؟“ اس نے بے ہوش ہونے کی تیاری شروع کر دی۔

”کیونکہ ہاتھیوں کی لڑائی میں گھاس مسلی جاتی ہے۔“

”ایک راستہ ہے، ادھر پیچھے سے جاتا ہے۔“

”بس ہمیں ادھر سے نکال دو۔“

”بعد میں پولیس والے مجھ سے پوچھیں گے کہ آپ کہاں گئے تو میں کیا کہوں گا؟“ اس نے رو دینے والے لہجے میں پوچھا۔

''ان کو کہہ دینا، ہم شریف مسافروں کی طرح چیک آؤٹ کر گئے ہیں۔''

''وہ بالکل یقین نہیں کریں گے، مجھے لے جائیں گے۔''

''حوصلہ کرو جوان! تم ایک ہوٹل کے منیجر ہو۔'' وسیم نے کہا۔

''اچھا۔'' وہ بے یقینی سے بولا۔

''ہاں۔تم پورے اعتماد سے پولیس کمشنر کی دھمکی دینا، وہ خود سدھر جائیں گے۔''

''اچھا وہ ڈر جائے گا؟''

''بالکل، اس کی پتلون گیلی ہو جائے گی۔'' وسیم نے یقین دلایا۔ ہم نے اپنا سامان اٹھالیا تھا۔''اب چلو۔''

''میں ..... میں کیسے جا سکتا ہوں۔''

''تمہارے بغیر ہمیں گزرنے کون دے گا نورِ چشم!'' میں نے اس کا سر ہلایا۔''جہاں تک مالکان کو مطمئن کرنے کا تعلق ہے تو کوئی بھی اسٹوری بنا سکتے ہو۔''

''مثلاً...... ہمارے دشمن توپ لئے ہوٹل کے دروازے پر منتظر تھے، اِدھر ہم نکلتے اُدھر وہ گولا داغتے، ہمارے ساتھ ہوٹل اور اس کی ساکھ کا بھی بیڑا غرق ہو جاتا۔ تم نے ہمیں عقب سے نکال کر تینوں چیزیں بچا لیں۔''

''اس پر مالکان تمہیں انعام دیں گے۔'' میں نے وسیم کی تائید کی۔''اب چلو دیر مت کرو۔کہیں وہ انسپکٹر پھر اندر نہ آ جائے اور اسے بیس ہزار واپس دینے پڑ جائیں۔''

''بلکہ ایسا کرنا مالکان سے ہمارے نام پر لاکھ روپے لے لینا۔'' وسیم نے اسے ایک نکتہ سمجھایا۔

''اچھا!'' وہ خوش نظر آنے لگا تھا۔''میرے ساتھ آیئے۔''

وہ ہمیں عقبی سیڑھیوں سے نیچے لایا۔ یہ زینے عام سے تھے اور سروس والے استعمال کرتے تھے۔ یہ زینے سروس ایریا میں ہی نکلتے تھے۔ البتہ عقبی راستے پر جو دروازہ کھلتا تھا اس پر تالا لگا تھا۔ آنند نے وضاحت کی۔ ''جب یہ دروازہ کھلا تھا، تو کچن کا مال باہر برآمد ہوتا تھا۔ لانڈری میں گھر والوں کے کپڑے دھلتے تھے۔''

''تم لوگوں نے حد کر دی۔'' وسیم ہنسا۔

''کرنا پڑی سر، ورنہ یہ تو بیچ کر کھا جاتے۔''

''اچھا کیا اوپر والے کچھ نہیں کرتے ہیں؟'' میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''وہ اپنا کھانچا الگ رکھتے ہیں۔ اس لئے مالکان بھی اعتراض نہیں کرتے ہیں۔'' وسیم بولا۔''کیوں آنند!''

''جی سر!'' اس نے کھسیا کر کہا اور جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا۔ پیچھے ایک چھوٹی سی سڑک تھی جس پر سامنے فلیٹ میں رہنے والے لوگوں کی کاریں کھڑی تھیں۔ یہ سڑک ایک طرف سے بند تھی اور دوسری طرف سے بڑی سڑک پر نکل رہی تھی اور یہ ہوٹل کے سامنے تھی۔ میں نے منیجر سے کہا۔''یہ عقبی راستہ ہے جو سامنے نکلتا ہے۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' اس نے پریشانی سے مجھے دیکھا۔
''ہم ایک ایک کر کے نکل جاتے ہیں۔'' بیتو نے پہلی بار زبان کھولی، اس نے عقل مندی دکھائی تھی۔ انسپکٹر کے سامنے زبان کھولنے سے گریز کیا تھا۔ ورنہ اس کی زبان ہی انسپکٹر کو چونکا دیتی۔
''وہ چالاک آدمی ہے اگر اس نے نگرانی رکھی ہوگی تو ان کی گلی پر بھی نظر ہوگی۔'' وسیم نے انکار کیا۔
''انہوں نے ہم سب کو اچھی طرح دیکھا ہے اور وہ ہمیں شناخت کر سکتے ہیں۔''
''کسی طرح ان فلیٹوں میں داخل ہو کر دوسری طرف نکل جائیں۔'' بیتو نے دوسری تجویز پیش کی۔
''میں خود ان فلیٹوں میں رہتا ہوں۔'' آنند نے بتایا۔ ''پیچھے کی طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''
''تم یہاں رہتے ہو۔'' میں نے ایک نئے زاویے سے غور کیا۔ ''تمہارے پاس کار تو ہونی چاہئے آخر اتنے بڑے ہوٹل کے منیجر ہو۔''
''نئی ماروتی ہے۔'' اس نے خوش ہو کر بتایا۔ ''ابھی چند مہینے پہلے لی ہے۔''
گلی میں کھمبوں پر تیز روشنی تھی۔ اس روشنی میں ایک کریم کلر سوزوکی ماروتی دکھائی دی۔ بالکل نئی کار تھی۔
''وہ ہے تمہاری کار!'' میں نے اشارہ کیا۔
''جی سر!'' وہ بولا۔
''گڈ، ہم اس میں جائیں گے تم نے مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔''
''اس میں۔'' وہ مرے ہوئے انداز میں بولا اور غالباً دل ہی دل میں پچھتایا کہ کار کا اقرار ہی کیوں کیا۔
''ہاں، کار میں ہمیں کون دیکھے گا۔ تم ہمیں ایک دو کلو میٹر کہیں چھوڑ دینا، آگے ہم ٹیکسی کر لیں گے۔''
''آپ میری کار تو نہیں لے جاؤ گے؟'' اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
''چندا، کار لے جانا ہوتی تو تمہیں لے جانے کو کیوں کہتے، کار تم ڈرائیو کرو گے، چلو آؤ۔''
آنند ہمارے ساتھ یوں روانہ ہوا جیسے قربانی کا بکرا قصائی کے ساتھ جاتا ہے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ہم مسلح ہیں، اسی وجہ سے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں تھی، اس نے لرزتے ہاتھوں سے کار کا دروازہ کھولا اور پھر اس نے اتنی پھرتی سے وہ کام کیا جس کی ہم توقع نہیں کر رہے تھے۔ وہ اندر بیٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ یہ کام اس نے سیکنڈ کے پہلے حصے میں کر لیا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے اگنیشن اسٹارٹ کی۔
''رک جاؤ۔'' میں چلایا۔ مگر اس نے رکنے کے لیے جان کی بازی نہیں لگائی تھی، اس نے کار اندھا دھند آگے دوڑائی اور میں اچھل کر ایک طرف نہ ہوتا تو وہ مجھے روند ڈالتا۔ وسیم بیگ سے مشین گن نکالنے جا رہا تھا میں نے اسے رکنے کو کہا۔ اس جگہ اسلحے کی نمائش خطرناک ہو سکتی تھیں کار دوڑتی اور لہراتی کونے سے مڑ کر ہوٹل کے سامنے چلی گئی۔ ''اب یہ پولیس کو لائے گا۔'' وسیم نے فکر مندی سے کہا۔ ''حرام زادے نے کیسا چکما دیا۔''
اس سڑک کے ایک طرف ہوٹل تھا اور دوسری طرف فلیٹس تھے۔ ہوٹل میں واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔'' میں فلیٹوں کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ ''ہمیں کسی فلیٹ میں پناہ لینی ہوگی۔''
وسیم نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر وہ میرے پیچھے لپکا۔ بیتو ساتھ تھا۔ شاید وسیم سامنے روڈ کی طرف سے نکلنے کے حق میں تھا لیکن یہ نہایت خطرناک ہو سکتا تھا۔ پولیس والے ایک بار پیچھے لگ جاتے تو ان سے جان چھڑانا

مشکل ہو جاتا۔ ہم خود کار آتشیں اسلحے کا استعمال کرتے تو نہ جانے کتنی جانیں جاتیں اور پولیس اور انتظامیہ ریڈ الرٹ ہو جاتی، ان حالات میں پولیس سے بچنا ہی اچھی حکمت عملی ہو سکتی تھی۔

یہ لگژری قسم کے فلیٹ تھے اور ہر فلور پر سیڑھیوں کے دائیں بائیں دو دو فلیٹ تھے اور یہ گراؤنڈ پلس چار منزلہ فلیٹس تھے۔ میں بے دریغ سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ میں نے دوسرے فلور کے فلیٹ کی کال بیل دی۔ چند لمحے بعد اندر سے کسی عورت نے پوچھا۔ "کون ہے؟" اس نے اردو میں بات کی تھی۔

"کوریئر!" میں نے نرم سی آواز میں کہا اور جیسے ہی دروازہ ذرا سا کھلا میں نے ہاتھ بڑھا کر نظر آنے والی عورت کا گلا دبوچ لیا۔ اس کی چیخ گلے میں ہی گھٹ گئی تھی۔ میں اسے دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ یہ نوجوان، سرخ سفید اور دلکش عورت تھی۔ اس نے شلوار اور بغیر آستین کی شمیز پہن رکھی تھی۔ میرے پیچھے جیتو اور وسیم اندر آئے۔ وسیم نے مشین گن نکال لی تھی اور میں نے سرگوشی میں عورت سے کہا۔ "میں تمہارا گلا چھوڑ رہا ہوں۔ خیال رہے آواز نہ نکلے ورنہ یہ مشین گن دیکھ رہی ہو۔"

اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا کر بتایا کہ وہ چپ رہے گی۔ میں نے اس کا گلا چھوڑ دیا اور پوری طرح محتاط تھا۔ اگر وہ چلاتی تو میں پھر اس کا منہ بند کر دیتا۔ "فلیٹ میں اور کتنے لوگ ہیں؟"

"کوئی نہیں، بس میں اور میری بچی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ لہجے میں وہ اتر پردیش کی لگ رہی تھی۔

"پورا فلیٹ دیکھو۔" میں نے جیتو سے کہا، اس نے سارا فلیٹ دیکھنے کے بعد تصدیق کی۔

"اندر ایک چھوٹی سی بچی ہے، وہ سو رہی ہے۔"

"تمہارا شوہر کہاں ہے اور کتنے لوگ رہتے ہیں؟" میں نے عورت کی طرف دیکھا۔

"بس میرا پتی ہے، وہ کام پر گیا ہے۔"

"رات کے دس بجے، وہ کام پر ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "اس کی رات کی ڈیوٹی ہے۔"

"اچھا!" میں نے کہا۔

"تم کون ہو، کیا چاہتے ہو؟" اس نے ہمت کر کے پوچھا۔

"ہم دشمن سے بچنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم یہاں پر پناہ لینے آئے ہیں۔ تمہیں یا تمہاری بچی کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔"

"ہم کچھ دیر رک کر یہاں سے چلے جائیں گے۔" وسیم نے بھی اسے تسلی دی۔ "ہم سے تم کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔"

"تم ہمارا دیدی کے جیسا ہے۔" جیتو نے تائید کی۔

"بشرطیکہ تم خود سے دشمنی نہ کرو اگر تم نے کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تو تمہاری اور تمہاری بچی کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔" میں نے آخر میں اسے دھمکانا مناسب سمجھا۔

"میں کسی کو نہیں بلاؤں گی۔"

"یہاں فون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "تمہارے پاس موبائل بھی ہو گا۔"

فون نہیں ہے، موبائل ہے۔'' اس نے کہا، اسی لمحے اندر والے کمرے سے ایک موبائل ٹون بجی۔

''رک جاؤ۔'' میں نے عورت کو جانے سے روک دیا اور بیتو کو اشارہ کیا، وہ موبائل لے آئے۔ بیتو موبائل لے آیا، اس کی اسکرین پر کسی پریتم کا نام آ رہا تھا۔ میں نے عورت کو دکھایا۔ ''یہ کون ہے؟''

''میرا پتی ہے۔''

''اس کا نام پریتم ہے؟''

''نہیں، میں اسے پیار سے کہتی ہوں۔'' بتاتے ہوئے عورت کا چہرہ ذرا سرخ ہوا تھا۔

''او کے، کال ریسیو کرو اور بالکل نارمل بات کرنا۔ اسے کوئی ذرا سا بھی غلط اشارہ مت دینا۔'' میں نے کہا اور موبائل کے قریب کان لگا دیا۔ عورت نے کال ریسیو کی۔

''بینو، کہاں ہو تم...... اتنی دیر سے بیل بج رہی تھی۔'' دوسری طرف سے کسی مرد نے برہم لہجے میں کہا۔

''میں باتھ روم میں تھی۔'' بینو نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''تم نے کیوں کال کی ہے؟''

''بینو! دروازہ اچھی طرح بند کر لو۔ اس علاقے میں مسلح افراد گھوم رہے ہیں۔ کوئی بھی دروازہ کھلوانا چاہے تو ہرگز مت کھولنا۔''

''اچھا۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا، وہ شوہر کو کیسے بتاتی کہ وہ جن کے لئے دروازہ کھولنے سے منع کر رہا تھا، وہ پہلے ہی اندر آ چکے تھے۔ ''یہ لوگ کون ہیں؟''

''پتا نہیں، مگر بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ممکن ہے میں آؤں مگر میری آواز سنے بغیر دروازہ مت کھولنا اور سمن کو پیار کرنا۔''

''اچھا!'' بینو نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے کوئی غلط اشارہ نہیں دیا تھا۔

''شکریہ! تم نے تعاون کیا ہے۔'' میں نے اس سے موبائل لے لیا۔

''پلیز، اب تم چلے جاؤ۔'' اس نے التجا کی۔

''نہیں، جب تک ہمیں اطمینان نہیں ہو گا، ہم یہاں رکیں گے۔ تم فکر مت کرو، میں اور میرے ساتھی بے ضرر ہیں۔''

مگر اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاصے کھلے حلئے میں تھی۔ میں نے اسے کہا۔ ''تم چاہو تو لباس بدل لو یا کوئی دوپٹا لے لو۔''

اس نے جلدی سے الماری سے ایک قمیص نکالی اور واش روم میں چلی گئی۔ قمیص پہن کر وہ کسی قدر پُر اعتماد دکھائی دینے لگی تھی۔ بیتو نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''دیدی کھانے کو کچھ ہے؟''

''ہاں، کچن میں ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''گرم کرنا ہو گا۔''

ہم سب ہی بھوکے تھے مگر مجھے فی الحال فکر یہاں سے نکلنے کی تھی پولیس اگر فلیٹس کو گھیر لیتی اور ایک ایک فلیٹ کی تلاشی لیتی تو ہم پکڑے جا سکتے تھے۔ میں نے دوسری طرف جا کر دیکھا۔ اس طرف بالکونی تھی اور اس پر گرل لگی تھی۔ دوسری طرف تین چار فٹ کے بعد ایک اور عمارت تھی۔ ان کے درمیان میں پتلی سی بند گلی تھی جو تاریک تھی اور اس سے نکلنے کا راستہ نہیں تھا۔ آنند نے ٹھیک کہا تھا اس عمارت کے دوسری طرف جانے کا راستہ

نہیں تھا۔ ہم پھنس گئے تھے۔ سامنے کی طرف ایک کمرا تھا۔ اس کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ مجھے فلیٹوں کے سامنے ایک پولیس جیپ دکھائی دی، تین چار پولیس والے تھے اور ان کے ساتھ آنند کھڑا تھا۔ پولیس والے آگے آنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ شاید مزید پولیس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ میں واپس آیا۔

''سنو، اس عمارت کی پشت پر جو عمارت ہے، اس پر نہیں جا سکتے؟'' میں نے بینو سے پوچھا۔

''نہیں، وہ اس سے اونچی ہے۔ دو منزلہ ہے۔'' اس نے بتایا۔

بیتو میز پر بیٹھا دال چاول اور بھاجی کھا رہا تھا۔ بینو نے میری طرف دیکھا۔ ''تم نے بھی کھانا ہے تو نکال دوں؟''

''نہیں شکریہ!'' میں نے انکار کر دیا۔ میری فکر بڑھ گئی تھی۔ تین کمروں کے اس فلیٹ میں چھپنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ دو باتھ روم اور ایک کچن تھا۔ اس میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی پولیس اندر آ گئی تو ہمیں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ سب باتیں وسیم کے ذہن میں بھی تھیں اس لئے وہ فکرمند تھا۔ اس کے مقابلے میں بیتو کو احساس نہیں تھا اور وہ مزے سے کھا پی رہا تھا۔ میں نے بینو سے پوچھا۔

''اگر ہمارے دشمن یہاں تک آ جائیں تو ہم کہیں چھپ سکتے ہیں؟''

''دشمن یا پولیس؟'' اس نے طنز کیا، ہمارے شریفانہ رویے سے اس کا خوف خاصی حد تک دور ہو گیا تھا۔

''چلو، پولیس سہی، میرے سوال کا جواب دو۔''

''نہیں، تم خود دیکھ رہے ہو اس فلیٹ میں کتنی جگہ ہے۔''

میں نے دوبارہ نیچے جھانکا۔ اس بار پولیس کی تین اور گاڑیاں نظر آئیں اور کم سے کم دو درجن پولیس والے دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے گلی کی ناکابندی کر دی تھی۔ اب وہ فلیٹوں کی تلاشی لینا شروع کرتے تو ان کو یہاں تک آتے زیادہ دیر نہ لگتی۔ چند ہی منٹ کے بعد نیچے سے شور سنائی دینے لگا تھا۔ پولیس والے ہماری تلاش میں فلیٹوں میں گھس رہے تھے اور ان کے مکین احتجاج کر رہے تھے۔ وسیم میرے قریب آ گیا۔ ''خطرہ سر پر آ گیا ہے۔''

''ہمیں مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر پولیس نے اس فلیٹ میں گھسنے کی کوشش کی تو ہم بینو اور اس کی بچی کو یرغمال بنا لیں گے۔'' میں نے آہستہ سے کہا کہ بینو نہ سن سکے۔

وسیم مایوس تھا۔ ''اس علاقے کی پولیس عام طور سے یرغمالیوں کی پروا نہیں کرتی۔''

''پھر بھی ہم آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔''

ہمارے چہروں اور باتوں کے انداز سے بیتو نے بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ کر لیا۔ وسیم نے اسے پولیس کی آمد کے بارے میں بتایا، ویسے اب ہنگامہ پہلی منزل تک آ گیا تھا۔ پولیس والے ایسے فلیٹوں میں گھس رہے تھے جیسے ان کو ہماری تلاش نہ ہو بلکہ اہلِ خانہ خود مجرم ہوں۔ مار پیٹ اور رونے چلانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ہمارے پاس صرف دو عدد یوزی مشین گنیں تھیں اور ان کے دو دو فالتو کلپ تھے۔ مقابلے کی صورت میں ہم زیادہ دیر نہیں رک سکتے تھے جبکہ پولیس کے پاس دوسرے آپشن بھی تھے یعنی وہ ہمیں آنسو گیس کے گولے مار کر بھی باہر نکال سکتی تھی۔

میں سوچ رہا تھا۔ ”وسیم اور بینو جیسے ہی پولیس یہاں آئے گی، تم دونوں باتھ روم میں چلے جاؤ گے، الگ الگ باتھ رومز میں۔“

”اور آپ......؟“

”میں کچن سے بینو کو دیکھوں گا۔ وہ پولیس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گی۔“

وسیم نے اس کی ہراساں صورت دیکھی۔ ”یہ تو خود بھانڈا پھوڑ دے گی۔“

میں نے غور کیا، واقعی ہم نے اس کی بچی کو یرغمال بنایا تو وہ کسی صورت مطمئن دکھائی نہیں دے سکتی تھی اس لئے میں نے دوسری ترکیب سوچی۔ میں نے بینو سے کہا جو صوفے پر بیٹھی تھی۔ ”دیوی جی! تم نے اندازہ کرلیا ہو گا کہ ہم کیسے لوگ ہیں اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہیں یا تمہاری بیٹی کو یرغمال بنالیں مگر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں اس لئے پولیس اندر آئی تو مقابلہ ضرور ہوگا اور اس میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کون مارا جائے گا اور کون بچے گا۔ ہماری پولیس کو تم جانتی ہو۔“

”تو میں کیا کرسکتی ہوں۔“ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”تم پولیس کو مطمئن کر کے اندر آنے سے روک سکتی ہو۔“

”اور اس کے باوجود پولیس اندر آئی۔“

”تب کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ ہاں جب تک پولیس ہمیں دریافت نہ کرے ہم کچھ نہیں کریں گے اور اس کے بعد خود کو بچانے کے لئے سب کر گزریں گے۔“

”میں کوشش کروں گی۔“

”اس کے بعد ہم خاموشی سے چلے جائیں گے۔“

”میں اپنے پتی کو کال کرلوں؟“

”نہیں، اس سے بلاوجہ ایک آدمی کا اور اضافہ ہوگا۔“ میں نے کہا اور اس کا موبائل بھی آف کر دیا۔ میں نے اپنے سارے موبائل بھی آف کرنے کو کہا کہیں عین موقع پر بیل نہ بج جائے۔ بینو اور وسیم نے بھی اپنے موبائلز آف کر دیئے۔ میں نے اپنے لئے جگہ سوچ لی تھی۔ یہ کچن کے سامنے والے کاؤنٹر کا نچلا کھلا حصہ تھا۔ اس میں لکڑی کی جالی کا کام تھا اور یہاں سے داخلی دروازہ نظر آرہا تھا۔ میں اپنی مشین گن سمیت آرام سے اس جگہ آ سکتا تھا۔ ”میں یہاں رہوں گا، مجھے یہاں سے دروازہ دکھائی دے گا۔“

میں نے ایک طرح سے بینو کو خبردار کر دیا تھا کہ میں اس پر نظر رکھے ہوئے ہوں ان لئے پولیس کو اشارہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جیسے ہی پولیس نے سیڑھیاں چڑھنا شروع کیں، میں کچن میں چلا گیا۔ یہ کھلا کچن تھا، اس کے سامنے کھلا لاؤنج تھا۔ اس لاؤنج کے آگے دو کمرے تھے اور ایک کمرا سامنے والے حصے میں تھا۔ پیچھے کے دونوں بیڈرومز کے ساتھ اٹیچ باتھ تھے۔ وسیم اپنی مشین گن سمیت بچوں والے بیڈروم کے ساتھ باتھ روم میں چلا گیا اور بیتو نے دوسرے باتھ روم کا رخ کیا۔ ”بینو دیوی، میں ایک بار پھر سمجھا رہا ہوں۔ پولیس کو ٹالنے کی پوری کوشش کرنا ورنہ ایک بار یہاں خون وقتل کا کھیل شروع ہوا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کون بچے گا اور کون نہیں۔“

”مجھے ڈراؤ مت۔ میں پوری کوشش کروں گی۔“ اس نے آہستہ کہا۔

جیسے ہی دروازے پر دستک ہوئی، میں جلدی سے کاؤنٹر کے نیچے ہو گیا۔ بینو نے فوراً جواب نہیں دیا جب پھر دستک ہوئی تو اس نے زور سے کہا۔ ''آ رہی ہوں، ذرا صبر کرو۔'' وہ دروازے کے پاس پہنچی۔ ''کون ہے؟''

''بینو، میں ہوں، دروازہ کھولو۔'' باہر سے ایک مردانہ آواز آئی۔ آواز مجھے مانوس سی لگی تھی۔

''پریتم!'' بینو بولی اور اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ''تم اتنی جلدی آ گئے؟''

''انسپکٹر، یہ میرا فلیٹ ہے۔'' آواز اس بار کھلے دروازے سے آئی تھی اور میں نے بلا شک وشبہ پہچان لی، یہ آنند کی آواز تھی یعنی ہوٹل کے منیجر کی اور ہم اسی کے گھر میں تھے۔ ''یہ میری پتنی ہے بینش۔''

''پرنام دیوی جی! کچھ آتنک وادی اِدھر فلیٹ میں گھس آئے ہیں۔''

''میرے فلیٹ میں۔'' بینو نے ڈرے انداز میں کہا۔ ''یہاں کیسے آئے؟''

''دیوی جی!'' انسپکٹر بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ''میرا مطلب ہے ان فلیٹوں میں آئے ہیں۔''

''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔'' بینو بولی۔ ''آنند، اندر آ جاؤ۔''

''انسپکٹر جی! بینو ڈر گئی ہے، میں اسے تسلی دے کر آتا ہوں۔''

''اچھی طرح تسلی دے کر آنا۔'' انسپکٹر نے بے ہودہ انداز میں کہا۔ ''ادھر ہی ہیں، وہ بھی بھاگ کر کہاں جائیں گے سسرے۔''

آنند اندر آیا اور اس نے دروازہ بند کرتے ہی بیوی کو بانہوں میں لے لیا۔ ''آج تو بال بال بچا۔''

''کیا ہوا؟'' بینو کسمسائی اسے پتا تھا میں دیکھ رہا ہوں۔

''ہوٹل میں تین آرمڈ بندے گھس آئے تھے، مجھے یرغمال بنا کر لے جانے کی کوشش کی مگر......'' اس کے بعد اس نے گپ مارنا شروع کر دی۔ وہ بتا رہا تھا کہ اس نے کس طرح مسلح افراد کا مقابلہ کیا اور ان کے چنگل سے نکل گیا۔ اس نے ایسی کم تیسی کر دی۔ ساتھ ہی وہ گالیاں بھی دے رہا تھا، جو ہم سن رہے تھے، بینو نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''بھگوان کے لئے گالیاں تو مت دو۔''

''ڈرو مت جانِ من! کچھ دیر میں وہ چوہوں کی طرح پکڑے جائیں گے یا کتے کی طرح مارے جائیں گے۔''

اس کی پشت میری طرف تھی اس لئے وہ مجھے کاؤنٹر کے نیچے سے نکل کر آتے نہ دیکھ سکا۔ میں نے مشین گن اس کی پشت سے لگا دی۔

''فی الحال ہمارا چوہوں کی طرح پکڑے جانا یا کتے کی طرح مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''تت...تم!'' اس نے بلا تکلف لرزنا شروع کر دیا۔ اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔

''آواز نہ نکلے۔'' میں نے نال کا دباؤ بڑھایا۔

''پلیز!'' بینو نے التجا کی۔

''تمہاری بدقسمتی، ہم بلا ارادہ تمہارے فلیٹ میں آ گئے۔'' میں نے سامنے آ کر کہا۔ ''اور ہماری خوش قسمتی کہ تمہاری وجہ سے پولیس نے اِدھر آنے سے گریز کیا۔''

''لیکن مجھے جانا ہوگا۔ اگر میں نہ گیا تو پولیس اندر آ جائے گی۔'' اس نے سوچ کر کہا۔

"بے شک تم جاؤ گے اور پولیس کو مطمئن رکھو گے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اِدھر تمہارے بیوی بچے ہمارے پاس یرغمالی ہوں گے۔ تم سوچ سکتے ہو، تمہاری ذرا سی غلط حرکت کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔"

آنند کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ "سنو، تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ پولیس نے چاروں طرف سے راستے بند کر رکھے ہیں۔"

"بے شک بند کر رکھے ہوں۔ کب تک بند رکھیں گے اور جب تک بند رکھیں گے، تب تک ہم یہاں رہیں گے۔"

وسیم اور بینو بھی باتھ روم سے نکل آئے تھے۔ آنند بولا۔ "اگر پولیس کو شک ہو گیا کہ تم یہاں ہو اور اس نے کارروائی کی......"

"تو تمہاری یہ حرام زدگی تمہارے بیوی بچے کو بھگتنا پڑے گی۔" وسیم غرایا۔ "ہم شریف ضرور ہیں لیکن احمق نہیں ہیں جو تم جیسے ہمیں بنا جائیں۔ یاد رکھو، مارے گئے تو سب کے ساتھ مارے جائیں گے۔"

"نہیں، میں کچھ نہیں کروں گا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اسی میں تمہاری عافیت ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ اس عمارت میں کل کتنے فلیٹ ہیں؟"

"چالیس فلیٹ ہیں۔"

"اور ان چالیس فلیٹوں کی تلاشی میں کتنی دیر لگے گی؟"

"اس طرف سے شروع کے چار فلیٹ ہو چکے ہیں۔ باقیوں کی تلاشی جاری ہے۔ میرا خیال ہے تمام فلیٹس کو دیکھنے میں دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔"

"یعنی رات ایک بجے تک کلیئر ہو گا۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں، پولیس کب تک محاصرہ ختم کرے گی۔"

"تب تک میں اور میرے ساتھی یہاں رہیں گے۔"

"یہ مصیبت تمہارا لایا ہوا ہے۔" بینو نے بھی اسے جھاڑا۔ "نہ تم چالاکی دکھاتا اور نہ ابھی پھنستا۔"

بینو نے حیرت سے اپنے شوہر نامدار کو دیکھا۔ "مجھے تم سے اس کی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ اگر یہ تم پر فائر کر دیتے تو میں تو بیوہ ہو جاتی۔"

"تمہیں اپنی پڑی ہے۔" آنند چڑ کر بولا۔ "میری فکر نہیں تھی۔ یہ مجھے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے اور کہیں لے جا کر گولی مار دیتے پھر؟"

"وہ تو اب بھی مار سکتے ہیں۔"

"اب نہیں مار سکتے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "گولی کی آواز سب جگہ جائے گی۔"

"میں ہاتھ مار کر تمہاری گردن توڑ سکتا ہوں۔" وسیم نے اسے آگاہ کیا۔ "اور اس کی آواز اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔"

"بھگوان کے لئے۔" بینو روہانسی ہو گئی۔ "یہ تم لوگ مرنے مارنے کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"کوئی نہیں مرے گا۔" آنند نے شکست خوردہ سے انداز میں کہا۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم

میری بیوی بچی کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے؟''

''ہم ایک گھنٹے سے یہاں ہیں، تم اپنی بیوی سے پوچھ لو۔ بے شک اکیلے میں لے جا کر پوچھ لو۔ ہم میں سے کسی نے اسے میلی نظر سے دیکھا یا تمہاری بچی کے بارے میں کوئی غلط بات کی۔''

بینو نے فوراً گواہی دی۔ ''یہ اچھے لوگ ہیں پریتم! میں تو صرف شمیز پہنے ہوئے تھی، انہوں نے خود مجھے قمیص پہننے کو کہا تھا، مجھ سے کوئی غلط سلوک بھی نہیں کیا۔''

''تم بے فکر ہو کر جاؤ۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''چاہو تو ہر دس پندرہ منٹ بعد بینو سے موبائل پر بات کر کے اس کی خیریت معلوم کر سکتے ہو۔''

''او کے۔'' آنند کسی قدر مطمئن نظر آنے لگا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ پولیس کو اس طرف نہ آنے دوں اور ان کو جلد از جلد یہاں سے رخصت کر دوں۔''

''دوسرے ہم تمہارے ساتھ ہی یہاں سے جائیں گے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''لہٰذا پولیس کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف کوئی جال بچھانے کا خیال بھی دل میں مت لانا۔''

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے یقین دلایا اور چلا گیا۔

اب مجھے بھوک لگنے لگی تھی، میں نے بینو سے کہا۔ ''کھانے کے لئے کیا ہے، اس دال بھاجی کے علاوہ؟''

''یہی کھاؤ صاحب۔'' بینو بولا۔ ''بہت مزے کا ہے۔''

ہم تینوں ایک دوسرے کا نام لینے سے گریز کر رہے تھے۔ وسیم بولا۔ ''چلو یہی لے آؤ، آج بنیوں کی خوراک بھی کھا لیں۔''

بینو نے ہمارے لئے بھی دال اور بھاجی گرم کی ساتھ میں سادہ چاول تھے، اس نے کہا۔ ''کہو تو روٹی ڈال دوں، اگر چاول نہیں کھانے تو؟''

''نہیں چاول چلیں گے۔'' میں نے منع کیا۔

''بشرطیکہ کھانے کے بعد کافی مل جائے۔''

''بینو مسکرائی۔ ''میں کافی بہت اچھی بناتی ہوں۔''

''اگر کافی پسند آئی تو ہم انعام بھی دیں گے۔'' میں نے شاہی انداز میں کہا اور بقول وسیم کے بنیوں کی خوراک کھانے لگا۔ بینو نے کافی کے لئے پانی رکھا۔ جب تک ہم کھانے سے فارغ ہوئے، وہاں کافی کی مہک پھیل چکی تھی۔ اس نے خوب صورت مگوں میں کافی نکالی، واقعی کافی خوش ذائقہ اور تازگی سے بھرپور تھی۔

''خوش رہو مسز پریتم!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''کہو کیا مانگتی ہو، روپیا، پیسا، ہیرے جواہرات!''

''اپنے پتی اور اپنی بچی کی زندگی۔'' اس نے کہا تو میرا ہاتھ رک گیا۔

''کم سے کم ہم سے ان کو بلکہ تمہیں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔ مگر پولیس یہاں آ گئی تو تب کیا ہوگا؟''

''اگر تمہارے شوہر کی حماقت سے نہیں آئے گی تو ہماری پوری کوشش ہوگی کہ تم پر آنچ نہ آئے۔''

''یہ بات پولیس والے تو نہیں سمجھیں گے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

میں نے مگ میز پر رکھ دیا۔ ''تب کیا تم چاہتی ہو ہم خود کو پولیس کے سامنے پیش کردیں؟'' وسیم نے تلخی سے کہا۔

بینو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، اس کا لہجہ بھی بھرا گیا تھا۔ ''بھگوان کے لئے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک پتنی اور ایک ماں ہوں۔ میرا یہی اثاثہ ہے۔ اگر میرا پتی یا بچی نہ رہی تو میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔''

اس کے لہجے میں فریاد تھی۔ میں نے غور کیا۔ ''ٹھیک ہے، میں زندگی کی ضمانت تو نہیں دے سکتا کیونکہ انسان ہوں مگر اتنا کہہ سکتا ہوں ہماری وجہ سے تم پر یا تمہارے شوہر اور بچے پر آنچ نہیں آئے گی۔''

''جناب، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وسیم اضطراب سے بولا۔

''یار اللہ پر بھروسا رکھو، وہی سب کا محافظ ہے۔''

بینو نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''تم مسلمان ہو؟''

میں نے اسے جواباً گھورا۔ ''اس ملک میں مسلمان ہونا کیا جرم ہے؟ جو ہر ایک چونک جاتا ہے۔''

''نہیں۔'' وہ خفیف ہوگئی۔ ''میری بہت ساری سہیلیاں مسلمان ہیں۔ میں نے دس سال کی عمر تک ان کے درمیان پرورش پائی ہے۔''

''تبھی تمہاری زبان صاف ہے۔''

''تمہاری شادی کو ابھی دو تین سال ہوئے ہیں؟'' وسیم نے اندازہ لگایا۔

''ہاں دو سال سات مہینے اور پندرہ دن۔'' اس نے فوراً حساب بتایا۔

جس دوران ہم بینو سے بات کر رہے تھے، اس وقت بیتو دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ اس نے آ کر اطلاع دی۔ ''وہ لوگ اب دوسری طرف چلے گئے ہیں۔''

اس کا مطلب تھا کہ وہ عمارت کے دوسرے حصے میں چلے گئے تھے۔ شور کی آواز کم ہوگئی تھیں میں نے کھڑکی کے نیچے دیکھا۔ پولیس والے بدستور موجود تھے۔ وسیم میرے پاس آیا۔ ''جناب! مجھے سونیا اور ناصر کی فکر ہے، ممکن ہے وہ کال کر رہے ہوں۔''

''ایسا کرو، موبائل آن کر کے اس کی بیل آف کر دو۔ کال آئے گی، وائبریٹ پر کرلو۔''

اس نے ایسا ہی کیا۔ آن کرتے ہی ایک ایس ایم ایس نظر آیا۔ وسیم نے اسے دیکھا اور اچھل پڑا۔ ایس ایم ایس سونیا کا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔ ''بھائی، یہ میرا نمبر ہے۔''

اسی لمحے موبائل نے بیل دی۔ اس کا پتا وائبریٹ اور اسکرین آن ہونے سے چلا۔ وسیم نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ ''سونی...... میری جان...... میری گڑیا۔'' اس کی آواز بھرا گئی پھر وہ رونے لگا۔ اتنا لمبا چوڑا اور مضبوط آدمی بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ میں نے اسے بازو میں لے لیا۔

''پاگل...... رومت...... بات کر۔'' مگر وہ روتا رہا میں نے اس سے موبائل لے لیا۔ ''سونیا یہ تو رو رہا ہے۔''

''میں بھی تو رو رہی ہوں شوبی بھائی!'' سونیا روتے ہوئے بولی۔

''دیکھو، ہم نہایت سنگین حالات سے دوچار ہیں، سمجھ لو گھیرے میں ہیں۔'' میں نے اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلایا۔

''کک...... کیا ہوا ہے؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔ ''کس کے گھیرے میں؟''

''فون پر اس قسم کی باتیں مناسب نہیں ہوتیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''وسیم سے بات کرو۔''

میں نے فون وسیم کو دیا، وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے سونیا سے بات کی، اس سے وہاں کا احوال پوچھا اور فون بند کر دیا۔ ''سونی اور ناصر وہاں کے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ وہ صرف دہلی تک رہنے کے مجاز ہیں مگر سونیا بضد ہے کہ وہ کلکتہ آئے گی۔''

''اسے کہو، فوراً واپس جائے، حالات ٹھیک نہیں ہیں، دونوں ملکوں کی فوجیں آمنے سامنے ہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو تمام پاکستانی یہاں پر جنگی قیدی بن جائیں گے۔ ان کو فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''میں نے بھی یہی کہا تھا۔'' وسیم بولا۔ ''مگر وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''ناصر سے بات کرو۔''

''ناصر دوسرے کمرے میں ہے، اس سے صبح ہی بات ہو سکتی ہے۔''

''اگر یہ لوگ واپس چلے جائیں تو ایک بوجھ تو کم ہو گا۔ راجا عمر دراز سے ملاقات کے بعد ہم بھی کسی اور طرف سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔''

''راجا عمر دراز خود آئے گا۔'' وسیم نے غور کیا۔

''نہیں۔ اس قسم کے کام وہ خود نہیں کرتا ہے، اس کے پاس ذرائع کی کمی نہیں ہے۔ وہ میرے اندازے سے زیادہ پُراسرار ہے۔''

''میں نے کسی شخص کو اس عمر میں اتنا چاق و چوبند نہیں دیکھا۔''

''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟'' میں نے غور کرتے ہوئے کہا۔ ''جب ہم لاہور میں تھے تو وہ مجھے انڈیا لے جانے کے لئے تیار تھا اور ندیم نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ میں فی الحال ملک سے چلا جاؤں تاکہ میرے دشمن بھی ذرا سکون سے بیٹھیں مگر یہاں پر بھی مجھے دشمن ہی ملے۔''

''آپ دشمنوں کے معاملے میں خود کفیل ہیں۔''

''گزشتہ چند ہفتوں میں، مَیں جن حالات سے گزرا ہوں، وہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچے تھے۔ خاص طور سے ہماچل پردیش میں جو ہوا، کتنی بار موت میرے پاس سے گزری اور اللہ نے مجھے محفوظ رکھا۔''

''مجھے بھی شاید وادی کے قید خانے سے اس لئے نجات ملی تھی کہ میں اوپر سے اس گن شپ پر پتھر مار سکوں، اس کے بعد مجھے پھر واپس پہنچا دیا گیا تھا۔'' وسیم ہنسا۔

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چکر میرے پاؤں میں ہے۔ مرشد علی ہو یا راج لاما یا پھر کنور خاندان ہے۔ مجھے کہیں نہ کہیں اپنی جان کا گاہک مل جاتا ہے۔ راج کنور تو میری جان لینا اور میرا خون نچوڑ لینا چاہتا تھا۔''

''کیوں؟'' وسیم چونکا۔

میں نے اسے سانپ سے ڈسے جانے اور اپنے علاج کی کہانی سنائی، اس کے بعد میرے خون میں کوئی

ایسی تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ اس سے بڑے کنور کا علاج کیا جا سکتا تھا جسے ایک سانپ نے ہی ڈسا تھا اور اسے پُر اسراری بیماری ہو گئی تھی جس میں اس کا گوشت گل رہا تھا، اب نہ جانے اس کا کیا حال ہوا ہو۔"

"میں نے آپ کے دشمنوں کو ہمیشہ پریشان اور برباد ہی دیکھا ہے۔"

"انہوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔"

"پھر بھی آپ پر خدا کا کرم ہے۔" وسیم نے اصرار کیا۔

"تو میں نے کب انکار کیا ہے، اس کے بغیر تو میں ایک پل نہیں جی سکتا۔ یہ سب اس رب کی مہربانی ہے جس کا میں گناہ گار بندہ ہوں۔"

وقت گزرنے لگا۔ وقفے وقفے سے بینو کا موبائل رنگ کرتا تھا اور آنند اس سے بات کر کے اپنی تسلی کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں نے وسیم سے کہا کہ وہ سو جائے ورنہ صبح تک سب کا نیند سے برا حال ہو گا۔ مجھے پولیس اتنی آسانی سے جاتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وسیم دوسرے بیڈ روم میں جا کر سو گیا۔ دو گھنٹے بعد میں نے بینو کو بھی بھیج دیا۔ اس وقت چار بج رہے تھے۔ پھر پانچ بجے وسیم کو اٹھا کر خود سو گیا۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ آٹھ بجے مجھے اور بینو دونوں کو اٹھا دے، اس وقت تک بینو بھی سو گئی تھی۔ وسیم نے ٹھیک آٹھ بجے مجھے اٹھا دیا تھا، اسی وقت آنند آ گیا۔ وہ تھکا ہوا اور بے حال تھا۔ "ساری رات پولیس کے ساتھ گزری اور صبح مالکان نے پکڑ لیا۔"

"اگر تم شرافت سے ہمیں کہیں چھوڑ دیتے تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔" میں نے کہا۔ "باہر کیا صورت حال ہے؟"

"پولیس نے گلی کا محاصرہ ختم کر دیا ہے مگر مین روڈ پر ہے۔ اسے شبہ ہے تم لوگ یہاں ہو اس لئے کبھی نہ کبھی تو نکلو گے۔"

"ہم تمہارے ساتھ جائیں گے۔"

"آنند کے ساتھ نہیں، میرے ساتھ۔" بینو نے ناشتے کے لئے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا میرا پتی اور بچی محفوظ رہیں گے۔"

"ہاں مگر تم کیوں جانا چاہ رہی ہو؟"

"آنند ساری رات پولیس کے ساتھ رہا ہے، ممکن ہے وہ اسے دیکھ کر مشکوک ہو جائے، مجھے صرف چند نے دیکھا تھا۔" بینو نے دلیل دی۔

"نہیں، تم نہیں جاؤ گی۔" آنند نے فوراً منع کر دیا۔

"پریتم، میں ان لوگوں پر پورا اعتماد کر رہی ہوں۔ یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"اور پولیس نے روک لیا تو......؟" آنند کے لہجے میں اندیشے لرز رہے تھے۔

"وہی جو تمہارے ساتھ ہو سکتا ہے مگر میرے جانے سے خطرہ کم ہو گا۔"

میں نے اس کی تائید کی۔ "آنند، یہ درست کہہ رہی ہے۔ اس کے ساتھ خطرہ کم ہو گا۔"

"میرا خیال ہے ہمیں نکل جانا چاہئے۔" وسیم نے تجویز دی۔ "اس وقت لوگ دفتروں اور کام پر جانے

کے لئے نکل رہے ہیں۔ ان کی آڑ میں ہم بھی نکل سکتے ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ بینو، ناشتا چھوڑو، اب ہم یہاں سے نکلیں گے۔''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''میں تیار ہوں۔''

''بینو!'' آنند نے کہنا چاہا۔

''بس مسٹر آنند!'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اب تم چپ رہو گے۔ پہلے میں اور میرا ایک ساتھی جائیں گے۔ ایک یہاں رکے گا۔''

''ایک یہاں کیوں رکے گا؟'' بینو فکر مند ہوگئی تھی۔

''ہم عقبی سیٹ پر لیٹ کر جائیں گے۔ تیسرے کی گنجائش نہیں ہوگی اور اگلی نشست پر چھپ کر جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔

آنند میری وضاحت سے مطمئن تھا یا نہیں، مگر وہ میری بات ماننے پر مجبور تھا۔ طے ہوا کہ پہلے وسیم اور بیتو جائیں گے۔ وسیم نے پہلے مجھے روانہ کرنا چاہا مگر میں نے اسے مجبور کیا۔ وہ دونوں بینو کے ساتھ نکلے۔ آنند سخت مضطرب تھا۔ ''آنند، کیا پولیس نے باہر کوئی خفیہ جال بچھا رکھا ہے؟''

''اگر اس نے ایسا کیا ہے تو میں بالکل بے خبر ہوں، ممکن ہے پولیس نے ایسا کیا ہو کیونکہ انسپکٹر کا خیال تھا کہ تم اور تمہارے ساتھی اسی علاقے میں کہیں چھپے ہیں۔''

''ہمارے بارے میں پولیس کا کیا خیال تھا؟''

وہ جھجکا۔ ''پولیس تم تینوں کو دہشت گرد خیال کر رہی ہے جو کسی واردات کے سلسلے میں کلکتہ آئے ہیں۔''

''ہم نہ تو دہشت گرد ہیں اور نہ ہی کسی تخریب کاری کے لئے آئے ہیں۔ ہم صرف اپنے طاقتور دشمنوں سے بچتے پھر رہے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''جس انسپکٹر نے تم سے رشوت لی تھی، وہ پکڑا گیا ہے۔ اس نے کسی مخبر کا بتایا تھا۔ جس نے تمہاری نشاندہی کی تھی اور اسے پکڑنے پر کوئی جوشی نامی شخص پولیس کے ہاتھ لگا تھا۔''

یہ سنتے ہی میرے اندر گھنٹی بجی تھی۔ اگر جوشی پولیس کے ہاتھ آ گیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ نہ صرف ہمارے جعلی لائسنس کا پول کھل چکا تھا بلکہ کم سے کم میرا موبائل نمبر بھی پولیس کے علم میں آ گیا تھا۔ پولیس اس کی مدد سے میرا سراغ لگا سکتی تھی۔ میں نے موبائل آف کر رکھا تھا اس لئے فوری طور پر خطرہ نہیں تھا۔ میں آنند کا شکر گزار تھا جس نے مجھے بروقت خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کی بچی جاگ گئی تھی اور اس نے اپنی نیپی گیلی کر دی تھی۔ آنند اسے دیکھنے لگا۔ میں بینو کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد کال بیل بجی اور بینو اندر آئی۔ ''میں نے ان دونوں کو کچھ دور چھوڑا ہے۔ جلدی سے آؤ، باہر پولیس ہے ممکن ہے اس بار نکلنا مشکل ہو۔''

میں نے محسوس کیا کہ یہ سن کر آنند کی کسی قدر خوش ہوا تھا۔ بینو اس کے پاس گئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ ''پریتم، میری اور سونیتا کی سوگند کھاؤ۔ ہمارے جانے کے بعد تم کوئی حرکت نہیں کرو گے؟''

''میں بھلا کوئی حرکت کیوں کرنے لگا؟'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''نہیں، میری سوگند کھاؤ، ورنہ میں سونیتا کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔''

یہ سنتے ہی آنند کے شانے ڈھلک گئے تھے اس نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔''میں تمہاری اور سونیتا کی سوگند کھاتا ہوں میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔''

''تھینک یو!'' بینو بولی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔''چلئے جناب!''

میں نے اپنی رائفل بیگ میں ڈال لی تھی مگر اس طرح کہ میں اسے ایک لمحے میں نکال سکتا تھا۔ ہم نیچے آئے۔ بینو نے کار عین سیڑھیوں کے سامنے روکی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور میں جلدی سے عقبی نشست پر دراز ہوگیا۔ یہ چھوٹی سی کار تھی اور میں خاصی مشکل سے فولڈ ہو کر اس میں آیا تھا۔ بینو نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔''ہوشیار رہنا۔ اگر پولیس نے روکنے کی کوشش کی تو میں بھگا دوں گی۔''

''کوشش کرنا کہ مجھے راستے میں کہیں اتار دو۔''

''تمہارے ساتھی نے کہا تھا کہ اگر تم مقررہ جگہ نہ پہنچے تو بارہ بجے وہاں آ جانا جہاں کسی راجا نے بلایا ہے۔''

یہ خیال صرف وسیم کو آ سکتا تھا، اسے خیال آیا کہ ممکن ہے میں کسی وجہ سے ان سے نہ مل سکوں اور پولیس سے بھی بچ نکلوں تو وہ میرا دھرم تلہ کے شہید مینار کے پاس بارہ بجے انتظار کریں گے مگر خدا کا شکر ہے اس کی نوبت نہیں آئی۔ بینو نے مجھے ایک ریستوران کے سامنے اتارا۔''میں نے ان دونوں کو بھی یہاں چھوڑا تھا۔''

''تمہارا شکریہ مسز آنند!'' میں نے کھڑکی پر جھک کر کہا۔ کار رکتے ہی میں باہر نکل آیا تھا اور مجھے اردگرد کہیں بھی وسیم یا بیتو دکھائی نہیں دیئے تھے۔''تمہیں یقین ہے آنند پولیس کو اطلاع نہیں کرے گا؟''

''ہاں، میں نے اسے سونیتا کی سوگند دی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔ تم نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا، اس کا صلہ نہیں دے سکتا مگر یہ چھوٹا سا نذرانہ ہے۔'' میں نے دس ہزار روپے ڈیش بورڈ پر رکھ دیئے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

''میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں، تم سونیتا کے لئے ہماری طرف سے کچھ لے لینا۔''

''تھینک یو!'' اس نے ممنونیت سے کہا۔''تم لوگ بہت اچھے ہو۔''

''ہمارے لئے دعا کرنا۔''

بینو کے جانے کے بعد میں نے دوبارہ اردگرد کا جائزہ لیا اور وسیم مجھے ایک کونے میں نظر آیا۔ وہ مجھے اشارہ کر رہا تھا۔ میں ٹہلتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دو عمارتوں کے درمیان میں ایک پتلی سی گلی تھی جس میں بمشکل دو افراد گزر سکتے تھے۔''بیتو کہاں ہے؟''

''دوسری طرف ہے، آیئے میرے ساتھ۔'' اس نے کہا۔''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''ابھی تک تو نہیں ہوا ہے مگر ممکن ہے آنند کوئی حرامی پن کر جائے۔ اس کا انداز مشکوک تھا۔ اس نے بینو کے مجبور کرنے پر اس کی اور اپنی بچی کی قسم کھائی تھی کہ ہمارے جانے کے بعد کوئی حرکت نہیں کرے گا مگر مجھے اس پر بھروسا نہیں ہے۔''

"اس لئے ہمیں جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہئے۔"

بیتو دوسری طرف ہمارا منتظر تھا۔ وہاں سے ہم نے ایک ٹیکسی لی اور چند کلو میٹر بعد ایک ریستوران کے سامنے اتر گئے۔ وہاں فریش ہو کر اور منہ ہاتھ دھو کر ناشتا کیا۔ اس کے بعد وہاں سے نکلے تو سیدھے دھرم تلہ کا رخ کیا، بلاوجہ اِدھر اُدھر پھرنے سے بہتر تھا کہ ہم بارہ بجے کا انتظار پارک میں بیٹھ کر کرتے۔ ٹرام ڈپو کے سامنے اتر کر وسیم نے بتایا۔ "میں نے سونیا کو کال کی تھی ناصر سے بات ہوئی۔ وہ آج ہی پہلی فلائٹ سے واپس لاہور جا رہے ہیں۔"

"ان کے جانے سے ایک طرف تو اطمینان ہو جائے گا۔"

"ہاں، دو بجے کی فلائٹ ہے۔" وسیم نے بتایا۔

دھرم تلہ کو شہر کا مرکز کہا جاتا ہے۔ یہاں ٹرام ڈپو بھی ہے اور ایک سائیڈ پر 1857ء کے شہدا کی یاد میں شہید مینار ہے۔ اس کے اطراف میں خوبصورت پارک بھی ہے۔ ہم اسی پارک میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

"راجا نے صرف مجھے آنے کے لئے کہا تھا۔"

"اور پورا لشکر یہاں ہے۔" وسیم مسکرایا۔

"مجبوری ہے۔ مگر بارہ بجے میں جاؤں گا اور جب راجا کے آدمی سے ملاقات ہو جائے گی تو تمہیں بھی بلا لوں گا۔" میں نے کہا اور اچانک مجھے یاد آیا۔ میں نے موبائل نکالا اور اس میں سے سم نکال کر اسے انگلیوں میں دبا کر توڑ دیا تھا پھر اسے قریبی ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ بیتو غور سے دیکھ رہا تھا۔ "ایسا کیوں کیا صاحب!"

میں نے ان کو بتایا۔ "جوشی پولیس کے ہاتھ آ گیا ہے اور ہمارے لائسنس بے کار ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ سم بھی خطرناک ہو گئی تھی۔ میں اس نمبر سے جوشی سے بات کرتا رہا تھا اس لئے یہ نمبر لازماً پولیس کے پاس ہو گا۔ اس لئے اب اس کا استعمال خطرناک ہو سکتا تھا۔ باقی سم محفوظ ہیں، ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

پونے بارہ بجے میں پارک سے باہر نکلا اور سیڑھیوں پر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ نمایاں نظر آؤں۔ راجا عمر دراز نے جس کو بھیجا ہو گا اسے میری تصویر دکھائی گئی ہو گی۔ میرے چہرے پر چند دن کی بڑھی شیو تھی مگر اس سے میرا چہرہ خاص تبدیل نہیں ہوا تھا مجھے امید تھی کہ مجھے شناخت کرنے میں دشواری نہیں ہو گی۔ پھر بھی آنے والا مجھے تلاش نہ کر سکا یا کوئی اور مسئلہ ہوا تو میرے پاس راجا عمر دراز کا نمبر تھا۔ بارہ بجے کا گھنٹا بجا۔ سامنے ایک بڑی سی گھڑی لگی تھی۔ یہ آواز اسی گھڑیال کی تھی۔ ابھی تک میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ میں صبر و سکون سے کھڑا رہا۔ کوئی سوا بارہ بجے ایک ادھیڑ عمر شخص میرے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور اس نے انگریزی میں کہا۔

"مجھے یہ پتا سمجھا دو، مہربانی کر کے۔"

میں نے کاغذ لیا اور چونکا۔ اس پر لکھا تھا۔ "اس شخص کے ساتھ چلے آؤ مگر گرد و پیش کا خیال رکھنا۔ آر یو ڈی۔" آر یو ڈی سے مراد راجا عمر دراز ہی ہو سکتا تھا۔

میں نے اسے پتا سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "تم اس پہلی عمارت کے سامنے کھڑے رہنا، میں اپنے ساتھیوں کو لے کر آ رہا ہوں۔" میں نے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا جیسے اسے بتا رہا ہوں اس کا پتا اس سمت میں ہے۔

''میں انتظار کررہا ہوں۔'' اس نے کاغذ لیتے ہوئے سر ہلا کر کہا اور اس طرف بڑھ گیا۔

''میں پلٹ کر پارک میں آیا۔''چلو، آدمی آگیا ہے۔''میں نے وسیم اور بیتو کو بتایا۔''ایک ساتھ مت آنا، ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ رکھنا۔''

''اتنی احتیاط کس لئے؟''وسیم نے بیگ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''راجا نے اس کی ہدایت ہے۔''میں نے بیگ لے کر اُدھر کا رخ کیا۔

پارک سے نکل کر میں اس سمت میں چلا جس طرف وہ آدمی گیا تھا۔ وسیم اور بیتو دس پندرہ گز کا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے آرہے تھے اور مجھے آس پاس کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو نگرانی کررہا ہو۔ اگر ایسا تھا تو اس نے خود کو کامیابی سے چھپا رکھا تھا۔ وہ شخص جو راجا عمر دراز کی طرف سے آیا تھا، جیلی عمارت کے ایک کونے پر کھڑا تھا۔ میں اس کے پاس رکا۔''کہاں جانا ہے؟''میں بظاہر جھک کر جوتے کے تسمے ٹھیک کرنے لگا تھا۔

''میرے پیچھے آؤ۔''اس نے کہا۔''ذرا فاصلہ دے کر چلنا۔''

''تم چلو۔''میں تسمے ٹھیک کرتا رہا اور وہ آگے چلا گیا۔ جب وہ دس پندرہ قدم آگے نکل گیا تو میں اس کے پیچھے چلتا۔ وسیم اور بیتو میرے پیچھے تھے۔ اچھی خاصی جیمز بونڈ کی فلم بن گئی۔ وہ چلتا رہا، چہرے اور زبان سے [illegible] ہا تھا [illegible] کر کے وہ ایک وین کے سامنے رکا۔ یہ فاکس ویگن کا کم سے کم تیس سال پرانا ماڈل تھا جو [illegible] تھا۔ مگر خال خال ہی دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان میں بھی میں نے اس کے نمونے کم دیکھے ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ یہ ایندھن فراخ دلی سے استعمال کرتی ہے۔ اس نے پچھلا سرک جانے والا دروازہ کھولا اور میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ یکے بعد دیگرے وسیم اور بیتو بھی اندر آگئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک تیکھے نقوش والا شخص تھا۔ بعد میں پتا چلا وہ گورکھا تھا اس نے دروازہ بند ہوتے ہی ویگن اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے ادھیڑ عمر شخص سے پوچھا۔

''میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟''

''منجور چوہدری۔''اس نے کہا۔

''منجور......''میں نے غور سے دیکھا۔''یہ کیسا نام ہے؟''

''آپ منجور نہیں سمجھتا۔''اس نے تعجب سے کہا۔''ہم مسلمان ہے، منجور چوہدری!''

میں نے غور کیا سمجھ میں آگیا۔ اس کا نام منظور چوہدری تھا۔''اچھا سمجھ گیا، تو منظور صاحب، ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''برن پور۔''اس نے سادگی سے کہا۔

''برن پور! یہ کہاں ہے؟''

''کلکتہ کے شمال میں مرشد آباد ہے۔ ایک زمانے میں وہ صوبہ بنگالہ کا دارالحکومت بھی تھا۔ ادھر سے اس کی سرحد شروع ہوتی تھی اور آسام پار کرتی ہوئی بھوٹان تک چلی جاتی تھی۔ صوبہ اڑیسہ بھی اسی میں شامل تھا یعنی نو صوبے کا ایک صوبہ تھا۔ اسی مرشد آباد کے نواب سراج الدولہ کو پلاسی میں شکست دینے کے بعد انگریزوں نے مرشد آباد کے برابر میں یہ شہر برن پور آباد کر لیا۔ اسی طرح جیسے علی پور کے برابر میں کلکتہ بسایا گیا۔ مرشد آباد کی

اب پہلے جیسی شان وشوکت باقی نہیں رہی ہے مگر آپ دیکھنا، بہت خوبصورت شہر ہے۔"

مجھے یاد آیا، میں نے کہیں اس شہر کے بارے میں لارڈ کلائیو کا تبصرہ پڑھا تھا، اس نے لکھا تھا۔" مرشد آباد لندن جیسا شہر ہے بس ایک فرق ہے، یہ لندن سے کہیں بڑا ہے اور اس کے امراء کے پاس لندن کے امراء سے کہیں زیادہ دولت ہے۔"

"کتنی دیر لگے گی؟" میں نے نشست پر دراز ہو کر کہا۔

"چار گھنٹے کا سفر ہے۔"

"راجا صاحب وہیں ہیں؟"

"کون راجا صاحب!" اس نے سچ مچ حیرت سے کہا تھا۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

"میں تو رانا دیاس گوالتی کا ملازم ہوں۔" اس نے کہا۔ "انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔"

"میں کسی رانا دیاس کو نہیں جانتا۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ کل مالک نے مجھے آپ کی تصویر دیا اور کہا آپ ادھر کلکتہ میں دھرم تلہ کے سامنے ملو گے۔"

میں کش مکش میں پڑ گیا تھا۔ یہ ساری باتیں اشارہ کر رہی تھیں کہ ہمیں راجا عمر دراز نے بلایا ہے جبکہ یہ شخص کہہ رہا تھا وہ کسی رانا دیاس کا ملازم ہے اور راجا عمر دراز کو نہیں جانتا۔ اچانک وسیم اس سے مخاطب ہوا، اس نے منظور کو راجا عمر دراز کا حلیہ بتایا۔ "تمہارے مالک کے پاس اس حلیے کا کوئی شخص موجود ہے؟"

"ہاں، پر آپ کیسے جانتے ہو؟" اس نے تعجب سے کہا۔

"بس جانتے ہیں۔" وسیم میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔

میری فکر دور ہو گئی۔ اس دوران میں ویگن کلکتہ کے مضافات میں آ گئی تھی جہاں کہیں آبادی اور کہیں کھیت تھے۔ قدرت نے اس خطہ ارضی کو فراخ دلی سے حسن دیا ہے۔ شاذ ہی کوئی جگہ سبزے سے خالی تھی، بے شمار رنگوں کے پھول کھلے تھے۔ نازک بیلیں درختوں پر چڑھ رہی تھیں۔ ناریل، تاڑ، پام اور بانس کے درخت کثرت سے تھے۔ ایک جگہ دو عورتیں ناریل کا ڈھیر لگائے فروخت کر رہی تھیں۔ ہم کلکتہ سے دور جا رہے تھے اور یہ اچھی بات تھی، کلکتہ شہر رفتہ رفتہ ہمارے لئے پھندا بنتا جا رہا تھا، ایک بار یہ پھندا سخت ہو جاتا تو اس سے نکلنا محال ہو جاتا۔ ایک گھنٹے بعد آبادی ختم ہوئی اور ویگن کھیتوں اور تالابوں کے درمیان بل کھاتی سڑک پر دوڑنے لگی۔ بعض مقامات پر بے حد درخت تھے، اتنے اونچے اور گھنے تھے کہ سڑک ان کے سائے میں آ گئی تھی۔ بیٹو تھکا ہوا تھا، وہ عقبی نشست پر جا کر سو گیا۔ خود مجھے بھی سستی سوار ہو رہی تھی۔ میں بھی اونگھنے لگا۔ اچانک ویگن رکی تو میں چونکا تھا۔ ویگن ایک کچے ریستوران کے سامنے کھڑی تھی، اسے عرف عام میں جھونپڑا ہوٹل بھی کہتے ہیں۔

"لنچ کا ٹائم ہو گیا ہے سر!" منظور نے مجھے آگاہ کیا۔

"یہاں لنچ کرنا ہے۔" میں نے انگڑائی لی۔

"نہیں سر! ادھر تو ڈرائیور اور میں لنچ کرے گا، آپ کے لئے تو میں نے کلکتہ سے لنچ پیک کروا لیا تھا۔

آپ وہ کھائے گا۔'' اس نے پیچھے سے ایک باسکٹ اٹھائی۔
''اس کی ضرورت نہیں تھی، ہم بھی اس ریستوران میں کھا سکتے تھے۔''
''نہیں سر، آپ رانا صاحب کا مہمان ہو۔ انہوں نے آپ کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا۔''
''فی الحال بھوک نہیں ہے اور اگر لنچ کافی ہے تو تم اور ڈرائیور بھی ہمارے ساتھ کھالو۔''
''مجھے بھی۔'' وسیم نے کہا اور بیتو خراٹے لے رہا تھا۔
''نہیں سر۔ ہم ادھر کھالے گا آپ فکر نہ کرو۔'' اس نے اترتے ہوئے کہا۔ ''ابھی شیشہ اوپر کرلو ورنہ بھکاری لوگ آجائے گا، وہ آرام سے کھانے نہیں دے گا۔''

اس جگہ کلکتہ کے مقابلے میں موسم خوشگوار تھا اس لئے شیشے بند کرنے پر بھی گرمی نہیں لگ رہی تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھا رہا پھر لاک کھول کر نیچے اتر آیا۔ تقریباً دو گھنٹے سے بیٹھے بیٹھے جسم بند سا گیا تھا۔ میں ٹہلتے ہوئے جسم کھولنے لگا۔ مجھے دیکھتے ہی چند بچے بھاگے آئے تھے۔ وہ بنگالی بولتے ہوئے اشاروں سے ایک روپیا مانگنے لگے۔ مجھے معلوم تھا اگر میں نے ان کو کچھ دے دیا تو اردگرد سے بھکاریوں کا ایک غول مجھ پر جھپٹ پڑے گا۔ اس لئے میں انجان بن کر ٹہلتا رہا۔ کچھ دیر بعد بچے مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اس خطے کے ہر ملک کا یہی مسئلہ تھا۔ غربت، بھوک اور بے کاری۔

برصغیر نامی یہ خطہ وسائل سے مالا مال ہے مگر خود ساختہ مسائل نے اسے اب تک غربت کی دلدل میں دھنسا رکھا ہے، اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے انگریزوں نے ہندوؤں کی دبی نفرت کو ابھارا اور اسے اس سطح تک لے آیا جب دونوں قوموں کے درمیان ایک ساتھ رہنا ناممکن ہو گیا۔ انگریز نہ چاہنے کے باوجود منقسم ہندوستان چھوڑ گیا۔ مگر جاتے جاتے وہ تنازعات کی ایسی فصل بو گیا تھا جس کو ابھی تک اس علاقے کے لوگ کاٹ رہے تھے مگر یہ فصل ایسی تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ بھوک، غربت، جہالت اور پسماندگی اس فصل کی ذیلی پیداوار ہیں۔

☆======☆======☆

''سر جی!'' منظور نے میرے پاس آکر کہا تو میں چونک گیا تھا۔ ''کب سے آواز دے رہا ہوں، چلنے کا ارادہ ہے؟''

''کیوں نہیں۔'' میں نے کہا اور ویگن کی طرف واپس آگیا۔ وسیم اور بیتو باسکٹ سے لنچ تناول کررہے تھے۔ میں بھی شامل ہو گیا۔ منظور پیزا لایا تھا۔ ساتھ میں سینڈوچز تھے اور کولڈ ڈرنک کے ٹن تھے۔ ویگن ناہموار راستوں سے اتر کر پورے ہموار میدان میں دوڑنے لگی تھی۔ یہاں دور تک دھان کی فصل لگی تھی، کہیں کہیں گنا بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس خطے کی خاص فصل چاول ہے اور یہی یہاں کے باشندوں کی اصل خوراک ہے۔ کچھ دیر بعد مرشد آباد کا شہر شروع ہوا۔ عالی شان پرانی حویلیاں، محلات اور مکانات۔ اس شہر میں جدید طرز کی عمارتیں کم تھیں۔ پھر وہ قدیم شہر بھی پیچھے چھوٹ گیا اور ایک جدید شہر کے آثار نظر آنے لگے۔ ویگن دوڑتے دوڑتے ایک عمارت کی چاردیواری کے سامنے رکی۔ مین گیٹ پر ایک گورکھا چوکیدار تھا۔ اس نے ویگن دیکھ کر گیٹ کھول دیا اور ویگن اندر عمارت کے سامنے والے حصے میں رکی۔ ہم سب نیچے اتر آئے۔ ''رانا و یاس کہاں ملیں گے؟''

''وہ تو اپنی حویلی میں ہیں، یہ مہمان خانہ ہے، آپ نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں پھر ان سے ملاقات ہو گی۔''

منظور ہم کو اندر لایا، یہ پُرتعیش قسم کا مہمان خانہ تھا۔ ہر کمرے کے ساتھ شاندار قسم کا باتھ روم تھا اور ہم واقعی نہانے کی اشد ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ میں نے اپنے لیے ایک نئی پینٹ اور شرٹ نکالی اور باتھ روم میں گھس گیا۔ یہاں موسم کسی قدر سرد تھا اس لیے نیم گرم پانی سے جسمانی میل کچیل کے ساتھ وہ تمام تھکن اور کوفت بھی بہہ گئی جس نے گزشتہ چوبیس گھنٹے سے ہماری زندگی کا احاطہ کر رکھا تھا۔ یہاں شیو کا سامان بھی تھا میں نے کئی دن کی بڑھ جانے والی داڑھی صاف کی۔ کپڑے بدل کر میں مہمان خانے کے ڈرائنگ روم میں آیا جہاں منظور انتظار کر رہا تھا، مجھے راجا عمر دراز سے ملنے کی بے چینی تھی۔ منظور نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''رانا جی آپ کے منتظر ہیں۔''

''رک جاؤ میرے ساتھی آ جائیں پھر ساتھ ہی چلتے ہیں۔''

وسیم اور بیٹو بھی جلد آ گئے۔ منظور ہمیں مہمان خانے کے عقبی حصے سے لے کر نکلا تو سامنے حیران کن حد تک وسیع لان اور باغ تھا۔ اس میں بے شمار پھل دار اور غیر پھل دار درخت اور پھولوں کے لاتعداد تختے تھے، جا بجا تالاب اور فوارے تھے۔ اس کے پار ایک عالی شان تین منزلہ عمارت دکھائی دے رہی تھی جو دائیں بائیں سے گھنے درختوں میں گھری تھی۔ مہمان خانے کی عمارت نے اس سارے منظر کو چھپا لیا تھا۔ عمارت پر گلابی رنگ کیا گیا تھا اور عمارت کی تعمیراتی دلکشی اور نزاکت سے لگ رہا تھا رانا ویاس کوئی راجا تھا یا بے حد دولت مند شخص تھا۔ ظاہر ہے راجا عمر دراز کے تعلقات کسی ایسے ہی شخص سے ہو سکتے تھے۔ ہم مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ منظور نے ہمیں ایک نشست گاہ میں بٹھایا۔ ''آپ تشریف رکھیں، میں ابھی مالک کو اطلاع کرتا ہوں۔''

''اس کے جانے کے بعد وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز صاحب! مجھے یہاں کا ماحول پُراسرار لگ رہا ہے، ایسا نہ ہو عمر دراز کا نام استعمال کر کے پھنسایا گیا ہو ہمیں؟''

''اس صورت میں ہم اس پُرتعیش کمرے کے بجائے کسی قید خانے میں پڑے ہوتے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

کوئی دس منٹ بعد منظور واپس آیا۔ ''رانا صاحب یاد فرما رہے ہیں۔''

رانا صاحب ایک وسیع ہال نما کمرے میں تھے۔ سانولا رنگ اور عمر تقریباً راجا عمر دراز کے برابر تھی البتہ صحت ابھی بھی بے مثال تھی، اس نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ ''خوش آمدید، مجھے راجا عمر دراز کے ساتھیوں سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔''

''ہم راجا صاحب کے خادموں میں سے ہیں۔'' میں نے آداب تسلیمات کے بعد کہا۔ ''مگر خود راجا صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ ذرا مصروف ہیں اور آنے والے ہیں۔''

مجھے لگا کہ رانا ویاس شمالی انڈیا والے لہجے میں اردو یا ہندی بول رہا ہے۔ اس پورے سفر کے دوران مجھے رنگارنگ لہجے اور بولیوں والے لوگ ملے تھے بعض تو ایسی زبان بولتے تھے کہ ان کو بمشکل ہی اردو یا ہندی قرار دیا

پاسکتا تھا۔ مجھے خود بھی وہ لہجہ اور زبان یاد نہیں ہیں اس لئے جب میں ان کا کردار پیش کرتا ہوں تو ان کو سیدھے سادے سے انداز میں بولتے دکھاتا ہوں۔ رانا دیاس بھی ایک ایسا ہی کردار تھا جس کی زبان اردو بولتے ہوئے الٹہ جاتی تھی اور اس کے بعض الفاظ سر پر سے گزر جاتے تھے۔ اگرچہ وہ ہمارا حال چال پوچھنے پر مُصر تھا مگر میں ٹالتا رہا اور میں نے اپنا احوال گول مول انداز میں بغیر پولیس کے ذکر کے کیا تھا یعنی پولیس کا کردار گول کر دیا تھا جو کلکتہ میں شدومد سے ہمیں تلاش کر رہی تھی۔

اس قدر عالی شان محل اور ٹھاٹ باٹ دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ رانا دیاس کوئی کلف زدہ شخص نکلے گا مگر اس کے برعکس وہ سادہ اور شاہی کروفر سے عاری شخص نکلا تھا جو ہم سے برابری کی سطح پر بے تکلف ہو گیا تھا۔ راجا عمر دراز ہم پر مہربان تھا اور کبھی کبھی اس کے انداز میں ہمارے لئے ایک مہربان باپ کی سی شفقت بھی جھلکتی تھی مگر یہ حقیقت تھی کہ اس میں ایک خاص رکھائی تھی اور وہ لئے دیئے رہتا تھا۔ وہ کبھی ایک حد سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوا تھا۔ مجھے لگا رانا دیاس کے پاس یہ دولت پشتوں سے نہیں تھی شاید اس نے خود ہی کمائی تھی، صرف میں اور رانا دیاس بات کر رہے تھے۔ باتوں کا رخ عمر دراز کی طرف مڑ گیا۔

''راجا ایک عظیم آدمی ہے۔ صحیح معنوں میں عظیم آدمی!'' اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''اس میں شک نہیں ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''ان کی شخصیت حیران کن ہے۔''

''ہاں اسے پُراسرار بننے کا شوق ہے۔'' رانا دیاس ہنسا۔

''بری بات۔'' عقب سے راجا عمر دراز کی آواز آئی۔ ''ان بچوں کو خراب مت کرو رانا!''

رانا دیاس مسکرانے لگا۔ ''میں تو تمہاری تعریف کر رہا تھا۔''

میں نے وسیم اور بیتو نے راجا عمر دراز سے ہاتھ ملایا۔

راجا نے بیتو کو غور سے دیکھا۔ میں نے اس کا مختصر تعارف کرایا۔

''راجا صاحب، یہ بیتو ہے۔ ہمارا جاں نثار ساتھی۔ بہت پُرخلوص اور وفا کرنے والا۔''

راجا مسکرایا۔ ''ہاں، جیسے تم ہو ویسے ہی تم کو ساتھی ملے ہیں۔''

''راجا صاحب، آپ نے مونا اور سفیر کے بارے میں کہا تھا، وہ کب آ رہے ہیں؟''

''کل آ جائیں گے۔'' اس نے بتایا پھر خفگی سے بولا۔ ''یہ سونیا اور ناصر نے کیا حماقت کی؟''

''وہ بھائی کی محبت سے مجبور ہو گئی تھی۔''

''وسیم صرف اس کا بھائی ہی نہیں، ہم لوگوں کا بھی کچھ لگتا ہے۔ بہرحال وہ اور ناصر لاہور پہنچ گئے ہیں۔''

وسیم چونکا۔ ''آپ کو پتا ہے؟''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''وہ مشکل میں پڑ گئے تھے۔ جوزف کی وجہ سے بعض لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے اس لئے وہ روپوش ہو گئے پھر رانا کی مدد سے میں نے ان کو اس چکر سے نکالا تھا۔ وہ مستقل میرے رابطے میں تھے، اب وہ واپس جا چکے ہیں۔''

''راجا صاحب، ہمارے بارے میں کیا سوچا؟''

''ابھی تو تم لوگ آرام کرو۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''دو تین دن بعد اس سلسلے میں بات کریں گے۔''

''راجا صاحب، بہت سارے خطرات ہمارے تعاقب میں ہیں۔''

''یہاں تم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا ہماری واپسی میں کوئی رکاوٹ ہے؟''

''نہیں رانا کے ہوتے ہوئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کا بھائی بنگال گورنمنٹ میں وزیر ہے۔''

''بیٹا جی، تم نے بہت فکریں کر لی ہیں اب کچھ دن آرام سے بھی رہو۔'' رانا ویاس بولا۔

مجھے اس کے وزیر بھائی کا سن کر ایک خیال آیا۔ اس بار میں نے اسے سادھنا، کمار اور کنور خاندان کے بارے میں بتایا۔

''کمار اور سادھنا نے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''مجھے وادی میں ہونے والی سرکاری کارروائی کا علم تھا۔'' رانا ویاس نے سر ہلایا۔

''وہاں بے پناہ ظلم ہوا ہے۔ سات ہزار افراد جو عام سے لوگ تھے، فوجی اور جنگی ہتھیاروں کی مدد سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس لڑکے بیتو کا پورا خاندان مارا گیا ہے۔''

''مجھے پتا ہے۔'' رانا ویاس نے سر ہلایا۔ ''لیکن یہ ایک بہت بڑی سیاست کا ایک حصہ ہے۔ میرے علم کے مطابق وہ وادی بھارت سرکار کو ہر صورت میں درکار تھی۔ وہاں پر بھارتی فوج اپنا کوئی خفیہ اڈا بنا کر کشمیر اور آس پاس کے علاقوں کی نگرانی کرنا چاہتی تھی۔''

''تو اس کے لئے یہ قتلِ عام لازمی تھا؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ریاست بہر صورت اپنی چلاتی ہے۔ سنا ہے کنور خاندان کے ذریعے ان لوگوں کو کئی بار پیش کش کی گئی تھی کہ وہ یہ علاقہ خالی کر کے کہیں اور چلے جائیں۔ سرکار ان کو جگہ اور آباد ہونے کے لئے روپیا بھی دے گی۔''

''میرے لئے یہ نئی بات ہے، میرے علم کے مطابق سارا چکر اس علاقے میں موجود ہیرے کی کان کا تھا۔ اس سے اعلیٰ درجے کے ہیرے نکلتے تھے۔ کنور خاندان اس کان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔''

''یہ بات بھی تھی مگر اصل مسئلہ فوجی اڈے کا تھا۔ وادی اور قبیلے کے حکمران کسی صورت کان سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ انہوں نے قبائلیوں کو بھڑکایا کہ سرکار ان کی زمین چھین کر ان کو دربدر کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد چھ مہینے پہلے قبائلیوں نے کنور خاندان کے محل پر حملہ کیا۔''

''وہ سازش تھی۔''

''ظاہر ہے مگر اس طرح قبائلیوں نے اپنے خلاف فوجی کارروائی کا جواز مہیا کر دیا تھا۔''

''اس کے باوجود اتنا ظلم؟'' میں نے کہا۔

''میرے بچے، تم کس دنیا میں ہو۔ یہ بھارت ہے، جہاں ہر سال پندرہ ہزار انسان صرف اس لئے خودکشی کر لیتے ہیں کہ ان کے پاس بینکوں کا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اتنے ہی لوگ فرقہ وارانہ فسادات اور مافیاؤں کی جنگ میں مارے جاتے ہیں۔ تم سوچ سکتے ہو ان پندرہ ہزار قبائلیوں کی سرکار کے نزدیک کیا اہمیت ہوگی جو اچھوت بھی ہیں اور دنیا کو ان کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔''

''جو وادی میں ہوا وہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔''

''آ بھی نہیں سکتا تھا، قبائیلیوں کے بعض لوگ دلی کے اخبارات تک پہنچے تھے مگر وہاں سے ان کو ایجنسیوں نے غائب کر دیا۔'' رانا ویاس نے بتایا۔

''اخبارات میں اس بارے میں کچھ نہیں آیا؟''

''بے حد سرسری سا آیا تھا، ان کو زبان بندی کا حکم دے دیا گیا تھا۔''

میرے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ ''ایک جمہوری کہلانے والے ملک میں حکومت اپنے ہزاروں شہریوں کو بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دے اور پریس کے کان پر جوں بھی نہ رینگے۔''

''یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' رانا ویاس نے کہا۔ ''آخر بھارتی فوج کشمیر سے لے کر آسام تک ہر سال اتنے ہی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور پریس چپ رہتا ہے۔''

''میرے پاس اس وادی کے ایک فرد سے حاصل کئے ہوئے ہیرے ہیں۔'' میں نے راجا اور رانا کو آگاہ کیا۔ ''یہ بہت قیمتی ہیرے ہیں۔''

''دکھاؤ مجھے۔'' رانا ویاس نے دلچسپی سے کہا۔

میں نے اسے ٹیوب سے ہیرے نکال کر دکھائے۔ رانا ویاس نے محدب عدسے منگوا کر ان کا معائنہ کیا۔

''شاندار!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''یہ سب اعلیٰ درجے کے ہیرے ہیں اور ان کی یکساں صورت کی وجہ ان کی قیمت زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔''

''ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟''

''اگر میں ان کو خریدوں تو میں ایک ہیرے کے پانچ لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔''

میرے پاس نوے ہیرے تھے یعنی ان کی قیمت ساڑھے چار کروڑ روپے تک ہو سکتی تھی۔ میں نے رانا ویاس سے کہا۔ ''اگر میں انہیں فروخت کرنا چاہوں تو......؟''

''تو میں خرید لوں گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس سے زیادہ قیمت لینا۔'' راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''یہ کھرب پتی شخص ہے۔ کروڑ تو اس کے لئے سو کی طرح ہے۔''

''میں ایک ملین ڈالرز کے عوض یہ سارے ہیرے دینے کے لئے تیار ہوں۔''

راجا صاحب نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''میں نے آج تک تمہیں دولت کی پروا کرتے نہیں دیکھا۔''

''مگر اب مجھے ہے۔ مرشد علی اور دوسرے دشمنوں سے لڑنے کے لئے مجھے دولت کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''قدرت نے مجھے موقع دیا ہے تو میں اس کا فائدہ اٹھاؤں گا۔''

''سودا ڈن ہے۔'' رانا ویاس نے ہیرے سمیٹ لئے۔

''ایک ملین ڈالرز تمہیں کس ملک میں چاہئیں؟''

''دبئی میں۔ کسی ایسے بینک میں جس کی شاخیں پاکستان میں بھی ہوں۔''

''دو دن میں ایسا ہو جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''مگر تمہیں ایک بار پھر کلکتہ جانا ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''یہ ہیرے میں اپنی تحویل میں لے رہا ہوں۔''

''کیوں نہیں، آپ راجا صاحب کے دوست ہیں اور میرے لئے راجا صاحب جیسے ہی قابل احترام ہیں۔''

''خوش رہو......'' وہ خوش ہو گیا۔''اب تم لوگ آرام کرو اور جس چیز کی ضرورت ہو بلاتکلف منظور سے کہہ سکتے ہو، وہ تمہارا خیال رکھے گا۔''

میں رجا عمر دراز سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا خاص طور سے دوسرے معاملات پر۔ جن میں ڈیوڈ شا سرفہرست تھا۔ وہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا اس کی وجہ سے مرشد علی میرے لئے بے حد خطرناک ثابت ہوا تھا۔ میں نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا، اس نے غالباً میری خواہش بھانپ لی تھی، اس نے مجھ سے کہا۔''ابھی تم آرام کرو، میں تم سے کل ملوں گا۔ مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''یہ مہمان خانے میں نہیں محل میں ٹھہریں گے۔'' رانا دیاس نے منظور سے کہا۔''ان کا سامان بھی یہیں لے آؤ۔''

مہمان خانے اور اس محل کے ان کمروں میں جہاں ہم رکے تھے، وہی فرق تھا جو کسی عام سے ہوٹل اور کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے میں ہو سکتا ہے۔ راستے میں واجبی سا کھایا تھا اس لئے سب کو بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے منظور سے کھانے کو کہا تو اس نے ہمیں ایک مینو بک دی جس میں سیکڑوں کے حساب سے دنیا جہان کے کھانے تھے۔ میں نے بٹر سلائس اور کوکیز کے لئے کہا۔ وسیم نے چینی سموسے منگوائے اور بیتو نے کہا کہ وہ ہمارے کھانے میں شامل ہوگا، اسے ان کھانوں کا زیادہ پتا نہیں تھا۔ وسیم نے پاکستان کال کی تھی اور سونیا سے بات کی تھی، اس نے خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دی تھی۔

''راجا عمر دراز ہم سب کو یہاں کیوں جمع کر رہا ہے؟'' وسیم نے تنہائی ملتے ہی مجھ سے پوچھا۔

''مجھے شبہ ہے وہ اس وادی کی طرف جانے کی فکر میں ہے کیونکہ اس کا دشمن ڈیوڈ شا بھی اس طرف جانا چاہ رہا ہے۔''

''ڈیوڈ شا اس وادی کے راستوں سے واقف ہے؟''

''وہ بہت چالاک ہے راستہ جاننے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لے گا۔''

''یہ تو ہے، میں نے بہت کم لوگ اتنے شاطر دیکھے ہیں۔''

''اس نے جان لیا ہے کہ حکیم قادس جو جادو اثر دوائیاں بناتا ہے اس کا اصل جز دراصل میں راجا عمر دراز اس پُراسرار وادی سے لایا تھا اس لئے وہ وہاں جانے کے لئے بے چین ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ راجا عمر دراز اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے اور خود اس سے پہلے وادی تک جانا چاہتا ہے۔''

وسیم کے سوال نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔''ان سوالوں کے جواب صرف ایک شخص دے سکتا ہے۔''

''لیکن ایک سوال کا جواب آپ کے پاس ہے۔''

''کس سوال کا؟''

''یہی کہ اگر راجا عمرداز نے آپ کو اور ہم سب کو اس سفر پر ساتھ لے جانا چاہا تو آپ کا جواب کیا ہو گا؟''

''تم نے کیوں سوچا کہ وہ ہمیں کسی سفر پر لے جانا چاہتا ہے؟''

''کیا وہ واقعی ہمیں کسی سفر پر نہیں لے جانا چاہتا ہے؟'' وسیم کے لہجے میں چیلنج تھا۔

''او کے۔ میں نے مان لیا، وہ اس پُراسرار وادی کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن ہم کیوں جائیں گے؟''

''تب بتایئے اس نے آپ کو انڈیا لانے کی بات کیوں کی تھی؟ وہ مونا اور سفیر کو کیوں بلا رہا ہے؟''

وسیم کی باتوں میں وزن تھا۔ میں سوچنے لگا۔ ''فرض کرو، وہ مجھے چلنے کو کہے اور میں تیار ہو جاؤں تو تمہارا کیا ردِعمل ہو گا؟''

''میرا کیا ردِعمل؟ میں آپ سے الگ تھوڑی ہوں۔ میں، مونا، سفیر اور بیتو ہم سب آپ کا ایک حصہ ہیں۔ آپ کے دست و پا ہیں، جو آپ کریں گے وہی ہم کریں گے۔''

''وسیم، اگر راجا عمرداز نے مجھے ایسی کوئی پیش کش کی بھی تو میں تم لوگوں سے مشورہ کئے بغیر نہ تو اقرار کروں گا اور نہ انکار کروں گا۔''

''شہباز صاحب، کم سے کم میں غیر مشروط طور پر آپ کے ساتھ ہوں۔''

''وسیم تم میرے لئے میرے جیسے ہو۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''یہ خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے تم جیسے ساتھی دیئے ہیں۔''

رات آٹھ بجے ایک خادم نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ ہم تینوں محل کی مرکزی طعام گاہ پہنچے۔ وہاں راجا اور رانا کے ساتھ کچھ لوگ اور تھے۔ ان میں دو ادھیڑ عمر افراد، دو عورتیں اور تین نوجوان تھے۔ یہ رانا ویاس کے بیٹے، بہوئیں اور پوتے تھے، بعد میں پتا چلا کہ ویاس کی چار عدد پوتیاں بھی تھیں مگر وہ بمبئی تفریح کرنے گئی ہوئی تھیں۔ کھانا خاموشی سے کھایا۔ بیتو کسی قدر نروس تھا۔ وہ اس قسم کی گیدرنگ میں پہلی بار آیا تھا اور اس سے کھانا بھی بمشکل کھایا گیا حالانکہ وسیم اس کے برابر میں بیٹھا اسے گائیڈ کر رہا تھا۔ کھانے کے بعد رانا ویاس نے مجھ سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ، میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے وسیم اور بیتو سے کہا۔ ''تم اپنے کمروں میں جاؤ۔'' وہ خاموشی سے چلے گے۔ میں رانا ویاس کے ساتھ کافی روم میں آیا۔ بس ہم دونوں تھے۔ اس نے مجھ سے چائے یا کافی کے بارے میں پوچھا۔ ''کافی۔'' میں نے جواب دیا۔

اس نے منظور کو کافی لانے کو کہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ''میاں شہباز! تم کل صبح کلکتہ جاؤ گے۔ وہاں تمہارا ایک بینک میں اکاؤنٹ کھولا جائے گا اور پرسوں تک اس میں ایک ملین ڈالرز جمع ہو جائیں گے۔''

''شکریہ رانا صاحب!''

''دوسرے میں نے سادھنا اور کمار نامی افراد کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ یہ دونوں نہ تو کہیں گرفتار ہوئے ہیں اور نہ ہی کسی اور معاملے میں ان کا نام سامنے آیا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔''
کافی آئی۔ہم نے کافی پی۔رانا ویاس کو مجھ سے بس اتنا ہی کہنا تھا اس لئے میں نے کافی پی کر اس سے اجازت لی۔''اب اجازت دیجئے۔''
''اتنی جلدی کس بات کی ہے،ابھی راجا صاحب آنے والے ہیں۔''
میں پھر بیٹھ گیا۔رانا ویاس نے کافی کے بعد ایک پتلا سا سگار سلگایا تھا۔اس کی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ساڑھے نو بجے راجا عمر دراز اندر داخل ہوا۔اس نے رانا ویاس کی طرف دیکھا اور کہا۔''رانا!تم بور ہونا چاہ رہے ہو،تمہارے لئے تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔''
''نہیں یار،میں پھر بھی سننا چاہوں گا۔''رانا ویاس نے اصرار کیا۔
میں چونکا۔''راجا صاحب،کیا یہ آپ کے اس پُر اسرار وادی کے سفر کی بات ہو رہی ہے جس کا ایک حصہ آپ نے مجھے سنایا تھا اور باقی کے لئے موقع نہیں مل سکا تھا؟''
''ہاں،یہ اسی سفر کا ذکر ہے۔''راجا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔''شہباز،آج میں تمہیں اس کے بارے میں مکمل داستان سنانا چاہتا ہوں۔''
''میری تو اس دن سے خواہش ہے کہ آپ کے سفر کی مکمل رُوداد سنوں جس دن سے آپ نے اس کا ایک چھوٹا سا حصہ سنایا تھا۔''
''آج میں تمہیں اس کا باقی حصہ سناؤں گا۔مگر اس سے پہلے میں بتا دوں،میں نے پھر اس وادی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''
''اس کی وجہ؟''
''کئی وجوہات ہیں......لیکن اصل مقصد ڈیوڈ شا کو وہاں جانے سے روکنا ہے۔اگر وہ اس وادی تک چلا گیا تو وہ جگہ تباہ ہو جائے گی۔''
''آپ اسے کیسے روکیں گے......جبکہ آپ خود وہاں جا رہے ہیں۔جب آپ جا سکتے ہیں تو وہ بھی جا سکتا ہے،میرا مطلب ہے اسے جانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''
''میں اسے وادی تک جا کر روکوں گا۔''
''میرا نہیں خیال کہ ڈیوڈ شا اس وادی کا راستہ تلاش کر سکے گا۔''
''وہ کر سکتا ہے اس کے پاس جدید ترین ذرائع ہیں۔وہ سیٹلائٹ کی مدد بھی لے سکتا ہے اور خلا سے وادی دیکھ لئے جانے کا امکان ہے۔''
''کم سے کم اس وادی کی بلند و بالا دیواروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔''رانا ویاس نے لقمہ دیا۔
''آپ اس وادی کو دیکھ چکے ہیں؟''میں چونکا۔
''ہاں،میں راجا کا ہم سفر تھا۔''اس نے جواب دیا۔
''تم ٹھیک کہہ رہے ہو،وادی کو نہیں دیکھا جا سکتا لیکن اس کے اوپری حلقے کو دیکھا جا سکتا ہے۔''راجا نے اس کی تائید کی۔

''اگر ڈیوڈ شاوہاں پہنچ بھی جائے تو وہ وادی یا اس کے مکینوں کا کیا بگاڑ لے گا؟''

''وہ ان کو دنیا کے سامنے لے آئے گا۔''

''دنیا کے سامنے آنے میں کیا حرج ہے، آخر آپ بھی تو وہاں گئے تھے؟''

''میں اور میرے ساتھی اس وادی کا حصہ بن گئے تھے اس لئے وادی کو فرق نہیں پڑا لیکن ڈیوڈ شا اس کا حصہ نہیں بنے گا، وادی کو دنیا کا حصہ بنانے کی کوشش کرے گا اور یہ کوشش وادی کو تباہ کر دے گی۔ تم کیا سمجھتے ہو، وہ دنیا کی کوئی عام سی بستی ہے؟''

''تب کیا ہے؟''

''وہ عام بستی نہیں ہے۔ وہ ہماری سوچوں کا عکس ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا ہے۔''

''یعنی وہ حقیقی نہیں ہے۔''

''نہیں، حقیقی بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔''

''وادی سراب ہے۔ نظر بھی آتی ہے اور اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔'' رانا نے لقمہ دیا۔

''اس کا حقیقی وجود ہے مگر وہ اپنے ماحول میں حقیقی نہیں ہے۔''

مجھے فلسفیانہ قسم کی باتوں سے الجھن ہوتی ہے مگر اس وقت میں راجا کی باتوں میں پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ ''وہ کس طرح راجا صاحب!''

''اس کی مثال یوں لو کہ ایک فریج ہے، اس کے اندر کا ماحول باہر کے ماحول سے بالکل الگ ہے۔ اس کے اندر ٹھنڈ ہے اور باہر گرمی ہے۔ ہم اس کے سرد ماحول کو باہر نہیں لا سکتے۔ اس کی یخ صرف فریج کے اندر کے لئے مخصوص ہے اگر اس ماحول کو باہر لانے کی کوشش کی تو فریج کی ساری یخ نکل جائے گی اور اس کے اندر کا درجہ حرارت بھی باہر جیسا ہو جائے گا۔''

''میں یہ سمجھا ہوں کہ اس وادی کی انفرادیت کسی فریج کی طرح بند اور باہر کے ماحول سے الگ تھلگ ہونے میں ہے۔''

''کسی حد تک درست ہے، اسے مزید یوں سمجھو کہ فریج ہماری خواہشوں کا عکس ہے ہم اپنی چیزیں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، ہم شدید گرمی میں سرد یخ بستہ پانی چاہتے ہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے اس وادی میں انسانوں کی خواہشیں محفوظ ہیں۔'' میں نے ان کو غور سے دیکھا۔

''اب تم قریب آتے جا رہے ہو لیکن جب تک تم اس وادی کو خود نہیں دیکھو گے، تم اسے صحیح طرح سے نہیں سمجھ سکو گے۔''

''آپ مجھے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میری اس وادی کی طرف جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔''

''یہ میری مرضی نہیں ہے...... بلکہ کسی اور کی مرضی ہے۔''

میں چونکا۔ ''اور کون آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟''

''اس کے لئے تمہیں یہ ساری داستان سننا ہو گی اس کے بعد ہی تم جان سکو گے کہ اس داستان میں تمہارا

کیا کردار ہے؟"

"میں ہمہ تن گوش ہوں جناب!"

"ایسے نہیں۔" راجا عمر دراز مسکرایا۔ "رانا، تم نے میرا پسندیدہ کمرا تیار کروا دیا ہے؟"

"بالکل!" اس نے جواب دیا۔

"شہباز، تم جانتے ہو، کسی معاملے پر بات کرنے یا غور و فکر کرنے کا میرا پسندیدہ طریقہ کیا ہے؟"

راجا نے اپنے محل میں ایک کمرا مخصوص کر رکھا تھا جس کی ایک کھڑکی شمال کی طرف کھلتی تھی، اس طرف سے سارا سال تیز ٹھنڈی ہوا آتی رہتی تھی اور کمرے میں ایک آتش دان تھا۔ راجا عمر دراز اس کے سامنے کرسی ڈلوا کر اس طرح غور و فکر کرتا تھا کہ کھڑکی سے آتی سرد ہوا اور آتش دان سے اٹھنے والی حرارت میں مستقل کشمکش جاری رہتی تھی۔ یہاں پہاڑوں جیسی سردی نہیں تھی، بند کمرے میں تو سردی کا پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ ہاں باہر سردی تھی، اگر کھلے میں الاؤ جلایا جاتا تو اس کی حرارت خوشگوار لگتی ہے ورنہ بند کمرے میں اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

رانا دیاس ہمیں ایک کمرے میں لایا جس کی ایک بڑی سی کھڑکی شمال کی طرف کھل رہی تھی اور اس سے فراٹے بھرتی سرد ہوا اندر آ رہی تھی، ایک طرف آتش دان تھا جس میں کوئی خوشبودار لکڑی سلگ رہی تھی۔ اس کی دل آویز مہک کمرے میں پھیلی تھی۔ آتش دان کے سامنے تین عدد آرام دہ کرسیاں رکھی تھیں۔ سب سے پہلے راجا عمر درز بیٹھا پھر ہم بھی بیٹھ گئے۔

"رانا، تمہیں یاد ہے یہ کتنی پرانی بات ہے؟" راجا نے پوچھا۔

"پورے چھپن برس پہلے کی۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر مجھے لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ ایک ایک لمحہ اور اس سفر کا ایک ایک قدم مجھے اسی طرح یاد ہے جیسے میں ابھی سفر سے واپس آیا ہوں۔" راجا عمر دراز کا لہجہ عجیب سا اور خواب ناک ہو گیا تھا۔ "رانا، عجیب بات ہے میں اس سفر کے بعد کے دنوں کی باتیں بھول گیا ہوں۔ چند دن پہلے کی باتیں بھول جاتا ہوں مگر اس وقت کی کوئی بھی بات نہیں بھولا۔"

"مجھے بھی سب یاد ہے۔" رانا دیاس نے کہا۔ "یار راجا! اس وقت کی کوئی بات بھولنے والی ہے؟"

"شاید نہیں۔" راجا عمر دراز نے جواب دیا تھا۔

☆======☆======☆

(قارئین کی یادداشت کے لئے مختصر بیان کر دوں۔ راجا عمر دراز اپنے افسر ولیم شا کے ہمراہ اس پُر اسرار وادی کے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک انگریز اور ایئر فورس کا ساتھی ایلن بریڈ تھا۔ اس کا تعلق آسٹریلیا سے تھا۔ سامان اٹھانے کے لئے ان کے ساتھ دو نیپالی تھے جو پہاڑوں پر سفر کرنے اور بوجھ اٹھانے کے لئے مثالی سمجھے جاتے ہیں۔ شمالی آسام کے ایک ایئر اسٹرپ پر طیارے سے اترنے کے بعد انہوں نے پیدل سفر شروع کیا تھا اور ہمالیہ کے برفستانوں تک جا پہنچے تھے۔ یہ مہم برٹش انڈیا کی فضائیہ کی طرف سے تھی اور اس کا مقصد ہمالیہ کے اس علاقے کی چوٹیوں کے تفصیلی نقشے تیار کرنا تھا۔ مگر ولیم شا نے چالاکی سے کام لیا تھا اور اس مہم کی آڑ میں اس پُر اسرار وادی کی طرف جا رہا تھا جسے اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ طیارے سے دیکھا تھا اور

اس کا تذکرہ اپنی لاگ بک میں نہیں کیا تھا۔)

راجا عمر دراز بتا رہا تھا۔

"ولیم شا نے مجھے جو چٹان دکھائی تھی، یہ زرافے کی طرح سر بلند کئے کھڑی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا میں نے طیارے سے واپسی پر برفانی تودوں کے خاتمے پر اس چٹان کو دیکھا تھا۔ اس مقام سے وادی تک کا فضائی سفر صرف تیس منٹ کا تھا۔ طیارے نے کوئی چار سو کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے پرواز کی تھی یعنی وادی اس مقام سے کوئی دو سو کلومیٹر دور عین ہمالیہ کے وسط میں تھی، اس پورے علاقے میں درجنوں بیس بیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند چوٹیاں اور بے شمار گلیشیرز تھے۔ ان پر سفر کرنا بے حد جوکھم کا کام تھا اس زمانے میں ان علاقوں میں سفر کرنے کے لئے خاص اوزار اور لباس و جوتے بھی نایاب تھے۔ ہم نے خاص فر کی کھال کے جوتے اور لباس پہنے تھے اور یہ خاصے بھاری بھرکم تھے۔ ابھی مصنوعی ریشے سے تیار کردہ جوتے اور ملبوسات دستیاب نہیں تھے جو نہ صرف ہلکے پھلکے بلکہ بے حد گرم بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس لکڑی سے بنی ہوئی چھڑیاں تھیں اور برف پر سفر کے لئے ہم نے خود کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا تاکہ کوئی غلطی سے بھی کسی برف تلے چھپے گڑھے میں گر جائے تو باقی اسے سہارا دے کر بچالیں۔ میں نے اس برف زار میں روانہ ہونے سے قبل ولیم شا سے کہا تھا۔ "ہم نہایت مشکل سفر پر نا کافی خوراک کے ساتھ جا رہے ہیں۔"

"ہم اس سے زیادہ خوراک نہیں لے جا سکتے۔ دونوں نیپالی اپنی حد کا آخری وزن اٹھائے ہوئے ہیں، اضافی خوراک کا مطلب ہے مزید افراد کا اضافہ اور میں اس مہم کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ اس مہم کو خفیہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا مقصد؟" میں نے نکتہ اٹھایا۔

ولیم شا اس سوال پر کسی قدر جھنجلا گیا تھا۔ "فی الحال میں نے اپنا ذہن واضح نہیں کیا ہے۔ واپسی پر اس بارے میں سوچوں گا۔"

اور میں نے اس وقت سوچ لیا تھا میں اس کے حکم کا پابند نہیں ہوں گا، اگر مجھے رازداری سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہی بات تھی میرا دل خود بھی اس پُرفسوں، حسین اور انوکھی وادی کو دیکھنے کے لئے مچل رہا تھا۔ وہ میرے لئے ایک خوبصورت یاد تھی مگر میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس وادی کی طرف جاؤں کیونکہ مجھے بخوبی اندازہ تھا، اس طرف جانا دنیا کے دشوار ترین کاموں میں سے ایک تھا۔ حد یہ کہ طیارے کے ذریعے بھی وہاں رسائی ممکن نہیں تھی کیونکہ کم سے کم مجھے اس وادی میں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں طیارہ اتارا جا سکتا اور پیدل سفر کر کے وہاں جانا جان جوکھم سے کم نہیں تھا۔ اور یہ خیال ولیم شا کو بھی آیا تھا۔

برف زاروں پر پہلے ہی دن کا سفر اتنا دشوار ثابت ہوا تھا۔ سارے دن کی جدوجہد کے بعد ہم صرف دس بارہ کلومیٹر آگے جا سکے تھے۔ اس وقت ہم بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر سفر کر رہے تھے۔ چاروں طرف برف تھی اور جون کے مہینے میں یہ برف نرم پڑ رہی تھی۔ اسے پگھلتی برف کہتے ہیں۔ سفر کے لحاظ سے یہ سخت برف سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس پر چلنا دشوار ہوتا ہے اور اس کی تہہ نرم ہونے سے جہاں اس کے نیچے خلا ہوتا تھا وہاں پاؤں رکھتے ہی برف ٹوٹ جاتی۔ ہم نے ایک گلیشیر کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ نیپالیوں نے خیمے لگائے اور رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گئے۔ آگ جلانے کے لئے ہمارے پاس کیروسین کے چولھے تھے۔ کھانا کھا کر ہم

خیموں میں گھس گئے۔ سردی اور تھکن سے سب کا برا حال تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی سردی میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا اور درجۂ حرارت منفی میں چلا گیا۔

''مسٹر ولیم!'' میں نے اپنے خیمے سے پکارا۔ ''آج ہم نے دس بارہ کلومیٹر کا سفر طے کیا ہے۔ اس رفتار سے ہمیں وادی تک جانے میں بیس دن بھی لگ سکتے ہیں۔''

''مجھے امید ہے چودہ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد ہمیں برف سخت ملے گی۔ اس پر تیزی سے سفر کیا جا سکے گا۔''

''ہمارے پاس جو نقشے ہیں ان کے مطابق چودہ ہزار فٹ کی بلندی ہمیں تین دن بعد ملے گی۔ اس وقت تک ہمیں نرم گلیشیر پر سفر کرنا ہوگا۔''

''ابھی ہمارے پاس پانچ دن ہیں، اس کے بعد ہی ہم دیکھیں گے کہ ہمیں آگے جانا ہے یا واپس آنا ہے۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''مسٹر خان زندگی مجھے بھی پیاری ہے۔''

''سر، میں مہم جوئی کی قیمت جانتا ہوں مگر ہمیں خودکشی سے منع کیا گیا ہے۔ امید ہے یہ مہم جرأت مندی کی حد تک رہے گی، خودکشی میں نہیں بدلے گی۔''

''اس بارے میں تم بے فکر رہو۔ جہاں تک ہمارے خوراک کے ذخائر نے اجازت دی، ہم وہاں تک ہی جائیں گے۔'' وہ ہنسا۔ ''خودکشی کو میں بھی حرام ہی سمجھتا ہوں۔''

نیپالی مزدور نے ہمیں چولہے بجھانے سے پہلے کافی بنا کر دی اور پھر کچن والے خیمے میں ہی سو گئے۔ مجھے ان کی ہمت نے حیران کر دیا تھا۔ بے شک انہوں نے گرم کپڑے پہن رکھے تھے مگر ان کے جوتے معمولی نوعیت کے تھے۔ ان کے پاس نہ دستانے تھے اور نہ ٹوپے تھے۔ معمولی نوعیت کے کمبل تھے اور ان میں ہی رات گزارنی تھی۔ اس سفر کے دوران سارا سامان بھی ان کو اٹھانا تھا اور یہ سامان ایک من سے کم نہیں تھا۔ البتہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا خوراک کا بوجھ کم ہوتا جاتا اور خوراک کا وزن ہی مجموعی طور پر ایک من سے زیادہ تھا۔ اس میں سے نصف خشک گوشت کے پارچے تھے جو ہماری توانائی بحال رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتے۔ انڈوں کا سفوف، مچھلی کے بند ٹن، خاص قسم کے ہائی انرجی بسکٹ اور آلو۔ سردی اور بلندی سے مقابلے کے لئے منرلز اور وٹامن کی گولیاں تھیں۔

اس رات سونے سے پہلے میں نے ڈائری لکھی اور اس میں اپنے سفر کا نقشہ تیار کیا۔ اگرچہ نقشہ سازی ایلن بریڈ کا کام تھا مگر مجھے خیال آیا کہ مجھے بھی نقشے بنانے چاہئیں تاکہ کبھی میں ان سے الگ ہو جاؤں تو میں ان نقشوں کی مدد سے اس برف زار سے نکل سکوں۔ یہ ڈائری میں اپنے پاس اپنے لباس میں رکھتا تھا۔ اس صبح جب میں خیمے سے نکلا تو شا اور بریڈ دونوں نقشوں پر جھکے تھے۔ سورج طلوع ہونے والا تھا اور نیپالی مزدور ناشتا تیار کر رہے تھے۔

''مسٹر خان!'' ولیم شا نے مجھے پکارا۔ ''اِدھر آؤ، ایک مسئلہ ہے۔''

''کیا مسئلہ ہے؟'' میں ان کے قریب آیا۔

''ہمارے پاس اس علاقے کے ایسے نقشے تھے جو فضائی سرویز کی مدد سے تیار کئے گئے تھے۔ ان میں

چوٹیاں اور گلیشیرز واضح تھے۔ مگر راستے کہاں بہتر ہیں، یہ واضح نہیں ہے۔ بریڈ کا خیال ہے ہمیں اس درے کا رخ کرنا چاہئے، یہ چودہ ہزار فٹ بلند ہے۔ جبکہ میرے خیال میں ہمیں اس کے مخالف سمت ایک اور درے کا رخ کرنا چاہئے کیونکہ یہ بلند ہونے کے باوجود ایک آسان راستے کی طرف نکلتا ہے۔''

''ویسے میں نقشوں کا ماہر نہیں ہوں مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں ایسے رستے منتخب کرنے چاہئیں جن پر ہم تیز رفتاری سے سفر کر سکیں۔''

''اس آسان راستے پر ہمیں تقریباً دس کلومیٹر اضافی سفر کرنا پڑے گا اس چوٹی تک۔'' ایلن بریڈ نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ سروے میں اس چوٹی کا نام ایچ سترہ تھا یعنی ہمالیہ سترہ...... یہ چوٹی انیس ہزار فٹ بلند تھی۔

''اس درے تک رسائی بھی آسان ہے۔'' ولیم نے نسبتاً بلند درے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سولہ ہزار فٹ بلند ہے اور اس کا اوپری حصہ برف سے پاک ہے۔''

''تب میرے خیال میں یہ راستہ بہتر رہے گا۔'' میں نے ولیم شا کی تائید کی۔ ''ہم جتنا برف سے بچ کر چلیں اتنا اچھا ہوگا۔''

ایلن بریڈ نے برا سا منہ بنایا مگر ہم دو کے مقابلے میں اس کا ایک ووٹ تھا اس لئے راستہ ہمارا والا منتخب کر لیا گیا تھا۔ ناشتا کرتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ روئیدگی سے قطعی محروم تھا اور چاروں طرف برف تھی۔ دراصل یہ علاقہ چاروں طرف سے بلند چوٹیوں سے گھرا تھا۔ اس لئے اتنا سرد تھا کہ جون جولائی میں بھی اس کی برف نہیں پگھلتی تھی ورنہ میں نے ایسے بلند مقامات بھی دیکھے تھے کہ جن کی بلندی دس ہزار فٹ سے زیادہ تھی اور وہاں اپریل میں برف پگھل جاتی تھی۔ برف ہونے یا نہ ہونے کا انحصار بڑی حد تک علاقے کی اردگرد کی ساخت پر ہوتا ہے۔ وہ علاقے جن کے اردگرد برفانی چوٹیاں نہ ہوں، وہاں بلندی کے باوجود گرمیوں میں برف پگھل جاتی ہے۔ اسکردو کے بعض مقامات دیوسائی میدان جتنے اونچے ہیں مگر مئی میں وہاں برف پگھل جاتی ہے۔ جبکہ دیوسائی میں یہ برف جولائی کے آخر میں پگھلتی ہے اور بعض اوقات ساری گرمیوں میں بھی وہاں برف نہیں پگھلتی ہے جبکہ سترہ ہزار فٹ بلند درہ منتجراب پر بھی گرمیوں میں برف پگھل جاتی ہے

اس روز بھی ہم نرم برف پر سفر کرتے رہے اور شام سے پہلے درہ عبور کر لیا تھا اس سے آگے طویل اور ہموار میدان تھا مگر اس میں بھی برف نرم تھی۔ رات کا پڑاؤ ہم نے ایک ننگی چٹان پر ڈالا تھا اردگرد برف ابھی تک نرم تھی، آدھی رات سے پہلے اس کے سخت ہونے کا امکان نہیں تھا۔ اس پر خیمے لگانا بے حد مشکل کام تھا۔ خوش قسمتی سے ایک ترچھی چٹان مل گئی تھی۔ دن بھر میں سورج کی گرمی سے چٹان اس حد تک گرم ہو جاتی تھی کہ اس کی ساری برف پگھل چکی تھی۔ اس کی ترچھی ڈھلان پر خیمے کسی قدر مشکل سے لگے تھے۔ یہاں پر تاحدِ نگاہ ویرانی تھی، برف کے میدان میں کہیں کہیں چٹانیں جھانک رہی تھیں، اس میدان سے پرے تہہ در تہہ چوٹیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو رہا تھا، جس سے گزرنے کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر ان پہاڑوں کے درمیان میں راستے تھے، ایسے راستے جن سے بہت کم انسان گزرے تھے۔ بعض رستے تو آج تک انسانی قدموں سے ناآشنا تھے۔

''او مرڈر راز کھان!'' ایلن نے میرے نام کو بگاڑتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں یاد ہے ہم ان تہہ در تہہ پہاڑوں

کے اوپر سے گزرے تھے۔"

"مجھے یاد ہے لیکن ہم کسی قدر دائیں طرف جا رہے ہیں۔ جبکہ مجھے یاد ہے وادی کی طرف سے آتے ہوئے ہمارے طیارے نے زرا نفے نما چوٹی تک کا سفر بائیں طرف سے طے کیا تھا۔"

"درست ہے۔" ایلن نے کہا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرف سے راستہ بے حد دشوار ہے۔ لگا تار سولہ ایسی چوٹیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کی اونچائی سولہ ہزار فٹ سے زیادہ ہے اور ان میں سے نصف بیس ہزار فٹ سے بھی بلند ہیں۔"

"اس طرف سے جانے کا مطلب ہے ہمارا سارا وقت کوہ پیمائی میں ہی گزر جائے گا۔" ولیم شا ایک نقشہ لئے قریب چلا آیا۔ "یہ دیکھو...... نقشے کے مطابق اگر ہم دائیں طرف سے ہو کر جائیں تو ہمارے راستے میں طویل چوٹیاں نہیں آئیں گی بس ذرا راستہ طویل ہو جائے گا۔"

میں نے نقشہ غور سے دیکھا۔ ذرا نہیں، راستہ خاصا طویل ہو رہا تھا اور ہمیں تقریباً دوگنا راستہ طے کرنا تھا اور اس کے بعد ہم ہمالیہ کی نامعلوم وسعتوں میں قدم رکھتے جہاں آج تک کوئی انسان نہیں پہنچا تھا۔ وادی اس مقام سے بھی کوئی سو کلومیٹر آگے کہیں تھی اور ہمیں صرف اس نامعلوم حد تک جانے کے لئے کم سے کم ایک ہفتہ درکار تھا۔ میں نے ولیم شا سے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

اس نے سوچ کر کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں خوراک کی روزانہ کی مقدار کم کر دینی چاہئے۔ اگر ہم اس میں چالیس فی صد کمی کر دیں تو یہی خوراک بیس دن کے لئے کافی ہو گی۔"

"اس سے ہم کمزور ہو جائیں گے۔" میں نے اعتراض کیا۔ "اور سفر کی رفتار سست ہو جائے گی۔"

"ہم آرمی کے لوگ ہیں اور اتنی آسانی سے کمزور نہیں ہوتے ہیں۔" ولیم شا نے میرا اعتراض مسترد کر دیا تھا۔ اس نے ایلن سے پوچھا اور اس نے بھی ولیم شا کی تائید کی تھی اس طرح میرا اعتراض ایک کے مقابلے میں دو ووٹوں سے مسترد کر دیا گیا۔ اس رات ڈنر سے ہی کھانے کی مقدار میں کمی کر دی گئی تھی اور ہم سب تقریباً آدھے پیٹ کے ساتھ سوئے تھے۔ اگلے روز ناشتے کے بعد ہم نے پھر اس وسیع برف زار میں رینگنا شروع کر دیا تھا۔ برف نرم تھی اور کیونکہ بلندی میں بھی اضافہ نہیں ہو رہا تھا اس لئے برف میں سختی بھی نہیں آئی تھی۔ پانی کے لئے ہم خاص طور سے ٹین کی بنی سیاہ بوتلیں لائے تھے۔ ان میں برف بھر کر اپنے بیگوں کے اوپری حصے میں رکھتے تھے، تیز دھوپ بوتل کو جلد گرم کر دیتی تھی اور اس میں بھری برف پانی میں بدل جاتی تھی۔ یہی پانی ہمارے پینے کے کام آ رہا تھا۔ رات کے لئے ہمارے پاس تھرماس تھے۔ ان میں گرم پانی ڈال لیتے تھے جو جمنے سے محفوظ رہتا تھا۔

ہمارے دونوں پورٹر نیپالی تھے۔ ایک کا نام اجیت کمار اور دوسرا سومندر تھا۔ دونوں اصل میں نیپال کی سرحد پر آباد ایک قبیلے کے تھے اور اس قبیلے کے بیشتر افراد پورٹر یعنی سامان اٹھانے اور رہنمائی کرنے کا کام کرتے تھے۔ یہ پستہ قد اور تبتی نقوش رکھنے والے نیپالی بوجھ اٹھانے اور اسے اٹھا کر پہاڑوں پر چڑھنے کے معاملے میں بے مثال تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کیا گیا تو اس کے فاتح ایڈمنڈ ہیلری کے بعد چوٹی پر قدم رکھنے والا دوسرا فرد ایک نیپالی شرپا تھا جو اس کارنامے میں کسی طرح ہیلری سے کم نہیں

تھا مگر سارے اعزازات اور تعریفیں ہیلری کے حصے میں آئی تھیں اور شرپا کو کسی نے نہیں پوچھا۔

میں ہندوستانی تھا اس لئے دونوں پورٹر مجھ سے کسی قدر مانوس اور بے تکلف تھے۔ رات کو جب وہ سامان اتار کر خیمے لگاتے اور باورچی خانہ قائم کر کے کھانا بنانے میں لگ جاتے تھے تو میں ان کے پاس چلا جاتا تھا۔ آسام میں تعیناتی کے دوران میرا نیپالیوں سے واسطہ رہا تھا اس لئے مجھے خاصی حد تک ان کی زبان آ گئی مگر سومندر اور اجیت سے بات کرنے کے لئے مجھے نیپالی استعمال نہیں کرنا پڑتی تھی، وہ اردو یا ہندی جانتے تھے اور ہم اسی زبان میں بات کرتے تھے۔ اس شام جب ہم نے کیمپ لگایا۔ اجیت کک بھی تھا اس نے باورچی خانے والا خیمہ لگایا اور کھانے بنانے کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے اس سے کافی کی فرمائش کی۔

"ابھی دیتا ہے صاحب!" اس نے ننھا سا اسٹوو سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ سومندر خیمے لگا کر ہمارا سامان اس میں رکھ رہا تھا۔ اجیت نے کافی کا پانی اسٹوو پر رکھ دیا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور خنکی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا ایسے میں اسٹوو سے اٹھتی حرارت فرحت بخش لگ رہی تھی۔ اجیت نے اچانک کہا۔ "صاحب، آپ ان گوروں کے ساتھ کیوں جا رہا ہے؟"

"مجھے بھی شوق ہے ہمالیہ دیکھنے کا۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے کیوں پوچھا کیا ہندوستان کے رہنے والے ہمالیہ کی طرف نہیں جاتے؟"

"جاتے ہیں صاحب، پر اس طرف کوئی نہیں جاتا۔"

"کیوں؟"

"اس طرف تو صرف ویرانے اور اونچی چوٹیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

"ہم ان چوٹیوں کے نقشے بنانے جا رہے ہیں۔" میں نے اسے اپنی مہم کی بظاہر وجہ بتائی۔

"صاحب ادھر موت ہے۔ ادھر جو جاتا ہے کبھی واپس نہیں آتا ہے۔ ہم اسے موت کا راستہ کہتے ہیں۔"

"کیوں، اس طرف ایسی کیا بات ہے؟"

"ادھر کئی سو میل تک صرف برف ہے پھر تبت، علاقہ آتا ہے پر ادھر بھی ویرانی ہے۔ کہتے ہیں اس طرف بدروحیں اور بھوت رہتے ہیں، جو اس طرف جاتا ہے وہ اسے جادو کر کے دیوانہ بنا دیتے ہیں اور وہ اس برف کے ویرانے میں بھٹک کر مر جاتا ہے۔"

"تمہارا کوئی جاننے والا اس طرف جا چکا ہے۔"

اجیت نے سر ہلایا۔ "میرا بھائی، وہ ایک گورے صاحب کے ساتھ اس طرف گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔"

"تمہارا بھائی گیا تھا اور واپس نہیں آیا، پھر بھی تم اس طرف جا رہے ہو؟"

"ہاں، میں دیکھنا چاہتا ہوں میرے بھائی پر کیا گزری تھی۔ ممکن ہے مجھے امیت کی لاش مل جائے اور میں اسے واپس لے جا سکوں۔ ماتا پتا آج بھی اس کی راہ تکتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہوا۔ تمہارا بھائی جس گورے کے ساتھ گیا، اس کا مقصد کیا تھا؟"

"آپ کی طرح وہ بھی اس علاقے کا نقشہ بنانا چاہتا تھا۔"

"صرف دو افراد کے ساتھ یہاں آنا خطرناک تھا ممکن ہے وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں۔"

"ایسا ہی ہوا ہو گا صاحب، ورنہ میرا بھائی واپس نہ آ جاتا۔"

کھانے کے بعد میں نے ڈائری لکھی اور اب تک کے راستے کا نقشہ بنایا۔ پھر میں نے ایلن اور ولیم شا سے بات کی، ان کو اجیت کے بھائی امیت کے بارے میں بتایا۔ "وہ بھی کسی گورے کے ساتھ اس علاقے میں آیا تھا، اس کی واپسی نہیں ہوئی۔"

"لگتا ہے خان، تم نے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔" ولیم شا نے طنز کیا۔

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔ مگر کسی بھی چیز کو اپنی جان سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "ایسا ہی تم بھی سمجھتے ہو گے۔"

"میں خطرہ مول لے رہا ہوں۔"

"کیونکہ تم اس کا کریڈٹ لینا چاہتے ہو جبکہ مجھے ایسا کوئی لالچ نہیں ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں، ہم اپنی حد سے باہر نہ جائیں۔ جہاں سے ہمارے واپسی کے راستے بند ہو جائیں۔"

"تم اطمینان رکھو، ہم اس حد سے آگے نہیں جائیں گے۔"

"تمام تر احتیاط کے باوجود موجودہ خوراک کا ذخیرہ چودہ دن سے زیادہ نہیں چل سکتا۔ یعنی ہمیں چھٹے دن واپسی کا سفر شروع کرنا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے تم اس بات کو زیادہ ہی سنجیدہ لے رہے ہو۔" ولیم شا نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"تم اسے زیادہ ہی سر چڑھا رہے ہو۔" ایلن نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اب تم جا کر سو جاؤ۔ صبح ہمیں سورج نکلنے سے پہلے سفر کرنا ہے۔" ولیم شا نے اس کی بات نظر انداز کر کے مجھے حکم دیا۔ میں اپنے خیمے میں آ گیا۔ مجھے ولیم شا کا رویہ بے حد تشویش ناک اور بیگانہ لگ رہا تھا، وہ وادی تک جانے اور اس مہم کو خفیہ رکھنے کی دھن میں راہ میں پیش آنے والے خطرات اور خاص طور سے خوراک کی کمی کو نظر انداز کر رہا تھا۔ دوسرے سفر کا دورانیہ غیر مناسب حد تک زیادہ تھا۔ پہاڑوں میں انسان فطرت سے لڑتا نہیں ہے بلکہ اپنی ہمت کے اندر رہتا ہے۔ یہاں بہادری دکھانے والا اور اپنی بساط سے بڑھ کر کام کرنے والا شخص مردہ ہوتا ہے۔ گزشتہ دن ہم نے بارہ گھنٹے سے زیادہ سفر کیا تھا۔ جبکہ ایک دن میں دس گھنٹے سے زیادہ سفر مناسب نہیں تھا بلکہ جتنا سفر کا وقت تھا اتنا ہی آرام کا وقت ہونا لازمی تھا ورنہ ہماری ہمتیں بہت جلد جواب دے جاتیں۔

اگلے روز ہم نے منہ اندھیرے سفر شروع کر دیا۔ ابھی پانچ بجے تھے اور ہمیں صرف آٹھ گھنٹے سونا نصیب ہوا تھا۔ اجیت اور سومندر بھی تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ جیسے جیسے ہم شمال کی طرف جا رہے تھے، بلندی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس شام جب اندھیرا چھانے لگا تو ولیم شا نے پورٹرز کے احتجاج پر کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا مگر وہ اس سے خوش نہیں تھا۔ "ابھی روشنی ہے اور ہم مزید کچھ دیر سفر کر سکتے تھے۔"

"آج ہم نے تیرہ گھنٹے سے زیادہ سفر کیا ہے، اور یہ پورٹرز کی ہمت سے زیادہ ہے۔"

''ان کا کام کیا ہے؟''

''وہ انسان ہیں، مشین نہیں۔ اپنی ہمت سے زیادہ کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے اور پھر یہ سامان کون اٹھائے گا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہی لوگ اٹھائیں گے۔'' ولیم شا نے غصے سے کہا۔ ''جب میں نے ان کو منہ مانگا معاوضہ دیا ہے تو ان کو کام بھی میری مرضی کا کرنا ہوگا۔''

مگر پورٹر اس کے لئے تیار نہیں تھے، ابھی ولیم شا اور میں باتیں کر رہے تھے کہ اجیت آ گیا، اس نے دو ٹوک کہا۔ ''صاحب، ہم تیرہ گھنٹے سفر نہیں کر سکتا۔ کل سے ہم صرف دس گھنٹے سفر کرے گا۔''

میں نے ولیم شا کو اس کے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ غصے سے بے قابو ہو کر گالیاں دینے لگا۔ ''اس ڈرٹی سوائین کو بتا دو اس نے بکواس کی تو میں اس کے دانت توڑ دوں گا۔''

''اگر تم نے اس کے دانت توڑے تو یہ واپس چلا جائے گا پھر یہ سامان کون اٹھائے گا؟''

''چلا جائے، ہم خود اٹھا لیں گے سامان۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ ڈھائی من یعنی سو سیر سامان ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''اسے اٹھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔''

''میں ان کی بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گا، ان سے کہو ہمارے ساتھ رہنا ہے تو ایسے ہی رہیں ورنہ معاوضے کی رقم واپس کریں اور جائیں۔''

میں نے اجیت سے بات کی۔ ولیم شا کا انکار اور جواب سن کر اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی۔ یہ درست تھا، ولیم شا نے ان کو عام معاوضے سے زیادہ ہی دیا تھا، اس لحاظ سے اس کا حق بنتا تھا کہ کام بھی اپنی مرضی کا لے۔ میں نے اجیت سے کہا۔ ''دیکھو، ہمارے پاس خوراک کم ہے اگر ہم دن میں بارہ گھنٹے سفر نہ کریں تو اپنی منزل پر کیسے جائیں گے۔ خوراک ختم ہو گئی تو اس ویرانے میں بھوک سے مر جائیں گے۔''

''تب ہم کیا کرے صاحب!''

''ابھی اس معاملے کو چلنے دو۔''

''صاحب اتنا سامان لے کر روز بارہ تیرہ گھنٹے سفر کرنا بے حد مشکل ہے۔''

''ہمت کرو جب تک ممکن ہے، ویسے بھی ہمارے پاس اب بارہ دن کی خوراک رہ گئی ہے۔ تین چار دن بعد ہمیں واپس جانا ہوگا۔''

اجیت اور سومندر بمشکل راضی ہوئے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہماری یہ مہم اس طرح ناکام ہو۔ میں نے ذاتی طور پر کوشش کی اور طے پایا کہ ہم ان کا کچھ بوجھ خود اٹھائیں گے اور روزانہ بارہ گھنٹے سفر کریں گے۔ صبح پانچ بجے سے دوپہر بارہ بجے تک سفر اس کے بعد دو گھنٹے کے لئے آرام اور پھر شام سات بجے تک سفر اور اس کے بعد کیمپ۔ کھانا کھا کر ہم بے سدھ سو جاتے تھے۔

☆======☆======☆

یہ سفر کا دسواں دن تھا۔ برفانی میدان ہم نے ساتویں دن عبور کر لیا تھا اور پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر پہاڑوں کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ اس مقام سے ہم نے اپنا رخ درست کر لیا تھا اور اب بھی وادی سے کوئی

پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر تھے۔ اس روز ہم نے فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کریں، آگے سفر کریں یا واپس پلٹ جائیں کیونکہ اب ہمارے پاس محض اتنی خوراک تھی کہ ہم بمشکل واپس جا سکتے تھے اور اس معاملے میں مزید ایک دن کی تاخیر ہو جاتی تو یہ تاخیر خطرے کی حد میں داخل ہو جاتی، خاص بات یہ تھی کہ اجیت اور سومندر نے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا خوراک کا ذخیرہ اور بھی کم ہو رہا تھا۔ پورٹرز اپنی خوراک الگ لے کر چلتے ہیں۔

''صاحب، ہم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔'' اجیت نے مجھے بتایا۔ ''ہمارے پاس اتنی خوراک ہے کہ ہم بس زندہ واپس جا سکتے ہیں۔''

میں پہلے ہی اس معاملے پر فکر مند تھا۔ جبکہ ولیم شا اور ایلن کے انداز میں کوئی پریشانی نہیں تھی، خاص طور سے ولیم یوں مطمئن تھا جیسے ہم انسانی آبادیوں کے درمیان سفر کر رہے ہیں۔ میں نے اس سے بات کی۔ ''ہمیں کل سے واپسی کا سفر کرنا ہے۔''

''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم جانتے ہو ہمارے پاس واپسی کی خوراک کم رہ گئی ہے اور ایک دو دن دیر کی تو ہم واپس بھی نہیں جا سکیں گے۔ اس ویرانے میں مر جائیں گے۔''

''تم فکر مت کرو، ہم وادی سے کچھ فاصلے پر ہیں۔''

''ہم وادی سے کتنے فاصلے پر ہیں؟ یہ تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔ دوسرے لازمی نہیں ہے ہم وادی میں اترنے والا راستہ دریافت کر لیں۔ وادی اپنی دیواروں سے کم سے کم سات آٹھ ہزار فٹ کی گہرائی میں ہے اور اس میں اترنا ناممکن ہو گا۔''

''سب ممکن ہے اگر آدمی ارادہ اور ہمت کر لے۔''

''پورٹرز آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

''ان کو فارغ کر دو۔ ان کو بھی یہیں تک لانا تھا۔ ان سے کہو ان کو معاوضہ دیا جا چکا ہے اور ان کے پاس واپسی کی خوراک بھی ہے۔''

میں نے اجیت اور سومندر کو ولیم کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اصولاً تو ان کو خوشی خوشی واپس چلے جانا چاہئے تھا مگر اجیت پریشان ہو گیا۔ ''صاحب، ہمارے بغیر اس علاقے میں کیسے سفر کرو گے؟''

''مسٹر شا اس کے لئے تیار ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔

''صاحب، آپ سب مر جاؤ گے۔'' سومندر بولا۔

ولیم شا نے جواب دیا۔ ''تم ہماری فکر مت کرو، اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جانے سے پہلے اتنا کام کرتے جانا کہ سارا سامان تین برابر حصوں میں بانٹ دینا۔ اب یہ بوجھ ہم تینوں اٹھائیں گے۔''

''ولیم شا یہ دیوانگی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے تب تم اس دیوانگی میں شریک مت ہو۔ واپس چلے جاؤ۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا تھا۔

''لیکن کیا تم واپس جاؤ گے؟'' اس کے لہجے میں چیلنج تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی بات درست تھی۔ میں بھی اس دیوانگی کا شکار تھا ورنہ اس مہم پر کیوں آتا۔ اس پُراسرار وادی کی جھلک نے مجھے بھی دیوانہ کر دیا تھا۔

''میں چلوں گا مسٹر شا! چاہے انجام جو بھی ہو۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

ولیم شا مسکرانے لگا۔ ''مجھے معلوم تھا تم میرا ساتھ دو گے ورنہ طیارے میں اور لوگ بھی تھے مگر اس وادی نے صرف ہم تینوں کو سحر زدہ کیا تھا۔ اس لئے ہم تینوں جا رہے ہیں۔ تم جانتے ہو میں نے جوگندر اور جوزف سے بھی رابطہ کیا تھا۔ وادی نے ان کو نہیں بلایا تھا۔''

''انہوں نے انکار کر دیا؟''

''ہاں، تم نے نہیں کیا۔''

''یعنی وادی نے مجھے بلایا ہے۔'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''مسٹر شا! تم اس قسم کی توہم پرستی پر یقین رکھتے ہو۔ وادی ایک زمین ہے۔''

''ہاں، پہلے نہیں رکھتا تھا لیکن اب رکھتا ہوں۔ جب سے میں نے اس وادی کو دیکھا ہے، مجھے اس کے سحر زدہ ہونے کا یقین ہے۔ یقین کرو خان، اس وادی میں کوئی اسرار ہے ورنہ تم سوچو، ہمالیہ کے عین وسط میں ایک اتنی ہری بھری وادی...... پھر اس میں اتنا خوبصورت اور متمدن شہر، اس کے جنگل، جھیلیں اور کھیت، سب کتنے انوکھے تھے۔ اگر اس وادی میں محض وحشی ہوتے تو مجھے قطعی تعجب نہ ہوتا۔ پھر وہ اہرام نما عمارت یاد ہے جس کے اوپر سنہری کلس چمک رہا تھا۔''

''اسے میں کیسے بھول سکتا ہوں۔''

''وہاں کچھ بھی معمول کے مطابق نہیں ہے۔''

''میں نے جنگلوں میں جانور دیکھے تھے، وہ مجھے دنیا کے دوسرے جانوروں سے مختلف لگے تھے۔''

''یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ اس وادی میں کوئی پُر اسراریت ہے۔''

''فرض کرو لو، ہم وادی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں پھر......؟''

''تب ہم جانیں گے اس وادی کے وجود کا راز کیا ہے، چاروں طرف سے ہولناک برفانی ویرانوں میں گھرے ہونے کے باوجود وہاں اتنی شادابی کیوں ہے؟''

''سب سے اہم بات اس وادی میں انسان کیوں اور کہاں سے آئے؟ انہوں نے اتنا شاندار تمدن کیسے قائم کر لیا، ساری دنیا سے کٹ کر؟''

''ہم ضرور وادی میں اتریں گے۔'' ولیم شا نے یقین سے کہا۔

اگلے روز اجیت اور سومندر واپسی کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے سارے سامان کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کر کے پیک کر دیا تھا۔ ویسے بھی نصف خوراک اور ایندھن ہم استعمال کر چکے تھے۔ اس سے بھی وزن کم ہوا تھا۔ سب کے حصے میں کوئی پچیس کلو گرام سامان آیا تھا۔ اجیت اور سومندر کے جانے کے بعد مجھے لگا جیسے باہر کی دنیا سے میرا رابطہ کٹ چکا ہے اور ہم صحیح معنوں میں ہمالیہ کے برف زار کے قیدی بن چکے ہیں۔ وزن اٹھا کر چلنے سے ہماری رفتار سست ہوئی تھی لیکن یہ اتنا مشکل بھی نہیں تھا البتہ ایک پریشانی تھی، چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوا بے حد ہلکی ہو جاتی ہے اور اس میں سانس لینا بھی کسی مشقت سے کم نہیں ہوتا۔ سانس ذرا سی مشقت سے پھول جاتے تھے۔

سفر کے دوران ہمیں ہر آدھے گھنٹے بعد سانس درست کرنے کے لئے رکنا پڑتا تھا۔ اس وقت ہمیں نیپالی مزدوروں کی افادیت کا اندازہ ہوا جو اس سے زیادہ وزن لے کر سارا دن بغیر رکے چلتے رہتے تھے۔ ان کی رفتار بھی کم نہیں ہوتی تھی۔ اس روز ہم نے بارہ گھنٹے میں اتنا فاصلہ طے کیا جتنا عام حالات میں اور پورٹرز کے ساتھ ہم آٹھ نو گھنٹے میں طے کرلیا کرتے تھے۔ جب کیمپ کے لئے رکے تو خیمے لگانے سے پہلے ہمیں گھنٹا بھر رکنا پڑا تھا تھا کہ جان میں جان آئے تو کوئی اور کام کریں۔ ''ہم نے پورٹرز کو بھیج کر غلطی کی ہے۔'' یہ اعتراض ایلن نے کیا تھا جو شروع سے ہر معاملے میں ولیم شا کی ہم نوائی کرتا آیا تھا۔ مگر آج کے سفر نے اس کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔

''میں نے درست کیا، اس وادی کا راز اب ہم تینوں تک محدود رہے گا۔''

''تم شروع سے سوچ کر آئے تھے کہ وادی کے قریب پہنچ کر ان کو واپس بھیج دو گے؟''

''ظاہر ہے اگر یہ ایک بار وادی کا راستہ دیکھ لیتے تو ان کے لئے دوسروں کو لانا مسئلہ نہیں رہتا۔''

''نقشوں کے بغیر وہ اس علاقے میں کیسے سفر کر سکتے ہیں؟'' ایلن نے اعتراض کیا۔

''ان لوگوں کو نقشوں کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ پہاڑوں میں راستہ تلاش کرنے کے ماہر ہوتے ہیں، تم نے دیکھا واپس جاتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کوئی نقشہ نہیں مانگا تھا۔ ان کو راستہ یاد تھا اس طرح یہ وادی کا راستہ بھی یاد کر لیتے۔''

''اب یہ ہماری مہم ہے۔'' ایلن بولا۔

''ہاں، کامیابی یا ناکامی۔ یہ مہم دونوں صورتوں میں بس ہماری ہے۔'' میں نے کہا، میرا مقصد ان کو یاد دلانا تھا کہ میں بے شک ہندوستانی سہی لیکن اس مہم میں برابر کا حصے دار ہوں۔

''درست، کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں سب برابر ہیں مگر اتنا یاد رہے اس مہم کا سربراہ میں ہوں اور اس لئے میرا حق تھوڑا سا زیادہ ہوگا۔''

''یہ تمہارا حق ہے۔'' میں نے کہا تو بادل ناخواستہ ایلن نے بھی سر لایا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ہم نقشے لے کر بیٹھے، اس وقت ہم ہمالیہ کے تقریباً وسط میں تھے اور ولیم کے اندازے کے مطابق وادی سے کوئی چالیس میل کے فاصلے پر تھے۔

''وادی کے آس پاس بلندی سترہ سے اٹھارہ ہزار فٹ ہے اور اتنی بلندی پر سفر کرنا بے حد دشوار ہوتا ہے۔''

''ممکن ہے ہمیں کوہ پیمائی کرنا پڑے۔'' ایلن نے خدشہ ظاہر کیا۔

''وہ تو کرنا پڑے گی۔'' میں نے بتایا۔ ''طیارے سے میں نے وادی کے اردگرد جس قسم کے پہاڑ دیکھے ہیں، ان کو ہم کوہ پیمائی کے بغیر سر نہیں کر سکتے۔''

ہم سارا سامان لائے تھے، اگلے روز کیمپ کے بعد ہم نے وہ سارے اوزار نکالے، آلات اور رسیاں نکالیں جو کوہ پیمائی کے کام آسکتی تھیں۔ ان کا معائنہ کیا اور ساری چیزیں بانٹ لیں۔ ایلن کو کوہ پیمائی کا باقاعدہ تجربہ تھا اس لئے وہ اب ہمارا لیڈر ہوتا۔ وہی سب سے آگے ہوتا۔ اگلے روز سے پہاڑ ہماری راہ میں حائل ہو

جاتے۔ اس وقت ہم وادی سے بیس میل کے فاصلے پر تھے، وزن کم کرنے کے لئے ہم نے تمام فالتو چیزیں یہیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا، صرف ضرورت کی چیزیں رکھی تھیں۔ اس کے ساتھ ہم نے خاص جوتے اور لباس بھی نکال لئے جن کے بغیر بلند علاقوں میں سفر نا ممکن ہوتا ہے۔

''میرا خیال ہے تیسرے دن کسی وقت ہم وادی کی دیواروں کے کناروں پر ہوں۔'' ولیم نے نقشہ دیکھتے ہوئے بتایا۔ یہ نقشہ اس نے پہلی بار نکالا تھا اور اس میں اس علاقے میں پائی جانے والی تمام چوٹیوں اور گھاٹیوں کی تفصیل تھی۔ میں نے حیرت سے دیکھا۔

''یہ کہاں سے آیا؟''

ولیم شا مسکرایا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، میں نے یہ نقشہ کیسے تیار کیا ہے؟''

''مجھے لگ رہا ہے تم نے اس علاقے میں پرواز کر کے اور تصویریں لے کر نقشہ بنایا ہے۔''

''درست ہے، میں بعد میں بھی اس علاقے میں آتا رہا تھا۔ ایک بار میں نے طیارہ وادی میں لے جانے کی کوشش کی تھی مگر دھند اتنی شدید تھی کہ میں نیچے جانے کی ہمت نہ کر سکا۔''

''اس روز بھی قدرت نے ہمیں وادی دکھانا تھی اس لئے طیارے کے انجن بند ہو گئے ورنہ از خود تو ہم کسی صورت اس کنواں نما وادی میں نہیں اتر سکتے تھے۔''

''عجیب بات تھی اس وادی کے اوپر دھند ہوتی ہے مگر آس پاس کے علاقے اور چوٹیاں بالکل صاف ہوتی ہیں۔''

''شاید اس وجہ سے یہ وادی اتنے عرصے تک انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہی۔ اگر ہمارے ساتھ انجن بند ہونے کا واقعہ پیش نہ آتا تو ہم بھی بے خبر رہتے۔''

''میں نے وادی کے کناروں کی کچھ تصاویر لی ہیں۔'' ولیم شا نے ایک لفافے سے یہ تصویریں برآمد کیں۔ ''ان سے پتا چل رہا ہے، مشرقی سمت سے اس کے کنارے ذرا ترچھے ہیں، ممکن ہے اس طرف اترنے کا کوئی راستہ ہو۔''

''اسی وجہ سے ہم دائیں طرف سے ہو کر وادی کی طرف جا رہے ہیں۔''

''یہ وجہ بھی ہے لیکن اصل میں ہمیں اس طرف آنے والی چوٹیوں سے بچنا تھا وہ بے حد دشوار ہیں، ہماری ساری توانائی وہیں ختم ہو جاتی۔''

اگلے روز ہم نے کیل کانٹوں سے لیس راستے میں آنے والے پہلے بلند پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرف ڈھلان برف پوش تھی اور ایسی ڈھلان اس لحاظ سے خطرناک ہوتی ہے کہ اس میں چھپے غاروں کا پتا نہیں چلتا اور اچانک پیروں تلے برف ٹوٹ جانے سے آدمی کسی اندھے اور یخ غار میں جا گرتا ہے اور اسے نکالنا بھی اکثر اوقات ممکن نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گرنے سے آدمی بچ جاتا ہے لیکن ذرا دیر میں سردی اس کی جان لے لیتی ہے۔ ہم نے آپس میں ایک دوسرے کو سو گز لمبی رسی سے باندھ لیا تھا، سب سے آگے ایلن تھا اس کے بعد میں تھا اور مجھ سے پچاس گز پیچھے ولیم شا تھا۔

دوپہر تک ہم نے اس دشوار ڈھلان کو عبور کیا اور اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی سے دوسری طرف اترنا شروع

کر دیا۔ تیز چمکتے دن میں درجہ حرارت منفی تھا۔ پورے جسم میں واحد کھلا حصہ چہرہ تھا جو سردی کی شدت سے سن ہو گیا تھا۔ رات آنے کے تصور سے جان نکل رہی تھی کیونکہ رات میں درجہ حرارت منفی دس درجے سے بھی نیچے گر جاتا تھا۔ سارے دن میں ہم نے بمشکل چھ میل کا فاصلہ طے کیا تھا اور ابھی ہمارے رستے میں کم سے کم چار چوٹیاں حائل تھیں۔ ان میں سے ایک بائیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند تھی۔ رات سے پہلے ہم نے ایک ڈھلانی غار میں کیمپ لگایا۔ یہ غار خوش قسمتی سے مل گیا تھا۔ اتفاق سے اس کے دہانے کی برف گر گئی تھی اور اندر سے غار نکل آیا تھا۔ یہ چھوٹا اور اندر سے صاف ستھرا غار تھا۔ ہم پہلے انسان تھے جنہوں نے اس میں قدم رکھا تھا۔ بلکہ اس علاقے میں آنے والے اوّلین انسان تھے۔

"اچھی جگہ ہے۔" ولیم شا خوش تھا۔ "یہاں ہم شدید سردی سے محفوظ رہ سکیں گے۔"

"اگر اس کے آگے برف جمع کر دی جائے تو رہی سہی سردی سے محفوظ رہ سکیں گے۔" میں نے تجویز دی۔ "میرا مطلب ہے دہانے پر۔"

ان دونوں نے میری تجویز سے اتفاق کیا اور برف جمع کرنے کا کام میرے سپرد کر دیا۔ ایلن کھانا بنانے لگا اور ولیم شا سامان کھول کر سلیپنگ بیگ نکالنے لگا۔ یہ روئی اور پیراشوٹ سے بنے جدید ترین بیگز تھے جو اندر سے گرم ہوتے ہیں اور منفی بیس درجے کی شدید سردی میں بھی آدمی کو محفوظ رکھتے ہیں۔ میں نے کلہاڑی اور ننھے سے بیلچے کی مدد سے خاصی برف دہانے کے سامنے جمع کر دی اور صرف اتنا سوراخ چھوڑا جس سے آدمی رینگ کر اندر جا سکے۔ ہوا کا راستہ بند ہوا اور اندر چولھا روشن ہوا تو سردی کچھ دیر میں قابل برداشت ہو گئی تھی۔

"ہمیں ابھی تک اس علاقے میں کوئی جاندار دکھائی نہیں دیا ہے۔" ایلن نے آلو اور گوشت کے شوربے میں چمچ چلاتے ہوئے کہا۔

"شاید اس لئے کہ اس علاقے میں سارے سال برف جمی رہتی ہے۔ چرندوں کے لئے یہاں کچھ نہیں ہے، جب چرندے نہیں ہیں تو ان کا گوشت کھانے والے درندے بھی نہیں ہیں۔" ولیم شا نے وضاحت کی۔

"برفانی آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ولیم شا ہنسا۔" اگر میں نے وادی نہ دیکھی ہوتی تو ممکن ہے، اسے بھی خیالی مخلوق سمجھتا لیکن اب میرے خیال میں برفانی آدمی ہو سکتا ہے۔"

میں ڈائری لکھ رہا تھا، میں نے مداخلت کی۔ "برفانی آدمی ہوتا ہے، ہم اسے ہنکو کہتے ہیں۔"

"سچ مچ تمہارے علاقے میں ملتا ہے؟"

"نہیں، ہمارے علاقے میں نہیں ہوتا ہے، اونچے برفانی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ البتہ سرما میں جب ہمارے علاقے میں برف پڑ جاتی ہے تو وہ آتا ہے اور بھیڑ بکریاں اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اس کا مقابلہ کرو تو آدمی کو بھی مار دیتا ہے۔ لمبا اور طاقتور ہوتا ہے۔ پورا جسم گھنے بالوں سے ڈھکا ہوتا ہے اور چہرے کے نقوش انسان جیسے ہوتے ہیں۔"

"تم نے دیکھا ہے؟"

"نہیں، میں نے سنا ہے۔ البتہ میرے بابا نے دیکھا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا۔"

''یعنی برفانی آدمی سچ مچ ہوتے ہیں؟'' ایلن حیرت سے بولا۔

''کم سے کم میری اطلاع یہی ہے۔'' میں نے دوبارہ ڈائری اٹھالی۔

''اگر یہاں کوئی برفانی آدمی آجائے تو؟'' ایلن نے سوال کیا۔

''اس کے لئے میرے پاس یہ اعشاریہ اڑتالیس کا ہیرنگٹن ہے۔'' شا نے پستول نکال کر دکھایا۔ ''دس گز کے فاصلے پر یہ شیر کو ڈھیر کر سکتا ہے۔''

''میرے بابا کا کہنا ہے برفانی آدمی شیر سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ یہ ریچھ سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے محض پستول پر بھروسا مت کرو۔''

''مجھے اپنے نشانے پر بھروسا ہے۔'' اس نے پستول چیک کیا۔ اس میں گولیاں دیکھیں۔ ''اگر برفانی آدمی آیا تو میں اسے ڈھیر کر دوں گا۔''

''میرا نہیں خیال ہے کہ برفانی آدمی اس علاقے میں ہوگا کیونکہ یہاں اس کے کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔'' ایلن بولا، اس نے پتیلی چولھے سے اتار لی تھی۔

''اس کے برعکس میرا خیال ہے یہ جگہ اس کے لئے محفوظ ہے کیونکہ یہاں تک کوئی نہیں آتا ہے، جہاں تک شکار کرنے کا تعلق ہے وہ نیچے جا کر اور شکار کر کے لا کر اس جگہ محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ ایک یا دو بھیڑ بکریاں لے آئے تو مہینہ بھر گزارہ کر سکتا ہے۔'' میں نے ڈائری بند کر کے جیکٹ میں رکھ لی، کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور اس میں چند منٹ کی تاخیر سے کھانا برف بن جاتا۔ شوربے کا برتن اتار کر چولھے پر کافی کا پانی رکھ دیا تھا۔ ''منطق اچھی ہے۔'' ولیم شا نے پیالے میں شوربہ نکالتے ہوئے کہا۔ ''مگر خدا نہ کرے یہاں برفانی آدمی ہو۔ ہم فی الحال کسی خطرے کا سامنا نہیں کر سکتے۔''

میں نے بھی شوربہ نکالا، اس کے اوپر مکھن تیر رہا تھا۔ اس علاقے میں سفر کرنے کے لئے مکھن اور گھی جیسی طاقتور غذائیں ضروری تھیں۔ کھانے کے فوری بعد ہم نے سیاہ تلخ کافی پی اور سونے کے لئے خوابی تھیلوں میں گھس گئے۔ مگر سونے میں کچھ دیر لگی تھی۔ نہ جانے کس وقت میری آنکھ کھلی۔ مجھے حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں خوابی تھیلے سے باہر آیا۔ ولیم اور ایلن گہری نیند میں تھے۔ میں نے جوتے اور جیکٹ پہنے۔ اس کے باوجود جب میں غار سے نکلا تو مجھے لگا میں بغیر کچھ پہنے ہی باہر آ گیا ہوں۔ سردی کی شدت نے مجھے لرزنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں دور جانے کے بجائے وہیں غار کے پاس بیٹھ گیا۔ فارغ ہو کر میں پتلون درست کر رہا تھا کہ مجھے عقب سے غراہٹ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر برفانی آدمی کھڑا تھا۔ اس روز نویں یا دسویں کا چاند تھا۔ اس کی روشنی میں وہ بالکل واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے شانے پر ایک جانور لاد رکھا تھا، بے حد گھنے بال، طویل قد جو شاید ساڑھے چھ فٹ تھا۔ گٹھیلا مضبوط جسم اور انگاروں کی طرح دہکتی آنکھیں۔

چند لمحے کے لئے میں دہشت سے سن رہ گیا تھا، جس خوف ناک مخلوق کے چرچے میں بچپن سے سنتا آیا تھا اور جس کے بارے میں ہم سونے سے پہلے بات کر رہے تھے، وہ اچانک ہی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے شانے پر ایک عدد بھیڑ تھی۔ بقول ولیم شا کے میری منطق درست نکلی تھی۔ یہ جگہ سچ مچ برفانی آدمی کا مسکن

تھی، وہ دوسری بار غرایا تو مجھے ہوش آیا تھا اور میں غار کی طرف لپکا۔ ایک اور زبردست غراہٹ کے ساتھ برفانی آدمی میری طرف لپکا۔ میں نے چھلانگ لگائی اور زور میں دہانے کے مختصر سے راستے سے اندر جا گھسا۔ میرے پاؤں باہر تھے جنہیں میں نے بے تابی سے کھینچ لیا۔ اسی لمحے برفانی آدمی کا چہرہ سوراخ سے نمودار ہوا اور میں نے دونوں پاؤں جوڑ کر اس کے منہ پر بھرپور وار کیا۔ کیلوں والے جوتے اس کے منہ پر لگے تو اس نے گرج دار آواز نکالی تھی۔ اس کا منہ غائب ہو گیا تھا۔ زور میں، مَیں اپنے خوابی تھیلے پر جا گرا اور چلایا۔

''ولیم...... ایلن...... برفانی آدمی!''

غراہٹیں اور چیخیں سن کر وہ دونوں پہلے ہی بیدار ہو چکے تھے۔ مشتعل برفانی آدمی برف ہٹا رہا تھا تا کہ غار میں گھس سکے اور وہ اس محدود غار میں گھس آتا تو ہم سب کو کچل کر رکھ دیتا۔ میں نے ایک عدد کلہاڑی اٹھائی اور غار کی دیوار کے ساتھ سرکتا ہوا دہانے کی طرف جانے لگا۔ برفانی آدمی کے بیلچے نما ہاتھوں کے لئے غار کے سامنے سے برف ہٹانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا اور میں انتظار کر رہا تھا، اس کا سر اندر آئے تو میں اس پر کلہاڑی سے وار کروں۔ ولیم شا پاگلوں کی طرح بیگ سے پستول نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایلن نے ٹارچ نکالی تھی ویسے غار میں ایک محدود روشنی والا کیروسین لیمپ بھی جل رہا تھا۔

''اسے اندر آنے مت دینا۔ ورنہ وہ سب کو مار دے گا۔'' میں نے چلا کر کہا۔ اسی لمحے ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ برفانی آدمی کے جسم کا کوئی حصہ اندر آیا اور میں نے جانے بغیر اس پر پوری قوت سے وار کیا۔ کلہاڑی اس کے جسم میں اتر گئی، اس نے ایک ہاتھ سے کلہاڑی کا دستہ پکڑا اور مجھے اس سمیت باہر کھینچ لیا۔ اس نے مجھے کھلونے کی طرح دور برف پر اچھال دیا تھا، میں گرا اور قلابازیاں کھاتا چلا گیا۔ کلہاڑی اس کے ایک بازو میں گھس گئی تھی، مجھے دور پھینک کر اس نے کلہاڑی نکالی اور اسے ایک طرف اچھال دیا، اس کے بعد وہ غراتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔ خوش قسمتی سے میں نرم برف پر گرا تھا اور ہڈی پسلی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔ اس لئے میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا تھا اور اس کی گرفت سے بچنے کے لئے بھاگا۔ برفانی آدمی جسیم ہونے کی وجہ سے میری طرح پھرتیلا نہیں تھا اس لئے میں اسے جھکائیاں دیتا رہا اور ساتھ ہی چلا چلا کر ولیم شا کو کہتا رہا۔ ''جلدی آؤ، اس پر فائر کرو۔''

مجھے معلوم تھا ایک بار میں اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ مجھے معمولی کھلونے کی طرح توڑ مروڑ دے گا یا اس بھیڑ کی طرح چیر پھاڑ دے گا جو وہ کہیں سے اٹھا کر لایا تھا۔ اس سے بچنے کے چکر میں، مَیں اس بھیڑ کو بھول گیا تھا۔ اس سے پاؤں ٹکرایا تو میں منہ کے بل برف پر جا گرا اور برفانی آدمی اپنے گلے سے بھیانک آوازیں نکالتا میرے سر پر آ گیا اور اب بچنے کا موقع نہیں تھا۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ فضا ایک دھماکے سے گونجی اور برفانی آدمی اچھل کر دور جا گرا۔ ولیم شا نے اس پر فائر کیا تھا۔ اسے نہ جانے گولی لگی تھی یا دھماکے نے اسے ڈرا دیا تھا، وہ اچانک ایک طرف بھاگا، اس کی رفتار چیتے سے کم نہیں تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔

''خان، تم ٹھیک ہو؟'' ولیم شا میرے پاس چلا گیا۔

''ہاں، تم نے بروقت فائر کیا ورنہ اس نے مجھے دبوچ لیا تھا۔'' میں برف سے اٹھ گیا۔

''میں نے پستول اندر رکھ دیا تھا اسے نکالنے میں دیر لگی تھی۔'' اس نے ندامت سے کہا

''اندر چلو وہ پھر نہ آجائے۔'' غار سے جھانکتے ایلن نے گھبرائے انداز میں کہا۔

ہم خود بھی چوکنا تھے مگر بھاگنے اور ٹیلے کے عقب میں غائب ہونے کے بعد وہ دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ جب ہم اندر آئے تو مجھے اپنے بائیں شانے میں درد کا احساس ہوا تھا۔ میں پہلی بار اسی شانے کے بل پر گرا تھا۔ میں نے ولیم شا کو بتایا تو اس نے ایک دوا نکال کر اس کی مالش کر دی۔ پھر وہ ایلن کے ساتھ باہر گیا اور مردہ بھیڑ اٹھا لایا۔ برفانی آدمی نے اس کی گردن توڑ دی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''اسے کیوں لائے ہو؟''

''اچھا خاصا گوشت ہے۔'' ہمارے کام آئے گا۔'' ایلن نے جواب دیا۔

''مگر اس کے چکر میں برفانی آدمی آ گیا تو؟'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''ہم اسے دیکھ لیں گے۔'' ولیم شا نے بے پروائی سے کہا۔ ''وہ زخمی ہوا ہے، برف پر خون کے دھبے نمایاں ہیں ممکن ہے مر ہی جائے۔''

''اگر ہمیں اس کی لاش مل جائے تو ہم دنیا کو یہ عجوبہ دکھا سکتے ہیں۔'' ایلن بولا۔

مگر مجھے ولیم شا سے اتفاق نہیں تھا۔ برفانی آدمی اگر زخمی بھی ہوا تھا تو معمولی سا زخمی تھا اور اس کے مرنے کا امکان نہیں تھا۔ وہ جتنی پھرتی اور تیزی سے بھاگا تھا شدید زخمی ہونے کی صورت میں اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا۔ مجھے یہ خدشہ بھی تھا کہ وہ بھیڑ کے چکر میں پھر واپس آئے گا۔ یہ بات ان دونوں کے ذہن میں بھی تھی اس لئے طے ہوا کہ ایک آدمی رات بھر جاگ کر پہرا دے گا۔ دو گھنٹے بعد وہ دوسرے کو جگا دے گا۔ پہلے ایلن کی باری تھی میں اور ولیم سو گئے۔ چار گھنٹے بعد ولیم نے مجھے جگایا۔ صبح کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ اس نے پستول اور کافی کا مگ مجھے تھمایا اور سونے کے لئے اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ میں نے کافی پی کر خود کو چوکنا کیا اور پھر غار سے باہر جھانکا۔ مغربی سمت تاریکی تھی اور مشرق سے روشنی کے آثار تھے، کچھ دیر بعد سورج کی روشنی سب سے پہلے بلند چوٹیوں پر پڑتی۔ چاند کی روشنی غائب ہو چکی تھی اس لئے ہر طرف نامحسوس سا اندھیرا تھا۔ میں کچھ دیر باہر کا معائنہ کرتا رہا۔

اچانک مجھے دائیں طرف سے کسی کی حرکت کا احساس ہوا۔ میں نے غور سے دیکھا پھر ٹارچ سیدھی کر کے اچانک جلائی۔ مجھے برفانی آدمی کی جھلک دکھائی دی تھی جو روشنی پڑتے ہی بھاگا تھا اور غائب ہو گیا۔ میرا اندیشہ درست تھا۔ وہ آس پاس ہی منڈلا رہا تھا اور شاید اپنی شکار کی ہوئی بھیڑ کے چکر میں تھا۔ میں محتاط رہا۔ کچھ دیر بعد روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ ایک گھنٹے بعد میں نے ان دونوں کو بیدار کر دیا۔ ہمیں آگے سفر کی تیاری کرنی تھی۔ ایلن ناشتا بنانے لگا اور ولیم شا بھیڑ کا گوشت اتارنے لگا۔

''برفانی آدمی آس پاس ہے۔ میں نے اس کی جھلک دیکھی تھی۔''

یہ سن کر وہ دونوں ہی فکرمند ہو گئے تھے۔ ایلن نے کہا۔ ''وہ بھیڑ کے چکر میں ہے، بہتر ہے اسے کچھ گوشت سمیت چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ہمارے پیچھے آنے کے بجائے اسے کھانے میں لگ جائے۔''

ایلن کی تجویز اچھی تھی۔ ولیم نے اتفاق کیا اور بھیڑ کا کچھ گوشت چھوڑ دیا۔ اس دوران میں نے سامان پیک کر دیا۔ ناشتا کر کے ہم آگے روانہ ہوئے۔ بھیڑ کی بچی ہوئی لاش ہم نے غار میں ہی چھوڑ دی تھی۔ آگے سفر

مزید دشوار تھا۔ ہمیں آج کے دن ایک بیس ہزار فٹ بلند چوٹی کو عبور کرنا تھا۔ اس کے بعد ہم ایک عظیم ڈھلان پر قدم رکھتے جو ہمیں اس سلسلے میں سب سے بلند چوٹی تک لے جاتی۔ ولیم کے مطابق اس چوٹی کے بعد ہم وادی کے مشرقی کنارے تک پہنچ جاتے۔ اَن تھک انداز میں سر جھکائے اور ساری توجہ مرکوز کرتے ہوئے ہم چوٹی کی طرف بڑھتے رہے۔ دوپہر تک موسم صاف تھا لیکن اس کے بعد اچانک سرمئی بادل جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ میں نے تشویش سے آسمان کی طرف دیکھا۔ "طوفان کے آثار ہیں۔"

"کوشش کرو، اس سے پہلے ہم چوٹی کے دوسری طرف پہنچ جائیں۔" ولیم شا نے کہا، ہم نے اپنی رفتار تیز کی تھی مگر طوفان نے ہمیں پہلے ہی آلیا تھا طوفانی ہوا کے جھکڑ چلنے لگے تھے اور ہر طرف برف اُڑ رہی تھی۔ اگر ہمارے چہروں پر سیاہ شیشوں والی عینک نہ ہوتی تو آنکھیں کھلی رکھنا بھی محال ہو جاتا۔ طوفان کے باوجود ہم رکے نہیں اور بدستور چوٹی کی طرف بڑھتے رہے۔ جو اب ہم سے کوئی پانچ سو فٹ کی دوری پر تھی۔ کئی بار ہم گرے اور ایک بار تو تینوں گرے۔ ہوائیں ہمیں نیچے کھینچ کر لے جانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایلن نے فوراً برف میں کلہاڑی گاڑھ دی اور ہم نیچے جانے سے بچ گئے۔ مجھے سفر کے آغاز سے احساس ہو رہا تھا کہ برفانی آدمی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ ہمارے تعاقب میں ضرور آئے گا۔ ہم نے اسے زخمی ہی نہیں کیا تھا اس کا شکار بھی چھین لیا تھا اور وہ اپنا بدلہ لینے اور اپنا شکار حاصل کرنے کے لئے ہمارے پیچھے ضرور آتا۔ چلتے ہوئے میں بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا، ولیم شا نے اس بات کو محسوس کیا، ایک موقع پر وہ میرے قریب تھا تو اس نے مجھ سے پوچھا۔

"تم بار بار مڑ کر کیوں دیکھ رہے تھے۔"

"مجھے خدشہ ہے برفانی آدمی ہمارے پیچھے آئے گا۔"

"خدشہ مجھے بھی ہے لیکن میں اس کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔" اس نے اپنی جیکٹ میں رکھا پستول تھپتھپایا۔ "اگر اس بار اس نے حملہ کیا تو اسے بچ کر جانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

ہمارے پاس بھی ایک پستول تھا اگر کسی وجہ سے ولیم اسے استعمال نہ کر پاتا یا اس سے کھو جاتا تو ہم بالکل ہی نہتے رہ جاتے۔ طوفان کی وجہ سے ہم بے حد سُست رفتاری سے چوٹی کی طرف جا رہے تھے، ہر قدم کے لئے باقاعدہ جدوجہد کرنا پڑتی۔ شام سے ذرا پہلے ہم چوٹی کے اوپر پہنچے جس کے دوسری جانب اتنی ہی بڑی ڈھلان تھی، اچھی بات یہ تھی کہ چوٹی کے اس طرف طوفان کا اثر کم تھا۔ اترتے ہوئے ہماری ترتیب الٹ گئی تھی، اب سب سے آگے ولیم شا تھا پھر میں اور سب سے پیچھے ایلن تھا۔ دوسری طرف اترنے سے پہلے میں نے آنے والی طرف دیکھا اور مجھے لگا جیسے طوفان کے غبار کے عقب میں کوئی بڑی سی شے حرکت کر رہی ہے۔ بے حد غور سے دیکھنے پر بھی وہ واضح نہیں تھی۔

"خان رکو مت......" نیچے سے ولیم شا نے پکارا۔ "ہم نے آج یہ ڈھلان عبور کرنی ہے۔"

میں اترنے لگا۔ "مجھے لگ رہا ہے دوسری طرف کوئی ہے۔"

"اگر ہے بھی تو فی الحال اسے بھول جاؤ۔" اس نے کہا۔ "ہمیں پرسوں سے پہلے وادی کے کناروں تک پہنچنا ہے۔"

میں جانتا تھا ہمارے اصل سفر کا آغاز اس جگہ سے ہوگا۔ ہماری ساری کوشش کے باوجود ہمیں ڈھلان پر

ہی رات نے آلیا تھا اور یہاں کیمپ لگانے کی کوئی جگہ نہیں تھی اس لئے ہم سفر جاری رکھنے پر مجبور تھے۔ ولیم نے سامان سے ٹارچیں نکال لیں اور جب تک چاند بلند نہیں ہوا، ہم ان کی روشنی میں سفر کرتے رہے۔ چاند بلند ہو گیا اور ڈھلان تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہاں بھی میں مڑ کر دیکھ رہا تھا مگر پوری ڈھلان اتنی روشن اور بے داغ تھی کہ اس پر معمولی سا دھبا بھی فوراً نظر آ جاتا۔ اگر برفانی آدمی ہمارے تعاقب میں تھا تو اسے بھی معلوم تھا کہ فی الحال یہ وقت ہمارے پیچھے آنے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ وہ آرام سے ہمارے ڈھلان سے اتر جانے کا انتظار کر سکتا تھا۔

رات نو بجے ہم ڈھلان کے سب سے نچلے حصے میں تھے۔ سورج غروب ہوتے ہی طوفان تھم گیا تھا اور اب فضا بالکل صاف تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس جگہ کیمپ لگانے کے لئے کوئی آڑ یا غار میسر نہیں تھا۔ مجبوراً ہم نے ایک سیدھی سطح پر کیمپ لگایا۔ گزشتہ رات ہمیں خیمے کھولنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ البتہ آج خیمے لگائے تھے۔ کھانے کے دوران یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ پہرا کس طرح دیا جائے کیونکہ کھلی فضا میں رات گزارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور خیمے کے اندر سے پہرا دینا ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی آنکھ بند کر کے چوکیداری کرے۔

"میرا خیال ہے ہمیں خیموں کے منہ ایک دوسرے کی طرف کر لینے چاہئیں۔" میں نے تجویز دی۔ "اگر برفانی آدمی نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو ہم اتنی دیر میں ہوشیار ہو جائیں گے۔ وہ جس کے خیمے میں گھس رہا ہوگا اسے فوری طور پر پستول بھی دے سکتے ہیں۔"

"اس کے باوجود ایک فرد کو جاگتے رہنا ہوگا۔" ولیم شا نے فیصلہ دیا۔ "اس وقت سناٹا ہے۔ برفانی آدمی کی آہٹ یا غرانے کی آواز بھی ہمیں خبردار کر دے گی۔"

طے ہوا کہ سب باری باری تین تین گھنٹے جاگیں گے۔ پہلے قرعہ ولیم شا کے نام نکلا۔ دوسری باری میری تھی اور آخر میں ایلن کا نمبر تھا۔ میں لیٹا اور سو گیا۔ تھکن سے برا حال تھا، ہم نے تیرہ گھنٹے تک سفر کیا تھا۔ رات ایک بجے ولیم شا نے مجھے بیدار کیا اور پستول میرے حوالے کیا۔ "ہوشیار رہنا اگر درندے نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے لئے سب سے موزوں وقت یہی ہوگا۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں پوری طرح ہوشیار رہوں گا۔"

ہم نے حفظ ماتقدم کے طور پر کلہاڑیاں اور چاقو بھی پاس رکھ لئے تھے کہ ممکن ہے برفانی آدمی سے دست بدست لڑائی کی نوبت آ جائے تو ہم نہتے نہ ہوں۔ ولیم شا سو گیا۔ میں نے اپنی ننھی سی لالٹین جلائی اور وقت گزاری کے لئے ڈائری لکھنے لگا۔ سارے دن کی رُوداد قلم بند کر کے میں نے ایک بار خیمے سے باہر جھانکا، ہر طرف خاموش اور تنہائی تھی۔ عظیم ڈھلان کسی بھی جاندار وجود سے خالی تھی۔ دسویں کا چاند اس علاقے میں چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن تھا۔ اس کی وجہ چاندی جیسی چمک دار برف تھی جس سے منعکس ہو کر چاند کی ہلکی سی روشنی بھی اس پورے علاقے کو واضح کر رہی تھی۔

میں جاگتا رہا، کبھی کبھی سر نکال کر باہر دیکھ لیا کرتا تھا۔ دن بھر کے سفر کی تھکن سے کبھی کبھی نیند کے جھونکے مجھے غافل کر دیا کرتے تھے، مگر پھر میں چونک کر ہوشیار ہو جاتا تھا۔ کسی وقت نیند نے ایسا غلبہ پایا کہ میں جاگ نہ سکا تھا۔ بے خبر سوتے ہوئے مجھے لگا جیسے میرا پاؤں کسی مگرمچھ کے جبڑے میں آ گیا ہے اور وہ مجھے کھینچے لئے جا رہا

ہے۔ میں جاگا تو سچ مچ کوئی میرا پاؤں پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ مگر یہ مگر مچھ نہیں تھا بلکہ برفانی آدمی تھا، نہ جانے وہ کس وقت میرے خیمے میں گھسا تھا اور اس نے خاموشی سے میرے ہوشیار ہونے سے پہلے مجھے باہر کھینچ لیا تھا۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی مگر اس کی جناتی قوت کے سامنے بے بس تھا۔ میں نے چلا کر ولیم اور ایلن کو آواز دی۔ ان کے خیموں میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور وہ خود بھی چلا رہے تھے۔ برفانی آدمی مجھے پاؤں سے کھینچتا بلندی کی طرف لے جا رہا تھا۔

میرے ہاتھ اور سر برف پر گھسٹ رہا تھا۔ اگر برف نرم نہ ہوتی اور مجھے پتھروں پر گھسیٹا جا رہا ہوتا تو میرا سر اب تک پاش پاش ہو چکا ہوتا۔ میرے وزنی وجود کو برفانی آدمی اتنے آرام سے گھسیٹ رہا تھا جیسے میں روئی سے بنا گڈا ہوں۔ وہ آرام سے برف پھلانگتا اور غراتا ہوا چوٹی کی طرف جا رہا تھا۔ میری خود کو چھڑانے کی ہر کوشش ناکام رہی تھی۔ میں نے کئی بار اسے آزاد پاؤں سے لات ماری مگر اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ نہ جانے وہ مجھے اس طرح کیوں لے جا رہا تھا۔ وہ چاہتا تو اب تک مجھے گردن توڑ کر ہلاک کر چکا ہوتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ مجھے زندہ لئے جا رہا تھا۔ چوٹی قریب تھی۔ میر سر کسی پتھر سے ٹکرایا اور مجھے چکر آ گئے تھے۔ جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے دیکھا برفانی آدمی نے مجھے شانوں سے تھام کر اٹھا رکھا تھا اور ہم عین چوٹی پر کھڑے تھے۔ اس کے نیچے ایک مہیب کھڈ تھا جس کی تہہ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ برفانی آدمی نے غرا کر کچھ کہا یا پھر وہ صرف غرایا تھا اور اس نے مجھے اس کھڈ کی طرف اچھال دیا جو سیکڑوں فٹ کی گہرائی لئے ہوئے تھا۔ میں قلابازیاں کھاتا نیچے جانے لگا اور میرے منہ سے چیخ نکلی تھی، بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، موت بالکل سامنے تھی۔

☆======☆======☆

میں نے چیخ ماری۔ میرا پاؤں پھر کسی نے کھینچا تھا۔ میں اپنے خیمے میں ہی تھا اور خواب دیکھ رہا تھا کہ برفانی آدمی آ گیا ہے۔ میں تڑپ کر اٹھا اور پستول سیدھا کر لیا۔ اسی لمحے ولیم کی آواز آئی۔ ''اے.....اے۔ یہ میں ہوں۔ کیا ہوا ہے، تم ڈر گئے تھے۔''

اب میں پوری طرح ہوشیار تھا، میں نے جھرجھری لی۔ ''شکر ہے خدا کا، یہ سب خواب تھا، نہ جانے کیسے مجھے نیند آ گئی تھی۔''

''تم چیخ رہے تھے۔'' ایلن بھی خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا۔

''میں دیکھ رہا تھا کہ برفانی آدمی مجھے پاؤں سے کھینچ کر لے جا رہا ہے اور اس نے مجھے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اچھال دیا ہے۔'' میں نے ان کو مختصراً اپنا خواب سنایا۔ ''جب تم نے میرا پاؤں پکڑا تو میں جاگا اور سمجھا کہ سچ مچ برفانی آدمی پھر آ گیا ہے۔''

''شکر ہے تم نے فوراً گولی نہیں چلا دی ورنہ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔'' ولیم بولا۔

''وقت کیا ہوا؟'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ یعنی ہمارے اٹھنے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں خیمے سے باہر آیا، اوپر تمام ہی چوٹیاں دھوپ سے جگمگا رہی تھیں۔ ایلن ناشتا بنانے لگا اور ہم خیمے اور سامان لپیٹنے لگے۔ یہ بہت صاف صبح تھی۔ ہمارے سفر کے دوران ایسی روشن صبحیں کم

آئی تھیں۔ ناشتے کے بعد کافی پیتے ہوئے ولیم شا نے آخری چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بس یہ آخری آنکھ کی سوئی باقی ہے۔''

''میرے خیال میں تو ہمارا اصل سفر وادی کے کناروں سے شروع ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ایک بار ہم کنارے تک جا پہنچے تو نیچے اترنے کا بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

سامان پیک تھا اسے اپنی پشتوں پر لاد کر ہم نے اس آخری چوٹی کی طرف بڑھنا شروع کیا جو بائیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند تھی اور اس کی چڑھائی بے حد دشوار تھی۔ جب ہم ڈھلان پر ذرا بلند ہوئے تو ایک بار میں نے پلٹ کر اس ڈھلان کی طرف دیکھا، اس پر سورج کی روشنی آ چکی تھی اور تب میں نے وہ ایک طویل نشان دیکھا جیسے کسی نے چوٹی سے ٹریکٹر کا پہیہ لڑھکا دیا ہو اور وہ ایک گہرا نشان ڈالتا نیچے تک آیا ہو، گزشتہ رات یہ نشان نہیں تھا۔ میں نے ولیم شا اور ایلن کو آواز دی۔

''یہ دیکھ رہے ہو؟''

''یہ کل رات تو نہیں تھا۔'' ولیم شا نے تشویش سے کہا۔

''اور ایسا نشان کسی وزنی جسم سے بن سکتا ہے۔''

ایلن نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے، رات برفانی آدمی نیچے آیا تھا۔''

''بالکل ورنہ اس نشان کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

یہ تصدیق ہونے کے بعد کہ برفانی آدمی ہمارے تعاقب میں تھا، ہم تینوں ہی پریشان ہو گئے۔ گہری لائن ہمارے بائیں طرف ڈھلان کے نچلے حصے کی طرف جا رہی تھی۔ برفانی آدمی وہیں کہیں تھا۔ بہرحال ہم رک نہیں سکتے تھے اور برفانی آدمی سے بچنے کے لئے ہم صرف محتاط رہ سکتے تھے۔ ایلن اوپر تھا اس نے میخیں لگا اس سے رسیاں منسلک کیں۔ ہم ان کی مدد سے اوپر جانے لگے۔ ایک دراڑ کو عبور کرنے کے لئے ایلن پہلے اس میں اترا اور اس کے دوسرے سرے پر چڑھ کر اس نے ہمارے لئے رسی لٹکا دی۔ اس کی مدد سے ہم نے ڈھلان عبور کی۔ یہ اس پورے سفر کا خطرناک ترین مرحلہ تھا کیونکہ دراڑ نامعلوم گہرائی لئے ہوئے تھی، اس میں کوئی گر جاتا تو اسے نکالنا بھی ممکن نہ رہتا۔

ڈھلان کے بعض حصے بالکل سپاٹ دیوار کی طرح سیدھے تھے اور ان پر چڑھنا مشکل لگ رہا تھا۔ ایلن ان پر نوک دار کلہاڑیوں کی مدد سے چڑھا۔ وہ اس طرح کہ وہ ایک کلہاڑی پوری طاقت سے دیوار میں مارتا، اس کے سہارے خود کو اوپر کر کے دوسری کلہاڑی اس سے اوپر مارتا تھا پھر پہلی کلہاڑی نکال کر اسے اور اوپر مارتا تھا پھر جہاں کہیں اسے قدم ٹکانے کی جگہ ملتی، وہاں میخ لگا کر اور اس سے رسی باندھ کر ہماری طرف اچھال دیتا تھا۔ ہم ان رسیوں کے سہارے اوپر جاتے تھے۔ پہاڑوں پر چڑھنے کا مجھے تجربہ تھا جسے ہائیکنگ کہتے ہیں مگر اس طرح کوہ پیمائی کا باقاعدہ تجربہ پہلی بار ہو رہا تھا۔ دو بجے ہم چوٹی سے محض سو فٹ نیچے تھے اور یہی سب سے دشوار سفر تھا۔ ایلن نے ہم سے کہا۔ ''پہلے میں جاتا ہوں، اوپر جا کر رسا پھینکوں گا تم اس کی مدد سے آسانی سے آ جاؤ گے۔''

''مناسب یہی ہے۔'' ولیم نے اس کی تائید کی۔

سچی بات تھی، مجھے یہ حصہ اپنی ہمت سے باہر دکھائی دے رہا تھا۔ ایلن اوپر جانے لگا۔ اس نے نہ صرف

ہمالیہ بلکہ یورپ کے پہاڑی سلسلے الپس میں بھی کوہ پیائی کی تھی۔ وہ نصف گھنٹے میں اوپر جا پہنچا۔ اس نے رسی لٹکائی اور چوٹی پر آسٹریلیا کا پرچم لگانے لگا۔ اس نے راستے میں آنے والی تمام چوٹیوں پر اپنے ملک کا پرچم لگایا تھا۔ میں اور ولیم اوّل تو کوہ پیا نہیں تھے دوسرے ہم نے اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا جو پرچم لے کر آتے۔ ایلن نے اوپر پہنچنے پر مسرور لہجے میں بتایا۔ ''یہ بلند ترین چوٹی ہے جو میں نے سر کی ہے۔''

''تم نے کے ٹو بھی سر کرنے کی کوشش کی تھی۔'' ولیم شا نے اسے ہانپتے ہوئے بتایا۔

''ہاں، بیس کیمپ سے بیس ہزار فٹ تک گیا تھا۔ اس کے بعد موسم خراب ہو گیا۔ چھ دن تک میں اور میرا ساتھی ایک ہی جگہ رہے تھے۔ اس کے بعد واپس آنا پڑا تھا۔''

''چلو ہم نے بھی تمہارے ساتھ یہ چوٹی سر کر لی۔'' ولیم ہنسا۔ ''اب میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایک بائیس ہزار فٹ بلند چوٹی سر کی ہے۔''

''اور میں نے بھی۔'' میں نے تائید کی۔ ہم سب کے سانس پھولے ہوئے تھے اور ہم گپ مارنے کے بہانے ستا رہے تھے۔ ''ویسے اس کا نام کیا ہے؟''

''کوئی نام نہیں ہے۔ یہ بھی ہمالیہ کی ہزاروں دوسری چوٹیوں کی طرح ہے جو دور دراز خطوں میں بے نام ہیں۔'' ولیم شا نے بتایا۔

''تب ہم اس کا کوئی نام رکھ دیتے ہیں۔'' میں نے تجویز دی۔

''شا بریڈ خان کیسا رہے گا؟'' ولیم بولا۔

میں ہنسا۔ ''یہ تو ہماری طرف کے کسی آدمی کا نام لگ رہا ہے۔''

چوٹی کا نام رکھ کر ہم دوسری طرف اترنے کے لئے تیار ہوئے، روانگی سے پہلے شا اور ایلن نے ایک جام اس کامیابی کا پیا تھا۔ دوسری طرف کوئی سیدھی ڈھلان نہیں تھی بلکہ تہہ در تہہ ڈھلان تھی جس کا سلسلہ ایک دھند آلود میدان سے جا کر مل رہا تھا۔ اس سے آگے دھند بادلوں کی صورت اختیار کر رہی تھی اور شاید یہی وادی کا کنارہ تھا۔ ہمیں آج ہی کے دن وہاں تک جانا تھا۔ ہم نے نیچے اترنا شروع کیا۔ آج سارا دن ہمیں کچھ نہیں کھانا تھا اس لئے صبح ناشتا بھاری کیا تا کہ راستے میں کھانے کے لئے رکنا نہ پڑے اس کے باوجود چار بجے کے قریب پیٹ میں اتنی اینٹھن ہوئی کہ ہمیں رک کر خشک گوشت کے کچھ ٹکڑے حلق سے اتارنے پڑے تھے تب کہیں جا کر ہم آگے روانہ ہونے کے قابل ہوئے تھے۔

شام کے سات بجے نچلی ڈھلان پر تاریکی چھانے لگی تھی، صرف چوٹیاں دھوپ میں تھیں اور ابھی ہم نصف ڈھلان پر تھے۔ رات سے پہلے نیچے تک رسائی مشکل تھی اور تاریکی میں اترنا بے حد خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے ایک چھجے تلے محفوظ جگہ وہاں کیمپ لگا لیا اگر رات کسی وقت اوپر سے برف گرتی تو بھی ہمارا کیمپ اس چھجے تلے محفوظ رہتا۔ اکثر بلند چوٹیوں سے برف گرتی ہے جو نیچے آنے کے دوران اپنے ساتھ مزید برف لاتی ہے اور کبھی کبھی یہ عمل جسے ایوالانچ کہتے ہیں، اپنے ساتھ ہزاروں ٹن برف لے کر نچلی ڈھلانوں پر گرتا ہے اور راہ میں آنے والی ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔

رات کو ایلن نے بھیڑ کا تازہ گوشت بنایا تھا مگر یہ حلال نہیں تھا اس لئے میں نے خشک گوشت کے چند

تلے ہوئے پارچوں اور ٹن بند مٹر اور آلوؤں پر گزارہ کیا تھا۔ خشک گوشت سارا حلال تھا اس کا بندوبست ولیم نے کرایا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمان صرف ذبح کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں۔ گزشتہ رات کے تجربے کے بعد سب ہی ہوشیار تھے اور سب اپنی اپنی باری میں جاگتے رہے۔ میری باری سب سے آخر میں تھی۔ اس لئے میں نے صبح کی روشنی نمودار ہوتے دیکھی۔ خیمے سے باہر آ کر میں نے دور تک پھیلے برفانی ویرانے کو دیکھا جہاں کل دھند اور بادل دیکھے تھے، وہاں ابھی تاریکی تھی۔ سورج نکلا اور رفتہ رفتہ روشنی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس جگہ سے دھند غائب تھی اور بادل بھی بہت کم تھے۔ مجھے ایک سیاہ سی لکیر نظر آئی جو چار یا پانچ میل کے فاصلے پر تھی اور اس وجہ سے غیر واضح تھی، میں نے جلدی سے اپنے سامان سے دوربین نکالی، یہ طاقتور دوربین تھی جس سے میلوں دور کی چیزیں بھی صاف دکھائی دیتی تھیں۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور اس کے لینس گھما کر منظر واضح کرنے لگا تھا۔ فاصلہ خاصا تھا اس لئے دوربین اسے واضح نہیں کر پا رہی تھی، پھر بھی جو منظر تھا، وہ بے حد سنسنی خیز تھا۔ برف سے ڈھکی ہوئی چٹانوں کا ایک سلسلہ تھا جس کے آگے مہیب خلا تھا، صاف لگ رہا تھا یہ کسی ناقابلِ تصور حد تک وسیع کنویں کی دیواریں تھیں، یہ مغرب سے مشرق کی طرف گھوم رہی تھیں اور اس کا بس چند میل کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

پھر جیسے ہی سورج کی روشنی نے وہاں تک رسائی حاصل کی، کناروں سے دھند ابلنا شروع ہو گئی اور بادلوں کے حجم میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دیوار جیسے کے سیاہ کنارے دھند اور بادلوں میں غائب ہو گئے تھے۔ میں خیموں کی طرف آیا، دوربین رکھی اور ان دونوں کو اٹھایا۔ میں نے انہیں نظر آنے والے کنارے کے بارے میں بتایا۔

''دوسرے علاقوں میں دھند رات کو ہوتی ہے لیکن یہ عجیب دھند ہے جو روشنی کے بعد نمودار ہوتی ہے۔''

''شاید یہ وادی سے کسی زمینی عمل کے نتیجے میں نکلتی ہے۔'' ولیم شا بولا۔ ''رات کو جو اوس وادی میں گرتی ہے وہ صبح کے وقت دوبارہ بخارات بن کر اوپر آتی ہے اور بلندی کی وجہ سے پھر سے دھند اور بادل بن جاتے ہیں۔''

ولیم شا کی بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ ناشتے کے بعد ہم پھر روانہ ہوئے۔ طے ہوا تھا کہ آج کے دن ہم وادی کے کناروں تک پہنچے تو آج ہی نیچے جانے کا راستہ تلاش کریں گے تاکہ آنے والے دن میں نیچے اتر سکیں۔ جیسے جیسے نیچے آ رہے تھے، راستہ آسان ہوتا جا رہا تھا۔ دو گھنٹے بعد ہم نیچے اتر آئے تھے اور اب ایک ہموار میدان میں سفر کر رہے تھے۔ وادی نزدیک آ رہی تھی اور اس جادونگری میں اترنے کے خیال سے ہمارے دلوں کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اس بات پر زیادہ غور نہیں کیا تھا کہ ہم وادی کے دہانے میں اترنے کا راستہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تو کیا ہوگا، ہمارے پاس ابھی اتنی خوراک تھی جو چار پانچ دن چل سکتی تھی اور آج ہمیں سفر کرتے ہوئے تیرہواں دن تھا۔ واپسی ممکن نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ ہم وادی میں ضرور اتریں گے اور اس انوکھی دنیا کی سیر کریں گے۔ دوپہر تک ہم اٹھی ہوئی دیواروں کے پاس جا پہنچے تھے۔ یہاں سے دھند کا آغاز ہو چکا تھا اور ماحول دھند لانے لگا تھا۔ اوپر گھنے بادل تھے۔ ولیم شا سب سے پہلے کنارے تک پہنچا تھا، اس نے نیچے جھانکا۔

"میرے خدا!" اس نے پکار کر کہا۔ "نیچے کیا منظر ہے۔"

ہم بھی کنارے تک پہنچے۔ نیچے دھند تھی اور اتنی گہری تھی کہ ٹھوس محسوس ہو رہی تھی۔ یہ دھند تا حدِ نگاہ پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں اس میں لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ ایسی نوکھی دھند میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھی۔ ایلن نے ایک بڑا سا پتھر لیا اور اسے دھند کی طرف اچھال دیا۔ ہم نے اس کی آواز پر کان لگا دیئے مگر کوئی آواز نہیں آئی پھر ہم جھینپ گئے۔ ظاہر ہے وادی ہزاروں فٹ کی گہرائی میں تھی اور پتھر گرنے کی آواز نہیں آ سکتی تھی۔

"اگر یہ پتھر کسی کے سر پر لگا تو اس کا کیا حشر ہوگا؟" ولیم نے دریافت کیا۔

"اسے ہماری زبان میں انا للہ کہتے ہیں۔" میں نے بتایا۔ وادی کی دیواریں بالکل سیدھی کھڑی تھیں، نہ جانے کس ارضیاتی عمل سے یہ جناتی کنواں وجود میں آیا تھا۔ دنیا کے سب سے بلند اور سب سے وسیع رقبے پر پھیلے سلسلہ ہمالیہ کے عین وسط میں ایسی وادی کا تصور بھی محال تھا جو نہ صرف ہزاروں فٹ گہری ہو بلکہ وہاں پر سر سبز زمین اور ایک متمدن شہر بھی ہو۔ ایلن نے تخمینہ لگایا۔ "ہمارے پاس رسی کی کل لمبائی ہزار فٹ ہے۔ یہ تو ناکافی ہو جائے گی۔"

"رسیوں کی مدد سے اترنا ممکن بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ذرا غور کرو، معاملہ ایک دو ہزار فٹ کا نہیں ہے۔ اس وقت ہم سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر کھڑے ہیں اور مجھے یاد ہے وادی کی بلند ترین جگہ بھی سات ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی یعنی ہمیں کم سے کم نو ہزار فٹ تک نیچے جانا ہوگا۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" ولیم نے غور کیا۔ "ہمیں کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا ہوگا جو کسی قدر ڈھلوان ہو اور اس سے اترتے ہوئے ہم راستے میں آرام بھی کر سکیں۔"

"ممکن ہے یہ راستہ دو تین دن میں طے ہو۔" ایلن نے رائے دی۔ "ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

ہم نے کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کیا۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ جگہ دھند آلود تھی اور سو فٹ سے زیادہ دور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے ہم ہر قدم احتیاط سے رکھ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وادی میں ایسا کوئی راستہ تھا تو اس میں بسنے والے باشندوں کو باہر آنا چاہئے تھا۔ وہ بیرونی دنیا سے رابطہ کر سکتے تھے مگر یہ ایک مفروضہ تھا۔ عین ممکن تھا کہ راستہ تو ہوتا مگر ایک تو اتنی بلندی پر چڑھنا جان جوکھم کا کام تھا دوسرے وہ باہر نکلے ہوں اور انہوں نے چاروں طرف برف زار اور ناقابلِ عبور نظر آنے والی چوٹیاں دیکھی ہوں تو واپس چلے گئے ہوں۔ اس کا امکان تھا کہ ان لوگوں کو بیرونی دنیا کے بارے میں کوئی علم ہی نہ ہو۔

ہم کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے نیچے بھی جھانکتے رہے۔ بعض مقامات پر کنارے سے چٹانیں اس طرح سے اٹھی تھیں کہ ان سے نیچے جھانکنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ایسے ہی ایک سلسلے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے سامنے کی طرف جھکی چٹانوں کو دیکھ کر میں نے ولیم اور ایلن کی توجہ دلائی۔ "میرا خیال ہے یہ جگہ رات گزارنے کے لئے بہتر ہے۔"

"اپنا سامان یہاں رکھ دیں۔" ایلن نے تجویز دی۔ "کم سے کم میں اس سامان کے ساتھ مزید آگے نہیں جا سکتا۔"

''ہم نے اپنا سامان اتار کر ایک چھجے تلے رکھ دیا۔ یہاں اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کوئی ہمارا سامان چھیڑے اور سامان رکھتے ہوئے ہم برفانی آدمی کو بھول گئے جو ہمارے تعاقب میں تھا۔ ہم سامان رکھ کر آگے چل پڑے۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے، طے پایا کہ ہم چھ بجے تک آگے جائیں گے اور اس کے بعد واپسی کا سفر شروع کر دیں گے۔ چھ بجے تک ہم آگے بڑھتے رہے اور نیچے دیکھتے رہے مگر ہر جگہ ہمیں سیدھی بلند دیواریں نظر آئیں۔ بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے نصف گھنٹے تک اور سفر کیا جائے؟''

''ہمیں واپسی میں اندھیرا ہو جائے گا۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اندھیرا مسئلہ نہیں ہے۔ اس کنارے سفر کرتے ہوئے بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

ایلن بھی راضی ہوا تو مجھے بھی راضی ہونا پڑا۔ ہم نے مزید نصف گھنٹے سفر کیا۔ مگر یہاں پر بھی وادی میں داخلے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے واپسی کے لئے سفر شروع کیا۔ سورج غروب ہوتے ہی دھند تیزی سے غائب ہونے لگی تھی۔ بادل بھی اوپر کی طرف چھٹ رہے تھے۔ چاند نکلنے سے پہلے تاریکی ہوئی تھی۔ اس دوران میں ہم رک گئے۔ نصف گھنٹے میں روشنی ہوئی تو ہم نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم ان جگی چٹانوں کے قریب پہنچے۔ مگر ساتھ ہی ششدر رہ گئے، ہم نے جہاں سامان پیک صورت میں رکھا تھا، اب وہاں ہمارا سامان بری طرح بکھرا ہوا تھا۔ کینوس بیگ چیر پھاڑ دیئے تھے اور ایک ایک چیز کو بری طرح تباہ کیا گیا تھا۔

''برفانی آدمی!'' ولیم نے کہا۔ اس نے پستول نکال لیا۔ میں نے اور ایلن نے کلہاڑیاں سنبھال لی تھیں۔ ہم چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ولیم نے ٹارچ نکال کر روشن کی اور اس سے چھجے تلے دیکھنے لگا۔ اگرچہ وہاں برفانی آدمی کے چھپنے کی گنجائش نہیں تھی۔ چھجے کے اندر جگہ کم تھی۔ برفانی آدمی تباہی پھیلا کر جا چکا تھا۔ جب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے یعنی برفانی آدمی جا چکا ہے تو ہم نے سامان کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر ہمارا صدمے سے برا حال ہو گیا کہ کھانے کی ایک ایک شے غائب تھی۔ حد یہ کہ ٹن میں بند خوراک بھی نہیں تھی۔

''حرام زادہ!'' ایلن نے مشتعل لہجے میں اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

''اس نے بدلہ لیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم نے اس کی خوراک چھینی تھی۔ وہ ہماری خوراک لے گیا ہے۔''

''محض ہاتھوں سے اتنی چیزیں لے جانا ممکن نہیں ہے۔'' ولیم نے چاروں طرف دیکھا۔

''اور کھانا بھی ممکن نہیں ہے۔''

''میرا خیال ہے وہ جتنا کھا سکتا تھا اس نے کھایا۔ باقی گوشت سمیٹ لیا اور دوسری چیزیں ضائع کر دیں یا کہیں پھینک دیں۔''

میں نے بے ساختہ چٹانوں کے عقب کی طرف دیکھا جہاں وادی تھی، خوراک ضائع کرنا اس کے لئے ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس نے ہمیں مارنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا کیونکہ سارے دن کے سفر اور بھوکے ہونے کے بعد ساری خوراک کا غائب ہونا ہمیں ادھ موا کر گیا تھا۔ اگر ہمارے پاس خوراک نہ ہوتی تو ہم

وادی میں بھی نہیں اتر سکتے تھے۔ جیسے جیسے یہ ساری باتیں ذہن میں آ رہی تھیں، اس حادثے کی خوفناکی بھی واضح ہوتی جا رہی تھی۔ سامان کو اچھی طرح کھنگالنے کے بعد چاکلیٹ کے چند ٹکڑے دستیاب ہوئے تھے، ایک ٹملی خشک دودھ کی تھی اور کافی کا ڈبا تھا۔ بس یہی بچا تھا۔ برفانی آدمی نے کیروسین آئل کے ڈبے بھی توڑ ڈالے تھے اور سارا تیل ضائع ہو گیا تھا۔ ہماری مہم اچانک ہی تباہی میں بدل گئی تھی۔ ہم اپنی چیزوں کو دیکھ رہے تھے اور برفانی آدمی کو گالیاں دے رہے تھے۔ ولیم شا مارے طیش کے اس کی تلاش میں نکلنے والا تھا، اسے بمشکل ہم نے روکا۔

''ہوش میں آؤ۔'' ایلن نے اسے سمجھایا۔ ''ان علاقوں میں زندہ رہنے کے لئے ہوش میں رہنا ضروری ہے۔''

''ابھی ہمارے بچنے کے امکانات ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر نیچے اترنے کا راستہ مل جائے تو ہم دو تین دن بھوکے بھی رہ سکتے ہیں۔ دودھ اور چاکلیٹ سے گزارہ کیا جا سکتا ہے۔''

ہم نے اسٹوو میں بچا کھچا تیل ڈال کر اس پر دودھ میں پانی ملا کر گرم کیا اور کھولتے دودھ میں چاکلیٹ کے ٹکڑے ڈال کر شیک تیار کیا۔ اسے پی کر ہماری بھوک کو ذرا تسلی ملی تھی۔ بیشتر چیزیں بے کار ہو چکی تھیں البتہ خیمے اور سلیپنگ بیگز سلامت تھے۔ سب سے اہم چیز کوہ پیمائی کا سامان محفوظ تھا جس کے بغیر ہم نیچے اترنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ چھجے تلے خیمے لگا کر اور سلیپنگ بیگز بچھا کر ہم سونے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ حسب معمول ایک آدمی کو جاگنا تھا اور اس بار پہلی باری میری تھی۔ ولیم شا نے مجھے پستول تھمایا۔

''اگر برفانی آدمی نظر آئے تو اسے بلا تکلف ہلاک کر دینا۔''

''میں ایسا ہی کروں گا۔ ممکن ہے، ہم خود بھی نہ بچ سکیں۔ اس وقت میری خواہش یہی ہے کہ اسے مار کر مروں۔''

میں نے خیمے میں لیٹ کر اس کے سامنے والے حصے کو کھلا چھوڑ دیا تھا جہاں سے میں چھجے کے باہر دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ ضروری نہیں تھا کہ برفانی آدمی اس طرف سے آتا، وہ کسی طرف سے بھی چھجے پر چڑھ کر اوپر سے نازل ہو سکتا تھا، کم سے کم میں برفانی آدمی ہوتا تو یہی کرتا۔ رات بارہ بجے مجھے لگا جیسے چٹانوں کے درمیان میں کوئی شے حرکت کر رہی ہے۔ ہلکی ہلکی سی آہٹیں شدید سناٹے کی وجہ سے سنائی دے رہی تھیں، میں چوکنا ہو کر خیمے سے باہر آ گیا۔ آوازیں چٹانوں کے ایک طرف سے آ رہی تھیں جو ہمارے چھجے سے ذرا ہی دور تھا۔ اس طرف چٹانوں کے درمیان تاریک رخنے تھے۔ میں نے ٹارچ اور کلہاڑی بھی لے لی۔

جس تاریک خلا سے آوازیں آ رہی تھیں اس کے سامنے آ کر میں نے اچانک ٹارچ روشن کی تو مجھے اس خلا میں دو عدد چھوٹے بندر نما جانور دکھائی دیئے جو آپس میں چھین جھپٹ کرتے ہوئے کچھ کھا رہے تھے، ان کے جسم گھنے بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ روشنی پڑتے ہی وہ اچھلے اور اس تاریک خلا کے اندر کہیں غائب ہو گئے۔ میں چند لمحات کے لئے ششدر رہ گیا تھا۔ میں تو برفانی آدمی کی توقع لے کر آیا تھا اور یہاں دو بندر تھے۔ کم سے کم دیکھنے میں وہ بندر ہی لگ رہے تھے۔ نہ جانے کہاں سے آئے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ وادی سے نکل کر نہ آئے ہوں اور یہ وادی سے باہر آئے تھے تو اس کا مطلب تھا، ان چٹانوں کے عقب میں وادی تک

جانے کا کوئی راستہ تھا۔ میں بے ساختہ آگے بڑھا۔ خلا تنگ تھا مگر اس سے کسی نہ کسی طرح گزرا جا سکتا تھا۔

میں اس جگہ پہنچا جہاں بندر نما جانور کسی شے پر لڑ رہے تھے۔ میں نے وہاں گوشت کے چار پارچے دیکھے اور یہ ہمارا ہی خشک گوشت تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ہمارے سامان کی تباہی اور خوراک کی چوری میں یہ بندر تو ملوث نہیں تھے۔ مگر نہیں، میں نے برفانی آدمی کے پیروں کے نشان خود دیکھے تھے۔ اتنی قوت سے بیگز پھاڑنا اور دھاتی چیزوں کو توڑ مروڑ دینا اس کی جناتی قوت کا ہی کام تھا۔ دراڑ آگے جا کر مزید تنگ ہو گئی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ مزید آگے جانے سے پہلے میں ولیم شا اور ایلن کو اس بارے میں بتا دوں لیکن پھر میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں پہلے وادی میں اترنے والا راستہ دیکھ لینا چاہتا تھا۔

جیسے جیسے میں آگے جا رہا تھا دراڑ تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ اب میں دراڑ سے پھنس کر گزر رہا تھا۔ میرا جسم رگڑ کھا رہا تھا اور مجھے خدشہ ہونے لگا کہ میری جیکٹ نہ پھٹ جائے۔ عین اس وقت جب میں پلٹنے والا تھا راستہ کشادہ ہو گیا، اب یہ بند گلی کی طرح تھا۔ اوپر سے کھلا اور دیواروں سے بند۔ مجھے وہ بندر دوبارہ دکھائی نہیں دیئے تھے البتہ کبھی کبھی ان کی ٹہنی چیخنے جیسی آواز آتی تھی۔ ٹارچ کے ساتھ میں نے پستول بھی سنبھال لیا تھا اور کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا مگر یہاں مجھ سے ایک غلطی ہوئی، میں بھول گیا کہ میں وادی کے کنارے کے بالکل پاس ہوں اور میں روشنی اوپر پھینک رہا تھا لہٰذا اچانک میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی اور میں ایک ڈھلان پر لڑھک گیا تھا، کوشش کے باوجود میں خود کو سنبھال نہیں سکا تھا البتہ گرتے ہوئے میں نے خیال رکھا کہ پستول اور ٹارچ ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔

میں ایک کھلے حصے میں گرا جس کے چاروں طرف بلند دیوار تھی اور سب سے زیادہ بلند دیوار اس طرف تھی جہاں میں گرا تھا، یہ تقریباً سیدھا راستہ تھا جس پر چڑھنا بظاہر ناممکن لگ رہا تھا۔ میں نے روشنی میں اس جگہ کا جائزہ لیا مخالف سمت کی دیوار ذرا کم اونچی تھی۔ موٹے کپڑوں کی وجہ سے میں چوٹ سے محفوظ رہا تھا۔ میں نے اچک کر دیوار کا سرا تھاما اور اس کے دوسری طرف دیکھا۔ یہاں سے ایک آڑا ترچھا راستہ نیچے دھند میں غائب ہوتا دکھائی دے رہا تھا اور شاید یہی وادی میں جانے والا راستہ تھا۔ اب مجھے واپس جانا تھا۔ میں نے اس دیوار پر چڑھنے کی کوشش شروع کی۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ دیوار میں کھانچے تھے جن میں ہاتھ پھنسا کر اوپر چڑھا جا سکتا تھا۔

میں اوپر تک پہنچا اور ابھی دراڑ والے راستے پر چڑھنے والا تھا کہ پہلے مجھے کریہہ سی بو محسوس ہوئی اور اس کے بعد ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ بالوں سے بھرے ہاتھ نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی۔ میرے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی اور میں دوبارہ اس پیالہ نما جگہ جا گرا تھا۔ برفانی آدمی اوپر چھپا بیٹھا تھا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا، خوش قسمتی سے گردن کے بجائے شانے پر ہاتھ لگا تھا اور وہ بھی اچٹتا ہوا۔ میں نے گرنے اور چوٹ کی پروا کئے بغیر اندازے سے اوپر کی طرف پستول سے فائر کیا۔ ٹارچ ایک طرف جا پڑی تھی۔ فائر کے ساتھ برفانی آدمی کی زبردست غراہٹ سنائی دی۔ میں نے ایک فائر اور کیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی طرف جھپٹا۔ برفانی آدمی اوپر سے کودا تھا۔ نہ جانے اسے گولی لگی تھی یا نہیں، بہرحال اس سے نمٹنا بے حد مشکل تھا۔ میں نے ٹارچ اٹھاتے ہی روشنی اس طرف کی جہاں برفانی آدمی کو ہونا چاہئے تھا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ البتہ زمین پر خون دکھائی

دے رہا تھا اور اس کی بو بتا رہی تھی کہ وہ آس پاس ہی ہے۔ میں گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں زندگی میں کبھی اتنا خوف زدہ نہیں ہوا تھا جتنا کہ اس وقت تھا۔

برفانی آدمی کے حملے نے میرے اوسان خطا کر دیئے۔ میں نے خود اس کے کودنے کی آواز سنی تھی مگر اب وہ غائب تھا۔ میں نے دیوار سے لگتے ہوئے روشنی اوپر ڈالی۔ برفانی آدمی دراڑ والی جگہ پر نہیں تھا۔ وہ وہاں ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ میرے عین اوپر تھا، اس نے وادی کی دیوار ہی کی طرف سے حملہ کیا اور مجھے اوپر کھینچ لیا۔ میں اچھل کر دوسری طرف ٹیڑھے میڑھے راستے پر جا گرا تھا۔ اس بار میرا سر بھی ایک پتھر سے ٹکرایا تھا اس لئے ٹارچ گر جانے سے ہونے والا اندھیرا مزید گہرا ہو گیا تھا۔ مگر خطرے کے احساس نے مجھے ہوش سے بیگانہ ہونے نہیں دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ برفانی آدمی پاس ہی ہے اور وہ مجھے ہمیشہ کی نیند سلانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے سر جھٹکا۔ پستول بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور میں نہتا تھا۔

میں نے راستہ ٹٹولا اور نیچے کی طرف جانے لگا۔ اوپر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں برفانی آدمی کے زور سے سانس لینے اور غرانے کی آوازیں سن رہا تھا۔ مجھے اچھال کر اس جگہ پھینکنے کے بعد وہ نہ جانے کیوں میرے پیچھے نہیں آیا تھا اور میں وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے میری طرف آ سکتا تھا۔ آڑا ترچھا راستہ کسی سیڑھی کی طرح نیچے جا رہا تھا اور میرے چاروں طرف شدید دھند اور تاریکی تھی۔ اترتے ہوئے ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ ایک غلط قدم کا مطلب ہوتا کہ میں براہِ راست ہی وادی میں پہنچ جاؤں۔ بندر نما جانور بھی غائب تھے۔ غالباً برفانی آدمی کی موجودگی نے ان کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ میری جیب میں ایک عدد ماچس ہے مگر میں فی الحال اسے جلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ روشنی دیکھ کر برفانی آدمی میری طرف آ سکتا تھا۔ میں اس سے محفوظ فاصلے پر پہنچ کر ماچس جلاتا۔ اس لئے اندھوں کی طرح ٹٹولتا رہا۔ میرا خیال تھا، میں اس سیڑھی نما راستے سے کئی سو فٹ نیچے اتر آیا تھا۔ ایک جگہ میں خلا میں گرتے گرتے بچا اور پھر میں نے ہمت کر کے تیلی جلا لی۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ میں ایک عظیم الشان دیوار کے ساتھ چپٹے بلکہ نہ ہونے کے برابر راستے پر کھڑا تھا۔ اس کی چوڑائی مشکل سے دو ڈھائی فٹ تھی۔ یہ راستہ دن کی روشنی میں بھی محفوظ نہیں تھا۔ نہ جانے میں تاریکی میں کیسے بچا رہا تھا۔

ایک بار راستہ دیکھ لینے کے بعد اس سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے میں نے اس وقت تک وہاں رکنے کا فیصلہ کیا جب تک روشنی نہیں ہو جاتی، اس کے بعد ہی میں فیصلہ کرتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں ایک ایسے گوشے میں دبک گیا جس سے میں اتفاقی طور پر بھی نیچے نہیں گر سکتا تھا۔ یہاں اوپر کے مقابلے میں سردی بھی کم تھی۔ میں نے خود کو گول مول کر کے سر بازوؤں میں چھپا لیا تاکہ سردی کا احساس اور بھی کم ہو جائے۔ برفانی آدمی کی طرف سے خطرہ تھا مگر اس ڈھلان پر نیچے جانے میں اس سے زیادہ خطرہ تھا۔ خاموش بیٹھ کر میں نے کان آہٹوں پر لگا دیئے تھے۔ اس سے ہی مجھے برفانی آدمی یا کسی دوسرے خطرے کی آمد کا پتا چل سکتا تھا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھا۔

کوئی نصف گھنٹے بعد مجھے لگا جیسے اوپر سے کوئی بھاری وجود نیچے آ رہا ہو، اس کے پیروں کی دھمک اور اس کی وجہ سے گرتے کنکر پتھر اس کی آمد کی اطلاع دے رہے تھے۔ میں نے بھی نیچے کھسکنا شروع کر دیا۔ میری

کوشش تھی کہ میرے سر کنے سے آواز نہ ہو جو برفانی آدمی کو میرے بارے میں بتا دے۔ اسے یقینی طور پر پتا چل جاتا کہ میں کہاں ہوں؟ جب اوپر سے کنکر گرتے تو میں تیزی سے حرکت کرتا تھا کہ ان کی آواز میں میری حرکت کی آواز دب جاتی تھی۔ میں نہتا تھا اس لئے راستے میں ملنے والا ایک پتھر اٹھا لیا تھا۔ کچھ بھی نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔

برفانی آدمی کو دو گولیاں لگی تھیں اور کچھ دیر پہلے میں نے اس کا خون دیکھا تھا۔ یعنی وہ خاصا زخمی تھا اور اس حالت میں اس کا میرے پیچھے آنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ جوش انتقام سے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ بہرصورت مجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے زخمی حالت میں مجھے جس طرح پیالے نما جگہ سے گھسیٹ کر نیچے پھینکا تھا اس سے اس کی جناتی قوت کا بخوبی احساس ہوتا تھا۔ اس نے شاید مجھے وادی میں اچھالنے کی کوشش کی تھی مگر میری خوش قسمتی کہ میں اس راستے پر جا گرا۔ برفانی آدمی سمجھا کہ میں نیچے گر گیا ہوں اس لئے وہ فوری طور پر میرے پیچھے نہیں آیا تھا۔ پھر اسے نہ جانے کیوں شک ہو گیا کہ میں زندہ ہوں اور وہ تصدیق کے لئے نیچے آ رہا تھا، میں ذرا تیزی سے کھسکنے لگا تھا۔

اچانک اوپر سے درندے کی خوف ناک غراہٹ سنائی تھی۔ اس میں درد تھا شاید اس کا زخم کہیں سے رگڑ کھا گیا تھا۔ پھر ایسی آوازیں آئیں جیسے کوئی بھاری شے چٹانوں سے رگڑ کھاتی نیچے جا رہی ہوں کیا برفانی آدمی نیچے گر گیا تھا مگر اس کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ زندہ ہے، اس کے غرانے اور ہانپنے کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ میں اب تیزی سے نیچے جانے لگا تھا۔ برفانی آدمی سے بچنے کی ایک یہی ترکیب تھی، میں اس سے دور رہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں یکساں تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ تنگ راستہ ڈھلوان تھا۔ اچانک میرے پیروں تلے کوئی شے آئی، میں غیر متوازن ہو کر خلا کی طرف گرا۔ میرے منہ سے اضطراری چیخ نکلی اور میں نے اندھا دھند ہاتھ پاؤں چلائے۔ ایک پتھر میرے ہاتھ میں آیا اور میں لاشعوری طور پر اس سے چمٹ گیا۔ جب میرے حواس ذرا بحال ہوئے تو میں نے خود کو ایک تاریک خلا میں لٹکے پایا۔ میرے دونوں ہاتھ اس ابھری چٹان کے گرد لپٹے تھے۔

میں گرنے سے بچ گیا تھا مگر اب بچنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں جس پوزیشن میں تھا کسی صورت اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ جب تک کہ کوئی مجھے آ کر بچا نہ لے، برفانی آدمی نے میری چیخ سن لی تھی۔ اب وہ غراتے اور ہانپتے ہوئے نیچے آ رہا تھا۔ وہ یقینی موت تھی، اس چٹان سے لٹک کر میں کچھ دیر زندہ رہ سکتا تھا مگر وہ مجھے فوراً مار دیتا۔ یہ آگے کنواں پیچھے کھائی والی بات تھی۔ برفانی آدمی میرے پاس آ گیا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ تاریکی میں اسے دکھائی کس طرح دے رہا تھا۔ شاید وہ اپنے سونگھنے کی حس استعمال کر رہا تھا۔ وہ میرے عین اوپر آ کر رکا پھر میں نے اپنے ہاتھوں پر اس کی انگلیوں کا سخت لمس محسوس کیا۔ کوئی لمحہ جاتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ چٹان سے جدا کر جاتا۔ مگر عجیب بات ہوئی اس نے میرے ہاتھ چٹان سے جدا کرنے کے بجائے ان کو مضبوطی سے گرفت کیا اور ایک جھٹکے سے مجھے اوپر کھینچ لیا۔ میں تنگ راستے پر اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اس کے جسم سے اٹھتی کریہہ بو میرے دماغ میں گھسی جا رہی تھی۔ اس نے غراتے ہوئے کچھ کہا۔ الفاظ اور زبان دونوں نامانوس تھے۔ یہ کچھ گڑم بڑم قسم کی زبان تھی۔

''تمہارا شکریہ!'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے بچالیا۔''

وہ پھر اپنی زبان میں غرایا اور اس نے مجھے اچانک چکر دیا۔ اسی لمحے مجھ پر انکشاف ہوا اس نے مجھے بچایا نہیں تھا بلکہ وہ بذاتِ خود مجھے نیچے پھینکنا چاہتا تھا اس لئے اوپر کھینچا تھا اور اب چکر دے کر خلا میں اچھالنے والا تھا۔ میں بے بس تھا اسے کسی صورت نہیں روک سکتا تھا۔ اضطراری طور پر میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔ اسی لمحے اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ جھکولے کے زور میں میرا جسم خلا کی طرف گیا۔ اس کا بازو بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا مگر میری پکڑ نے اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا تھا، جب میں دھند میں غائب ہو رہا تھا تو میں نے اس کے سفید ہیولے کو لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔ وہ کنارے پر اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، یہ آخری جھلک تھی، اس کے بعد میں لامتناہی تاریک خلا میں گرتا چلا گیا اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

میں دم بخود سا سن رہا تھا۔ میں یعنی شہباز ملک، میرے سامنے راجا عمر دراز بتا رہا تھا کہ وہ ہزاروں فٹ کی بلندی سے گرا تھا لیکن وہ میرے سامنے صحیح سلامت بیٹھا تھا۔ اتنی بلندی سے آدمی پانی پر بھی گرے تو اس کی ساری ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور شدید دھچکا ہی موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کیا راجا عمر دراز روئی کے نرم ڈھیر پر گرا تھا۔ وہ مسکرانے لگا۔ ''شاید تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے؟''

میں نے سر کھجایا۔ ''جناب، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے اور میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ جیسے شخص کی بات کو غلط سمجھوں۔''

''یہ حقیقت ہے، میں کم سے کم سات ہزار فٹ کی بلندی سے گرا تھا اور بظاہر میرے بچنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس کے سوا کہ اللہ کو مجھے بچانا تھا۔''

☆======☆======☆

جب مجھے ہوش آیا تو اسے مکمل ہوش میں نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں خواب میں جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔ ایک مرد تھا اور ایک لڑکی، بے حد حسین۔ ہمارے علاقے میں مشہور ہے کہ پریاں ہوتی ہیں۔ میں نے آج تک کوئی پری نہیں دیکھی تھی لیکن خواب کی کیفیت میں اس لڑکی کو دیکھ کر مجھے لگا کہ کوئی پری ہو سکتی ہے تو وہ ایسی ہی ہوگی۔ بے حد نازک سے نقوش اور اس سے بھی زیادہ نازک سراپا جس پر حریری سا لباس تھا۔ اس کی سنہری مائل زلفیں شانوں پر لہرا رہی تھیں۔ وہ کسی نامانوس سی زبان میں بات کر رہی تھی، اس کے الفاظ میری سمجھ سے باہر تھے مگر لہجہ سب سمجھا رہا تھا، وہ میرے لئے ہمدردی اور خلوص کا اظہار کر رہی تھی۔

میں سوچنے لگا کہ یہ خواب ہے تو میں ساری عمر خواب دیکھ کر گزار سکتا ہوں۔ میں ایک نرم و دبیز بستر پر لیٹا تھا۔ جب میں ان دونوں کو دیکھتا تھا تب ہی مجھے جاگ آتی تھی۔ ورنہ اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔ لڑکی میرے جسم پر کچھ لگاتی تھی یا مجھے کچھ کھلاتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میرا ذہن تاریک ہو جاتا تھا یا جب مرد مجھے دوسری ضروریات سے فارغ کراتا تھا یا میرا معائنہ کرتا تھا تب مجھے ہوش آتا تھا اور یہ ہوش بھی بے ہوشی کی سرحد سے ذرا پرے ہوتا تھا پھر اچانک ہی مجھے ہوش آ گیا۔ میں ایک نرم بستر میں تھا اور میرے پورے جسم میں ایک سردی سکون آمیز کیفیت طاری تھی۔ پہلا احساس تعجب کا تھا۔ میں تو ہزاروں فٹ کی گہرائی میں جا گرا تھا پھر میں زندہ کیسے رہا؟

میں نے اٹھنا چاہا تو میرے جسم نے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔اب مجھے احساس ہوا کہ میرا جسم سرد نہیں سن تھا۔شاید کسی مسکن دوا کے زیر اثر۔یا پھر اوپر سے گرنے سے مفلوج ہو گیا تھا۔میں نے سنا تھا کہ گردن پر چوٹ لگے تو نیچے سے آدمی کا جسم مفلوج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ساری عمر کے لئے مفلوج ہو جاتا ہے۔یہ سوچ کر ہی میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔میں نے بے ساختہ آواز دی۔''کوئی ہے، میں کہاں ہوں؟''

یہ کمرا تاریک تھا، ایک طرف دیوار میں پردے تھے اور باقی تین طرف دیواریں تھیں، میرے آواز دینے کے چند لمحے بعد ایک طرف سے پردہ ہٹا اور روشنی کے ساتھ وہی روشن پیکر اندر آیا تھا۔

اس نے کچھ کہا تو فضا جیسے گھنٹیوں کے ترنم سے بھر گئی تھی۔الفاظ سمجھ سے باہر تھے مگر مجھے لگا وہ میری طبیعت کا پوچھ رہی ہو اور میں نے یہ سوچے بغیر کہ وہ میری بات کہاں سمجھے گی، اسے اپنی حالت کے بارے میں بتایا، وہ میرے قریب آئی اور اپنا نازک ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا تھا۔اس کی رنگت ایسی تھی جیسے سونے میں گلاب ملا کر سانچے میں بھر دیا ہو۔میں شاعر نہیں تھا اور نہ ہی اس وقت مجھے شاعری سے دلچسپی تھی لیکن اسے دیکھ کر میرے خیالات خود بخود شاعرانہ ہو گئے تھے۔اس نے پھر کچھ کہا اور اس کے پُر سکون انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے تسلی دے رہی ہو کہ میری یہ کیفیت عارضی تھی اور میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔

اس کے ہاتھ کا سرور آگیں لمس مجھے جیسے کسی اور دنیا میں لے جا رہا تھا۔مجھے پھر شبہ ہونے لگا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔میں نے خواب میں یہ خوف ناک سفر کیا تھا اور میرے نیچے گرنے کا واقعہ بھی خواب میں پیش آیا تھا جبکہ یہ لڑکی اور یہ کمرا بھی اسی خواب کا ایک حصہ تھا۔مجھے پیاس سی محسوس ہوئی حالانکہ چند لمحے پہلے پیاس کا شائبہ تک نہیں تھا۔لڑکی کے حرارت سے بھرپور لمس نے میری پیاس جگا دی تھی مگر اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں اس کے بارے میں جنس کے حوالے سے سوچنے لگا تھا۔خدا کی قسم، اس کا تو ذہن میں تصور ہی نہیں تھا، وہ میری طلب نہیں تھی۔میرا ماحول بن گئی تھی۔میں اسے اپنے اردگرد محسوس کر رہا تھا۔میں نے اس سے پانی مانگا۔''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا اور کچھ بولی۔اس کی زبان ایسی تھی جیسے کوئی فرانسیسی لہجے میں فارسی بولے۔اس کے الفاظ میں ژوں ژاں نمایاں تھے۔میں نے اسے منہ سے پانی پینے کا مظاہرہ کر کے دکھایا اور بولا۔''پانی......''

''پانی!'' اس نے سر ہلایا اور باہر چلی گئی تھی۔پردہ ہٹنے سے خاصی تیز روشنی اندر آئی تھی اور پردہ برابر ہوتے ہی ماحول دوبارہ نیم تاریک ہو گیا تھا۔لڑکی چند لمحے بعد آئی تھی۔اس نے مٹی کا کٹورا اٹھا رکھا تھا۔اس نے نزدیک آ کر میرا سر اٹھایا اور کٹورا میرے لبوں سے لگا دیا۔اتنا شیریں اور مہکتا ہوا پانی میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔میرے علاقے کا پانی بھی کم نہیں ہوتا ہے مگر اس پانی کی بات ہی اور تھی، یوں لگا جیسے زندگی اور روشنی میرے حلق سے اتر گئی تھی۔

''شکریہ!'' میں نے کہا اور سر سے کٹورے کی طرف اشارہ کیا۔''پانی!''

''پانی۔'' اس نے کئی بار کہا اور سر ہلاتی رہی جیسے سمجھ رہی ہو کہ یہ پانی کہلاتا ہے۔

''ہاں پانی۔'' میں نے سر ہلایا پھر آنکھوں سے اپنے جسم کی طرف دیکھا۔''مجھے کیا ہوا ہے، میں ہل کیوں

نہیں سکتا؟“

جواب میں اس نے ایک مترنم تقریر کی جس میں شیرینی تو تھی لیکن مفہوم نہیں تھا۔ اتنے میں پھر پردہ ہٹا اور ایک سیاہ لمبے بالوں والا شخص اندر آیا۔ اس کی عمر پینتالیس کے آس پاس ہوگی، لڑکی کی طرح اس کا رنگ بھی سفید تھا اور جسم مضبوط اور قد مناسب تھا۔ اس نے اندر آکر لڑکی کو کچھ کہا۔ لڑکی نے اسے جواب دیا شاید میرے بارے میں بتا رہی تھی۔

”مجھے کیا ہوا ہے۔“ میں نے اس مرد سے پوچھا اور گردن سے نیچے جسم ہلانے کی کوشش کی۔

مرد نے جلدی سے میرے بازو پر ہاتھ رکھا پھر اس نے انگلیوں کی مدد سے آدمی کے اوپر سے زمین پر گرنے کا سین پیش کیا۔ پھر میرے جسم پر جگہ جگہ ہاتھ رکھ کر بتا تا رہا کہ مجھے کہاں کہاں چوٹیں آئی تھیں اور اس نے ان کا علاج کیا تھا۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ مجھے دو دن ہوئے تھے اور ابھی مجھے تکلیف سے بچانے کے لئے سن کیا ہوا تھا۔ اتنی بلندی سے گرنے کے بعد میں نہ جانے کس طرح بچ گیا تھا لیکن میرا شدید زخمی ہونا لازمی تھا۔ میں نے غور کیا۔ مرد اور اس لڑکی کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا تھا، وہ بمشکل سترہ برس کی تھی۔ مرد اس سے ڈھائی گنا عمر کا تھا۔ نہ جانے یہ کون تھے۔ میرے اندر بے چینی سی ہونے لگی تھی۔ میں نے آواز نکال کر مرد کو متوجہ کیا اس نے میرے پاس آکر اشارے سے بتایا کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ لڑکی میرا خیال رکھے گی اور میں دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اس کے جاتے ہی میری بے چینی دور ہوگئی اور میں پھر سے پُرسکون ہو گیا تھا۔ میں نے لڑکی سے کہا اور سر سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ”عمر...... عمر۔“

”اومر!“ اس نے دہرایا۔ میں بار بار اسے سمجھاتا رہا کہ میرا نام کیا ہے اور وہ بالآخر سمجھ گئی۔ اس نے سر ہلا کر میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ”اومر!“

میں نے زور شور سے سر ہلایا۔ ”ہاں میں عمر ہوں۔“

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ”سامیرا...... سامیرا!“

”تم...... سامیرا ہو؟“ میں نے کہا تو اس بار اس نے زور شور سے سر ہلایا۔

عجیب بات تھی میں سینے تک ایک معمولی سی چادر تلے تھا اور مجھے ذرا بھی سردی نہیں لگ رہی تھی۔ اگر میں وادی میں تھا تو یہ جگہ حیرت انگیز طور پر خوشگوار موسم رکھتی تھی۔ لڑکی نے ایک حریری لبادہ پہن رکھا تھا۔ اب میں نے اس مرد کا نام پوچھنے کی سعی شروع کی۔ مرد سامنے نہیں تھا اس لئے وہ خاصی مشکل سے سمجھی تھی، پھر اس نے بتایا۔ ”اورگان۔“ یہ اس شخص کا نام تھا۔

”اورگان۔“ میں نے دہرایا اور پھر پوچھا۔ ”وہ تمہارا کیا لگتا ہے؟“

اس بار سامیرا مفہوم جلدی سمجھ گئی۔ اس نے اشاروں میں اور اپنی زبان میں سمجھایا کہ وہ مرد اس کا باپ ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ لڑکی باتیں کرتے کرتے اچانک باہر گئی، واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک بڑا کٹورا تھا اور اس میں لکڑی کا چمچ تھا کٹورے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس نے ایک بڑا سا گول پتا میرے سینے پر نیپکن کی طرح بچھایا اور چمچ میں ایک سنہری رنگ کا مشروب میرے منہ کی طرف بڑھایا۔ آج میں یقین سے کہتا ہوں، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنہری مشروب اصل میں زہر ہے تب بھی میں اسے

بخوشی پی جاتا۔مگر یہ زہر نہیں بے حد خوش ذائقہ مشروب یا سوپ تھا۔حلق سے اترتے ہی جیسے جزو بدن بن جاتا تھا۔پورا کٹورا ختم کر کے اس نے پانی لا کر میرا منہ صاف کیا۔پھر مجھے کھانے کے لئے مینگنی نما گولیاں دیں جنہیں میں نے کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لیا تھا۔آخر میں اس نے مجھے پانی پلایا اور اشارے سے سونے کا کہہ کر جانے لگی۔

''سامیرا!'' میں نے بے اختیار پکارا۔''میرے پاس رہو۔''

وہ اندازے سے مفہوم سمجھ گئی تھی،اس کے سنہری رخسار یک دم گلابی ہو گئے تھے،اس نے سر ہلایا اور برتن رکھنے چلی گئی۔چند لمحے بعد آئی پھر بستر کے ایک طرف کسی شے پر بیٹھ گئی اور آہستہ سے میرا ہاتھ سہلانے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ کے لمس سے جیسے جادو بھری لہریں نکل رہی تھیں۔نہ چاہتے ہوئے بھی میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور نہ جانے کب میں سو گیا تھا۔میں ڈر رہا تھا کہ اب کہ میری آنکھ کھلے گی تو میں کہیں اور ہوں گا جہاں سامیرا نہیں ہو گی اس کے باوجود سو گیا تھا۔اس بار میری آنکھ کھلی تو میں اپنے جسم پر بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔میں نے آنکھ کھول کر دیکھا تو مجھے گردن سے نیچے اپنے پورے جسم پر سبز رنگ کی کوئی شے دکھائی دی تھی۔اسے مرہم کی طرح میرے جسم پر لیپ کر دیا گیا تھا۔صرف میرے پیٹ سے رانوں تک کا حصہ ایک چھوٹے سے کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔شاید اس طرح سے میرا علاج کیا جا رہا تھا اور مجھے شدید قسم کی بھوک لگ رہی تھی۔

''سامیرا!'' میں نے کچھ برداشت کرنے کے بعد آواز دی۔

وہ فوراً اندر آئی۔''ادمر!''

''مجھے بھوک لگی ہے۔'' میں نے کہا اور منہ چلا کر عملی مظاہرہ بھی کیا۔

''سویوٹ'' وہ بولی اور باہر چلی گئی۔چند منٹ کے بعد وہ ایک پیالہ لائی جس میں دودھ تھا اور اسے پینے کے لئے بانس کی نلکی تھی۔دودھ پر گھی تیر رہا تھا اور یہ بے حد گاڑھا مقوی قسم کا دودھ تھا۔سامیرا نے اسٹرا میرے منہ کے قریب کی اور میں اسے منہ میں لے کر دودھ پینے لگا۔پورا پیالہ ختم کر کے مجھے سکون ملا تھا۔مجھے ایسی بھوک لگ رہی تھی جیسے میں نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا ہو۔سامیرا گئی اور پیالہ پھر بھر کر لے آئی۔میرا خیال تھا کہ اب میں زیادہ دودھ نہیں پی سکوں گا۔مگر میں اس بار بھی پورا پیالہ پی گیا۔اس کے بعد سامیرا نے مجھے بکری کی مینگنی جیسی گولیاں کھلائیں۔ان کو کھانے کے چند منٹ بعد مجھے نیند آنے لگی تھی۔

اگلی بار میں جاگا تو پھر مجھے شدید بھوک لگی تھی،اس بار میرا جسم صاف اور چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔سامیرا نے مجھے دودھ دینے کے بعد سبزیوں کا گاڑھا سا سوپ پلایا جس کا ذائقہ آج کل کے چائنیز سوپ سے ملتا جلتا تھا۔اس کھانے کے بعد پھر وہی مینگنی جیسی گولیاں۔اس بار میرا سونے کا موڈ نہیں تھا اس لئے میں جاگتا رہا اور ان باپ بیٹی پر غور کرتا رہا۔یہ جگہ صاف ستھری تھی۔دیواریں،چھت اور فرش لکڑی کا بنا تھا۔میں جس بستر پر لیٹا تھا وہ بھی لکڑی کا تھا اور ایک طرف لگے پردے کسی جانور کی کھال کے تھے۔دیواروں کے ساتھ لیمپ کے کھانچے تھے جن میں ایسے پیالے رکھے تھے جن میں موم یا چربی جلتی تھی۔دن میں ایک بھی کافی ہوئی تھی البتہ جب دو جلتی تھیں تو میں سمجھ جاتا تھا کہ رات ہو چکی ہے۔

ان کے لباس بھی سادہ تھے،مرد نے ایک لمبا سا عبا نما لباس پہن رکھا تھا جبکہ سامیرا نے پوری آستین کا

میکسی نما لبادہ پہن رکھا تھا جو صرف کمر سے تنگ تھا ورنہ باقی ہر جگہ سے کھلا کھلا تھا۔ ان کے اوزار اور سامان خاص طور سے برتن مٹی اور لکڑی کے تھے، صاف دکھائی دے رہا تھا ابتدائی دور کے انسانوں کی سی سادہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ البتہ باتوں اور اپنے انداز سے وہ عقل اور سمجھ بوجھ میں کسی طرح جدید دور کے انسانوں سے کم نہیں تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس جگہ پھنس گئے تھے اور اتنی سادہ سی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ہم نے طیارے سے وادی میں جو شہر دیکھا تھا، وہ اتنا متمدن اور صاف ستھرا تھا کہ اسے دنیا کے جدید ترین شہر کے مقابلے پر رکھا جاسکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں یہ لوگ دیہاتی جیسی زندگی بسر کر رہے تھے۔

چند گھنٹے بعد مجھے پھر بھوک لگنے لگی تھی۔ سامیرا نے مجھے دودھ اور اس بار ایک مٹھائی دی تھی۔ یہ کسی پودے کے گودے نما حصے سے تیار کی گئی تھی۔ اس بار دوائی لے کر میں نے سونے کا سوچا اور سو گیا۔ مینگنی نما گولیاں کوئی دوا تھی۔ اتنا تو مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی دوا ہے۔ اس کے کھانے سے جب میں سونے کا سوچتا تھا تو سو جاتا تھا اور جب جاگتے رہنے کے بارے میں سوچتا تھا تو جاگتا رہتا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میرا جسم بے حسی سے نکل رہا ہے اور میں ہاتھ پیروں کو معمولی سی حرکت بھی دے سکتا تھا، اس سے مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی تھی۔ یعنی میرا جسم عارضی طور پر مفلوج ہوا تھا اور اب رفتہ رفتہ ٹھیک ہو رہا تھا۔ اس دوران میں، مَیں نے ان کی زبان کے چند الفاظ سیکھ لئے تھے۔ وہ کھانے کو ''سویوٹ'' کہتے تھے، پانی کو ''مان'' بستر کو ''نیکٹ'' اور مرد کو ''نارا'' کہتے تھے۔ اس لحاظ سے ان کی عورت کو ناری کہلانا چاہئے تھا مگر وہ اسے ''ہانی'' کہتے تھے۔ میں نے بھی اپنے مطلب کے چند الفاظ سامیرا کو سکھا دیئے تھے جیسے بھوک، پانی اور درد۔ میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہ دوائیں کون سی تھیں؟

(قارئین کو یاد ہو گا راجا عمر دراز کا حکیم قادس میرا ایسے ہی مرہم اور مینگنی نما گولیوں سے علاج کرتا تھا اور اس نے میرا ناکارہ ہو جانے والا ہاتھ درست کر دیا تھا)

پانچویں دن میں اٹھنے لگا تھا۔ میرے بازو میرے قابو میں آ گئے تھے لیکن ابھی میں اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور گان نے اشاروں میں بتایا کہ ابھی مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مزید پانچ چھ دن لگ سکتے تھے۔ میرے بازو اور اوپری جسم معمول کے مطابق حرکت کر رہے تھے مگر ابھی کمزوری تھی، ذرا سی مشقت کرنے یعنی صرف اٹھ کر بیٹھنے سے میں ہانپنے لگتا تھا۔ حالانکہ میں دن رات میں چار بار پیٹ بھر کر مقوی غذائیں لے رہا تھا، اس وقت مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے جسم میں اوپر سے گرنے سے جو شدید ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی، یہ غذا اس کی مرمت میں استعمال ہو رہی تھی۔ مجھے مزید توانائی کی ضرورت تھی۔ سامیرا مجھے روزانہ ایک پاؤ کے قریب شہد کھلا دیا کرتی تھی۔ عام دنوں میں، مَیں لیٹ کر اتنی غذا کھاتا تو نہ جانے میرا کیا حال ہو جاتا مگر ان دنوں میرا جسم ویسا ہی رہا بلکہ میں کچھ کمزور ہو گیا تھا۔

اگلے پانچ دنوں میں ان لوگوں نے مجھے خاصی حد تک اپنی زبان سکھا دی تھی، میں ان کی بات سمجھ جاتا تھا اور کسی حد تک اپنی بھی سمجھا لیا کرتا تھا جو کمی رہ جاتی تھی، وہ اشاروں سے پوری کر لیتا تھا۔ دسویں دن میں اس قابل ہوا کہ چل سکوں۔ اور گان نے پہلے مجھے ایک لباس دیا کیونکہ میں اب تک صرف چادر میں گزارہ کر رہا تھا، یہ لمبا سا کرتہ تھا جو ٹخنوں سے ذرا اوپر ہوتا تھا اس میں صرف سر ڈالنے کی جگہ تھی اور کھلی کھلی آستین تھی۔ یہ لباس

کپاس سے ملتے جلتے کسی ریشے سے بنا تھا، آرام دہ اور نرم تھا۔ اس کے کھلے پن کو قابو کرنے کے لئے کمر کے پاس سے ایک پٹکا باندھ لیا جاتا تھا۔ میں اتنے دنوں بعد اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو مجھے ہلکا سا چکر آیا تھا۔ مگر جلد سنبھل گیا۔ میں چند قدم بغیر سہارے کے چلا تھا۔

''شاباش...... جوان آدمی...... تم باہمت ہو۔'' اورگان نے خوش ہو کر کہا۔

''میں باہر جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' اورگان نے میرا بازو پکڑا۔ سامیرا جلدی سے میرے دوسری طرف آ گئی تھی۔ ان دس دنوں میں اس نے میری بے لوث خدمت کی تھی۔ اورگان نے اس کے میرے پاس ہونے پر کبھی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اسے میری خدمت سے روکا تھا۔ حالانکہ وہ جوان تھی اور خوفناک حد تک حسین تھی، وہ اس قابل تھی کہ کسی کے دل کی رانی بن کر اس پر حکومت کرتی۔ میں پہلی بار اس کمرے سے نکلا، سامنے کھلا برآمدہ نما کمرا تھا، جس کے آخری حصے میں لگی لکڑی کی ریلنگ کے پار بے حد گھنا اور سرسبز جنگل تھا، اس جنگل کے پار دور ایک چٹانی دیوار بلند ہو رہی تھی اور ناقابلِ بیان حد تک بلند تھی۔ یہ اوپر بادلوں میں غائب ہو رہی تھی۔ میرے دل میں جو موہوم سا شبہ باقی رہ گیا تھا کہ میں وادی میں ہوں یا نہیں، وہ اس منظر کو دیکھ کر دور ہو گیا۔ ہم اس جگہ سے باہر نہیں جا سکتے تھے، اس لئے ایک اور کمرے سے گزرے۔ فرش پر بچھے قالین اور دیواروں کے ساتھ لگے تکیے بتا رہے تھے کہ یہ جگہ نشست گاہ تھی۔ دیواروں پر تصاویر لگی تھیں۔ ان میں سے ایک تصویر نے مجھے چونکایا۔ اس تصویر میں ایک سنہری اہرام کے سامنے سبزہ زار میں چند جانوروں کو دکھایا گیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں دودھیا سفید رنگ کا گھوڑا تھا جس کے ماتھے پر سینگ اگا تھا۔ مجھے معلوم تھا، یونانی دیومالا کے اس کردار کو یونی کون کہتے ہیں۔ اس کے سینگ کو جادوئی خصوصیت کا حامل مانا جاتا ہے۔ ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے تصویر کے جانور متحرک ہیں۔ میں نے آنکھ جھپکی تو وہ پہلے کی طرح ساکت ہو گئے تھے۔ اس تصویر کے عین نیچے لکڑی سے بنی تپائی پر ایک گول چھوٹے سائز کے تربوز جیسا سیاہ پتھر تھا جس میں سفید دھاریاں تھیں اور خاص بات یہ تھی کہ دھاریاں متحرک تھیں۔ لہریں سی لے رہی تھیں۔

ہم باہر آئے۔ سامنے والے حصے میں بھی برآمدہ تھا، یہ لکڑی کے مضبوط تختوں سے بنا ترچھی چھت والا مکان تھا۔ اس کے سامنے ایک بڑے حصے پر پودے اور درخت لگے تھے۔ میں نے ایسے پودے اور درخت نہیں دیکھے تھے۔ اس کچے حصے کے ایک طرف مٹی اور پتھروں سے بنا باڑا تھا جس کے اوپر گھاس کی چھت تھی۔ ایسے باڑے خود میرے علاقے میں بھی عام تھے اس لئے مجھے شناخت میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ میرے پاؤں خالی تھے مگر سامیرا نے جلدی سے چمڑے سے بنی ایک چپل لا کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے اسے پہنا اور اورگان کی طرف دیکھا۔ ''تم نے مجھے کہاں پایا تھا؟''

''اس جگہ۔'' اس نے ہاتھ سے جنگل کے ایک بلند حصے کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں درختوں پر سبز رنگ کی چادر نما بیلیں چھائی ہوئی تھیں۔

''تم نے بس مجھے وہاں پڑے دیکھا تھا، گرتے نہیں دیکھا تھا؟''

''نہیں، تم وہاں پڑے تھے البتہ تمہارے جسم کی بیشتر ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اس سے پتا چلا تم اوپر سے

گرے ہو۔ کیا تم اوپر چڑھتے ہوئے گرے تھے۔"

"نہیں، میں بہت اوپر سے گرا تھا۔ وہ جو بادل نظر آرہے ہیں، ان سے بھی اوپر سے۔ میں وادی کے کنارے سے گرا تھا۔"

"وادی...... کنارہ!" اس نے تعجب سے کہا۔ "یہ کیا ہے؟"

"اوپر، اس جگہ سے باہر ایک دنیا اور ہے، میں وہاں سے آیا ہوں۔" میں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

سامیرا اور ارگان مجھے ناقابلِ یقین نظروں سے دیکھ رہے تھے ارگان نے بمشکل کہا۔ "اس جگہ سے باہر بھی کچھ ہے؟"

"وہ دنیا بہت بڑی ہے اس وادی کے مقابلے میں اتنی بڑی ہے جیسے تمہارے اس گھر کے مقابلے میں پوری وادی۔ اس قسم کی جگہوں کو ہم وادی کہتے ہیں جو پہاڑوں کے درمیان ہو۔"

وہ منہ کھولے میری بات سن رہا تھا۔ غالباً اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے ہمارے سارینا درست کہتے تھے۔"

"سارینا...... کون؟" میں نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

"گزرے لوگ...... میرا باپ...... اس کا باپ...... اس کا باپ۔" اس نے وضاحت کی۔

"وہ کیا کہتے تھے؟"

"وہ کہتے تھے...... ہمارے سارینا...... کہیں اور سے اس وادی میں آئے تھے مگر یہ نہیں بتاتے تھے کہ کہاں سے اور کیسے آئے...... یہاں نہ آنے کا راستہ ہے اور نہ جانے کا۔"

"تم نے ٹھیک کہا ہے لیکن میں باہر سے آیا ہوں اور کسی زمانے میں تمہارے سارینا بھی باہر سے آئے تھے۔ نہ جانے وہ اس وادی میں کیسے اترے؟"

"ممکن ہے اس زمانے میں کوئی راستہ ہو جو بعد میں ختم ہو گیا ہو۔" سامیرا نے مداخلت کی۔

"شاید ایسا ہی ہو۔"

میں وضاحت کردوں میں ان سے کی جانے والی گفتگو آسانی کے لئے اس طرح پیش کررہا ہوں ورنہ ہمارے درمیان گفتگو اتنی بھی آسان نہیں تھی۔ بعض اوقات ایک بات کی وضاحت اصل بات سے کئی گنا بڑی ہو جاتی تھی۔ زبان کے ساتھ اشاروں کے لئے خاص ورزش کرنا پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر ہم ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھا پاتے تھے اور ارگان مجھے سہارا دے کر اپنے مکان کے احاطے سے باہر لایا۔ تب میں نے پہلی بار شمال کی طرف سنگی دیواروں والا قلعہ دیکھا۔ خاصے فاصلے کی وجہ سے اس کی برجیاں دھندلی سی دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہ کیا ہے؟" میں نے اشارہ کیا۔

"وہ آرگون ہے؟"

"آرگون کیا؟"

"جہاں لوگ رہتے ہیں۔" اس نے وضاحت کی، اس کی مراد شاید شہر سے تھی یا شاید شہر کا نام ہی یہ تھا، مجھے یاد تھا جب طیارہ وادی میں آیا تھا تو میں نے ایک شہر دیکھا تھا اور وہ شاید یہی شہر تھا۔ اس کے مزید شمال میں

سنہری اہرام نما عمارت بھی جس کے اوپر چمک دار کلس تھا۔ میرے ذہن میں سوال آیا۔

''اورگان، تم اس ویرانے میں کیوں رہتے ہو؟''

''تمہارا مطلب ہے...... میں آرگون میں کیوں نہیں رہتا؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں اس دیوار کے اندر ایک صاف ستھرا اور بہترین شہر ہے۔ اسے چھوڑ کر تم یہاں کیوں رہ رہے ہو؟''

''اس کی وجہ میں پھر بتاؤں گا۔'' اس نے جواب دیا تو میں نے اصرار نہیں کیا۔

میں نے کچھ دیر چہل قدمی کی اور جب تھکن محسوس کرنے لگا تو واپس مکان میں آ گیا۔ شام کو میں پھر باہر آیا تھا۔ صبح کے وقت بھی بادل تھے اور شام کو بھی بادل تھے۔ میرے ساتھ سامیرا تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''کیا یہاں کبھی سورج نہیں نکلتا ہے، یہ بادل ہمیشہ کیوں رہتے ہیں؟''

''پتا نہیں، اورگان کہتا ہے یہ بادل سینتور کے پجاریوں نے پھیلائے ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں بادل ہٹا دیتے ہیں جس سے روشنی نیچے آتی ہے اور جب چاہتے ہیں آسمان پر بادلوں کا پردہ تان دیتے ہیں۔''

''سینتور...... سینتور ہے اس جگہ کا دیوتا...... خدا!''

یعنی یہ لوگ کسی سینتور نامی دیوتا کو مانتے تھے، میں نے سوچا انسان بنیادی طور پر عبادت پسند ہے اگر اسے خدا تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے تو یہ اپنے صنم تراش لیتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مجھے اب اپنے دونوں ساتھیوں کا خیال ستانے لگا تھا۔ وہ اوپر تھے اور نیچے اترنے کی فکر میں ہوں گے، ان کو نیچے آنا ہی تھا ورنہ وہ اوپر بھوک سے مر چکے ہوں گے۔ میں نے سامیرا سے پوچھا۔ ''میرے آنے کے بعد تم لوگوں نے دو اور افراد کو دیکھا، گورے رنگ کے، ایک کے بال تمہارے جیسے اور دوسرے کے سنہری ہیں۔''

''سنہری؟'' اس نے وضاحت چاہی۔

''وہ جو دور ایک انوکھی عمارت ہے اس کے رنگ جیسا۔'' میں نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ سمجھ گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اِدھر نہیں آئے۔''

میں نے اسے مختصراً اپنے سفر کے بارے میں بتایا، جب میں نے اڑنے والے طیارے کا ذکر کیا تو وہ چونک گئی۔ ''میں نے دیکھا تھا۔''

''وہ ہمارا جہاز تھا، اس میں خرابی ہو گئی تھی اور وہ اتفاق سے اِدھر آ نکلا تھا۔ تب ہم نے اس وادی کو دیکھا تھا پھر میں اور میرے دو ساتھی وادی کی طرف آئے۔''

''تم نیچے کیسے گرے؟''

میں نے برفانی آدمی کے بارے میں بتایا جو ہمارے پیچھے لگ گیا تھا۔ ''اس نے ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے نیچے پھینکا تھا اور گرتے گرتے میں نے اسے بھی گھسیٹ لیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر وہ میرے ساتھ گرا تھا تو اس کی لاش اس جگہ کے آس پاس ہو گی جہاں میں ملا تھا۔''

''اس جگہ سے اورگان ہی واقف ہے۔''

تعجب خیز بات یہ نہیں تھی کہ میں ہزاروں فٹ کی بلندی سے گر کر بھی زندہ رہا تھا بلکہ حیرت کی بات یہ تھی

کہ میں شدید زخمی ہوا تھا اور میری بے شمار ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں مگر میں محض دس دن میں اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ مکمل طور پر نہ سہی، خاصی حد تک صحت یاب ہو گیا تھا۔

''سامیرا، تمہارا بابا جادوگر ہے اس نے مجھے اتنی جلدی کیسے ٹھیک کر دیا؟''

اسے اورگان کو دیا میرا نام پسند آیا۔''بابا طبیب بھی ہے، وہ علاج کرنا جانتا ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟''

''تمہارے ہاں اگر کسی کو چوٹ لگے یا وہ بیمار ہو جائے تو کیا وہ اتنی جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''بابا سب کا اس طرح علاج نہیں کرتا ہے، اگر چوٹ یا بیماری عام ہو تو عام طریقے سے علاج کرتا ہے، ایک بار میری انگلی ٹوٹ گئی تھی۔'' اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سامنے کی۔''اسے بابا نے عام علاج سے ٹھیک کیا تھا۔ بہت دن تک اس پر پٹی بندھی رہی تھی۔''

''خاص علاج کس طرح ہوتا ہے؟''

''یہ تو بابا کو پتا ہے۔'' اس نے اپنے بال سمیٹے۔''لیکن بابا اس علاج میں کچھ خاص چیزیں استعمال کرتا ہے۔ ان چیزوں کو اپنی دواؤں میں شامل کرتا ہے۔''

میں نصف گھنٹے کی چہل قدمی سے تھک جاتا تھا اب اورگان نے لیپ کرنا بند کر دیا تھا مگر کسی تیل سے میرے جسم کی مالش کرتا تھا اور میٹھی نما گولیاں کھلاتا تھا۔ ہر روز میری صحت پہلے سے بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ پندرہویں دن اورگان مجھے اس جگہ لے گیا جہاں اس نے مجھے زخمی حالت میں پڑے پایا تھا۔ یہ گھنے درختوں کے درمیان دبیز گھاس کا ڈھیر تھا اوپر درختوں پر بیلیں پردوں کی طرح تہہ در تہہ چھائی ہوئی تھیں۔ میں نے اس جگہ کھڑے ہو کر اوپر دیکھا تو کم سے کم نصف درجن بیلوں کے پردوں میں سوراخ تھا، میں پہلے ان بیلوں پر گرا تھا اور یکے بعد دیگرے ان کو توڑتا ہوا نیچے گھاس پر آ گرا تھا۔ ان گھنی مگر نازک شاخوں والی بیلوں اور نرم گھاس کے ڈھیر کی وجہ سے میری زندگی بچ پائی تھی۔ بیلوں نے مجھے نقصان پہنچائے بغیر میرے گرنے کی رفتار خاصی کم کر دی تھی پھر میں گھاس کے دبیز بستر پر گرا تو مرنے سے بچ گیا تھا۔ اس کے باوجود تصادم اتنا شدید تھا کہ میری بیشتر ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ یہ سارے لوازمات اس ذات واحد نے فراہم کئے تھے جو زندگی اور موت پر مکمل اختیار رکھتا ہے، اسے ابھی میری زندگی منظور تھی اس لئے اس نے مجھے ہزاروں فٹ کی بلندی سے گرنے کے باوجود بچا لیا تھا۔

پندرہ دن میں، مَیں پہلے جیسی توانائی اور مضبوطی محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے خود کو آزمانے کے لئے سخت اور محنت والے کام کر کے بھی دیکھے، مجھے کوئی کمزوری یا تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی بلکہ مجھے لگ رہا تھا کہ میری صحت پہلے سے بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس وادی کی آب و ہوا اور خوراک صحت بخش تھی۔ طبیعت ہشاش بشاش رہتی تھی۔ ان چند دنوں میں، مَیں نے گھوم پھر کر سارا علاقہ دیکھ لیا تھا۔ مجھے ایک تو ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا فرد دکھائی نہیں دیا تھا۔ دوسرے یہاں پر پائے جانے والے جانور ہماری دنیا کے جانوروں سے الگ تھے۔ اورگان نے گائے اور بھیڑ جیسے جانور پال رکھے تھے جن سے دودھ، گوشت، کھال اور اون کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ مرغی نما پرندے تھے جو انڈے دیتے تھے۔ مگر ان سب جانوروں اور پرندوں کی شباہت میں کچھ نہ

کچھ فرق تھا جس سے پتا چلتا تھا کہ یہ نسلیں صدیوں سے الگ تھلگ رہنے کے بعد عام دنیا کے جانوروں سے کچھ الگ ہوگئی تھیں۔

جنگل میں بندر نما، گلہری اور نیولے جیسے جانور تھے۔ اِکا دُکا سانپ بھی نظر آئے مگر سامیرا اور ارگان کے مطابق ان سے خطرہ نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ خطرناک جانور شمالی جنگل میں پائے جاتے تھے جہاں سینتور کا مندر تھا۔ جی ہاں، اہرام نما سنہری عمارت اصل میں مندر تھا اور وہاں صرف منتخب لوگوں کو جانے کی اجازت تھی۔ وادی کی ساری آبادی قلعہ نما فصیل کے اندر رہتی تھی ان کا کوئی دشمن نہیں تھا سوائے ہارن کے۔ میں نہیں جان سکا کہ یہ ہارن کون تھے۔ سامیرا نے مجھے بتایا کہ جب ان کے آباؤ اجداد اس وادی میں آباد ہوئے تو یہاں ہارن بکثرت پائے جاتے تھے۔ وادی پر ان کا ہی قبضہ تھا۔ ان سے بچاؤ کے لئے انسانوں نے یہ قلعہ بنایا تھا اور ان کے حملوں سے محفوظ ہو گئے تھے۔ بعد میں ہارن کی آبادی کم ہو گئی تھی اور وہ مغرب کی طرف ایک حصے تک محدود ہو گئے تھے۔

انسانوں کے دو طبقے تھے عام طبقہ جس میں کام کرنے والے تھے اور خاص طبقہ جس میں سینتور کے پجاری، حکمران اور ان کے ماتحت تھے۔ تمام اچھی چیزوں پر ان کا حق اوّل ہوتا تھا۔ اس کے بعد عام لوگوں کے حصے میں یہ چیزیں آتی تھیں۔ ان لوگوں کو اپنی مرضی سے پیشہ چننے اور شادی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی سے تعلیم بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طبقہ ان کے لئے جو چاہتا کرتا تھا۔ وہ بھی اچھی زندگی بسر کرتے تھے مگر ایک جبر کے تحت اور جو اس نظام سے بغاوت کرتا تھا اسے شہر سے نکال دیا جاتا تھا۔

"تو تم دونوں کو شہر سے نکال دیا گیا ہے؟" میں نے سامیرا سے کہا تھا۔

"نہیں بابا اور میری ماں کو نکالا گیا تھا۔ میں تو اسی جگہ پیدا ہوئی تھی۔"

"تمہاری ماں، وہ کہاں ہے؟"

"وہ مر گئی تھی جب میں چھوٹی سی تھی۔ اس کے پیٹ میں کچھ پھٹ گیا تھا۔"

میں نے افسوس کیا۔ "پھر تمہارے ماں باپ کو کیوں نکالا تھا؟"

"میرا بابا طبیب تھا۔ وہ اوپر والے طبقے سے تھا لیکن وہ انسانوں میں فرق کا قائل نہیں تھا۔ اس کے خیال میں سب انسان آپس میں برابر ہیں۔"

"یہی انسانیت کا درس ہے۔"

"بابا عام لوگوں کا علاج بھی کرتا تھا اور یہ بات اوپر والوں کو بری لگتی تھی۔ انہوں نے بابا کو منع کیا اور جب وہ نہ مانا تو اسے ماں سمیت آرگون سے نکال دیا۔ اس وقت میں پیدا ہونے والی تھی۔ بابا نے بہت محنت کے بعد یہ گھر بنایا۔ شروع میں ماں اور بابا کو بہت پریشانی ہوئی تھی۔ ماں نے مجھے ایک جھونپڑے میں جنم دیا تھا۔ مجھے پتوں میں لپیٹا گیا تھا۔"

"ایسے حالات تھے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "آرگون کے حکمران اور سینتور کے پجاری کسی سے ناراض ہو جائیں تو اس پر زندگی کا در بند کر دیتے ہیں۔"

"اورگان پھر شہر نہیں گیا؟"

"اس کا داخلہ بند تھا، وہ نہیں جا سکتا تھا مگر میرے بابا کے بہت سارے پرستار تھے، خاص طور سے نچلے طبقے کے لوگ میرے بابا سے محبت کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے چوری چھپے بابا سے ملنے آنا شروع کر دیا، وہ ہمیں چیزیں اور ضرورت کا سامان لا کر دیتے تھے۔ ان کی مدد سے ہم نے یہ گھر مکمل کیا۔ وہ ہمیں کپڑے اور اوزار دے کر جاتے تھے۔ بدلے میں بابا ان لوگوں کا علاج کرتے تھے اور ان کو دوائیں دیتے تھے۔ پھر بابا نے جانور پال لئے اور کاشت کرنے لگے۔ ہم اپنی خوراک خود حاصل کرتے ہیں۔ بس کچھ چیزیں ہمیں شہر سے لینا پڑتی ہیں۔"

"تمہارے بابا کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی شہر سے نکالا گیا ہوگا؟"

"بہت سارے ہیں مگر ان کو شمال کی طرف جنگل میں بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے ہیں، وہاں خوفناک درندے پائے جاتے ہیں۔"

"ہارن جیسے۔" میں نے کہا۔ "یہ کیسا ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے، دیکھنے میں کیسا لگتا ہے؟"

"میں دکھاتی ہوں۔ میں نے اس کی تصویر بنائی تھی۔"

"تم تصویر بناتی ہو؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں، سینتور کے معبد کی تصویر بھی میں نے بنائی ہے۔"

مجھے بے حد حیرت ہوئی تھی، اس نوعمر لڑکی نے کسی پختہ کار مصور کی طرح وہ تصویر بنائی تھی۔ وہ مجھے مکان میں لے آئی۔ اس نے مجھے پتلے سے چمڑے کی بنی ایک اسکیچ بک دکھائی۔ اس میں اس نے مختلف چیزوں کے اسکیچز بنا رکھے تھے پھر اس نے مجھے ہارن کی تصویر دکھائی۔ یہ عجیب الخلقت جانور تھا جیسے آدمی اور گھوڑے کو ملا کر تیار کیا گیا ہو۔ مجھے یاد آیا، یونانی دیومالا میں ایک ایسے جانور نما آدمی کا ذکر ملتا ہے جس کا نچلا جسم گھوڑے جیسا اور اوپری جسم آدمی نما ہوتا ہے اور یہ تیر کمان سے مسلح ہو کر جنگل سے گزرنے والے اکیلے انسانوں کی جانوروں اور بد ارواح سے حفاظت کرتے ہیں۔ سامیرا نے کچھ ایسی ہی تصویر بنائی تھی اور اس کے مطابق وہ انسانوں کا دشمن تھا۔

"یہ انسانوں کے دشمن کیوں بن گئے تھے؟"

"شاید اس لئے کہ ہم نے ان سے وادی چھین لی اور ان کو جنگلوں میں دھکیل دیا گیا۔" سامیرا بولی۔

☆======☆======☆

آنے والے چند دنوں میں، مَیں نے آس پاس کا سارا علاقہ چھان لیا تھا خاص طور سے وادی کی دیواروں کے ساتھ جو اونچے جنگل تھے۔ میں وہاں سے اوپر جانے کا راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اورگان کے مہیا کردہ لباس کی وجہ سے مجھے امید تھی کہ اگر کسی نے مجھے دیکھ بھی لیا تو مقامی ہی سمجھے گا۔ میں قلعے کے پاس تک چلا گیا تھا۔ ایک بلند مقام سے مجھے شہر کی جھلک بھی دکھائی دی تھی۔ میرا اندازہ تھا شہر کم سے کم چار مربع میل کے رقبے پر پھیلا تھا جبکہ یہ پوری وادی کم وبیش پانچ سو مربع میل رقبے پر پھیلی تھی۔ اس کی گولائی لئے دیواروں کے درمیان کم سے کم تیس میل کا فاصلہ تھا۔

قلعے کے آس پاس ساری زمین کاشت کاروں کے لئے مخصوص تھی۔ پانی وہاں مسئلہ نہیں تھا کیونکہ بے شمار چشموں کے علاوہ روزانہ رات کو ہلکی بارش بھی ہو جاتی تھی۔ یعنی زمین کی ترائی آسان تھی۔ یہ گندم اور مکئی کاشت کرتے تھے۔ کئی طرح کی سبزیاں تھیں۔ سیب اور چیری جیسے پھل تھے۔ مجھے انگور سے ملتا جلتا پھل بھی دکھائی دیا لیکن اس کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا۔ ذائقہ اس کا کسی حد تک انگور سے ملتا تھا۔ قلعے کی فصیل اور اس کے گرد ایک میل کی پٹی چھوڑ کر باقی وادی میں چاروں طرف جنگل تھا اور ویرانہ تھا۔ سامیرا نے بتایا تھا کہ لوگ قلعے سے نکلنے اور جنگل میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ سینتور کے پجاریوں نے لوگوں کو بتا رکھا تھا کہ جنگل میں آئز گھومتے ہیں اور اکیلے آدمی کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ سامیرا نے آئز کی تشریح کی۔ مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ آئز بدروح یا بھوت ٹائپ کی کوئی شے ہیں۔ جو اس علاقے میں گھومتے ہیں اور انسانوں پر وار کرتے ہیں۔ سامیرا نے اعتراف کیا، اس نے آج تک کوئی آئز نہیں دیکھا تھا۔

اپنے مکان کے عقبی حصے میں اورگان نے ایک کمرا جو وسعت میں نصف گھر کے برابر تھا اپنے کاموں کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہ وہاں جڑی بوٹیوں اور دوسری اشیا پر تجربات کرتا تھا اور ان سے دوائیاں بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کمرے میں سامیرا کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اورگان کا کہنا تھا کہ کمرے میں بعض خطرناک چیزیں بھی ہوتی ہیں اور سامیرا کو ناواقفیت میں ان سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کے کمرے میں جانے پر پابندی تھی۔ ضروری کاموں کے بعد اورگان کا سارا وقت اسی کمرے میں گزرتا تھا اور اس نے اپنی اکلوتی اور سحر انگیز حسن کی مالک بیٹی کو جتنے آرام سے میرے ساتھ اکیلا چھوڑ رکھا تھا اس سے مجھے تعجب ہوتا تھا۔ مجھے وادی میں آئے بلکہ نازل ہوئے بیس روز ہو چکے تھے اور میں اب تک دیواروں میں باہر جانے کا

راستہ تلاش نہیں کر سکا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں اورگان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے ناشتے کے بعد اسے کمرے میں جانے سے پہلے کہہ دیا۔ ''اورگان، میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا بات کرنا چاہتے ہو؟'' وہ رک گیا۔ ''ابھی کرلو۔''

''بات ذرا تفصیل سے کرنے کی ہے۔''

''ٹھیک ہے، آج تو مجھے بہت ضروری کام ہے، میں شام کو تم سے بات کرلوں گا۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔

''تم بابا سے کیا بات کرو گے؟'' سامیرا نے پوچھا۔

''سامیرا، میں باہر سے آیا ہوں اور مجھے واپس بھی جانا ہے۔''

''واپس!'' اس کے چہرے پر اداسی بکھر گئی تھی۔ ''تم ہمیشہ کے لئے یہاں نہیں رہ سکتے؟''

''نہیں سامیرا! مجھے جانا ہوگا۔'' میں نے دل مسوس کر کے کہا۔ اس کے چہرے کا غبار مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''کیوں؟'' اس کا لہجہ رودینے والا ہو گیا تھا۔

''پیچھے میرا گھر ہے، ماں باپ ہیں، بہن بھائی ہیں۔'' میں نے جواب دیا مگر میں چاہنے کے باوجود اسے اپنی منگ کے بارے میں نہیں بتاسکا۔ اس سے مجھے اسی سال شادی کرنا تھی، یہ بابا کا حکم تھا۔

''اور کوئی نہیں ہے؟'' اس نے دبے لہجے میں پوچھا۔

''اور کون؟'' میں انجان بنا۔

''تمہاری بیوی یا ہونے والی بیوی؟''

''نہیں، ابھی نہ بیوی ہے اور نہ ہونے والی بیوی۔'' میں نے نصف جھوٹ بولا۔

''سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کے چہرے پر اطمینان سا آ گیا تھا۔

''میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟''

اس نے کمرے سے جاتے ہوئے دروازے پر رک کر کہا۔ ''نہ جانے کیوں، مجھے لگ رہا ہے تم اس معاملے میں پورا سچ نہیں بول رہے ہیں۔''

میں بھی اس کے پیچھے باہر آیا۔ ''سامیرا، کیا تمہارے لئے اس بات کی اہمیت ہے کہ میری زندگی میں کوئی اور عورت ہے یا نہیں؟''

''ہاں، بہت زیادہ۔'' اس نے صفائی سے اعتراف کرلیا۔

''کیوں؟''

''اس کا جواب خود سے مانگو۔'' اس نے کہا اور دوڑتی ہوئی جانوروں کے باڑے کی طرف چلی گئی۔

میں حیران ہوا تھا۔ مجھے اپنے بارے میں کبھی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ میں نوجوان تھا مگر مجھے خوبرو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں کھردرے کوہستانی نقوش والا مرد تھا۔ اتنی حسین اور دلکش لڑکی خود میری طرف ملتفت ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اس کے اتنے قریب آنے والا اور اس کے ساتھ اتنے عرصے تک رہنے والا واحد غیر

مرد تھا اور وہ فطری طور پر مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ جب ایک اجنبی لڑکا، لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ مستقل رہیں تو نہ چاہنے کے باوجود ان کے درمیان ایک تعلق بن جاتا ہے۔ شاید وہی تعلق ہمارے درمیان بن چکا تھا۔ میں اسے پسند کرنے لگا تھا اور وہ مجھے اس حد تک پسند کرنے لگی تھی کہ میرے جانے کے خیال سے اس کے دل پر چوٹ لگی تھی۔

یہ لوگ دو وقت کھاتے تھے، صبح سورج نکلتے ہی اور شام کو سورج غروب ہوتے ہی۔ میرے حساب سے یہ سات آٹھ بجے سو جاتے تھے اور سورج نکلنے سے گھنٹا بھر پہلے بیدار ہو کر مختلف کاموں میں لگ جاتے تھے مگر میرے لئے چوبیس گھنٹے میں چار بار کھانا مہیا کیا جاتا تھا کیونکہ میں بدستور دوائی کھا رہا تھا اور اسے کھانے سے مجھے شدید بھوک لگتی تھی۔ ان لوگوں نے ابھی تک گوشت نہیں بنایا تھا۔ سامیرا نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا کہ جب سردیاں ہوتی تھیں اور سبزیاں اور پھل ملنا بند ہو جاتے تھے تو جانور کاٹ کر ان کے گوشت پر گزارہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے وہ گرمیوں میں گوشت صرف اس وقت کھاتے تھے جب کوئی آرگون سے آنے والا ان کے لئے گوشت لے آتا تھا۔ گرمیوں میں وہ عام طور سے گوشت کے بغیر ہی گزارہ کرتے تھے۔

"سردیوں میں برف پڑتی ہے؟"

"بہت زیادہ...... پوری وادی برف سے ڈھک جاتی ہے۔" سامیرا نے بتایا۔ "ان دنوں ہم گھر میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں۔ صرف ضرورت کے لئے باہر نکلتے ہیں۔"

میرا اندازہ تھا کہ جس جگہ ہم تھے وہ سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی کیونکہ یہاں ہوا ہلکی تھی اور موسم بھی گرمیوں کے لحاظ سے خوشگوار تھا۔ یعنی نہ تو گرمی تھی اور نہ سردی، صرف رات کو ہلکی سی خنکی ہو جاتی تھی جس کے لئے چادر لے لینا بھی کافی ہو جاتا تھا۔ اگر یہ وادی شمال میں اور چاروں طرف سے برف پوش پہاڑوں میں نہ گھری ہوتی تو اس کا موسم ویسا ہی ہوتا جیسا کہ جون جولائی میں اسلام آباد کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نومبر سے مارچ تک کے مہینے شدید سردی کے ہونے چاہئے تھے۔ میں شاید دو جولائی کو وادی میں گرا تھا یعنی اب بائیس جولائی کی تاریخ تھی۔ مجھے معلوم تھا، میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اوپر ہمالیہ کے پہاڑوں میں ستمبر سے موسم خراب ہونا شروع ہو جاتا تھا اور پھر ان میں سفر کرنا بے حد دشوار ہو جاتا۔ اچھا موسم اگست کے آخر تک ہی ہوتا تھا۔

میں سامیرا کو پسند کرتا تھا لیکن اس کا جو ردعمل سامنے آیا تھا اس سے مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اورگان میرا محسن تھا جس نے مجھے شدید زخمی حالت میں پا کر میرا وہ علاج کیا تھا جو آج کی جدید ترین طبی سائنس بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ خدمت اس نے بے لوث اور کسی صلے کی تمنا کے بغیر کی تھی پھر اس نے بیٹی کے معاملے میں مجھ پر بھروسا کیا۔ وہ اسے سارا دن ہی میرے ساتھ اکیلا چھوڑ کر غائب رہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سامیرا کے لئے میرے دل میں بھی کبھی کوئی غلط خیال نہیں آیا تھا۔ میں اسے پسند کرتا تھا اس کے حصول کا نہیں سوچا تھا۔ اب اگر اورگان کے سامنے ایسی بات آتی تو اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی۔ وہ اتنا تو سوچ سکتا تھا کہ میں نے سامیرا کو بہکایا ہے۔

اس لئے اس سے پہلے کہ معاملات خرابی کی طرف جائیں، میرا اس حسین وادی سے چلے جانا بہتر تھا۔

میں اورگان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شام کو باہر آیا۔ اس روز اتفاق سے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ وادی میں شاذ و نادر ہی دھوپ نکلتی تھی۔ اس کے باوجود یہاں کا موسم پُرنم نہیں تھا اور نہ ہی پودے اور درخت مرجھائے ہوئے تھے۔ گھرے بادل ہونے کے باوجود وادی میں روشنی ہوتی تھی اور جب دھوپ نکلتی تھی تو اس کی ایک ایک شے جگمگانے لگتی تھی۔ اوپر جو دھند ہوتی تھی اس کا وادی میں نام ونشان نہیں تھا۔ ''اور تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں واپس جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اپنی دنیا میں، مَیں ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اب مجھے یہاں سے چلے جانا چاہئے۔''

''وہ کیوں؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''اورگان، میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے مگر......'' میں نے صاف گوئی اور جرأت سے کام لے کر اسے سامیرا کے بارے میں بتا دیا کہ وہ میرے بارے میں کس طرح سے سوچنے لگی ہے۔ ''میں بھی اسے پسند کرتا ہوں مگر ایسے جیسے ایک حسین پھول پسند کیا جاتا ہے۔''

''تم نے درست سوچا ہے۔'' اورگان نے سر ہلایا۔ ''اس کا اور تمہارا ملن ممکن نہیں ہے۔''

''تب میرا جانا بہتر ہے، ویسے بھی میں خود کو بالکل فٹ محسوس کر رہا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تم جاؤ گے کیسے؟''

''اوپر جانے کا کوئی راستہ تو ہوگا؟''

''اوپر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ دیواریں ناقابلِ تسخیر ہیں۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے، جب انسان اس وادی میں آئے تو کسی نہ کسی راستے سے ہو کر آئے تھے۔ اب وہ راستہ کہاں ہے؟''

''میں نے سینتور کے مہا پجاری سے سنا ہے کہ ایک راستہ تھا جو دیواروں کے اندر اندر سے ہو کر اوپر جاتا تھا مگر بعد میں آنے والے ایک بھیکشو نے اسے تباہ کر دیا۔''

''بھیکشو!'' میں نے سوال کیا۔

''وہ جس میں زمین ہل جاتی ہے۔'' اس نے وضاحت کی 'بھیکشو نے اس راستے کو ختم کر دیا۔ اب اوپر جانے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا ہے۔''

''سنو، میں وادی کے کناروں سے نہیں بلکہ اس کے اندر اترنے والے ایک راستے سے نیچے گرا تھا اور جب میں نیچے گرا تھا تو خاصا نیچے آچکا تھا۔ مجھے اوپر برف پر پائے جانے والے آدمی نما درندے نے نیچے پھینکا تھا۔''

''تم نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا، یہ کیسا ہوتا ہے؟''

''میں نے تفصیل سے اسے برفانی آدمی کا حلیہ بتایا تو وہ چونک گیا۔ 'میں نے دیکھا تو نہیں مگر بعض لوگوں سے سنا ہے اس قسم کا ایک درندہ سردی میں کہیں سے آ کر جانور اٹھا کر لے جاتا ہے۔ میرا خیال تھا یہ وادی کے جنگل میں چھپا کوئی جانور ہوگا۔''

''نہیں یہ اوپر ہی ہوتا ہے۔ وہ دو دن تک ہمارا تعاقب کرتا رہا تھا کیونکہ ہم نے اس کا شکار چھین لیا تھا۔

ہم نے اسے زخمی بھی کیا تھا مگر وہ سخت جان تھا۔ اس وادی تک آ گیا۔'' میں نے اورگان کو بتایا کہ کس طرح برفانی آدمی نے ہمارے کیمپ پر حملہ کر کے ہماری خوراک کا ذخیرہ تباہ کر دیا تھا اور میں چھوٹے بندر جیسے جانوروں کا تعاقب کرتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا جب برفانی آدمی نے مجھ پر حملہ کیا اور سخت زخمی ہونے کے باوجود اس نے مجھے وادی میں اچھال دیا تھا۔ اورگان یہ سن کر متاثر ہوا کہ میں نے اسے زخمی کر دیا تھا۔

''تم بہادر آدمی ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ ہارن تک اس سفید درندے سے ڈرتے ہیں۔''

''وہ بندر نما جانور یہاں وادی میں پائے جاتے ہیں، وہ کسی راستے سے ہی اوپر جاتے ہوں گے۔''

''نہیں، وہ تو دیواروں پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔''

''پھر تم آدمی نما درندے کو بھول رہے ہو، آخر وہ بھی تو کسی راستے سے نیچے آتا ہوگا۔ مجھے یاد ہے اس نے اسی طرح میرا تعاقب کیا تھا۔ جیسے اس راستے سے اچھی طرح واقف ہو، ممکن ہے وہ راستہ ہو جو نیچے آتا ہے۔''

''اگر ایسا ہوتا تو مہاپجاری سوران کو خبر ہوتی۔''

''مہاپجاری انسان ہے، دیوتا نہیں۔ اس کا علم ناقص ہو سکتا ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''ورنہ تم خود سوچو، آدمی سے کئی گنا وزنی ایک درندہ نیچے وادی میں کیسے آتا ہے؟''

''وہ سمت کون سی ہے جہاں سے تم نیچے اترے تھے؟''

میں نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ''جس طرف سے سورج نکلتا ہے، ہم اس طرف سے اترے تھے اور راستہ آہستہ سے گھوم کر شمال کی طرف جا رہا تھا۔''

''یعنی سینتور کے معبد کی طرف!'' اورگان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت لمبا راستہ ہے اس لئے عین ممکن ہے اترتے اترتے سینتور کے معبد کی طرف جا نکلتا ہو اور اس کے پجاری اس راستے سے واقف ہوں۔''

''سوران کا کہنا ہے یہ راستہ وادی میں انسانوں کی آمد کے فوراً بعد تباہ ہو گیا تھا۔''

''ممکن ہے یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہو کہ انسان وادی سے باہر جانے کا نہ سوچیں۔''

''مگر کیوں؟''

''اورگان تم کس وجہ سے آرگون سے نکل کر اس ویرانے میں آئے تھے؟''

''میں چاہتا تھا کہ تمام لوگوں کا یکساں طور پر علاج کروں، اس پر آرگون کے حکمران اور سینتور کے پجاری میرے مخالف ہو گئے تھے اور مجھے آرگون سے نکلنا پڑا تھا۔''

''تو کیا یہ لوگ چاہیں گے کہ عام طبقے کو ان کی غلامی سے نکلنے کے لئے ایک راستہ مل جائے۔ اگر ان کو وادی سے جانے کا راستہ مل جائے تو وہ یہاں سے چلے جا سکتے ہیں، آزادی کسے پسند نہیں ہے؟''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا پھر بولا۔ ''سنو اومر، کیا تم مجھے اپنی دنیا کے بارے میں بتاؤ گے؟''

''کیوں نہیں، مگر اس کے لئے بہت سارا وقت درکار ہے۔''

''میں آج رات تم سے تمہاری دنیا کے بارے میں سنوں گا۔''

اچانک مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے اورگان میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو جائے اور اس کے ساتھ سامیرا بھی ہو، ان کو میں اپنے علاقے لے جا سکتا تھا وہ اگر چہ اس وادی جیسا حسین تو نہیں تھا لیکن اس سے کم بھی نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ دنیا کا نقشہ اس کے سامنے اس طرح کھینچوں گا کہ وہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے چند افراد آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے بروکیڈ جیسی چمک دار عبائیں پہن رکھی تھیں۔ ان میں سے سب سے آگے موجود آدمی نے ایک لٹکا ہوا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ جھنڈے کا رنگ سنہری تھا اور اس کے کناروں پر سرخ جھالر لگی تھی۔

''سینتور کے پجاری!'' میں نے اورگان کو کہتے سنا۔ ''یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

اورگان اپنے گھر کے احاطے کے دروازے پر سینہ تان کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تینوں افراد اس سے ذرا فاصلے پر رک گئے۔ اورگان اور سامیرا کے بعد یہ اوّلین انسان تھے جو میں نے اس وادی میں نزدیک سے دیکھے تھے، ویسے دور سے میں نے کھیتوں میں کام کرتے لوگوں کو دیکھا۔ ان کا رنگ بھی سرخ و سفید اور بال سرخی مائل بھورے تھے۔

''کیا بات ہے، کیوں آئے تم؟'' میں نے اورگان کو کہتے سنا۔ ''آج سے پہلے تم میں سے کوئی اس طرف نہیں آیا۔''

''ہمیں سوران نے بھیجا ہے۔'' جھنڈے والے نے کہا۔ ''تم خوب پہچانتے ہو، یہ اس کا نشان ہے۔''

''ہاں، میں جانتا ہوں۔ پہلے یہ نشان میرے باپ کے پاس تھا پھر سوران کو منتقل ہو گیا۔ ممکن ہے میں بغاوت نہ کرتا تو یہ نشان آج میرے لئے ہوتا۔''

''مگر یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔'' علم والے نے ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں سوران کا نائب آسر ہوں، تم جانتے ہو، اس کے بعد میری حیثیت ہے۔''

''مجھے کسی کی حیثیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اورگان نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ کیوں آئے ہو؟''

''اس شخص کے لئے۔'' آسر نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اسے سوران نے طلب کیا ہے۔''

''کیوں طلب کیا ہے۔''

''سوران سے اس کے کسی حکم پر آرگون کے حکمران بھی جواب طلب نہیں کر سکتے۔'' آسر کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔ ''تم......''

''میں سوران کا بڑا بھائی ہوں۔'' اورگان نے اس کی بات کاٹی۔ ''اس لئے میں اس سے پوچھ سکتا ہوں، یہ شخص میرا مہمان ہے، میں اسے کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔''

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ان سے پوچھو، ان کو میرے بارے میں کیا پتا ہے۔''

''اورگان، تم سوران کی حکم عدولی کا مطلب سمجھتے ہو؟'' آسر کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔

''میں حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں۔'' اورگان کا انداز مفاہمانہ ہو گیا تھا۔ ''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سوران میرے اس مہمان کو کیوں بلا رہا ہے اور اسے اس کے بارے میں کیا معلوم ہے؟''

''یہ تو سوران ہی جانے، میں نے تمہیں اس کا حکم پہنچا دیا ہے۔''

اورگان کچھ دیر چپ رہا اور آسرا سے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اورگان پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن درحقیقت اس سے مرعوب تھا۔ یہ میرے لئے انکشاف تھا کہ اورگان دراصل مہا پجاری سوران کا بڑا بھائی ہے اور اگر وہ بغاوت نہ کرتا تو اپنے باپ کا وارث وہی ہوتا۔ وہ سینتور کا مہا پجاری ہوتا۔ ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس وادی میں مہا پجاری سے زیادہ بااثر اور باعزت شخص اور کوئی نہیں تھا۔

''سنو آسر، میں کوئی جھگڑا نہیں چاہتا ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو آرگون میں میرے حامیوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ میں ابھی اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔''

''یعنی تم سوران کا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو؟''

''نہیں، سوران تک میرا پیغام پہنچا دینا۔ کل میں اسے لے کر خود سینتور کے معبد آؤں گا لیکن سوران سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں اور میرا مہمان معبد کے اندر نہیں آئیں گے۔''

''میں تمہارا پیغام مہا پجاری کو دے دوں گا لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا کیا ردِ عمل ہوگا؟''

''اس کے ردِ عمل کو میں اچھی طرح جانتا ہوں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔'' اورگان نے تلخ لہجے میں کہا۔

آسرا اپنے ساتھیوں سمیت چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اورگان نے میری طرف دیکھا۔ ''سوران اور وادی کے حکمرانوں کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تم باہر سے آئے ہو۔''

''ان کو کس طرح پتا چلا؟''

''سوران سینتور کا مہا پجاری ہے!''

''اورگان، مجھے معاف کرنا۔ میں ایک خدا کا ماننے والا ہوں جو اس ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ چاند سورج اور ستارے سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ میں کسی دیوتا یا اس کے پجاری کی پُراسرار صلاحیتوں کو نہیں مانتا اور شاید تم بھی نہیں مانتے۔''

''پھر ان لوگوں کو کیسے پتا چلا؟''

''میرا خیال ہے سوران کے آدمی اوپر جانے والے راستے کی نہ صرف نگرانی کرتے ہیں بلکہ خود بھی اوپر جاتے ہیں، ان کو میرے ساتھی یا ان کی لاشیں ملی ہیں ورنہ ہمارا سامان تو دیکھ سکتے تھے جو اوپر بکھرا ہوا ہے اس طرح ان کو میرے بارے میں پتا چلا۔ امکان یہی ہے میرے ساتھی زندہ ان کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور ان سے ان کو میرے بارے میں پتا چلا ہے۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میرا مشورہ ہے یہاں کسی اور کے سامنے، سینتور یا اس کے پجاریوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار مت کرنا ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''اگر میں سوران یا آرگون کے حکمرانوں سے یہاں سے جانے کو کہوں تو کیا مجھے اجازت مل جائے گی۔''

''نہیں، کسی صورت نہیں۔ کیونکہ یہ وادی کا قانون ہے۔ کوئی یہاں سے باہر نہیں جا سکتا ہے۔'' اس نے

نفی میں سر ہلایا۔

''شاید اس وجہ سے تم کسی راستے کی موجودگی سے انکار کر رہے تھے۔'' میں نے کہا۔

''تم بہت چالاک آدمی ہو۔'' اس نے شکست خوردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اچھا فرض کرو، اگر تم سے مطالبہ کیا جائے کہ مجھے حوالے کر دو تو تم کر دو گے؟''

''اتنے زیادہ خدشات کے ساتھ مت سوچو۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا اور اندر چلا گیا۔

گھر کے برآمدے میں سامیرا کھڑی تھی۔ باپ کے آتے ہی وہ آ گئی تھی۔ ''آسر کیوں آیا تھا؟''

میں چونکا۔ ''تم اسے جانتی ہو؟''

''اچھی طرح، کئی بار مجھے اکیلے میں ملا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ میں اس کی عورت بن جاؤں۔ یہ بات بابا کے علم میں نہیں ہے۔''

''اچھا، اورگان سمجھ رہا تھا کہ آسر پہلی بار یہاں آیا ہے۔''

''ذلیل شخص ہے۔'' سامیرا نفرت سے بولی۔ ''نہ جانے کیوں سوران نے اسے اپنا نائب بنایا۔''

میں نے کہنے سے گریز کیا کہ صاحب اقتدار شخص اپنے اردگرد ہمیشہ اپنی فطرت کے لوگ جمع کرتا ہے۔ اگر آسر ذلیل شخص ہے تو سوران اس سے بھی زیادہ ذلیل ثابت ہوگا۔ سوران بہرحال اس کا چاچا تھا اور میں یہ بات اس کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے اسے آسر اور اورگان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنائی، وہ فکرمند دکھائی دینے لگی۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا، سوران کو تمہارے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

میں نے اس بارے میں اپنا خیال بیان کیا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''یہی ہوا ہوگا ورنہ میں جانتی ہوں سوران اور اس کے ساتھی ڈھونگ رچاتے ہیں ان کو جادوگری نہیں آتی ہے۔''

''اگر ان کو جادوگری نہیں آتی ہے تو انہوں نے لوگوں کو کیسے بے وقوف بنا رکھا ہے۔''

''سچ کہو تمہاری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہے اور ہمارے ہاں اس کو سیاست کہتے ہیں۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''چالیس کروڑ ہندوستانیوں پر چار لاکھ سے بھی کم انگریز اسی طرح سو سال سے زیادہ حکومت کرتے رہے کہ کسی کو ان کے اقتدار کے خلاف دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔ اگر دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کا کس بل نہ نکلتا تو وہ اتنی آسانی سے یہاں سے جانے پر آمادہ نہ ہوتے۔''

''سیاست کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنا مفاد نکالنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرو۔''

''بابا نے مجھے بتایا ہے، اوپر والوں نے کس طرح نچلے طبقے کو اپنا غلام بنایا ہے۔ انہوں نے اپنی عظمت کا چکر چلایا اور نیچے والوں سے کہا، وہ کمتر ہیں اس لئے محکوم بن کر رہیں۔''

''ایسا ہی ہمارے ہاں بھی ہوتا ہے۔''

''یعنی تمہاری دنیا میں بھی طبقے ہیں؟''

''بے شمار، اگر کبھی تمہیں میری دنیا دیکھنے کا موقع ملا تو تم حیران رہ جاؤ گی۔''

سامیرا بڑے اشتیاق بھرے لہجے میں مجھ سے اس دنیا کے بارے میں سوالات کرنے لگی، میں جس حد تک اسے سمجھا سکتا تھا، اسے بتاتا رہا۔ پھر سورج غروب ہونے کے بعد رات ہونے لگی، ہم اندر آ گئے۔ روشنی کے لئے یہ لوگ جانوروں کی چربی استعمال کرتے تھے بعض اقسام کے نباتاتی تیل ملا کر اورگان نے چربی کی مدد سے ایسے لیمپ بنا لئے تھے جو گھنٹوں جل سکتے تھے۔ یہ نہ تو بو دیتے تھے اور نہ ہی دھواں۔ ان کی تیز روشنی ہر جگہ یکساں طور پر پہنچتی تھی۔ سامیرا نے کھانا بنا لیا تھا جو ہم نے اندھیرا ہوتے ہی کھا لیا تھا۔ یہ لوگ چائے کافی کے نام سے بھی نا آشنا تھے اور نہ ہی ان میں مشروبات کا استعمال تھا۔ یہ صرف دودھ اور پانی پیتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد اورگان نے سامیرا سے کہا کہ وہ چوے بنا کر لائے۔

”چوے..... یہ کیا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ خاص بوٹی ہے۔ اسے پانی میں ڈال کر ابالو تو رنگ اور ذائقہ آ جاتا ہے۔ اس میں شہد ملا کر پیو تو بہت مزہ دیتی ہے۔ مگر ہم اسے صرف خاص موقعوں پر استعمال کرتے ہیں۔ جب کسی وجہ سے جاگنا ہو تو اسے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ویسے بھی نایاب بوٹی ہے۔“

”ایسی ایک شے ہم بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نام بھی چوے سے ملتا جلتا ہے ہم اسے چائے کہتے ہیں۔ مجھے بوٹی دکھاؤ۔“

سامیرا ایک لکڑی کے مرتبان میں رکھی تھوڑی سی چائے کی پتیاں لے آئی، یہ بلاشبہ چائے تھی۔ ”ہمارے ہاں اسے ہی چائے کہتے ہیں۔“

”کتنی حیرت کی بات ہے۔“ اورگان دنگ رہ گیا تھا۔ ”کیا تمہارے ہاں یہ نایاب ہے؟“

”نہیں، ہمارے ہاں تو اتنی عام ہے کہ غریب ترین فرد بھی دن میں کئی بار چائے پیتا ہے۔“

”واقعی، کتنی تعجب خیز بات تھی کہ اس الگ تھلگ وادی میں اسے چائے سے ملتا جلتا نام دیا گیا تھا۔ اورگان نے مزید بتایا کہ اس وادی میں چوے کی بوٹی اتنی نایاب ہے کہ صرف اوپری طبقہ اسے استعمال کرتا ہے اور وہ بھی کبھی کبھی۔ ہم اورگان کی تجربہ گاہ میں آ گئے۔ یہاں بے شمار آلات لگے تھے۔ یہ سب بھی مٹی لکڑی کے تھے۔ ان ہی دو چیزوں سے بنے مرتبانوں میں مختلف چیزیں رکھی تھیں، میں پہلی بار یہاں آیا تھا۔ ایک مٹی کے بڑے سے توے پر سیاہ رنگ کا پتھر رکھا تھا۔ پہلی نظر میں یہ کوئلہ لگ رہا تھا۔ توے کے نیچے انگیٹھی میں انگارے دہک رہے تھے اور کوئلے سے ہلکی سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

”تمہاری اتنی جلدی صحت یابی کا راز یہ پتھر ہے۔“ اورگان نے مجھ سے کہا۔ ”میں اسے جڑی بوٹیوں کے ساتھ ملا کر دوائیں بناتا ہوں۔“

”یہ سچ مچ کا پتھر ہے؟“

”ہاں، مگر جب میں اسے توے پر اس طرح گرم کرتا ہوں تو یہ بہ آسانی سفوف میں بدل جاتا ہے اور اسے میں دواؤں میں شامل کرتا ہوں۔“

”یہ کہاں سے ملتا ہے؟“

”وادی کے ندی نالوں میں پایا جاتا ہے۔ میں اسے وہاں سے لاتا ہوں لیکن اس کی ان خصوصیات کا

میرے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔"

"پھر تم نے مجھے کیوں بتایا؟"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔"مجھے تم پر اعتماد ہے، تم کبھی میرا راز فاش نہیں کرو گے۔"

"اس اعتماد کی وجہ؟"

"سامیرا!" اس نے جواب دیا۔"میں جانتا ہوں میری بیٹی بے انتہا حسین ہے اور وہ کسی کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لئے ممکن نہیں ہے اسے رد کر دے۔ مگر تم نے میرا اعتماد رکھا۔" وہ ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔"آؤ، تم بھی آ جاؤ نوجوان!"

چوکی پر قالیچہ بچھا تھا اور گاؤ تکیے لگے تھے۔ اورگان مجھ سے میری دنیا کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ دیکھا جائے تو میں بھی اس کی طرح ایک دور دراز پہاڑی علاقے کا رہنے والا تھا مگر میرا علاقہ باقی دنیا سے جڑا ہوا تھا اور اس کی وادی باقی دنیا سے کٹی ہوئی تھی اس لئے وہ مکمل طور پر بے خبر تھا۔ میں نے اسے بتانا شروع کیا۔ اس دوران میں سامیرا چوئے لے آئی اور اس نے بھی میری داستان سننے پر اصرار کیا تھا۔ اورگان نے اسے اجازت دے دی اور وہ باپ سے جڑ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کوشش کی کہ اختصار سے کام لوں مگر یہ ممکن نہیں رہا۔ سوال سے جواب اور ان سے مزید سوالات نکلتے رہے۔ رات کا بڑا حصہ اس میں گزر گیا اور جب ہم سونے کے لئے اٹھے تو اورگان اور سامیرا کی آنکھوں میں حیرت تھی، ایسی حیرت جو ایک ناقابلِ یقین قسم کا خواب دیکھ کر جاگنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ اسے اپنی آنکھ کھل جانے کا بھی یقین نہیں آ رہا ہوتا ہے۔

"اومر، اب تم سو جاؤ۔ ہمیں روشنی ہوتے ہی روانہ ہونا ہے۔"



ہم نے روشنی ہوتے ہی سفر کا آغاز کر دیا کیونکہ ہم دوپہر تک ہی سینتور کے معبد تک پہنچ سکتے تھے۔ سامیرا نے لکڑی کے تنکوں سے بنی ٹوکری میں ہمارے لئے کھانا دیا تھا۔ میں نے اورگان سے پوچھا۔"اگر سوران نے مجھے روک لیا تو؟"

"ایسا ہوگا نہیں۔ وہ مجھ سے الجھنے سے گریز کرے گا۔ اسے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اورگان کے لہجے میں اعتماد تھا مگر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی پُر اعتماد ہے۔ میں سوران سے ملا نہیں تھا مگر اس کے نائب آسر کا انداز دیکھ کر مجھے بخوبی اس کی شخصیت کا پتا چل گیا تھا۔ میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اورگان نے چلتے ہوئے تیر کمان اور دو عدد لاٹھیاں لی تھیں جن کے سروں پر فولاد کی بنی انیاں تھیں اور ان انیوں پر کانٹے لگے تھے۔ اس نے ایک لاٹھی مجھے دے دی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش میرے پاس پستول ہوتا مگر وہ تو برفانی آدمی سے لڑائی کے دوران اوپر ہی گر گیا تھا۔ اورگان نے مجھے بتایا۔"راستے میں خطرناک جانوروں سے سامنا ہو سکتا ہے۔"

میں نے لاٹھی لی، یہ مضبوط لکڑی تھی۔ اور کسی بھی جانور کے خلاف مؤثر ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی مگر اس وادی میں نہ جانے کس قسم کے جانور تھے۔ میں اب تک برفانی آدمی کو دیکھ چکا تھا، اس پر آتشیں اسلحہ بھی بے اثر تھا۔ ایک گھوڑے نما آدمی ہارن بھی یہاں پایا جاتا تھا اور انسانوں کا سخت دشمن تھا۔ اورگان کے پاس کمان اور تیر

بھی تھے۔ ہم قلعے کے قریب سے گزرتے ہوئے شمال کی طرف جا رہے تھے۔ کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے والے لوگ قلعے سے باہر آ رہے تھے، ان کے ساتھ مسلح سپاہی تھے جو غالباً درندوں اور خاص طور سے ہارن سے کسانوں کی حفاظت کے لئے آئے تھے۔ لوگوں نے ہمیں دیکھا تھا لیکن نہ تو کسی نے ہمارا راستہ روکا اور نہ ہی کسی نے ہمارے پاس آنے کی کوشش کی، جب ہم قلعے کے پاس سے گزر کر اس کے عقب میں واقع جنگل تک آئے تب میں نے دیکھا، وادی کا اصل حصہ تو اس جگہ سے شروع ہو رہا تھا، دور تک بلکہ شمالی دیواروں تک پھیلا گھنا جنگل تھا۔ قلعے کے عقب میں کسی قدر شمال مشرق کی طرف ایک اونچے مقام پر سینتور کا معبد تھا جو جنگل سے ابھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس تک جانے کے لئے بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں چیڑ اور دیودار جیسے دیو قامت درخت تھے، ان کے علاوہ چھوٹے قد کے جھاڑی نما درخت تھے۔

''ہم سارے گرما ان کی لکڑی جمع کرتے ہیں۔'' اورگان نے جھاڑی نما درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''سردیوں میں انہیں جلا کر اپنے گھر گرم کرتے ہیں۔''

''اور یہ بڑے درخت؟''

''ان کو ہم صرف گھر اور گھر کا سامان بنانے کے لئے کاٹتے ہیں۔ جتنے درخت کاٹے جاتے ہیں اس سے زیادہ تعداد میں لگائے جاتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ وادی کا کوئی حصہ خالی نہ رہے۔''

''اس وجہ سے تمہاری وادی بچی ہوئی ہے۔''

''یہی درخت ہمیں اوپر کے سخت موسموں سے بچاتے ہیں۔ بارش اور زرخیزی بھی ان کی وجہ سے ہوتی ہے۔''

''حیرت ہے یہی بات ہماری دنیا کے سائنس دان کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے زمین کی زرخیزی اور بارشیں درختوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔''

''یہ بات ہمارے بزرگوں نے بھی جان لی تھی اس لئے ہماری کوشش ہوتی ہے وادی کا کوئی حصہ ان درختوں سے خالی نہ رہے۔''

ان لوگوں کی یہ کوشش کامیاب بھی تھی کیونکہ سوائے قلعے اور اس کے آس پاس کی زرعی زمین کے علاوہ وادی کا شاید ہی کوئی حصہ تھا جو درختوں سے خالی تھا۔ اورگان کو معلوم تھا کہ سینتور کے معبد تک کون سے راستے جاتے ہیں۔ اس نے لاٹھی ہاتھ میں لے لی اور مجھ سے ہوشیار رہنے کو کہا۔ ''یہاں خطرہ کسی طرف سے بھی آ سکتا ہے۔ جنگل میں کئی خطرناک جانور ہیں۔''

''یہاں شیر، چیتے پائے جاتے ہیں؟''

''شیر...... چیتے...... یہ کیا ہوتے ہیں۔''

میں نے وضاحت کی کہ شیر اور چیتے کس قسم کے جانور ہوتے ہیں، اس نے سن کر نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں ایسے جانور نہیں ہوتے ہیں، یہاں پر گونزا اور اسمار ہوتے ہیں۔''

اس نے گونزا اور اسمار کی جو تشریح کی اس کے مطابق گونزا گوریلا جیسا جانور تھا جبکہ اسمار شاید بڑی نسل کے جانور تھے۔ ان کے علاوہ ہارن تھے مگر وہ مغرب جنگل میں رہا کرتے تھے اور وہاں سے شاذ ہی باہر آتے تھے۔ ہم

جس راستے سے جا رہے تھے، یہ پگڈنڈی سے بڑا نہیں تھا اور مجھے حیرت تھی کہ کیا سینتور کے معبد کی طرف سے آنا جانا نہیں ہوتا تھا ورنہ راستے تو بنے ہوتے۔

"سینتور کے معبد میں کتنے لوگ رہتے ہیں۔"

"وہاں بہت سارے لوگ ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو کیا ان کا قلعے سے رابطہ نہیں ہے۔"

"رابطہ ہوتا ہے۔"

"تب راستہ کیوں نہیں ہے؟"

"راستہ ہے۔ ایک سرنگ معبد سے قلعے تک جاتی ہے۔ اس کے ذریعے لوگ اور پجاری بے خوف معبد تک آتے جاتے ہیں لیکن ظاہر ہے ہمیں اس راستے سے گزرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی لکڑیاں توڑ رہا ہو۔ اورگان رک گیا۔ اس نے لاٹھی سامنے کی اور سرگوشی کی۔ "ہوشیار، پاس ہی کوئی گنز ہے۔"

"یہ آواز کیسی ہے؟" میں نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔

"جب وہ حرکت کرتا ہے تو ایسی ہی آوازیں آتی ہیں۔" اس نے کہا۔

اسی لمحے کچھ فاصلے پر ایک بھورے رنگ کا جانور جھاڑیوں سے نکلا۔ اس کا قد تو بڑے گوریلے جیسا تھا مگر رنگ سرخی مائل تھا، گول سر جو بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ چٹخنے جیسی آواز نکالتے ہوئے اتنی مشکل سے حرکت کر رہا تھا جیسے اس کے لئے حرکت کرنا عذاب ہو۔

"یہ تو سست جانور ہے۔"

"شش، اس کی حرکت سے دھوکے میں مت آنا، اس نے ہمیں دیکھ لیا تو بجلی کی طرح لپکے گا۔"

جب تک وہ اپنی ہڈیاں چٹخاتا اس علاقے سے گزرتا رہا، ہم اپنی جگہ دبکے رہے تھے۔ اس کے جانے کے بعد ہم دوبارہ سفر کرنے لگے تھے۔ راستے میں اور بھی جانور نظر آ رہے تھے۔ پرندے اور بے شمار اقسام کے رینگنے والے جانور تھے۔ ان میں سے اکثر میں نے پہلی بار دیکھے تھے۔ ایک مکڑی جو جسم میں فٹ بال کے برابر تھی اور اس کی دس ٹانگیں تھیں اس نے میرے سامنے بے حد پھرتی سے ایک چھوٹی چڑیا کو شکار کر لیا اور اسے لے کر درخت پر چڑھ گئی۔ "اس سے بچنا، یہ جسے کاٹ لے وہ بچتا نہیں ہے۔"

"یہ زہریلی ہوتی ہے۔" میں نے پوچھا مگر وہ لفظ زہر نہیں سمجھ سکا تھا۔

"اس سے بچو۔" اس نے پھر خبردار کیا۔

جنگل میں بعض کھلے حصے بھی آتے تھے جہاں سے گزرتے ہوئے آسمان ...... بلکہ وادی پر چھائے بادل دکھائی دیتے تھے ورنہ اکثر مقامات پر جنگل اتنا گھنا تھا کہ اس سے اوپر کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنے سکون اور اطمینان سے جا رہا تھا جیسے اسے راستہ ازبر ہو کیونکہ اب اہرام نما معبد بھی دکھائی نہیں رہا تھا۔ "تم آخری بار کب یہاں آئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"بیس برس پہلے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور تم کو راستہ یاد ہے؟"

اس نے رک کر مجھے دیکھا۔ "اس میں بھولنے والی کون سی بات ہے۔ سینتورکا معبد پوری وادی سے دکھائی دیتا ہے۔ جب ہم کسی کھلی جگہ ہوتے ہیں تو میں اس کی جھلک دیکھ لیتا ہوں۔"

ہمیں چلتے ہوئے کوئی تین گھنٹے ہونے کو آئے اور ابھی تک معبد نہیں آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا ہم نے کوئی بارہ تیرہ میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ "ابھی اور کتنا چلنا ہوگا؟"

"اتنا ہی اور۔" اورگان نے بتایا۔ "اگر تم تھک گئے ہو تو ہم رک جاتے ہیں۔"

لیکن مجھے تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اگر میں کہیں اور اتنا چلتا تو میں لازماً تھکن محسوس کرتا۔ میرے علاقے میں تین چار میل چلنا عام سی بات تھی اس لئے بھی میں چلنے کا عادی تھا اس کے باوجود تھکن نہ ہونا تعجب خیز تھا۔ شاید اس وادی کی آب و ہوا اور غذاؤں کا اثر تھا یا ان دواؤں کا جو میں استعمال کر رہا تھا۔ میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ "نہیں، تھکن بالکل نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے دواؤں نے تمہیں مضبوط بنا دیا ہے۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے بتایا۔ "ورنہ عام حالات میں اتنا چل کر میں لازمی تھک جاتا۔"

میں نے جلد گونر کے بعد اسمار کو بھی دیکھ لیا۔ یہ بھیڑیے سے دوگنی قامت کا جانور تھا اور تین جانوروں نے مل کر ایک گونر مارا تھا اور اب اسے کھا رہے تھے اس لئے ہم آرام سے ان کے پاس سے گزر گئے۔ دور نکل جانے کے بعد اورگان نے بتایا۔ "ان کی تعداد کم ہے مگر بے حد خونخوار جانور ہے۔ تین چار مل کر ایک ہارن کو بھی گرا لیتے ہیں، ان کی وجہ سے ہارن سینتور کے معبد کی طرف آنے سے گریز کرتے ہیں۔"

"یہ جانور معبد پر حملہ نہیں کر سکتے؟"

"نہیں...... کیونکہ معبد کے گرد ایک مضبوط اور اونچی چار دیواری ہے جسے اسمار عبور نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہارن اسے توڑ سکتے ہیں۔"

اب جا بجا چرندے دکھائی دے رہے تھے، ان کے گروہ جنگل میں چرتے چگتے پھر رہے تھے۔ ان میں سے کئی ہرنوں، نیل گائے اور بارہ سنگھے جیسے تھے۔ ایک جانور خاصا الگ تھا یہ کوئی دس بارہ فٹ اونچا تھا۔ شاید یہ یہاں کا زرافہ تھا۔ بادل بدستور موجود تھے مگر روشنی سے اندازہ ہوتا تھا کہ سورج سر پر آ گیا ہے۔ اس وقت مجھے پہلی بار قریب سے سینتور کے اہرام نما معبد کی پہلی جھلک دکھائی دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اب اہرام نما معبد ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ "ہم پہنچنے والے ہیں۔"

"کیا ہم چار دیواری کے باہر ملیں گے؟"

"نہیں، ہم چار دیواری کے اندر...... معبد کی سیڑھیوں پر سردار سے ملاقات کریں گے۔" اس نے جواب دیا۔ اہرام نما معبد اب نمایاں ہونے لگا تھا۔ درختوں سے نکلے تو سرسبز میدان کے پار ایک کم سے کم تیس فٹ اونچی پتھروں سے بنی چار دیواری دکھائی دی۔ اس کے اندر اہرام تھا۔ میں اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔ میں نے مصر کے اہراموں کی تصویریں دیکھی تھیں، مجھے صحیح معنوں میں ان کی عظمت کا اندازہ تھا مگر سینتور کا یہ معبد

بلاشبہ ایک عالی شان عمارت تھی جو چاروں طرف سے یکساں طور پر بلند ہورہی تھی اور میرے اندازے کے مطابق یہ اہرام کم سے کم پانچ سوفٹ اونچا تھا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ مصر میں پایا جانے والا سب سے اونچا اہرام جوفونو کے اہرام کے نام سے مشہور ہے وہ بھی ساڑھے چار سوفٹ بلند ہے۔ یعنی یہ اس سے بھی پچاس فٹ اونچا تھا۔ اس پر سنہری رنگ کیا گیا تھا اور اس کی بلندی پر ایک گول گرز نما کلس لگا تھا جو اپنی چمک دمک سے دھاتی لگ رہا تھا، ممکن ہے سونے کا ہو۔ ہم میدان پار کر کے چاردیواری کے بڑے سے دروازے کی طرف بڑھے۔ سامنے سے یہ دیوار کم سے کم نصف میل لمبی تھی اور امکان تھا کہ اس چوکور قلعے کی باقی تین دیواریں بھی اتنی ہی لمبی ہوں گی۔ یہ بھی اچھا خاصا قلعہ تھا۔ دروازے کے دائیں بائیں اور دیوار کے کونوں پر برجیاں بنی تھیں، ان پر موجود افراد نے ہمیں دیکھ لیا تھا کیونکہ قرنے پھونکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"ان کو پتا چل گیا ہے، اب سوران کو بتایا جارہا ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"اس میں ایک خاص آواز ہے جو صرف مہاپجاری کو کسی کی آمد سے باخبر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔"

ہم دروازے کے سامنے پہنچے اور اس کے کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر کوئی نصف گھنٹا گزرنے کے بعد بھی دروازہ نہیں کھلا تو اورگان نے بلند آواز سے کہا۔ "مجھے اور میرے مہمان کو یہاں بلایا گیا تھا۔ اگر ہم سے نہیں ملنا تو ہم واپس چلے جاتے ہیں۔"

ان الفاظ کا فوری ردِعمل ہوا اور گیٹ میں ذیلی دروازہ کھل گیا تھا اور اس سے آسر باہر آیا۔ اس نے مکارانہ انداز میں کہا۔ "محترم اورگان، معذرت چاہتا ہوں، ذرا دیر ہوگئی ہے۔"

"کیا میں اس دروازے سے اندر جاؤں گا۔" اورگان نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں ہے، پجاری خاندان کے لوگوں کے لئے ہمیشہ بڑا دروازہ کھولا جاتا ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں، مگر یہ سوران کا حکم ہے، تم اس دروازے سے اندر آؤ گے۔"

"اس صورت میں بہتر ہے سوران خود یہاں آئے۔" اورگان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "ورنہ میں اپنے مہمان کے ساتھ واپس چلا جاتا ہوں۔"

"کیا واقعی تم جاسکو گے؟" آسر کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا ہوگیا تھا۔

اس دوران میں، مَیں نے محسوس کیا کہ ہمارے عقب میں کوئی حرکت ہورہی ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو پندرہ کے قریب مسلح افراد ہمیں پیچھے سے گھیر چکے تھے اور ان کے عزائم ان کی صورتوں پر لکھے تھے۔ میں نے اورگان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "اپنے عقب میں دیکھو دوست!"

اس نے مڑ کر دیکھا اور غصے سے بولا۔ "یہ سوران اچھا نہیں کررہا ہے۔"

"کیا خیال ہے، اب اندر چلیں؟" آسر نے چھوٹے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "اورگان! ان سے مت الجھو، اندر چلو۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

وہ کچھ دیر ساکت کھڑا رہا پھر اس نے دروازے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ آسر اور دوسرے لوگ ہمارے پیچھے آرہے تھے۔ ہم گیٹ سے اندر آئے تو سامنے معبد کی سیڑھیوں تک ایک کشادہ

پتھریلا راستہ جارہا تھا۔ معبد کے چاروں طرف بے حد حسین اور سرسبز باغ تھے۔ یہاں انوکھی قسم کے حسین اور دلکش رنگوں والے پھول کھلے ہوئے تھے جن کی خوشبو سے پوری فضا مہک رہی تھی۔ ہم اس کشادہ راستے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ اہرام نما معبد کے سامنے والے حصے میں کوئی درجن بھر سیڑھیاں تھیں۔ ان کے بعد ایک وسیع چبوترا تھا اور پھر اہرام کی اصل عمارت تھی۔ یہ عمارت مکمل مربع تھی یعنی اس کا ہر ضلع پانچ سو فٹ کا تھا۔ یعنی کم وبیش ڈھائی لاکھ مربع فٹ پر پھیلی تھی اور اس کے اندر کی گنجائش دس لاکھ مکعب فٹ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بے حد شاندار تعمیر تھی۔ اسے پتھروں سے بنایا گیا تھا کیونکہ اہرام کا بے پناہ بوجھ عام بلاک یا مٹی کے بنے بلاک برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ مصری اہراموں کی تعمیر کے لئے بھی دنیا کے سخت ترین پتھر استعمال کئے گئے تھے۔

ہم سیڑھیوں کے نیچے رک گئے۔ میرا خیال تھا کہ سوران ہمیں مزید انتظار کرائے گا۔ شاید وہ اپنے بھائی کی بے عزتی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ مگر وہ دو منٹ بعد ہی اوپر نمودار ہوا، میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کیونکہ اس کی صورت حیرت انگیز طور پر اورگان سے مشابہ تھی۔ مگر اورگان کے نرم تاثرات کے مقابلے میں اس کے چہرے پر خشونت بھرے تاثرات تھے اور وہ کڑی نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو گھور رہا تھا۔ اورگان چپ رہا تو اس نے کہا۔ "اورگان! تم نے اپنی بغاوت کو جاری رکھا ہے۔"

"میں نے کوئی بغاوت نہیں کی ہے۔"

"تم نے عام طبقے کے انسانوں کے علاج پر اصرار کیا۔ کیا یہ بغاوت نہیں تھی؟"

"میرے نزدیک بیمار صرف بیمار ہوتا ہے۔ اس کا ادنیٰ اور اعلیٰ طبقے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔"

"پھر تم نے اسے اپنے پاس رکھا، حالانکہ یہ باہر سے آیا ہے۔"

"یہ مجھے زخمی ملا تھا اس لئے میں نے اس کا بھی علاج کیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔"

"تم بعد میں جان گئے تھے؟"

"ہاں، بعد میں اس نے خود بتایا تھا کہ یہ باہر آیا ہے۔"

"اور تم نے آرگون کے حکمرانوں کو اس کی اطلاع نہیں دی؟"

"میں ان کو کیوں اطلاع دیتا اور یہ بھی جان بوجھ کر نہیں آیا تھا۔ حادثاتی طور پر اوپر سے گر گیا تھا۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔ یہ اور اس کے دو ساتھی وادی میں اترنے کے لئے آئے تھے۔"

"اگر آئے تھے تب بھی اس سے ہمیں کیا نقصان ہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو، یہاں کا رواج ہے، کوئی باہر سے نہیں آسکتا ہے اور اگر آجائے تو جا نہیں سکتا۔ یہ باہر سے آئے ہیں۔" اس نے انگلی سے میری طرف اشارہ کیا۔

"محترم سوران! کیا تم مجھے بات کرنے کی اجازت دو گے؟"

سوران میرے منہ سے اپنی زبان سن کر حیران ہوا تھا، اس نے غضب ناک انداز میں اورگان کی طرف دیکھا۔ "تم نے اسے ہماری زبان بھی سکھا دی؟"

"ہاں، اس میں کیا برائی ہے؟" اورگان بے پروائی سے بولا۔

"مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔" میں نے پھر کہا۔

"ہاں، تم مجھ سے بات کر سکتے ہو۔" سوران نے مجھے اجازت دی۔

"کیا میرے ساتھی تم لوگوں کو ملے ہیں۔"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں، وہ دونوں ہمارے پاس ہیں۔"

"ان میں جو لمبا اور سرخ بالوں والا ہے وہ ہی اس کام کا ذمے دار ہے۔ تمہیں یاد ہوگا، پچھلے گرما میں یہاں پر ایک اڑنے والی چیز دیکھی گئی تھی۔"

"ہاں، بے شمار لوگوں نے اسے دیکھا تھا۔"

"اسے ہم طیارہ کہتے ہیں اور یہ طیارہ یہی شخص اڑا رہا تھا اور اس کا نام ولیم شا ہے۔ ہم حادثاتی طور پر وادی میں آئے تھے۔ ولیم شاہ نے وادی دیکھ لینے کے بعد اس کے سفر کا منصوبہ بنایا اور وہی ہمیں لے کر آیا ہے۔"

"تم لوگوں کے آنے کا مقصد؟"

"یہ بھی ولیم شا ہی جانتا ہے۔"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔ اس کا کہنا ہے تم ہی اسے اور اس کے ساتھی کو لے کر آئے ہو۔"

"وہ غلط کہتا ہے۔" میں نے کہا مگر سوران کے تیور بتا رہے تھے کہ اسے میری بات پر قطعی اعتبار نہیں آیا ہے۔"

"اسے پکڑ لو۔" سوران نے سپاہیوں کو حکم دیا اور وہ افراد نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

"سوران یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ اُدھر میرا امتحان ہے۔"

"یہ وادی میں تباہی لانے والا مجرم ہے اور اس کا فیصلہ میں کروں گا، جب تک یہ معبد میں قید رہے گا۔"

سپاہی مجھے سوران کے اشارے پر کھینچ کر اندر لے جانے لگے۔ عقب میں اورگان کے تیز لہجے میں بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے دائیں طرف لے جایا گیا جہاں ایک پلیٹ فارم نما راستہ اہرام کے نیچے جا رہا تھا۔ اندر تاریکی اور خنکی تھی۔ انہوں نے مجھے ایک زینہ اور نیچے اتارا۔ جہاں اتنی تاریکی تھی کہ وہاں مشعلیں جل رہی تھیں۔ مجھے ایک کوٹھری میں دھکیل دیا گیا۔ جس کے سامنے والے حصے میں لکڑی کا مضبوط دروازہ تھا۔ اس جگہ ایسی بے شمار کوٹھریاں تھیں۔ ان میں ظاہر ہے قیدی رکھے جاتے تھے۔

یہ مشکل سے دس بائی سات فٹ کی کوٹھری تھی اس کے فرش پر گھاس بچھی تھی اور وہاں ایسی بو آ رہی تھی جیسی کہ عموماً بیت الخلا سے آتی ہے۔ یہ سوچ کر مجھے ہول آنے لگا کہ مجھے اس جگہ قید کر دیا ہے جہاں قیدیوں کو حاجت کے لئے بھی باہر جانے کی اجازت نہیں تھی اور ان کو اندر ہی فارغ ہونا پڑتا تھا۔ اندر تقریباً تاریکی تھی اور میں یہ سوچ کر گھاس پر بیٹھنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اس میں نہ جانے کس جگہ کون سی گندگی ہو۔ مجھے خیال آیا ولیم اور المین بھی اسی جگہ قید ہوں گے۔

"ولیم...... المین۔" میں نے دروازے کے خلا سے منہ لگا کر آواز دی۔ جب کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے مزید بلند آواز سے پکارا۔ تیسری بار پکارنے پر ایک مقامی شخص نے درشت لہجے میں ڈانٹا۔

"چپ رہو۔"

"مجھے یہاں سے نکالو۔" میں نے شور کیا تو پہرے دار سامنے آیا۔ اس نے کوڑا دروازے پر مارا۔

"چپ کر کے بیٹھو ورنہ تمہارا کھانا اور پانی بند کر دیا جائے گا۔"

"تم بے شک مجھے کھانا پانی مت دو مگر اس کوٹھری سے نکالو..... ورنہ میں بدبو سے مر جاؤں گا۔"

"اتنی جلدی نہیں مرو گے۔" وہ ہنسا۔

"سنو، میں مہا پجاری کا قیدی ہوں۔ میرے ساتھ اس سلوک پر تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔"

یہ بات اس کے دل کو لگی تھی۔ وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور پہرے دار کے ساتھ آیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور مجھے نکال کر ایک اور کوٹھری میں منتقل کر دیا جہاں صاف ستھری گھاس بچھی تھی۔ وہاں بو نہیں تھی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ جب وہ دروازہ بند کر کے جانے لگا تو میں نے اسے روک لیا۔ "میرے دو ساتھی اور کہاں گئے ہیں۔ کیا وہ بھی یہاں ہیں؟"

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے انکار کیا اور چلا گیا۔

میں گھاس پر دراز ہو گیا۔ صورتِ حال میرے لئے خطرناک ہو گئی تھی۔ بقول سوران کے اس وادی میں آنے والے افراد کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ تو ان کا کیا کیا جا سکتا تھا؟ آسان کام یہ تھا کہ ہم تینوں کو اس جرم میں سزائے موت دے دی جاتی اور مشکل کام یہ ہوتا کہ ہمیں تاعمر قید رکھا جاتا۔ مگر یہ بلاوجہ قیدی بنا لینے والی بات ہوتی۔ امکان یہی تھا کہ ہمارا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اور نگار کو اس کی خبر بھی نہیں ہو گی۔ اس کے ہمدرد ہوں گے مگر وہ اتنے طاقتور نہیں ہو سکتے تھے کہ پجاریوں اور آرگون کے حکمرانوں سے ٹکرا سکتے۔ اگر وہ اتنے ہی طاقتور ہوتے تو اور نگار اتنی کسمپرسی کی حالت میں ویرانے میں نہ رہ رہا ہوتا۔ بے شک اس نے زندہ رہنے کیلئے تمام سہولتیں حاصل کر لی تھیں مگر ایک متمدن معاشرے اور اپنے تمام رشتوں سے کٹ کر جینا آسان نہیں ہوتا جبکہ اس کے ساتھ جوان اور حسین بیٹی بھی تھی۔ باپ دنیا کے کسی بھی معاشرے کا ہو اسے بہرحال اپنی بیٹی کی عزت اور آبرو عزیز ہوتی ہے۔ اچانک دروازے پر کھٹکا ہوا تو میں چونکا۔ دروازہ کھلا اور مجھے سوران کے نائب آسر کی صورت دکھائی دی۔ اس نے مجھے باہر آنے کو کہا۔ "باہر آؤ، جلدی کرو۔"

میں باہر آیا۔ "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" مجھے فطری طور پر آسر جیسے شخص کے ساتھ جاتے ہوئے تشویش ہو رہی تھی۔

"فکر مت کرو۔" اس نے میری تشویش دور کر دی تھی۔ "ابھی تمہارے بارے میں فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ تمہیں مہا پجاری نے طلب کیا ہے۔" اس کا لہجہ نخوت بھرا تھا اور میں نے دیکھا قید خانے کے پہرے دار اس کے سامنے جھک رہے تھے۔ اس کی حیثیت یہاں نمبر دو کی تھی۔ آسر مجھے لے کر پہلے معبد سے باہر آیا اور اس نے ایک حجرہ نما تالار پر رک کر ساتھ چلنے والے دونوں محافظوں کو دور جانے کا حکم دیا اور وہ ہم سے اتنا دور چلے گئے کہ ہماری باتیں نہ سن سکیں۔

"سنو ادہر! تم بچ سکتے ہو اور یہاں سے باہر بھی جا سکتے ہو۔ یہ آسر کا وعدہ ہے۔" اس نے فوراً کہا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ اگر تم نے کر دیا تو جلد تم آزاد ہو گے۔"

"وہ کام کیا ہے؟"

"تم سامیرا کو مجھ سے شادی پر راضی کرو گے۔"

میں دنگ رہ گیا تھا۔"میں بھلا اسے تم سے شادی کرنے پر کیسے راضی کر سکتا ہوں؟"

"میں جانتا ہوں تم نے بہت سارا وقت اکیلے میں گزارہ ہے اور وہ تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔ اگر تم اس سے کہو گے تو وہ مان جائے گی۔"

"اور وہ نہ مانی، تب میرے ساتھ کیا ہوگا؟"

"تب تمہیں زندہ حالت میں اسمار کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔ اگر تم نے اسے نہیں دیکھا تو میں ابھی تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ معبد کے پالتو اسمار کتنے وحشی ہوتے ہیں۔" اس نے صاف گوئی سے بتا دیا۔

میرے جسم میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی کیونکہ میں بھیڑیے سے دو گنے بڑے اس جانور کو دیکھ چکا تھا۔ میں نے کہا۔"چلو، میں اسے راضی کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر میں یہاں بیٹھے بیٹھے تو اسے راضی نہیں کر سکتا، اس کے لئے مجھے سامیرا سے ملنا ہوگا۔"

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ مگر یاد رکھنا آسر کو دھوکا دینے کا مت سوچنا۔" اس نے مجھے خبردار کیا۔

"اور گان کہاں ہے؟"

آسر شیطانی انداز میں مسکرایا۔"وہ فریاد لے کر آرگون کے حکمرانوں کے پاس گیا ہے مگر اس کی کوئی نہیں سنے گا۔ کوئی بھی مہا پجاری کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔"

"تم بھی نہیں؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

اس نے چونک کر مجھے گھورا۔"آسر دنیا کا واحد فرد ہے جو مہا پجاری کا فیصلہ تبدیل کروا سکتا ہے۔"

"اگلے مہا پجاری بھی تم ہو گے؟"

"ظاہر ہے۔" اس کا سینہ پھول گیا تھا۔ اس نے پھر محافظوں کو آواز دی اور ہم معبد کے اگلے حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں اہرام نما معبد کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے بنے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔" میں نے معبد کی طرف اشارہ کر کے آسر سے پوچھا۔

اتنے دنوں میں مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں میں سالوں کا حساب صرف اتنا تھا کہ اتنے گرما گزرے ہیں اور اتنے سرما۔ ان کی گنتی پانچ، دس، بیس، پچاس اور سو تک محدود تھی۔ جس کے لئے یہ مختلف الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ظاہر ہے جو لوگ سارے علوم کی ماں یعنی ریاضی کی بنیاد سے ہی ناواقف تھے تو دیگر علوم کے بارے میں ان کی استعداد کا سوچا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود حیرت کی بات تھی کہ انہوں نے اہرام جیسی پیچیدہ عمارت تخلیق کر لی تھی، جس کے بارے میں آج کے ماہرین تعمیرات بھی پوری طرح نہیں جان سکے ہیں۔ ان کا اتنا کہنا ہے کہ اہرام بنانے کے لئے ریاضی اور تعمیر سازی دونوں کی اعلیٰ ترین مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

"اسے بنے ہوئے سو گرما، بیس بار گزر چکے ہیں۔" آسر نے بتایا یعنی عمارت بنے ہوئے دو ہزار سال ہو چکے تھے۔ اس نے مزید بتایا۔"اسے اس جگہ آنے والی دسویں نسل نے تعمیر کرنا شروع کیا تھا اور بیسویں نسل نے اسے مکمل کیا تھا۔"

اگر ایک نسل کی اوسط عمر بیس سال لگا لی جائے تو اس اہرام نما معبد کی تعمیر پورے دو سو سال جاری رہی

تھی۔ بلاشبہ یہ اتنی بڑی تعمیر تھی کہ اسے مکمل ہونے میں دو سو سال لگ سکتے تھے، آسر کے جواب سے یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ انسان اس وادی میں اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے آیا تھا جب ہندوستان کی سرزمین آریاؤں کے زیر تسلط آئی تھی اور انہوں نے مقامی باشندوں کو جنوب اور مشرق کی طرف دھکیل دیا تھا۔ کیا یہ مقامی باشندے تھے جو آریاؤں سے بچنے کے لئے اس دور دراز وادی میں آن بسے تھے۔

مگران کے رنگ و روپ مقامی دراوڑ قبائل سے بالکل مختلف تھے جو آج بھی پورے برصغیر میں اچھوتوں کی صورت میں رہ رہے ہیں۔ ان کے نقوش کسی حد تک یونانیوں سے ملتے تھے بلکہ یونانی نقوش میں جو کسی قدر سختی تھی، وہ بھی ان میں نہیں تھی۔ یہ یونانیوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ یونانی ہزاروں سال سے ہر خوبصورت عورت میں زہرہ دیوی کو تلاش کرتے آئے تھے اگر وہ سامیرا کو دیکھ لیتے تو زہرہ دیوی کو بھول جاتے۔ اس معبد میں اب تک مجھے کوئی عورت دکھائی نہیں دی تھی مگر جتنے بھی مرد تھے، وہ سب حسین نقوش اور سڈول جسموں والے تھے۔ یہ کسی طرح بھی بھارت کے قدیم باشندوں سے نہیں ملتے تھے۔

آسر مجھے سامنے کے رخ سے معبد کے اندر لایا۔ ایک عظیم الشان ہال کے بعد ایک بڑی سی گیلری آئی جس کے دونوں طرف اونچے دروازے تھے۔ اس گیلری کے آخری سرے پر واقع دروازے پر آسر نے دستک دی۔ اس نے مخصوص انداز میں دروازہ بجایا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والی ایک کمسن مگر بے حد حسین لڑکی تھی، جس نے مہین سالبادہ پہن رکھا تھا اور اس سے اس کے نازک بدن کے تمام خدوخال جھلک رہے تھے۔ ہمارے اندر آتے ہی دروازہ عقب میں بند ہو گیا۔ سامنے کچھ نہیں تھا سوائے لہراتے حریری پردوں کے۔ آسر نے سرگوشی میں لڑکی سے کچھ پوچھا اور اس کا جواب بھی سرگوشی میں تھا۔ میں سن نہیں سکا تھا۔ آسر پردوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ ہمارے ساتھ آنے والے دونوں محافظ باہر ہی رہ گئے تھے۔ آسر کے جانے کے بعد کمسن لڑکی نے مجھے جس طرح مسکرا کر دیکھا اندر کا موسم خنک ہونے کے باوجود مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ میں بیس دن سے سامیرا کے ساتھ تھا اور میں نے اس میں سوائے معصومانہ پاکیزگی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی ناز و ادا بھی نہیں دکھائے تھے، اس کے مقابلے میں بمشکل پندرہ سال کی لڑکی کسی پختہ کار عورت سے کم نہیں تھی۔ میں نے اس پر سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ غالباً میرے قریب آنا چاہ رہی تھی مگر پردے کے دوسری طرف سے کسی کو آتے دیکھ کر جلدی سے دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ وہ دربان تھی۔ جب دربان ایسی تھی تو دوسری ملازماؤں کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ پردے کے عقب سے ایک گنجے سر والا نوعمر لڑکا برآمد ہوا تھا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔

میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ پردے ہٹاتا ہوا وہ مجھے ایک درمیانے سائز کے کمرے میں لایا جس کے وسط میں ایک لکڑی کا بنا منقش تخت رکھا تھا اور اس پر بچھی کسی جانور کی کھال پر سوران آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا۔ خلاف توقع وہاں عشرت کدہ نہیں تھا اور اس سے زیادہ خلاف توقع وہاں ولیم اور ایلین موجود تھے۔ سوران کے عقب میں آسر کھڑا تھا۔ دیواروں کے ساتھ جلنے والی شمعوں کی روشنی میں کمرا پُراسرار انداز میں روشن تھا اور اس کی وجہ ایک طرف رکھے آتش دان سے اٹھتے دھوئیں کے بادل تھے جو کمرے کی فضا کو دھندلا کر رہے تھے۔ اس سے ایسی خوشبو اٹھ رہی تھی جو حواسوں پر طاری ہوتی ہے۔ ولیم شا اور ایلین پُرسکون اور مطمئن ایک طرف کھڑے تھے، ایسا

لگ رہا تھا کہ انہوں نے سوران سے کوئی معاملہ طے کر لیا تھا اور اب وہ مجرم نہیں بلکہ مہمان تھے۔ سوران مجھے کچھ دیر گھورتا رہا، اس کے خشونت بھرے چہرے کے تیور خراب تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر چکا ہو۔ ولیم اور ایلین نے اسے میرے بارے میں نہ جانے کیا بتایا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مجھے لانے والا خادم پردوں کے عقب میں غائب ہو گیا تھا۔ اچانک سوران نے گونجتی آواز میں کہا۔

''ادمر، تم اعتراف کرتے ہو، تم غلط نیت سے اس مقدس وادی میں داخل ہوئے؟''

''مہا پجاری! میں نہ تو کسی غلط نیت سے آیا ہوں اور نہ ہی از خود آیا ہوں۔'' میں نے جرأت سے کہا۔ ''اس وادی کے کنارے تک مجھے یہ دونوں لے کر آئے تھے۔'' میں نے ولیم اور ایلین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور وادی میں مجھے برف کے آدمی نے پھینکا تھا۔ میں بہت بلندی سے گرا تھا اور شدید زخمی حالت میں اورگان کو ملا تھا اور اس کی تصدیق اورگان کر سکتا ہے۔''

''یعنی تم اس الزام سے انکار کرتے ہو؟''

''بالکل، کیونکہ حقیقت میں اس وادی کی طرف آنے والے اصل افراد یہی دونوں ہیں۔ اس مہم کا سربراہ ولیم شا ہے اور میں محض اس کا ایک شریک ہوں۔''

''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے مہا پجاری!'' ولیم بولا۔ ''اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ وادی میں پایا گیا ہے اور ہم دونوں کو تمہارے سپاہیوں نے اوپر سے پکڑا تھا۔ ہم نہ تو خود اس طرف آئے اور نہ ہی اس وادی میں اترے۔ اس لئے مجرم ہم نہیں بلکہ یہ ہے۔''

''مہا پجاری اورگان سے معلوم کر سکتے ہیں۔'' میرا لہجہ کمزور ہو گیا تھا۔

''اورگان باغی ہے اور اس کی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔'' سوران نے میری بات مسترد کر دی۔

''تب میرے پاس اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔''

''وادی میں داخل ہونے والے مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے اور اگر تم اپنی بے گناہی ثابت نہ کر سکے تو تمہیں بھی یہی سزا دی جائے گی۔''

اچانک آسر نے جھک کر سوران کے کان میں کچھ کہا۔ اس نے سر ہلایا۔ اس کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھ گیا تھا۔ جیسے اسے آسر کی بات پسند نہ آئی ہو مگر وہ سننے پر مجبور تھا۔ جواب میں اس نے اتنے آہستہ سے کچھ کہا کہ صرف آسر سن سکا تھا۔ ہم دور ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکے تھے۔ کچھ دیر ان دونوں میں سرگوشیاں چلتی رہیں پھر سوران نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''ادمر، تمہیں کل تک کی مہلت دی جاتی ہے۔''

''کس بات کی؟'' میں نے دریافت کیا۔

سوران نے میرے سوال کو نظر انداز کیا اور آسر کو حکم دیا۔ ''اسے لے جاؤ۔ اسے کل پیش کرنا۔''

آسر نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ قید خانے کے دونوں پہرے دار کمرے سے باہر ہمارے منتظر تھے۔ میں نے آسر سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اشارے سے روک دیا۔ باہر اب اندھیرا ہو رہا تھا۔ وہ مجھے باغ کے اس گوشے میں لایا جہاں اس نے مجھ سے کچھ دیر پہلے بات کی تھی۔ اس بار بھی اس نے پہرے داروں کو دور جانے کا حکم دیا۔

''آسر، یہ کیا چکر ہے؟ ان دونوں نے ساری ذمے داری مجھ پر ڈال دی ہے۔ جبکہ یہی مجھے لے کر آئے تھے اور مہا پجاری بھی ان کی بات مان رہا ہے۔''

''تم فکر مت کرو۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے مہا پجاری نے ایسا کیا ہے۔ تم پر نہ تو الزام لگے گا اور نہ ہی سزا دی جائے گی مگر اس کے بدلے تمہیں جو کہا جائے وہ تمہیں کرنا ہوگا۔''

''یعنی سامیرا کو تم سے شادی پر راضی کرنا۔''

''یہ تو ایک کام ہے اور اصل کام تمہیں مہا پجاری بتائے گا۔''

''سوران کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟'' میں چونکا۔ ''اور وہ ولیم اور ایلین کو خوش رکھنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟''

''مہا پجاری کی وہ خود جانے۔ تمہیں ایک مشورہ ہے اس کا نام مت لیا کرو۔ وہ اس وادی کی سب سے مقدس ہستی ہے۔ یہاں کوئی اس کا نام نہیں لے سکتا۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔ ''مجھے خیال آ رہا تھا کہ مہا پجاری مجھے سزا دینا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ ایسے بہانے تلاش کر رہا ہے۔''

''تم تیار رہنا۔ میں آج رات کسی وقت آؤں گا، تمہیں مہا پجاری کے سامنے لے جانے کے لئے۔''

''آج رات۔'' میں چونکا۔ ''اس نے تو مجھے کل تک کی مہلت دی ہے۔''

''وہ بھی ان دونوں کو دکھانے کے لئے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ولیم شا نے مہا پجاری کو کسی طرح قابو کر لیا تھا جو اسے ان دونوں کی اتنی فکر تھی۔ اس سے ایک بات اور ظاہر تھی کہ ولیم شا اور ایلین بہر صورت مجھے مروانا چاہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ اس وادی سے مجھے زندہ واپس جانا نصیب نہ ہو اور اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وادی کی دریافت میں مجھے بھی حصہ ملے، یہ گوروں والی مخصوص ذہنیت تھی جو ہر شے پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مجھے شروع سے خیال تھا کہ اس مہم میں کامیابی ہوئی تو میرا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ مگر مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ میری جان لینے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔

''یاد رکھنا، آج رات۔'' آسر نے مجھے کوٹھری میں بند کرنے سے پہلے سرگوشی میں کہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد مجھے کھانا دیا گیا۔ یہ دودھ میں پکی مکئی اور ایک قسم کا سوپ تھا۔ سوپ میں گوشت کے ریشے تیر رہے تھے۔ اس لئے میں نے اسے کھانے سے گریز کیا اور صرف مکئی کا دلیا لیا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی مگر اب اس میں پہلے جیسی شدت نہیں رہی تھی کیونکہ میں نے آخری بار دو دن قبل مینگنی نما گولیاں لی تھیں اور شدت کی بھوک ان کی وجہ سے لگتی تھی۔ حالات میرے لئے اچانک ہی خراب ہو گئے تھے۔ غالباً اورگان کے ذہن میں بھی نہیں آیا تھا کہ میں نے وادی میں داخل ہو کر ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے ورنہ مجھے چھپا کر رکھتا۔ نہ جانے سوران میرے سپرد کون سا کام کرنا چاہتا تھا جس کے بدلے مجھے معافی اور اس وادی کے قید خانے سے رہائی نصیب ہوتی۔ یہ مجھے آنے والا وقت ہی بتاتا اس لئے میں تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا۔

☆======☆======☆

وقت گزرتا رہا۔ میں آنے والے وقت سے زیادہ گزرے وقت کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ مجھے اپنے پیارے یاد آرہے تھے۔ اپنے دوست احباب، اپنا گھر اور اپنے ذاتی جانور۔ میرا ایک گھوڑا تھا، ایک کتا اور ایک پالتو بندر تھا، یہ میں نے خاص طور سے کلکتہ سے خریدا تھا۔ افریقی نسل کا چمپنزی تھا (بعد میں جب میرا ایک بندر مر جاتا تھا تو میں ایک اور بندر اس نسل کا منگوا لیتا تھا۔ شہباز ملک کو ملنے والا بندر جونی میرے پاس تیسرا بندر تھا اور یہ سب سے ذہین بندر تھا جو میں نے پالا تھا) میں اس وادی میں قید پڑا تھا اور خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ میں یہاں سے نکل بھی سکتا تھا یا نہیں۔ اگر میں یہاں مر جاتا تو کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں آیا اور میں نے اٹھ کر اندازے سے قبلہ رخ ہو کر دو رکعت نماز پڑی اور خدا سے دعا کی کہ اگر میری زندگی ہے تو مجھے یہاں سے نکالے اور مجھے میرے پیاروں سے ملوا دے۔ میں سسک سسک کر کسی کی قید میں نہیں جی سکتا تھا۔ نماز پڑھ کر اور دعا مانگ کر مجھے سکون ملا تھا۔ ابھی میں نے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا کہ دروازہ کھلا اور آسر نظر آیا۔ وہ غالباً کچھ دیر پہلے آیا تھا اور دروازے کے اوپر موجود چھوٹے سے خلا سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کوٹھری میں ایک دیا بھی جل رہا تھا، یہ ذرا بہتر قسم کا قید خانہ تھا۔ آسر اندر آیا، اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''یہ تم کیا کر رہے تھے؟''

''میں عبادت کر رہا تھا۔''

''کس کی عبادت؟''

''خدا کی۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کا ایک ہی خالق اور مالک ہے، اسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ زندگی، موت اور تقدیر کا مالک وہی ہے۔''

''تم نے اس سے کیا کہا؟'' آسر کسی قدر مرعوب ہو کر بولا۔

''میں نے اس سے اپنی بہتری مانگی ہے یعنی جس چیز میں میرے لئے بہتری ہو، وہ کام ہو۔'' میں نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

''جو تمہارا خدا چاہتا ہے وہ ہوگا یا جو سینتور چاہتا ہے؟''

''میں نہیں جانتا کہ سینتور کون ہے مگر ہمارا خدا ان دیکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی کوئی صورت نہیں ہے، یہ ساری کائنات اس کی عظیم ہستی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس کے لئے کچھ ناممکن نہیں ہے، وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور، وہ ہو جاتا ہے۔''

''ہمارے دیوتا کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اور ہمارے لئے وہی سب سے عظیم ہے۔''

''ممکن ہے جسے ہم خدا یا اللہ کہتے ہیں، اسے تم سینتور کہتے ہو۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''چلو، تمہیں مہا پجاری نے طلب کیا ہے۔''

میں اس کے ساتھ قید خانے سے باہر آیا، کھلی فضا میں آکر اندازہ ہوا کہ رات بھیگ رہی تھی۔ قید خانے سے معبد کے سامنے والے حصے تک جانے کے لئے باہر آنا پڑتا تھا۔ ممکن ہے کوئی خفیہ راستہ ہو جو قیدیوں اور عام لوگوں سے چھپایا جاتا ہو۔ اس بار سوران ایک اور کمرے میں تھا اور یہ کمرا شاہانہ انداز کے ساز و سامان سے آراستہ تھا، وہاں ایک حسین عورت ساقی گری پر مامور تھی۔ جس نے نہ ہونے کے برابر پیراہن پہن رکھا تھا۔

سوران مے نوشی کر رہا تھا۔ اس نے مجھے نظر انداز کر کے اپنا شغل جاری رکھا۔ آسر حسبِ معمول اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔ خاصی دیر بعد سوران میری طرف متوجہ ہوا۔ "تم نے سوچ لیا؟"

اس کا سوال غیر واضح تھا اس لئے میں نے جواب بھی غیر واضح دیا۔ "ہاں، سوچ لیا۔"

"کیا سوچ لیا؟"

"یہی کہ جو تم چاہو گے اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا، مہا پجاری۔"

اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور اچانک کھڑا ہو گیا۔ اس نے باقی جام اپنے حلق میں انڈیلا اور اسے بے پروائی سے عورت کی طرف اچھال دیا۔ جام اس کے شانے پر لگا اور اس نے منہ کھول کر ایک بے بس سی آواز نکالی۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ اس کی زبان سامنے سے تراشی ہوئی تھی، اس کا ایک انچ کا ٹکڑا غائب تھا، وہ بول نہیں سکتی تھی۔ سوران نے بھی دیکھ لیا تھا، اس نے مجھ سے کہا۔ "ہاں، یہ بول نہیں سکتی، صرف سن سکتی ہے۔ ایک بار اس نے یہاں ہونے والی گفتگو کہیں اور بتا دی تھی، تب میں نے اس کی زبان ترشوا دی تھی۔ اب یہ کسی سے یہاں ہونے والی باتیں بیان نہیں کر سکتی۔"

میں نے بمشکل خود کو روکا ورنہ میں کہنے جا رہا تھا کہ یہ ظلم ہے۔ میں چپ رہا۔ سوران ٹہلتے ٹہلتے میرے پاس رکا۔ "میں اپنے باپ کا چھوٹا بیٹا ہوں۔ اورگان مجھ سے بڑا ہے۔ اس نے باپ سے مہا پجاری بننے کی تربیت اور اس کا سارا ورثہ حاصل کیا تھا مگر اس نے ہمارے نظام سے بغاوت کی تھی اس لئے اسے آرگون سے نکال دیا گیا اور مجھے اس کی جگہ مہا پجاری بنا دیا گیا لیکن میرا منصب ابھی ادھورا ہے۔" وہ بولتے بولتے چپ کر گیا۔

"میں سن رہا ہوں مہا پجاری۔" میں نے خاصی دیر بعد اسے یاد دلایا۔

"مہا پجاری کے پاس بعض خاص علوم ہونا لازمی ہیں۔ بدقسمتی سے میں اس کی تربیت نہیں لے سکا ہوں۔ ان علوم کی تربیت اورگان نے باپ سے حاصل کی تھی اور یہ علوم اس کے پاس ہیں۔"

"تو کیا تمہارے باپ نے تمہیں یہ علوم نہیں سکھائے؟"

"نہیں، وہ ایسا کرنے سے پہلے مر گیا تھا۔"

"فرض کر لو کہ اورگان بھی مر جائے تو یہ علوم تم کس سے سیکھو گے، مہا پجاری۔"

"اس صورت میں مجھے برف والے کے پاس جانا ہوگا۔ وہ اوپر برف میں رہتا ہے۔ برف کھاتا ہے اور برف پر ہی سوتا ہے۔ اس کے پاس مہا پجاری سے بھی زیادہ علوم ہوتے ہیں۔ وہ عام لوگوں سے زیادہ عمر جیتا ہے اور جب مرنے والا ہوتا ہے تو وادی میں آ کر ایک نوجوان منتخب کر کے لے جاتا ہے اور اسے اپنے سارے علوم سکھا کر خود مر جاتا ہے۔"

"تو تم اورگان کے بجائے اس سے یہ علوم سیکھ لو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے جب تک اورگان زندہ ہے، وہ مجھے یہ علوم نہیں سکھائے گا۔"

"میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم اورگان کو راضی کر لو، وہ مجھے یہ علوم سکھا دے۔"

"کیا تم نے کبھی اورگان سے یہ بات کی؟"

"کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا۔"

"جب اس نے تمہیں انکار کر دیا تو میری بات کیوں ماننے لگا؟"

"ماننے لگے گا تم اس سے منوا سکتے ہو۔"

"کس طرح مہا پجاری! سامیرا اس پر کسی طرح بھی زور نہیں ہے۔"

"جب تم اس کی بیٹی کے محبوب ہو تم اس سے سب منوا سکتے ہو۔"

اس کے الفاظ میرے ساتھ آسر پر بجلی بن کر گرے تھے۔ میں نے بے ساختہ کہا۔ "تم جانتے ہو مہا پجاری!"

"ہاں، میں سیقور کا مہا پجاری ہوں۔" اس نے غرور سے کہا۔ "یہاں ہونے والا سب کچھ میری نگاہ میں ہے۔"

میں نے سوچا کہوں تب تمہیں ان خفیہ علوم کو بھی جان لینا چاہیے تھا جو اورگان کے سینے میں محفوظ ہیں۔

"میرا خیال ہے تم کچھ زیادہ ہی توقع لگا رہے ہو۔ بے شک سامیرا مجھے پسند کرتی ہے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ میری خاطر اپنے باپ کو کسی کام پر مجبور کر دے۔"

"تم نہیں جانتے، وہ لڑکی تمہیں اتنا چاہتی ہے کہ تم جان مانگو تو وہ جان دے دے گی۔" مہا پجاری نے بے حد یقین سے کہا تھا۔ اس کے الفاظ سن کر میرے اندر ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی تھی۔ کیا واقعی سامیرا مجھ سے اتنی محبت کرنے لگی تھی۔ مگر نہیں سوران اس کی چاہت اس لئے بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا کہ میں اس کا کام کر دوں۔ وہ سامیرا کا چچا تھا مگر پوری بے غیرتی سے یقین دلا رہا تھا کہ اس کی بھتیجی مجھ سے محبت کرتی ہے اور مجھے اس کے جذبات کا استعمال کرنا چاہیے۔ اس نے پھر کہا۔ "اس کے یہ جذبات ابھی خفتہ ہیں۔ تمہیں ان کو جگا کر اس مقام تک لانا ہوگا کہ وہ تمہاری ہر بات مان جائے اور وہ اپنے باپ کو مجبور کرے۔ وہ دنیا کی واحد ہستی ہے جو اورگان کو کسی کام کے لئے مجبور کر سکتی ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے اپنے لبوں پر زبان پھیری۔

"کوشش نہیں، تمہیں یہ کام کرنا ہے چاہے تمہیں اس کے لئے کسی حد سے بھی گزرنا پڑے۔" سوران کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔ "میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

میں اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے سامیرا سے جسمانی تعلقات قائم کرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے نفرت جاگ گئی تھی لیکن میں نے اسے چہرے پر آنے نہیں دیا تھا۔ سوران جیسے لوگوں کے لئے عزت اور حمیت جیسے الفاظ بے معنی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ صرف اپنا مفاد عزیز رکھتے ہیں۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مہا پجاری! میں ایک انسان ہوں۔ ایک انسان کامیاب ہوتا ہے تو ناکام بھی ہو جاتا ہے اگر میں ناکام رہا تو......؟"

"تب تم زندہ بھی نہیں رہو گے۔ تمہیں وادی میں داخل ہونے کے جرم میں موت کی سزا دی جائے گی۔"

اس نے جواب دیا۔ "اگر تمہیں زندگی پیاری ہے تو وہ کام کرنا ہوگا۔"

''میں راضی ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''ممکن ہے اس کام میں وقت لگے۔''

''تمہارے پاس صرف بیس دنوں کی مہلت ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اس کے بعد آرگون کے سپاہی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے۔ تم جانتے ہو اس وادی میں چھپنے یا فرار ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مہا پجاری میں تمہارا کام کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ مگر میرے دل میں ایک بات کھٹک رہی ہے۔ اگر تم اسے دور کر سکو؟''

''کہو۔'' اس نے عورت سے اپنے لئے ایک اور جام طلب کر کے کہا۔

''ولیم شا اور ایلین نے تم سے ایسی کیا بات کی ہے جس کے لئے تم ان کی خوشنودی کا اتنا خیال رکھ رہے ہو؟''

سوران مسکرایا۔ ''یہ میں تم کو نہیں بتا سکتا لیکن ولیم بہت عظیم آدمی ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''سینتورکا مہا پجاری ایک غیر آدمی کو عظیم قرار دے رہا ہے؟''

''ہاں، اس کے پاس جادوئی صلاحیت ہے۔ وہ ناممکن کام کر کے دکھاتا ہے۔''

''جہاں تک میرے علم میں ہے اس کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔''

''تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''کل صبح تمہیں واپس اورگان کے پاس بھیج دیا جائے گا اور تم نے بیس دن کے اندر یہ کام کرنا ہے۔''

''کیا میں ولیم اور ایلین سے مل سکتا ہوں؟''

''اس کی مرضی ہوگی تو مل سکتے ہو؟'' اس نے کہا۔

میں حیران تھا، ولیم شا اس حد تک اس پر حاوی ہو گیا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے آسر کو اشارہ کیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

آسر مجھے لے کر سوران کے عشرت کدے سے نکلا اور باہر جانے کے بجائے ایک اور راستے پر مڑ گیا۔ مصری اہراموں کے برعکس اس اہرام کو اندر سے مکمل طور پر رہائش اور دوسرے کاموں کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ اندر کشادہ ہال، راہداریاں اور کمرے تھے۔ ولیم شا اور ایلین اس حصے میں مقیم تھے۔ آسر مجھے ایک اندرونی حصے میں لایا اور ایک دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایلین کی نشے میں ڈوبی آواز آئی۔ ''کون ہے؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا۔

''عمر دراز!'' میں نے جواب دیا۔ اس پر آسر نے مجھے گھورا مگر کچھ کہا نہیں۔ ایلین نے دروازہ کھولا۔ وہ محض ایک انڈرویئر میں میرے سامنے کھڑا تھا۔ عقب میں ایک دبیز بستر پر لیٹی عریاں لڑکی یہاں سے بھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''تم!'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں۔ مجھے قید خانے بھجوا کر تم دونوں عیاشی کر رہے ہو؟''

آسر نے جلدی سے کہا۔ ''مہا پجاری نے اسے ولیم شا سے ملنے کے لئے بھیجا ہے۔ اگر اس کی مرضی ہے تو اس سے مل لے۔''

''مشکل ہے۔'' ایلن معنی خیز انداز میں ہنسا اور لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے اس جیسی دو بلائیں چمٹی ہوئی ہیں، پھر بھی میں دیکھتا ہوں۔'' وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

''تم ولیم سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے جو ابھی مہا پجاری کے کمرے میں ہوئی ہے۔'' آسر نے سرگوشی کی۔

''میں نہیں کروں گا۔'' میں نے جواب دیا، اسی لمحے دروازہ کھلا اور ولیم شامقامی طرز کے لبادے نما لباس میں باہر آیا۔ وہ بھی نشے میں تھا مگر اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔

''کیا بات ہے اس وقت کیوں پریشان کیا ہے؟''

''مسٹر ولیم! میں پوچھنا چاہتا ہوں، تم نے میرے بارے میں ان سے کیا کہا ہے؟'' میں نے بلاتمہید پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے انجان بننے کی اداکاری کی۔ ''کیوں، کوئی بات ہے کیا؟''

''میں جیل میں ہوں اور تم یہاں اِندر سبھا سجائے بیٹھے ہو۔ تم میں کون سے لعل جڑے ہیں اور میں نے کون سا قصور کیا ہے؟''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''تم اس وادی میں خود آئے......''

''مجھے برفانی آدمی نے پھینکا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہمیں سوران کے آدمیوں نے اوپر پایا تھا اور یہی ہمیں زبردستی نیچے لائے تھے۔''

''یہ کتنے دن پرانی بات ہے؟''

''سولہ دن ہو چکے ہیں۔''

''یعنی تم لوگ بھوکے پیاسے چار دن بھٹکتے رہے۔''

''اگر یہ لوگ نہ آتے تو ہم مارے ہی جاتے۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''میرے بارے میں تمہارا کیا خیال تھا؟''

''ہم سمجھ رہے تھے کہ تم نے چٹانوں والے راستے سے نیچے اترنے کی کوشش کی اور کسی حادثے کا شکار ہو گئے۔''

''حادثے کا شکار آدمی فائرنگ نہیں کرتا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''میں برفانی آدمی سے لڑ رہا تھا۔ اس نے زخمی ہونے کے باوجود مجھے نیچے اچھال دیا تھا۔ کیا تم لوگوں نے اسے نہیں دیکھا؟''

''نہیں، ہم ٹارچیں لے کر چٹانوں کے درمیان آئے تو تم غائب تھے۔ برفانی آدمی نہیں دکھائی دیا تھا۔ شاید وہ بھی نیچے گر گیا تھا۔''

مجھے نیچے گرتے ہوئے وہ منظر یاد آیا جب برفانی آدمی اس راستے پر ڈگمگا رہا تھا جس کے نیچے ہزاروں فٹ کی گہرائی تھی۔ مگر مجھے اور اورگان کو نیچے کے علاقے کو چھاننے کے باوجود برفانی آدمی کی لاش نہیں ملی تھی۔ میرا خیال تھا وہ بچ گیا ہے مگر ولیم شا بتا رہا تھا کہ برفانی آدمی اوپر نہیں آیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''پھر تمہیں لانے

والے کس راستے سے نیچے لائے تھے؟''

''وہ شاید کوئی سرنگ تھی۔''

میں چونکا۔''سرنگ کے راستے سے؟''

اس نے سر ہلایا۔''مگر سرنگ میں لانے کے بعد ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئی تھیں۔ ہم کوئی پندرہ گھنٹے سفر کرتے رہے تھے، تب نیچے آئے تھے۔''

''تم نے سوران کو بتایا کہ تم جادو جانتے ہو؟''

وہ مکارانہ انداز میں مسکرایا۔''جادو جانتا ہی نہیں ہوں کرتا بھی ہوں۔ میں نے جادو کر کے دکھایا تھا، اسی وجہ سے یہاں ہوں۔''

''اور میں قید خانے میں کیوں ہوں؟''

''یہ سوران کا اپنا معاملہ ہے، میں اس میں دخل نہیں دے سکتا، اچھا گڈ نائٹ!'' اس نے کہا اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں نے اسے دل میں صلواتیں سنائیں۔ آسر نے مجھے چلنے کو کہا۔ وہ مجھے باہر لایا۔ مجھے معلوم تھا وہ مجھ سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔ وہ تیسری بار مجھے اس سبز کنج میں لایا۔

''تم نے سوران کا حکم سن لیا؟''

''ہاں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمہارے لئے کام کس طرح کروں؟''

''پہلے تم مہا پجاری کا کام کرو گے اور اس کے بعد میرا کام ...... لیکن خیال رہے تم ایک حد سے زیادہ سامیرا کے قریب نہیں جاؤ گے۔'' اس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا تھا۔

اگرچہ سامیرا میرے لئے محترم تھی مگر اس کے منہ سے اس کے بارے میں سن کر میرا خون کھول اٹھا تھا۔ میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔''اگر میں نے کوئی حد عبور کر بھی لی تو تمہیں کیسے پتا چلے گا۔''

اس نے جھنجلا کر مجھے دیکھا۔''میں نے کہہ دیا نا۔''

''ٹھیک ہے، میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے اسے بھی تسلی دی اور اس کے ساتھ اپنی کوٹھری میں آ گیا۔ سونے کے لئے فرش پر ایک موٹا کھیس پڑا تھا۔ یہ شاید بھیڑ کے اون سے بنایا گیا تھا۔ اوڑھنے کے لئے کچھ نہیں تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ یہ عمارت اندر سے گرم ہو رہی تھی۔ صبح پہرے دار نے مجھے ناشتے اور دوسری ضروریات کے لئے بیدار کیا۔ ان سے فارغ ہوا تھا کہ آسر آ گیا، اس نے کہا۔''تم تیار ہو۔''

''مجھے کیا کرنا ہے؟'' میں نے جواب دیا۔

اس نے مجھے باہر نکلوایا، اس بار وہ اپنے ساتھ دو مسلح محافظ لایا تھا۔ مجھے اس جیل سے رہا کر دیا گیا تھا اس لئے اب جیل کے محافظ میرے ساتھ نہیں تھے۔ آسر مجھے لے کر پہلے اہرام نما معبد کے عقبی حصے میں واقع ایک پتھریلی چار دیواری میں لایا۔ وہاں بدبو رچی ہوئی تھی اور جانوروں کے غرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چند لمحے بعد ہم ایک پنجرے کے سامنے تھے۔ اس میں ایک قد آور اسار تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بھیانک انداز میں غرانے لگا تھا۔''اسے دیکھو، مہا پجاری کے معتوب اس کے سامنے پھینک دیئے جاتے ہیں۔''

''کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟''

''میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اگر تم نے مہا پجاری کا کام نہ کیا تو بیس دن بعد تم اس پنجرے میں ہو گے۔''
اس نے آرام سے بتایا۔ میرے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔

''میں نے کہا نا...... میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ اگر میں کہوں کہ میں خوف زدہ نہیں ہوا تھا تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اس درندے کے سامنے آدمی خوف زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جبکہ مجھے اس کے سامنے ڈالنے کی دھمکی دی جا رہی تھی۔ اسے دکھانے کا مقصد یہی تھا کہ میں سزائے موت کو محض دھمکی نہ سمجھوں، اس کے بعد آسر مجھے دوبارہ اہرام کے اندر لایا۔ یہ ایک اور راستہ تھا اور اسے غالباً گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ یہاں سامان آ جا رہا تھا۔ پھر ہم ایک سرنگ نما راستے پر آئے۔ یہ اتنا کشادہ اور اونچا تھا کہ اس سے ایک بڑے سائز کا ٹرک بھی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ اس راستے سے ہاتھ سے کھینچنے والی ٹرالیاں لائی اور لے جائی جا رہی تھیں۔ ہم ایک ایسی گاڑی پر سوار ہوئے جسے دو بیل کھینچ رہے تھے اور ہمارے سفر کا آغاز ہوا۔ میرا اندازہ تھا ہمیں کم سے کم بائیس میل کا سفر سرنگ میں کرنا تھا۔ اتنی طویل اور بڑی سرنگ یقیناً سالوں کی محنت کے بعد تیار کی گئی تھی مگر اس کی وجہ سے یہ لوگ معبد اور شہر کے درمیان آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ نہ جانوروں کا خطرہ تھا، نہ راستہ خرابی کی پروا اور نہ ہی موسم کی فکر۔

سرنگ میں کوئی سو گز کے بعد اوپر کی طرف کھلنے والے راستے تھے، جن سے تازہ ہوا اور روشنی اندر آئی تھی۔ ان راستوں پر باقاعدہ محافظ تھے۔ سرنگ کی صفائی کرنے والا عملہ تھا جو غیر ضروری اشیا اور جانوروں کے فضلے کو ٹھکانے لگانے پر مامور تھا۔ آنے اور جانے کے لئے الگ الگ لائن تھی۔ بیل گاڑیوں کے لئے الگ لائن تھی اور ہاتھ سے گاڑیاں کھینچنے والوں کے لئے الگ لائن تھی۔ یہی وجہ تھی سرنگ میں ٹریفک بے حد سکون سے جاری تھی۔ بیل تیز رفتار تھے اس لئے جو فاصلہ ہم نے جنگل سے ہوتے ہوئے پانچ گھنٹے میں طے کیا تھا وہ اس بیل گاڑی میں صرف تین گھنٹے میں ختم ہو گیا۔ سرنگ کا دوسرا دہانہ ایک وسیع احاطے میں نکلا جہاں بے شمار افراد کام کر رہے تھے اور یہ جگہ شہر کی ذخیرہ گاہ لگ رہی تھی جس میں خوراک اور ضروریات کا دوسرا سامان ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ یہاں ہم بیل گاڑی سے اتر آئے اور احاطے سے نکل کر ہم سڑک پر آئے۔

میں نے اس شہر کو فضا سے دیکھا تھا، دوسری بار اس کی گلیوں میں پہنچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ خوبصورت اور صاف ستھرا شہر تھا جسے پلاننگ سے آباد کیا گیا تھا۔ سیدھی اور پختہ گلیاں۔ پختہ پتھروں سے بنے ایک اور دو منزلہ مکانات تھے۔ یہ عام علاقہ تھا۔ حکمرانوں اور امراء کے لئے الگ سے علاقے تھے جو ظاہر ہے کہ بہت عالی شان قسم کے محلات پر مشتمل تھے۔ شہر میں بھی جا بجا درخت اور پھول پودے لگے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا، سبزے اور پھولوں سے ان لوگوں کو خاص محبت تھی۔ راستے میں نظر آنے والے افراد نے عبا نما لباس پہن رکھا تھا۔ اکثر لوگ بہت اچھی صحت کے مالک تھے۔ سرخی مائل سفید رنگ اور سرخی مائل بھورے بال۔ چند ایک افراد تھے جن کے بالوں کا رنگ سیاہ تھا۔ جاذب نظر نقوش اور عورتوں میں بیشتر حسن کے معیار پر پوری اتر رہی تھیں۔

مگر میں نے محسوس کیا سب لوگ خاموشی سے کسی نہ کسی کام میں مگن تھے۔ مجھے راستے میں کہیں کوئی نہ تو

کھڑا نظر آیا اور نہ ہی دو افراد آپس میں باتیں کرتے دکھائی دیئے۔ ہر فرد آ جا رہا تھا یا کسی کام میں مگن تھا۔ لوگوں کے چہرے بے تاثر تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں تاثرات سے عاری روبوٹ نما لوگوں کے شہر میں آ گیا تھا۔ راستے اور گلیاں بے حد صاف ستھرے تھے۔ جیسے ان کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ میں نے ایک بات اور محسوس کی وہاں بچے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے آسر سے پوچھا۔ ''بچے کہاں ہیں؟''

''ہم بلاوجہ اپنے بچوں کو گھر سے نہیں نکلنے دیتے۔''

''کھیلنے کے لئے بھی نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کھیل...... وہ کیا ہوتا ہے؟'' آسر نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کھیل کی وضاحت کیسے کروں۔ ''پھر تمہارے بچے کیا کرتے ہیں؟''

''وہ کام سیکھتے ہیں ہمارے ہاں پیشے جدی پشتی ہوتے ہیں۔ جو بچے مضبوط جسم کے ہوتے ہیں ان کو دس سال کی عمر سے سپاہی کی تربیت کے لئے ان کے ماں باپ سے لے لیا جاتا ہے۔''

''ان بچوں کو الگ رکھا جاتا ہے؟''

''وہاں۔'' آسر نے قلعے کی فصیل کے پاس ایک سفید چاردیواری کی طرف اشارہ کیا۔ ''تربیت مکمل ہونے تک وہ وہیں رہتے ہیں۔ سولہ سال کی عمر میں وہ سپاہی دستے میں شامل ہو جاتے ہیں۔''

اس علاقے میں ان کا کوئی دشمن نہیں تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کوئی دشمن قوم نہیں تھی۔ پھر بھی شہریوں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اور ان کو جنگل کے درندوں سے بچانے کے لئے سپاہ ضروری تھی۔ یہ تو میں نے بھی دیکھا تھا کہ شہر کے باہر کام کرنے والے کسانوں کی حفاظت کے لئے سپاہی تعینات کئے جاتے تھے۔ اس سفید چاردیواری کے پاس سے گزرتے ہوئے اندر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے سپاہی جنگی مشقوں میں مصروف ہوں۔ آسر نے مجھے قلعے کے دروازے پر قائم چوکی کے سربراہ کے حوالے کیا۔ ''اسے محترز اورگان کے پاس بھیج دیا جائے، یہ مہا پجاری کا حکم ہے۔''

''حکم کی تعمیل ہوگی۔'' مہا پجاری کا نام سنتے ہی محافظوں کا سربراہ کمر کے بل جھک گیا تھا۔

''اس کے ساتھ حفاظتی دستہ روانہ کرنا۔''

آسر مجھے چوکی کے سربراہ کے حوالے کر کے روانہ ہو گیا۔ اس نے چھ مضبوط سپاہی منتخب کئے جو تیر کمان اور فولادی سروں والی مضبوط لاٹھیوں سے مسلح تھے، میں نے ان میں سے کسی کے پاس تلوار نہیں دیکھی تھی۔ شاید ان کے پاس لوہے کی دستیابی محدود تھی اس وجہ سے اس کا استعمال نہایت ناگزیر جگہوں پر کیا جاتا تھا۔ کچھ سونا بھی تھا، ان کے علاوہ مجھے کوئی تیسری دھات دکھائی نہیں دی تھی۔ یہ لوگ شیشے سے بھی ناواقف تھے البتہ تعمیر کے لئے پتھروں کا استعمال کرنا جانتے تھے۔ چھ سپاہی مجھے لے کر اورگان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ یہاں سے ابھی گھنٹے بھر کا سفر باقی تھا۔ جب ہم اورگان کے مکان کے احاطے کے پاس پہنچے تو وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا تھا۔ اس نے کڑک کر کہا۔ ''کدھر دراز!...... رک جاؤ۔''

''اورگان! مہا پجاری نے مجھے رہا کر دیا ہے۔'' میں نے آگے آ کر کہا۔

''میں تمہیں اب نہیں رکھ سکتا۔ اسے واپس لے جاؤ'' اس نے سپاہیوں سے کہا تھا۔

میں حیران تھا کہ اورگان کا لہجہ بدلا ہوا تھا اور اس نے نہایت رکھائی سے سپاہیوں سے میرے بارے میں بات کی تھی۔ شاید سپاہی بھی دم بخود رہ گئے تھے۔ میں نے ذرا آگے آ کر کہا۔ ''اورگان تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے سوران نے رہا کر دیا ہے اور اب مجھ پر الزام نہیں ہے۔''

''لیکن میرے ساتھ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''میں نے اپنی بیٹی کے معاملے میں تم پر اعتماد کیا اور تم نے مجھے دھوکا دیا۔''

میں پہلے سے زیادہ حیران ہوا تھا۔ میں نے تڑپ کر کہا۔ ''اورگان یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کبھی سامیرا کے بارے میں غلط سوچا تک نہیں اور تم نے مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا دیا۔''

''تم نے اسے بہکایا ہے۔'' اورگان کا لہجہ خراب تھا۔ ''وہ معصوم ہے اور دنیا سے بے خبر ہے۔''

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔'' میں سب بھول گیا تھا سامیرا کے حوالے سے اس الزام نے مجھے جذباتی کر دیا تھا۔ ''تم سامیرا سے پوچھ لو۔''

''مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس میں نے کہہ دیا میں تم کو نہیں رکھ سکتا اور تم کو سوران کے حوالے کرتا ہوں وہ تمہارے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔'' اورگان کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

''وہ مجھے سزائے موت سنا دے گا۔''

''اس کی مرضی۔'' اورگان نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''وہ یہاں کا مہا پجاری ہے۔''

اورگان کا یہ رویہ میری سمجھ سے بالاتر تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں نے سامیرا کو بہکانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ جب میں نے سامیرا کو اپنی طرف مائل پایا تو میں نے نیک نیتی سے یہ بات اورگان کو بتا دی اور اس نے میری بات کو سراہا تھا۔ مگر اس وقت وہ نہ جانے کیوں مجھ سے برگشتہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کسی چٹان کی طرح اپنے گھر کے احاطے کے دروازے پر ڈٹا کھڑا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے عقب میں دیکھا کہ مجھے سامیرا دکھائی دے اور میں اس سے اپنی بے گناہی کی گواہی مانگوں۔ مگر وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی شاید وہ اندر کہیں تھی یا اسے اورگان نے باہر آنے سے روک دیا تھا۔ سپاہی اب تک خاموش کھڑے تھے وہ تذبذب میں تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ پھر اورگان نے ان سے کہا۔ ''اسے لے جاؤ اور سوران سے کہنا میں اس سے بڑا ہوں۔''

سپاہیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''ہم یہ گستاخی نہیں کر سکتے وہ یہاں کا مہا پجاری ہے اور اس سے بڑا کوئی بھی نہیں ہے۔''

''تب ادمر یہ بات اس سے کہے گا۔'' اورگان نے میری طرف دیکھا اس کی نظروں میں ایک خاص چمک تھی۔ اچانک مجھے لگا جیسے اورگان مجھے کوئی پیغام دے رہا ہو لیکن میں یہ پیغام سمجھنے سے قاصر تھا۔ سپاہیوں نے مجھے پھر سے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہوئے تو میں اس وقت تک پلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا جب تک اورگان کا گھر نظر آتا رہا۔

''سیدھے چلو۔'' ایک سپاہی نے مجھے ٹوکا لیکن اس کا انداز تمیز والا تھا ان کو احساس تھا کہ میرا تعلق مہا پجاری سوران اور اس کے بڑے بھائی اورگان سے تھا لہٰذا مجھ کسی قسم کی بدتمیزی ان کے لیے مصیبت بن سکتی تھی۔ میں سارے راستے سوچتا رہا تھا کہ اورگان کے اس رویے کی وجہ کیا تھی۔۔

"کیا اسے سچ مچ سامیرا کے لیے خدشہ پیدا ہو گیا تھا؟"

"یا وہ موران کے منصوبے کو بھانپ گیا تھا اور اس لیے اس نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا؟"

سوچوں میں راستے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ جب قلعہ نظر آیا تو میں چونکا تھا۔ میری واپسی کی اطلاع فوری طور پر قلعے دار کو مل گئی تھی جس کے حوالے آسر نے مجھے کیا تھا۔ "اسے واپس کیوں لائے؟" قلعے دار نے سپاہیوں پر گرجنا برسنا شروع کر دیا تھا۔ "اسے اورگان کے حوالے کرنا تھا۔"

سپاہیوں کا سربراہ بے چارہ اس کے سامنے منمنانے لگا تھا حالانکہ اس کا قصور نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح سنانے کے بعد قلعے دار نے مجھ سے کہا۔ "سچ سچ بتاؤ...... اورگان نے تم کو کیوں واپس کر دیا؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ بہتر ہے تم خود اورگان سے پوچھ لو۔" میں نے اس کے سامنے سامیرا کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ سپاہیوں کے سردار نے بھی اسے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ صرف یہ کہا تھا کہ اورگان نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ میرے جواب سے قلعے دار بھی سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے ایک آدمی طلب کیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ چلا گیا تو قلعے دار نے میرے بارے میں حکم دیا۔

"اسے کسی کمرے میں بند کر دو اور اگلے حکم تک اس کا خیال رکھنا۔"

مجھے لے جا کر قلعے کی فصیل کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا گیا تھا یہ کوئی قید خانہ نہیں تھا بلکہ سپاہیوں کے ستانے کی جگہ تھی اور اسے میرے عارضی قید خانے کے طور پر چنا گیا تھا۔ یہ لوگ کچی مٹی کی اینٹ پکا کر اس سے تعمیر کے فن سے آشنا تھے اور یہ قلعہ اور شہر کی عمارتیں پکی ہوئی اینٹوں سے بنی تھیں۔ کہیں کہیں پتھر کے بلاکس سے بنی عمارتیں بھی تھیں مگر یہ زیادہ تر سرکاری عمارتیں اور محلات تھے۔ جن کی تعمیر میں فنی نزاکتوں کے ساتھ مضبوطی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ جس وقت مجھے بند کیا گیا تھا رات قریب تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی دو سپاہی مجھے کھانے کی ٹرے دے گئے تھے۔ کھانے میں دلیہ تھا اور سبزیوں کا سوپ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ قلعے دار نے آسر کو میرے بارے میں اطلاع بھیج دی ہوگی۔ میں کھانے کے بعد لیٹ گیا۔ اگرچہ مسلسل سفر کے باوجود مجھے تھکن نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی میں نے آرام مناسب سمجھا کہ آنے والا وقت میرے لیے نہ جانے کون سی مشکل لے کر آتا ہے۔ چند گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سپاہی نے مجھے باہر آنے کو کہا۔

"مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"خاموشی سے چلو۔" اس نے مجھے جھڑک دیا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ حالات میرے لیے سخت ہونے والے تھے۔ باہر ایک بیل گاڑی کھڑی تھی مجھے اس میں سوار کرایا گیا۔ میرے ساتھ چار مسلح سپاہی تھے۔ اور انہوں نے مجھے یوں گھیر رکھا تھا جیسے ان کو خطرہ ہو کہ میں ابھی کہیں فرار ہو جاؤں گا حالاں کہ یہ وادی میرے لیے ایک بہت بڑا قید خانہ تھا اور اس سے نکل کر میں کہاں جا سکتا تھا۔

"مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

"ابھی تم دیکھ لو گے۔" اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

بیل گاڑی دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ مجھے شاید معبد لے جایا جا رہا تھا۔ مگر بیل گاڑی معبد کے بجائے ایک بڑی سی عمارت کے اندر جا کر رکی تھی۔ رات کا وقت تھا اور شہر کی سڑکیں ویران تھیں۔ مکانوں میں کہیں کہیں

روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ خاموشی اتنی تھی کہ سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز سنائی دیتی۔ جس عمارت میں بیل گاڑی رکی وہ اپنے انداز سے کوئی سرکاری عمارت لگ رہی تھی۔ مجھے نیچے اتار کر اندر لایا گیا۔ اور ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا یہاں لکڑی کی بنچیں رکھی تھیں۔ ابھی مجھے بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ ایک جوان آدمی اندر آیا اس کا لباس بتا رہا تھا کہ وہ کوئی اعلیٰ عہدیدار یا کوئی ذی حیثیت شخص ہے۔ اس نے آتے ہی عقابی نظروں سے میرا جائزہ لیا اور بولا۔

"تم کون ہو؟"

"میرا نام عمر دراز ہے۔" میں نے بتایا۔ "اور میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ یہاں آیا تھا پھر ایک حادثے کی وجہ سے وادی میں گر گیا۔"

"تم اوپر سے گرے تھے؟" اس کے لہجے میں تعجب تھا۔

"جی جناب، میں اوپر سے گرا تھا مگر مرنے سے بچ گیا۔"

"وہ کیسے؟"

میں نے اسے مختصراً بتایا کہ میں کس طرح گرنے کے بعد مرنے سے بچا تھا۔ مگر وہ سوال کرتا رہا اس وجہ سے بات لمبی ہوتی گئی تھی اور اس نے نہایت ذہانت سے ساری صورتِ حال جان لی تھی۔ وہ کوئی سرکاری عہدیدار تھا اس کے عہدے کا حاکمی نام میری سمجھ سے باہر تھا اور اسے شاید میرے بارے میں پوری طرح علم نہیں تھا۔ کیونکہ میں تو اورگان اور سوران کے درمیان گھلونا بنا ہوا تھا۔ اب شاید میں حکومت کے ہاتھ آیا تھا۔ اس نے ساری بات جان کر اور خاص طور سے ولیم شا اور الطن کے بارے میں جان کر وہ سوچ میں پڑ گیا تھا مجھے ایسا لگا جیسے وہ ان کے وجود سے لاعلم ہو۔ میں منتظر تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔ جب وہ کچھ دیر خاموش رہا تو میں نے خود پوچھ لیا۔ "جناب میرے ساتھ اب کیا ہوگا کیونکہ میں بے گناہ ہوں خود سے نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہوں۔"

"تم لوگ اس طرف کیوں آئے تھے؟"

"یہ بات ولیم کو معلوم ہے۔" میں نے احتیاط سے جواب دیا۔ "وہی ہمیں لایا ہے۔"

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تم بغیر وجہ جانے اس کے ساتھ چلے آئے۔"

"میں ایک طرح سے اس کا ملازم ہوں اس لیے اس کی بات ماننا پڑتی ہے۔" میں نے وضاحت پیش کی وہ اس سے مطمئن نظر آنے لگا مگر ساتھ ہی اس نے مجھے خبردار کیا۔

"میں ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا اور اگر تمہاری کوئی بات غلط نکلی تو تم کو سخت سزا ملے گی۔"

"اگر میری کوئی بات غلط نکلی تو مجھے ہر سزا منظور ہوگی۔" میں نے دل کڑا کر کے کہا۔ کیونکہ میں نے بہت ساری باتیں غلط بھی کی تھیں۔

"اس جگہ کا قانون ہے اگر باہر سے کوئی جان بوجھ کر یہاں آئے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے اور اگر کوئی غلطی سے آ جائے تو اسے سزا نہیں دی جاتی ہے لیکن پھر اسے واپس جانے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔"

"اگر اس سوال کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ آج تک کوئی وادی میں آیا ہے؟"

"تم سے پہلے کوئی نہیں آیا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "کم سے کم میرے علم میں نہیں ہے۔ مگر قانون تو قانون ہے اس کے لیے خلاف ورزی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"اس صورت میں مجھے سزائے موت دینا ناانصافی ہوگی کیونکہ میں خود نہیں آیا ہوں بلکہ مجھے برفانی آدمی نے وادی میں پھینکا تھا اس کی تصدیق اورگان کر سکتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اس نے تمہیں قبول کرنے سے کیوں انکار کر دیا ہے؟"

"یہ سوال تو اس سے کرنا چاہیے جناب۔"

"پھر بھی تمہیں کچھ اندازہ تو ہوگا۔"

"میرا خیال ہے وہ اپنے بچی کی طرف سے پریشان ہے کیونکہ اس نے مجھ میں کچھ دلچسپی لی تھی۔" میں نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے؟"

"میں اس کو پسند کرتا ہوں لیکن اس حد تک نہیں کہ اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"تو یہ وجہ ہو سکتی ہے۔"

"شاید...... میں نے اس بارے میں سوچا نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "جلد تمہارا مقدمہ اس جگہ کے حاکم کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔"

"مجھے جب مہا پجاری کے آدمیوں نے گرفتار کیا تھا تو ان کا کہنا تھا کہ اس جگہ سب سے زیادہ اہمیت مہا پجاری کی ہے اور میرا فیصلہ مہا پجاری کرے گا اور اس نے مجھے رہا کر دیا تھا۔"

"یہ درست ہے۔" اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ "مگر صرف مذہبی حد تک، یہاں کا اصل حاکم الوکیتا ہے اور وہی تمہارا فیصلہ کرے گا۔"

"جناب کیا یہ ناانصافی نہیں ہے کہ ایک شخص کو ایک عدالت سے رہا کر دیا جائے اور اسے پھر اسی جرم میں دوسری عدالت میں پیش کر دیا جائے۔"

"نہیں کیونکہ اس معاملے میں صحیح سے تفتیش نہیں ہوئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "اس لیے مقدمہ پھر سے شروع ہو سکتا ہے۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے احتجاج کیا تھا۔

"تمہارے ساتھ انصاف ہوگا اگر ثابت ہو گیا کہ تم خود نہیں آئے تھے بلکہ گرے تھے تو تم کو سزا نہیں ملے گی۔"

یعنی سزا کی تلوار بہرحال ابھی میرے سر پر لٹک رہی تھی اور ابھی میں اس کی زد سے نکل نہیں پایا تھا۔ اس شخص نے مجھ سے بھی کہا تھا کہ اس وادی کا حکمران الوکیتا سب سے بااختیار شخص تھا۔ میں نے مہا پجاری کے جو خیالات سنے تھے اس کے بعد میرے لیے اس بات پر یقین کرنا دشوار تھا اگر الوکیتا مجھے رہا بھی کر دیتا تو مہا پجاری کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا کہ وہ مجھے بیتور کے نام پر سزا دینے کے لیے منتخب کر لیتا۔ جب معاملہ مذہب کا آئے تو

ملک کے بااختیار حاکم بھی بے بس ہو جاتے ہیں۔ اس سرکاری افسر کے جانے کے بعد دو سپاہیوں نے مجھے لے جا کر ایک صاف ستھری کوٹھری میں بند کر دیا۔ یہ قید خانہ اسی عمارت میں کہیں تھا۔ صبح کا وقت قریب تھا اس کے باوجود میں سو گیا۔ میں دوپہر تک سوتا رہا تھا پھر مجھے ایک سپاہی نے بیدار کیا وہ کھانا لایا تھا۔ ''جلدی سے کھالو تم کو پیش ہونا ہے۔''

یہ سوچ کر میری بھوک اُڑ گئی تھی کہ اب شاید مجھے حاکم اعلیٰ کے سامنے پیش ہونا تھا۔ اور وہ میری قسمت کا نہ جانے کیا فیصلہ کرتا۔ میں نے چند لقمے لیے اور ہاتھ کھینچ لیا۔ سپاہی دس منٹ بعد ہی آ گیا تھا اور اس نے مجھے چلنے کو کہا۔ میں اس کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ مگر خلاف توقع مجھے اسی رات والے افسر کے سامنے پیش کیا گیا تھا اب وہ ایک آراستہ پیراستہ دفتر میں بیٹھا تھا اور اس نے کلف دار وردی پہن رکھی تھی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ فوج کا کوئی عہدیدار تھا۔ رات وہ سادہ کپڑوں میں تھا۔ اس نے مجھے ایک لکڑی کی بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''اومرد راز۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''تم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ان کو تم لائے تھے اور تمہارا ارادہ شروع سے وادی میں اترنے کا تھا۔''

''یہ جھوٹ ہے جناب۔''

''مہا پجاری نے ان کے بیان کی تصدیق کی ہے۔''

''انہوں نے کسی ترکیب سے مہا پجاری کو اپنے قابو میں کر لیا ہے اور وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ کرنے کو تیار نہیں ہے۔''

''مہا پجاری کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا وہ سب سے عظیم ہے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''کل تو جناب کہہ رہے تھے کہ اس جگہ سب سے بااختیار حاکم اومیکنا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''وہ اور بات تھی۔'' اس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔

میں مخمصے میں پڑ گیا تھا کہ اسے ساری بات بتاؤں یا نہیں میں سوچ رہا تھا کہ اسے موران اور اورگان کی کشمکش کے بارے میں بتا دوں مگر پھر میں نے زبان بند رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ''تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''نہیں جناب۔'' میں نے گہری سانس لی تھی۔ ''میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ صرف یہ بتا دیں کہ میرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔''

''تمہیں مہا پجاری کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا جیسے اسے یہ بات ناپسند ہو۔

''کیا مہا پجاری نے مجھے طلب کیا ہے؟''

''ہاں اس نے تم کو طلب کیا ہے۔'' اس بار اس کے لہجے میں نفرت نمایاں تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ موران سے نفرت کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اورگان کا حامی ہے اور وہ فوج میں افسر ہے تو اس سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ فوج میں بھی اورگان کے حامی ہیں۔ وہ مجھے جس طرح موران کے حوالے کر رہا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ موران کے سامنے بے بس ہے اور جب موران نے مجھے مانگا تو وہ مجھے اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔

میں نے دبی زبان میں کہا۔ ''جناب عالی مجھے خوف ہے کہ مہا پجاری میرے دونوں ساتھیوں کے کہنے میں آ کر مجھے کوئی ایسی سزا نہ سنا دے جس کا میں مستحق نہ ہوں۔''

''اس صورت میں کوئی اس فیصلے کو تبدیل نہیں کرا سکتا ہے۔'' اس نے مجھے آگاہ کیا۔ ''تم کوشش کرنا مہا پجاری تم سے راضی رہے۔''

''میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کس طرح راضی ہوگا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''اب آگے تمہاری قسمت۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔

میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ انصاف ہوگا مگر......'' میں نے سرد آہ بھری۔

''تم اتنا بددل مت ہو۔'' اس نے مجھے تسلی دی۔ ''ممکن ہے مہا پجاری تم کو معاف کر دے۔''

مگر مجھے اس کی امید نہیں تھی کیونکہ کہ مہا پجاری نے مجھے جس طرح سے واپس مانگا تھا صاف ظاہر تھا کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میرا مقدمہ اومیکنا کے سامنے پیش ہو اور شاید وہاں سے میری رہائی کا حکم آ جائے۔ اس نے اس سے پہلے ہی مجھے طلب کر لیا تھا اور کیونکہ میں ناکام رہا تھا اس لیے اس سے رحم کی امید بھی نہیں تھی بلکہ اب میری آزادی اس کے لیے خطرناک ہوگئی تھی کیوں کہ میں اس کے راز سے واقف ہو گیا تھا کہ وہ مہا پجاری بننے کے لیے بعض ضروری علوم سے ناواقف تھا اور یہ بات دوسروں کے علم میں آ جاتی تو اس کی مہا پجاری کی حیثیت خطرے میں پڑ جاتی۔ مجھے حیرت تھی اس نے کتنی آسانی سے یہ بات مجھے بتا دی تھی۔ شاید اس لیے کہ ذہین ہونے کے باوجود یہ لوگ سازشوں کے معاملے میں پیچھے تھے۔ مگر اب مہا پجاری کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ بہرصورت مجھے اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا تھا تاکہ میری زبان بند کر سکے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مستقل طور پر میری زبان بند کرنے کی سوچ رہا ہو۔

''تم کیا سوچ رہے ہو؟'' افسر مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''یہی کہ میرا انجام قریب ہے۔ شاید مجھے کل کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔''

''سورج تو یہاں ویسے بھی نظر نہیں آتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''سینتور کے پجاری جب چاہتے ہیں اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔''

میں اس معاملے میں اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ یہ لوگ اسے اپنے اعتقاد کا حصہ سمجھتے تھے اور عقیدہ ایسی چیز ہے جو نہ کسی دلیل یا منطق سے کسی کے دل میں بٹھایا جا سکتا ہے اور نہ اسے کسی دلیل یا منطق سے نکالا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں بحث کرنا بے کار ہے۔ میرے بارے میں فیصلہ ہو چکا تھا اس لیے مجھے فوری طور پر معبد روانہ کر دیا گیا تھا۔ ایک بیل گاڑی میں سوار تین مسلح سپاہیوں کی تحویل میں مجھے معبد بھیج دیا گیا تھا۔ معبد تک جانے والی طویل سرنگ نہ جانے کتنے سالوں میں جا کر تیار ہوئی تھی۔ اس پر یقیناً بے پناہ محنت لگی تھی مگر ان کے پاس کام لینے کے لیے غلاموں کی کمی نہیں تھی۔ آپ قدیم دور کی کوئی بھی عظیم الشان تعمیر دیکھ لیں اس کی بنیاد میں غلاموں کا خون پسینہ ہی ملے گا۔ اہرام مصر سے لے کر بابل کے باغات تک ہر جگہ تعمیر میں غلاموں سے کام لیا جاتا تھا کیونکہ یہ مفت کے مزدور کام کرتے کرتے مر جاتے تھے تب بھی ان کو معاوضہ نام کی کوئی چیز نہیں دی جاتی تھی یہ صرف دو وقت کی روٹی پر کام کرتے تھے۔ اس سرنگ کو دیکھ کر مجھے یہی خیال آیا تھا

کہ اس کی تعمیر میں نہ جانے کتنے لوگوں کی جان گئی ہوگی اور نہ جانے کتنوں نے اپنا پسینہ بہایا ہوگا۔

قدیم تہذیبوں میں اوپری طبقہ ہمیشہ لوگوں سے دور اپنی دنیا بساتا رہا ہے تاکہ ایک تو ان کو عوام کا براہِ راست سامنا نہ کرنا پڑے دوسرے وہ لوگوں کی نظروں سے دور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر سکیں۔ یہاں بھی سینتور کے معبد کی اصل شہر سے اتنی دوری کی وجہ یہی سمجھ میں آتی تھی کہ پجاری سکون سے عیش کریں اور عام لوگ ان کے لیے کام کرتے رہیں۔ ورنہ یہ راستہ کتنا خطرناک تھا اس کا مشاہدہ میں نے اورگان کے ساتھ اس جنگل کے سفر میں کیا تھا جو اس سرنگ کے اوپر تھا اور اس میں کئی طرح کے خطرناک جانور تھے جن میں سے گھوڑے نما انسان کو میں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ اس جانور ہارن کے بارے میں اورگان نے بتایا تھا کہ ان لوگوں کی آمد سے پہلے اس وادی پر ہارن کا راج تھا اور اب وہ مغربی جنگل تک محدود ہو گئے تھے۔ جس وقت سرنگ کی تعمیر جاری تھی تو بنانے والوں کو ان تمام جانوروں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اور نہ جانے ان میں سے کتنے ان جانوروں کا نشانہ بن گئے ہوں گے۔

جو اپنے لوگوں کو اتنی بے دردی سے استعمال کریں میں ان سے خیر کی توقع کیسے کر سکتا تھا۔ معبد کی طرف سفر میں اسی قسم کے خیالات اور خدشات میرے ذہن میں گردش کرتے رہے تھے۔ سفر کے دوران رات ہو گئی تھی اور سرنگ میں جا بجا چربی میں بھیگی مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں اور ان کی روشنی میں سرنگ اتنی روشن تھی کہ زمین پر پڑا گھاس کا تنکہ تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جدید ذرائع کی کمی ان لوگوں نے اپنی ذہانت سے پوری کر لی تھی اور اپنے وسائل کو بہت سلیقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنی مشکلات کو حل کر لیا تھا۔ میں نے شہر میں آباد لوگوں کو بھی صحت مند اور صاف ستھرا پایا تھا۔ یعنی عام لوگوں کو بھی زندگی کی بنیادی ضروریات میسر تھیں جیسے خوراک، لباس، مکان اور ضروری تعلیم۔ مگر ساتھ ہی ان پر جبر کا ایک نظام بھی مسلط تھا جس میں اعلیٰ وادنیٰ طبقے کی تخصیص تھی اور عیش و آرام اوپر والوں کا حق بنا دیا گیا تھا۔

ممکن ہے جس وقت انسان اس وادی میں آیا تھا تو اس نے محدود وسائل کی وجہ سے ایک خاص طرزِ زندگی اپنا لیا ہو تاکہ وسائل ضائع کیے بغیر اپنی نسل بڑھا سکیں۔ مگر جیسے جیسے وہ ترقی کرتے رہے، مسائل پر قابو پاتے رہے اور وادی پر اپنا تسلط قائم کرتے گئے۔ ان میں خود بخود ایک حکمران کلاس پیدا ہو گئی جس نے حکمرانی کو اپنا موروثی حق سمجھ لیا تھا اور دوسرے طبقے کو کم تر قرار دے کر صرف محنت والے کاموں اور حکم کی تعمیل کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ دنیا میں ہر جگہ پائی جانے والی اقوام اس مرحلے سے گزری ہیں۔ (یہ اعزاز موجودہ دنیا میں صرف ہمیں حاصل ہے کہ ہم ابھی اس موروثی حقِ حکمرانی کے تجربے سے گزر رہے ہیں جسے دنیا کب کی خیرباد کہہ چکی ہے اور مزے کی بات ہے ہم نام پھر بھی جمہوریت کا لیتے ہیں۔)

میرا خیال تھا کہ اتنی رات کے بجائے اب مجھے صبح سویرے ہی موران یا آسر کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ جب بیل گاڑی معبد کے احاطے میں داخل ہوئی تو نصف رات گزر چکی تھی۔ اس کے باوجود احاطہ مشعلوں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اور سامان لانے اور معبد سے فالتو اشیاء اور کچرا لے جانے کا سلسلہ جاری تھی۔ کیونکہ کسی بھی کام کے لیے معبد کے باہر نہیں جاتے تھے اور ان کی تمام ضروریات شہر سے پوری کی جاتی تھیں جس کا نام آرگون تھا۔ مجھے بیل گاڑی سے اتار کر معبد کی عقبی سمت سے اندر لایا گیا تھا تب مجھے اندازہ ہوا

کہ مجھے آسر یا موران کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ اندر مجھے ایک اور شخص نے وصول کیا۔ اس کا انداز وصول کرنے والا تھا۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''ابھی تمہیں مہا پجاری کے عظیم نائب جناب آسر کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ان کے ادب کا پورا خیال رکھنا۔''

مجھے ہنسی آ گئی تھی جس پر اس نے مجھے خون خوار نظروں سے دیکھا اور گرج کر بولا۔ ''تم نے ابھی سے بد تمیزی شروع کر دی ہے۔''

''نہیں۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ہمارے ہاں اگر کسی کی انتہائی تعظیم کرنا ہو تو اس کا نام سن کر ہنستے ہیں۔''

اس نے بہت برے انداز میں میری طرف دیکھا اور شاید دل ہی دل میں مجھے سناتے ہوئے وہ اندر ایک کمرے میں لایا جہاں ایک سرخ قالین پر آسر براجمان تھا اور اس کے سامنے ساغر و مینار کھے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ساقی بھی خوب تھا۔ آسر یقیناً نشے میں تھا۔ اس نے سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اور اشارے سے مجھے لانے والے اور ساقی لڑکی کو جانے کو کہا وہ فوراً کمرے سے نکل گئے تھے اس کے بعد آسر نے مجھے قریب بلایا۔

''کیا ہوا اورگان نے تم کو واپس کیوں کر دیا؟'' اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ وہ پریشان لگ رہا تھا۔

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''پھر بھی اس نے کیا کہا تھا؟''

''اس کا کہنا ہے کہ میں نے اس کے اعتماد کو دھوکا دیا ہے اور وہ اس وجہ سے مجھے قبول نہیں کر سکتا ہے۔''

''کیسا دھوکا؟''

''شاید سامیرا کے حوالے سے۔'' میں نے کسی قدر ہچکچا کر کہا۔ ''ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے ایک بار بھی اس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچی ہے۔''

''پھر اس نے ایسا الزام کیوں لگایا۔'' آسر نے اعتراض کیا۔ ''وہ اگر چاہتا تو تم کو لینے سے ویسے بھی انکار کر سکتا تھا۔''

اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہا تھا۔ آسر نے کہا۔ ''تم اپنا کام کرنے میں ناکام رہے ہو اب جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔''

''شاید مجھے اسار کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''ممکن ہے۔'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''کیا تم اس سے خوف زدہ نہیں ہو؟''

''اگر میرے خوفزدہ ہونے سے میری موت ٹل سکتی ہے تو میں بہت خوفزدہ ہوں۔''

''ممکن ہے تمہیں اس سے بھی زیادہ بری موت نصیب ہو۔''

''موت موت ہوتی ہے۔ اس کی ذاتی تکلیف بھی کم نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

آسر مسکرایا تو اس کے انداز میں سفاکی نمایاں تھی۔ ''ہمارے پاس اس سے بھی بری موت آ گئی ہے۔''

وہ چاہتا تھا کہ میں اس موت کے بارے استفسار کروں مگر میں چپ رہا تو اس نے خود ہی وضاحت کر دی۔ ''ہمارے آدمیوں نے ایک ہارن زندہ پکڑ لیا ہے۔''

''ہارن۔'' میں چونکا۔ ''جانور نما انسان؟''

''لگتا ہے اورگان نے تمہیں اس وادی کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں جب ہم جنگل سے گزر رہے تھے تو اورگان نے مجھے وہاں پائے جانے والے خطرات کے بارے میں بتایا تھا۔''

''ہارن بہت خطرناک اور وحشی ہوتا ہے۔'' اس نے پُرزور لہجے میں کہا۔ ''کسی بھی انسان کو لمحوں میں چیر پھاڑ کر ختم کر دیتا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ مجھے اسمار کے سامنے ڈالا جائے گا یا ہارن کے سامنے؟'' میں نے کسی قدر استہزائیہ انداز میں کہا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مجھے صرف ڈرا رہا تھا۔ شاید میرے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا اور وہ اس ناکامی کی صحیح وجہ جاننا چاہتے تھے۔ آسر جاننے کی کوشش کر رہا تھا اور بہت بھونڈے انداز میں کوشش کر رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ابھی مجھے موران کے سامنے پیش کیا جائے گا اور میں اس کے سوالات کا سامنا کروں گا۔ میں نے سوچا اگر موران نے مجھ سے اکیلے میں بات کی تو میں اسے اورگان کے رویے کے بارے میں صاف صاف بتا دوں گا۔

''مجھے لگ رہا ہے۔ مہا پجاری تمہارے بارے میں کوئی اچھا فیصلہ نہیں کرے گا۔''

''جو میری قسمت میں ہوگا وہ تو مجھے بھگتنا ہی پڑے گا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''یہ قسمت کیا ہوتی ہے؟''

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور اس نے سر ہلایا۔ ''اچھا ہم اسے سینتور کی مرضی کہتے ہیں۔''

''یہی مفہوم ہمارا بھی ہوتا ہے۔''

آسر بہت فکر مند نظر آ رہا تھا اس نے مٹی کی بنی صراحی سے مٹی کے گلاس میں ہی شراب نکالی اور اس کی چسکیاں لینے لگا غالباً وہ غور کر رہا تھا کہ میری اس ناکامی کے اس پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے تھے کیونکہ اسی نے موران کو اس پر قائل کیا تھا کہ وہ مجھے اورگان کے پاس بھیج کر اسے راضی کرنے کی کوشش کرے کہ وہ اسے مخصوص آبائی علوم سکھا دے جو اس کے باپ نے اسے سکھائے تھے۔ اصل میں وہ سامیرا پر مرمٹا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ سامیرا کی شادی اس سے ہو جائے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس خواہش کے پس پردہ آسر کی مہا پجاری بننے کی آرزو کارفرما تھی کیونکہ وہ سامیرا سے شادی کر کے مہا پجاری کے منصب کا مضبوط امیدوار بن سکتا تھا اور اس کے ذہن میں یہ بھی ہوگا کہ اس طرح وہ پُراسرار علوم حاصل کر لے گا جو مہا پجاری بننے کے لیے لازمی ہوتے ہیں۔

میں نے آسر سے کہا۔ ''کیا میں تم سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟''

''کس بارے میں؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''مہا پجاری کے بارے میں۔''

''پوچھو۔''

''جب مہا پجاری کے پاس وہ علوم نہیں ہیں جو مہا پجاری بننے کے لیے لازمی ہوتے ہیں تو وہ پھر کس طرح مہا پجاری بن گیا۔''

''کیونکہ اس کا باپ مہا پجاری تھا۔'' آسر نے جواب دیا۔ ''اس نے مہا پجاری کو تھوڑی تربیت دے دی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کی مکمل تربیت کرتا اسے موت نے آلیا تھا۔''

مجھے یاد آیا کہ موران نے کسی برف والے کا ذکر کیا تھا جو اوپر کہیں برف میں رہتا تھا اور برف ہی کھاتا تھا اس کے پاس سب سے زیادہ علم تھا۔

''مہا پجاری برف والے سے یہ علوم کیوں نہیں سیکھ لیتا؟''

''کیونکہ یہ علوم ایک ہی وقت میں ایک ہی آدمی کے پاس ہونے چاہئیں۔ اگر کوئی اور ان علوم کو جانتا ہو تو برف والا کسی اور کو یہ علوم نہیں سکھاتا ہے۔''

''اورگان ان علوم سے واقف ہے۔''

''بس یہی ایک رکاوٹ ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ورنہ مہا پجاری اب تک برف والے سے یہ علوم سیکھ چکا ہوتا۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ آسر موجودہ صورتِ حال کو اپنے حق میں سمجھ رہا ہے اور وہ کسی صورت نہیں چاہتا کہ موران یہ علوم سیکھ کر اپنا منصب مکمل کر لے اور اس کے مہا پجاری بننے کی راہ مسدود ہو جائے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''سنو...... میرا خیال ہے اورگان بھانپ گیا ہے کہ مہا پجاری نے مجھے کس مقصد کے تحت رہا کیا ہے۔''

آسر چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''اورگان مہا پجاری کو ان علوم میں حصے دار بنانا نہیں چاہتا ہے اس لیے اس نے مجھے واپس لینے سے انکار کر دیا۔''

''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔'' آسر کے چہرے پر رونق آ گئی تھی شاید اسے موران کے سامنے وضاحت پیش کرنے والا نکتہ مل گیا تھا۔ اتنی دیر سے وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ''تم تو بہت بدھو ہو۔''

''بدھو؟'' میں حیران ہوا تھا۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم نے اتنی اچھی ترکیب بتائی ہے۔''

''بدھو ہماری زبان میں احمق آدمی کو کہتے ہیں۔'' میں نے کہا اور پھر اسے احمق کی وضاحت بھی کر کے بتانی پڑی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''ہمارے ہاں بدھو اسے کہتے ہیں جس کے سر میں بدھ ہو۔''

مجھے خیال آیا کہ ہندی میں بھی عقل کو بدھی کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان کے بہت سارے الفاظ برصغیر میں بولی جانے والی مختلف زبانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ عقل کو بدھ کہتے تھے جو بدھی سے ملتا جلتا لفظ ہے۔ اس لسانی بحث سے فارغ ہونے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''موران ابھی غصے میں ہے اور اگر میں نے تم کو اس کے سامنے پیش کیا تو عین ممکن ہے وہ تمہیں فوراً اسار کے سامنے پھنکوا دے۔ اس لیے تم کو صبح اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔''

میں کون سا موران کے سامنے پیش ہونے کے لیے مرا جا رہا تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے اور مہلت مل گئی تھی اور دوسری طرف امید بندھی تھی کہ آسر اپنے مطلب کے لیے مجھے بچانے کی کوشش ضرور کرے

گا۔ اسے مخصوص علوم حاصل کرنے کی پٹی بھی آسر نے پڑھائی تھی تاکہ اورگان اور اس کے ساتھیوں سے بلاوجہ تنازعہ کھڑا کیا جائے اور ممکن ہے اس تصادم کی آڑ میں وہ مہاپجاری کے منصب پر قبضے کی فکر میں ہو۔ ابھی اس نے جس طرح موران کا نام لیا تھا اس سے ظاہر تھا کہ اس کے دل میں موران کی کوئی عزت نہیں تھی اور وہ خود کو اس سے کم تر نہیں سمجھتا تھا۔



آسر نے مجھے اسی قید خانے میں ڈلوا دیا جہاں میں پرسوں رات تک تھا۔ اس بار قید خانے کے داروغہ نے مجھے خاص اہمیت دی تھی اور کوٹھری میں بستر مہیا کر دیا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ مضبوط لکڑی کا بنا تھا اور اس میں اوپر کی طرف ایک سوراخ تھا جس سے اندر جھانکا جا سکتا تھا۔ اسی طرح میں بھی اس سے باہر جھانک سکتا تھا۔ اس قید خانے میں آمنے سامنے کوٹھریاں بنی تھیں۔ ان میں اکثر میں کوئی نہ کوئی قیدی تھا یعنی یہاں بھی ریاست سے بغاوت کرنے والوں کی خاصی تعداد تھی جو ریاست کے کسی نہ کسی قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں اندر تھے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ معبد تھا اور سرکار کے مجرموں کے لیے جیل شہر میں ہو گی۔ یہاں تو صرف موران کے مجرم ہو سکتے تھے۔ میرے سامنے والی کوٹھری میں ایک شخص تھا اس کا پتا مجھے یوں چلا کہ وہ اکثر ٹہلتا رہتا تھا اور اپنے دروازے کے سوراخ سے مجھے نظر آتا تھا۔ رات کو میں سو رہا تھا کہ کسی کی سسکیوں کی آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے اٹھ کر سوراخ سے جھانکا تو آواز سامنے والے کمرے سے آ رہی تھی۔ روتے کے ساتھ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ اس کے الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ قید خانے میں انسان روتا ہی ہے مگر اس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ میں نے بے چین ہو کر اسے پکارا۔ ''بھائی کیا بات ہے تم اس طرح کیوں رو رہے ہو؟''

اس کی سسکیاں تھم گئی تھیں اور کچھ دیر بعد وہ اپنی کھڑکی پر نمودار ہوا۔ ''تم کون ہو اور مجھ سے کیوں بات کر رہے ہو؟''

''میں بھی ایک قیدی ہوں اور وادی میں داخلے کے جرم میں قید ہوں۔'' میں نے اسے بتایا تو وہ چونکا تھا۔

''تم ان دونوں کے ساتھی ہو جو اوپر سے لائے گئے تھے اور اب مہاپجاری کے مہمان ہیں۔''

''ہاں وہ میرے ساتھ تو آئے تھے مگر میرے ساتھی نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے مجھ پر ہی الزام لگا دیا ہے کہ میں ان کو یہاں لانے کا ذمے دار ہوں۔''

''انہوں نے ہی مجھے پھنسایا ہے۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

میں چونکا۔ ''تم کو پھنسایا ہے، کیسے؟''

''میں معبد کے خادموں میں شامل ہوں اور اوپر جانے والے راستے کی پہریداری کرتا ہوں۔ سرخ بالوں والے نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میری غفلت کی وجہ سے اس کا ایک ساتھی چپکے سے وادی میں اتر آیا۔ کہیں وہ ساتھی تم ہی تو نہیں ہو۔''

''میں اس کا ساتھی ضرور ہوں لیکن یہ بالکل بکواس ہے کہ میں اس راستے سے اترا ہوں۔ بلکہ میں تو حادثاتی طور پر نیچے گر گیا تھا۔''

''لیکن مجھ پر یہی الزام لگا ہے اور اب مجھے موت کی سزا دی جائے گی۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''موت کی سزا۔'' میں حیران رہ گیا۔

''ہاں یہاں کا قانون ہے کوئی یہاں نہیں آ سکتا ہے اور اگر آ جائے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ اور جس کی غفلت کی وجہ سے آئے اسے بھی سزائے موت دی جاتی ہے۔''

''ولیم جھوٹ بولتا ہے۔''

''ولیم کون ہے؟''

''جس نے تم پر الزام لگایا ہے۔''

''مہا پجاری اس کی بات مان رہا ہے اور اس نے مجھے مجرم قرار دے دیا اب مجھے اسار کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''اتنی سی بات پر اتنی بھیانک سزا۔'' میں لرز گیا تھا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے مگر مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔'' اب وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ ''میری دو چھوٹی بیٹیاں ہیں اور ان کی ماں مر چکی ہے۔''

''تب ان کا کیا ہوگا؟'' میں نے لاشعوری طور پر پوچھا۔

''ان کو معبد کے حوالے کر دیا جائے گا اور وہ تربیت پا کر بڑے ہو کر پجاریوں کی خدمت کریں گی۔''

یہ خدمت کیا ہوگی؟ یہ تو اس شخص کا لہجہ بتا رہا تھا۔ ہر جگہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ شاید جن بچوں کے ماں باپ مر جاتے تھے ان کو معبد کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور یہ بڑے ہو کر اور تربیت پا کر پجاریوں کی خدمت کرتے تھے۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس سے سوال کیا۔ ''تم اوپر جانے والے راستے کی نگرانی کرتے تھے؟''

''ہاں میں جوانی سے یہ کام کر رہا ہوں اور میں نے کبھی غفلت نہیں برتی اس کے باوجود مجھے سزا دی جا رہی ہے۔''

''دوست غریبوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ویسے اوپر جانے والے راستے پر کیا صرف تم ہی پہرہ دیتے ہو؟''

''نہیں اکیلا پہرہ کوئی نہیں دیتا ہے مگر ہم میں سے ایک سو جاتا ہے اور دوسرا پہرہ دیتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اتفاق سے اس وقت میں جاگ رہا تھا جب اوپر سے ان دونوں کو پکڑ لایا گیا تھا۔''

''کیا اوپر والے پہریدار الگ ہوتے ہیں؟''

''ہاں وہ زیادہ ہوتے ہیں اور زیادہ دن کے لیے اوپر جاتے ہیں کیونکہ اوپر جانا اور آنا آسان کام نہیں ہے۔''

''کیا نیچے کوئی اور نہیں دیکھتا ہے کہ اوپر سے کوئی اور تو نہیں آ رہا ہے؟'' میں آہستہ آہستہ اسے اپنے مطلب کی طرف لا رہا تھا۔

''نہیں اس راستے پر ہر کوئی نہیں جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس راستے کا کسی اور کو پتا ہے۔''

''اگر راستہ کسی ایسی جگہ نکلتا ہے جہاں سے اوپر سے آنے والا معبد کے دوسروں لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر نکل سکے تو تمہارا قصور سمجھ میں بھی آتا ہے۔''

''یہی تو بات ہے وہ راستہ معبد سے شروع ہوتا ہے اور اگر میں نے اس کو راز رکھنے کی قسم نہ کھا رکھی ہوتی تو میں تم کو بتا بھی دیتا کہ راستہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ معبد کے کسی ایسے حصے سے شروع ہوتا ہے جہاں ہر کوئی نہیں جا سکتا ہے۔''

''تم کو کیسے پتا چلا؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''تم تو بہت مہا بدھو ہو۔''

بارہ گھنٹے میں دوسری بار مجھے یہ لقب ملا تھا بہر حال اتنا برا بھی نہیں تھا کیونکہ اچھے معنوں میں استعمال ہو رہا تھا۔ ''کیا وہ مہا پجاری کا رہائشی حصہ ہے؟'' میں نے ایک اور تکا مارا۔

''ہاں......تم کیسے جانتے ہو۔''

''میں مقدس اورگان کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔''

''یہاں مقدس صرف مہا پجاری ہوتا ہے۔''

''یہ منصب اورگان کا تھا جو ایک غلط آدمی کو مل گیا ہے اسے کچھ نہیں آتا۔''

''سینتور کے لیے ایسا مت کہو۔'' اس نے سہمی آواز میں کہا۔ ''ورنہ مجھ سے پہلے تم اسمار کے آگے ڈال دیئے جاؤ گے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے پُر اثر انداز میں کہا۔ ''موران کا دور ختم ہونے والا ہے اور جلد مہا پجاری اورگان ہوگا۔''

وہ بے چارہ پہلے ہی میری باتوں پر حیران تھا یہ سن کر تو پاگل ہو گیا تھا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ایسا ہوگا اور تم بھی رہا ہو گے۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''بس تم حوصلہ کرو اور اس شخص سے ڈرنا چھوڑ دو جو کچھ نہیں جانتا ہے۔''

''ایسا مت کہو، وہ مہا پجاری ہے۔''

''کیسا مہا پجاری ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ باہر سے آنے والا شخص اس کے آدمی پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے اور وہ اس کے کہنے پر اپنے آدمی کو سزائے موت دے رہا ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''پتا نہیں۔'' اس کا لہجہ کمزور ہو گیا تھا۔ اس کا نام مانے تھا اور وہ تقریباً پینتیس برس کا تھا۔ یعنی جوان ہی تھا۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں ایک تیرہ برس کی تھی اور دوسری دس برس کی۔ وہ ان کے لیے بہت پریشان تھا کیونکہ وہ معبد میں پجاریوں کی ہوس کاریاں دیکھ چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ اگر وہ مر گیا تو اس کی بیٹیاں بھی ان لوگوں کی تسکین کا سامان بن جائیں گی۔ موت کے خوف سے زیادہ وہ ان کے لیے پریشان تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ ان کی شادی کرے اور وہ اپنے گھروں میں خوش رہیں۔ میں اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس سے وادی کے اوپر جانے والا خفیہ راستہ معلوم کر لوں مگر وہ مجھے ٹال گیا تھا شاید وہ اپنی قسم توڑتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ اگلے روز اسے کہیں لے جایا گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ اسے سزائے موت دینے کے لیے لے جا رہے ہیں مگر کچھ دیر بعد اسے واپس چھوڑ دیا گیا تھا میں جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اسے کہاں لے گئے تھے۔ پہریداروں کے جاتے ہی میں نے اسے آواز دی۔ ''مانے۔''

''کیا بات ہے دوست؟'' وہ کھڑکی میں نمودار ہوا تھا۔

''تمہیں کہاں لے گئے تھے۔''

''میری بچیوں سے ملوانے اور مجھے یہ بتانے کہ کل مجھے سزائے موت دی جائے گی۔''

''میرے خدا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ناانصافی ہے تم کو غلط سزا دی جا رہی ہے۔''

''میرا فیصلہ ہو گیا ہے۔'' اس نے کھوکھلے لہجے میں کہا۔ ''کل مجھے اسمار کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''کیا تمہارے ہاں سزائے موت اسی طرح دی جاتی ہے؟''

''نہیں ہمارے ہاں گردن میں رسی ڈال کر لٹکا دیتے ہیں۔ اس طرح سزائے موت صرف معبد میں دی جاتی ہے اور یہ طریقہ موجودہ مہا پجاری نے نکالا ہے ورنہ اس سے پہلے معبد میں کسی کو سزا نہیں دی جاتی تھی اور معبد کے مجرموں کو بھی شہر میں سزا ملتی تھی۔''

یعنی یہ موران تھا جس نے سزائے موت کا اتنا وحشت انگیز طریقہ نکالا تھا اس سے اس کی سفاکی کا پتا چلتا تھا۔ اور ایسے شخص سے میں کیا رعایت کی توقع کر سکتا تھا جس نے اپنے برسوں کے خدمت گار کو ایک باہر والے کے کہنے میں آ کر سزائے موت سنا دی تھی۔ ''کیا تم اس سزا کے خلاف شہر کے حاکم اومیکنا کے سامنے اپیل نہیں کر سکتے ہو؟''

''نہیں کیونکہ اومیکنا مہا پجاری کی دی ہوئی سزا کو رد نہیں کر سکتا ہے۔'' اس نے مایوسی سے جواب دیا۔

''سنو تم فرار بھی نہیں ہو سکتے؟'' اس بار میں نے آہستہ سے اسے مشورہ دیا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

''تم، تم تو خود قید ہو تم میری کیا مدد کرو گے۔'' اس نے جوابی سرگوشی کی۔ ''اور یہاں سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟''

''اگر تم مجھے نکال سکو تو میں تم کو اپنی دنیا میں لے جا سکتا ہوں۔ وہاں تم کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔''

''تمہاری دنیا۔'' اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں...... جہاں سے میں آیا ہوں۔''

''وہ دنیا کہاں ہے؟''

''یہاں سے بہت دور ہے۔ مگر ایک بار میں اس وادی سے نکل گیا تو تم کو وہاں لے جا سکتا ہوں۔''

''یہاں سے کیسے نکلیں؟''

''تم سوچو...... اتنے عرصے سے کام کر رہے ہو اور معبد کے چپے چپے سے واقف ہو تو کوئی نہ کوئی راستہ جانتے ہو گے۔''

''کوئی راستہ نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''تب کل تمہیں سزائے موت دے دی جائے گی۔'' میں نے اسے ڈرایا۔ ''اور تمہاری بیٹیاں معبد کے پجاریوں کے کھلونے بن کر رہ جائیں گی۔''

''اب میں کیا کر سکتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں سارا دن وقفے وقفے سے اس سے بات کرتا رہا تھا اور جب کوئی آنے لگتا تھا تو ہم چپ ہو کر کھڑکی کے سامنے سے ہٹ جاتے تھے۔ پہریداروں نے کھڑاویں نما کوئی چیز پہن رکھی تھی جس کی آواز بہت دور سے سنائی دیتی تھی اور جیسے ہی ان کی آواز آتی تھی ہم چپ کر جاتے تھے خاص طور سے مانے تو فوراً غائب ہو جاتا تھا۔ جب پہریدار چلے جاتے تھے تو مجھے اس کو آواز دے کر بلانا پڑتا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اور میرے لیے امید کی واحد کرن بھی ختم ہو رہی تھی۔ رات ہوئی اور اس کے رونے دھونے میں شدت آئی تو میں نے اس سے صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اسے بلایا تو وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ مزاج کے اعتبار سے وہ اچھا آدمی تھا۔ ورنہ کوئی اور ہوتا تو بار بار تنگ کرنے پر مجھے سنا چکا ہوتا۔ اس نے بیٹھی آواز میں کہا۔

''کیا بات ہے اومر؟''

''مانے اگر تم چاہو تو مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہو۔''

وہ بڑی مشکل سے احسان کے بارے میں سمجھا تھا۔ کیونکہ مجھے احسان کا متبادل لفظ نہیں آتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے اوپر جانے والے راستے کے بارے میں بتا دے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ پھر اس نے میری آواز کا جواب بھی نہیں دیا اور دم سادھ لیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اس نے اس بارے میں زبان بند رکھنے کا پکا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس کی زبان زبردستی نہیں کھلوا سکتا تھا۔ اگلے روز صبح سویرے اسے نکال کر کہیں لے جایا گیا۔ اس کے ایک گھنٹے بعد مجھے بھی کوٹھری سے نکالا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے موران سے ملوانے لے جایا جا رہا تھا مگر مجھے ایک اور تہہ خانے میں لے جایا گیا تھا جہاں بہت تاریکی اور گھٹن تھی۔ اس کے ساتھ وہاں شدید بدبو تھی جیسے مردار جانور سڑنے سے آتی ہے۔ بدبو اتنی زیادہ تھی کہ میرا دم گھٹنے لگا تھا اور یہ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ شاید اب مجھے یہاں قید کر دیا جائے۔ میرے ساتھ دو سپاہی تھے اور وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے ان کے لیے نہ تو تاریکی مسئلہ ہو اور نہ وہ بدبو سے پریشان لگ رہے تھے۔ شاید وہ اس ماحول کے عادی تھے۔ اس اہرام کے نیچے بھی بہت بڑے تہہ خانے تھے۔ وہ مجھے ایک کھلی جگہ لائے جہاں مانے بھی موجود تھا اور اس کے چہرے پر زردی نے جیسے قبضہ کر لیا تھا اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''لگتا ہے تم کو میری موت دکھانے لائے ہیں۔''

''چپ کرو۔'' اس کے ساتھ کھڑے شخص نے کڑک کر کہا۔ ''تم کو بولنے کی اجازت نہیں ہے۔''

وہاں ماحول میں سنگینی محسوس کی جا سکتی تھی۔ مانے کے ساتھ دوسرے بھی سہمے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہاں آسر اور موران کی آمد ہوئی تھی، ان کے ساتھ ان کے محافظ تھے۔ آسر نے آتے ہی مانے کے سر پر مسلط شخص سے کچھ کہا اور اس نے سر ہلایا۔ ایک طرف لمبی سی دیوار تھی۔ اس شخص نے دیوار میں لگے ایک پہیے کو گھمایا تو دیوار کا ایک حصہ سرک گیا اور میں نے شدید بدبو کے ساتھ ایک ایسی غراہٹ سنی جو آج تک کسی جانور کے منہ سے نہیں سنی تھی میں نے شیر، ٹائیگر اور دوسرے تمام درندوں کی غراہٹیں سنی تھیں مگر یہ ان سب سے الگ اور بھیانک غراہٹ تھی۔ وہاں موجود لوگ سہم گئے تھے۔

''اومر تم دیکھو۔'' آسر نے مجھے حکم دیا تھا۔

میں ہمت کر کے اس خلا کے پاس گیا تو میں نے ایک عجیب سی مخلوق کو دیکھا جو زمین سے کوئی بیس پچیس فٹ نیچے ایک دائرے نما کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔ اس کا نچلا جسم کسی قوی ہیکل گھوڑے کی طرح تھا اور اوپری جسم کسی بن مانس جیسا۔ وہ اس محدود سی جگہ میں بھی بہت تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور اس کے منہ سے مسلسل غرانے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کے سر پر لمبے بال تھے جو اس کی کمر تک آ رہے تھے۔ اور دوڑنے کے دوران لہرا رہے تھے۔ اس کمرے میں جانے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔ اوپر دیواروں میں روزن تھے جن کے ساتھ ہی مشعلیں روشن تھیں۔ یہ ہارن تھا جس کے بارے میں اورگان نے مجھے بتایا تھا۔ اور پھر آسر نے بھی بتایا تھا کہ اس کے آدمیوں نے ایک ہارن زندہ پکڑا ہے۔ میں نے ہمت کر کے آسر سے پوچھا

''کیا مجھے اس کے سامنے پھینکا جائے گا؟''

اس وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میرے لیے یہ سزا منتخب کی گئی تھی تو میں ہارن کے سامنے پھینکے جانے پر لڑ مرنے کو ترجیح دوں گا۔

''نہیں تمہیں صرف دکھایا جائے گا کہ ایک ہارن انسان کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔''

میں نے بے ساختہ مانے کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت پہلے ہی خراب تھی یہ سن کر اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ میں نے آسر سے کہا۔

''اس بے چارے کو تم لوگ جس جرم کی سزا دے رہے ہو وہ اس نے کیا ہی نہیں ہے۔ ولیم شا جھوٹ بول رہا ہے۔''

''وہ جھوٹا نہیں ہے۔'' آسر کے بجائے موران نے کہا۔ ''اس نے درست کہا ہے تم خفیہ راستے سے وادی میں آئے ہو۔''

''اگر میں کسی خفیہ راستے سے آتا تو کیا وہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا تم لوگوں کے ہاتھ کیوں آتا۔''

''تم خفیہ راستے سے آئے تھے۔ ایک بار تم اپنی خوش قسمتی کی وجہ سے نکل گئے تھے مگر اب تم وہاں سے نہیں جا سکتے وہاں اب پہرہ ہے۔''

''ولیم شا کو میں جانتا ہوں۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''وہ ایک مکار قوم کا فرد ہے جو ہزاروں میل دور سے آ کر ہمارے ملک پر قابض ہو گئے ہیں اور اگر تم لوگوں نے اسے موقع دیا تو وہ اس وادی پر بھی قابض ہو جائیں گے۔''

میری اس بات پر موران یوں مسکرانے لگا جیسے میں کوئی قصے سنا رہا ہوں۔ میری بات پر توجہ دینے کے بجائے آسر نے جلاد کو اشارہ کیا اور وہ مانے کو گھسیٹ کر خلا کی طرف لے جانے لگا وہ مچل رہا تھا اور موران سے معافی مانگ رہا تھا اس جرم کی جو اس نے کیا نہیں تھا مگر موران کامل بے حسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا آگے آ گیا تا کہ مانے کا انجام صحیح طرح سے دیکھ سکے۔ میں پہلے ہی خلا کے پاس تھا۔ جیسے ہی مانے میرے پاس آیا اچانک اس نے خود کو جلاد سے چھڑا لیا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ اس وقت میں بدک گیا تھا کہ وہ شاید مجھے خلا میں دھکیلنا چاہتا ہے مگر اس کے بجائے اس نے لپٹ کر میرے کان میں ایک لفظ کہا تھا۔ ''سراب''

اسی لمحے جلاد نے اسے واپس کھینچ لیا اور گھما کر اسے خلا میں پھینک دیا۔ مانے کی بھیانک چیخ ہارن کی

زبردست غراہٹ میں دب گئی تھی اور میں نے اسے ہارن کی گرفت میں دیکھا اس نے دوڑتے مانے کو فضاء میں پکڑ لیا تھا اور اب اسے الٹ پلٹ رہا تھا اس دوران میں اس کے دوڑنے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی پھر میں نے ایک بھیانک منظر دیکھا ہارن نے اسی طرح دوڑتے ہوئے مانے کو دونوں ٹانگوں سے پکڑا اور ایک لمحے میں اس کی ٹانگیں چیر کر اسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مرنے سے پہلے مانے نے اتنی زور سے چیخ ماری جو ہارن کی غراہٹوں پر بھی حاوی آگئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ ایک بے جان لاش تھا۔ اس کے دونوں ٹکڑے ہارن کے ہاتھوں میں جھول رہے تھے پھر اس نے اچانک گھما کر دونوں حصوں کو خلا سے باہر پھینک دیا تھا۔ میں اچھل پیچھے آیا تھا اس کے باوجود میں ایک ٹکڑے سے نکلتے خون کی زد میں آگیا تھا۔ چھینٹے سب پر آئے تھے مگر میں تو مانے کے خون میں نہا گیا تھا۔ وہ منظر ہی کم بھیانک نہیں تھا اب جو مانے کا خون مجھ پر گرا تو مجھے چکر آگیا تھا اور میں زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنی کوٹھری میں پڑا تھا اور میرا جسم صاف کر کے ایک اور کرتہ نما لباس مجھے پہنا دیا گیا تھا۔ مجھے اچانک ہی مانے کا خیال آیا پہلے مجھے شبہ ہوا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر کھڑکی کی طرف جھپٹا اور مانے کو آواز دی مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر تک آوازیں دے کر میں نے تھک کر سر دروازے پر رکھ لیا تھا اور سسک سسک کر رونے لگا تھا پتا نہیں میں مانے کے انجام پر رو رہا تھا یا اپنے انجام پر جو اس سے مختلف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ لوگ مجھ پر کسی قسم کا رحم کھائیں گے۔ انہوں نے اپنے برسوں پرانے خدمت گار کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا اور اسے سفاکی سے ہارن جیسے خوفناک درندے کے سامنے پھینک دیا تھا جس نے چشم زدن میں اس بے چارے کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ہارن نے جس طرح اسے مارا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انسانوں سے شدید نفرت کرتا ہے اور اسے موقع ملے تو وہ کسی بھی انسان کو نہ چھوڑے۔

میرا ذہن ذرا قابو میں آیا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں موران کے نزدیک مجرم تھا تو اب تک مجھے ہارن یا اسمار کے سامنے پھینک دینا چاہیے تھا اور میں ابھی تک زندہ تھا تو اس کی وجہ یقیناً کوئی اور تھی اس میں کم سے کم ان کی رحم دلی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور وہ وجہ صرف ایک ہی ہو سکتی تھی کہ میں کسی طرح اورگان کو راضی کر لوں کہ وہ موران کو اپنے آبائی علوم سکھا دے۔ پھر آسر کو بھی امید تھی کہ میں سامیرا کو اس سے شادی کرنے پر آمادہ کر لوں گا اور اس کے پس پشت بھی آسر کی مہا پجاری بننے کی ہوس کارفرما تھی۔ گویا دونوں کا مقصد ایک تھا۔ ہاں ایک فرق تھا آسر موران کے مقصد سے واقف تھا لیکن کیا موران جانتا تھا کہ آسر کی کیا خواہش ہے؟

میں اس نکتے پر جتنا بھی غور کرتا رہا تھا اتنا ہی اندر سے قائل ہوتا گیا تھا کہ آسر موران کو بے خبر رکھ کر یہ کام کرنے کی فکر میں تھا۔ اگر موران اس کے عزائم بھانپ جاتا تو وہ اگلے ہی لمحے اپنے عہدے اور ممکنہ طور پر جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اقتدار کی جنگ میں خون کے رشتے قربان کر دیئے جاتے ہیں آسر تو صرف اس کا نائب تھا۔ میں بھولا نہیں تھا جب موران نے مقصد کے حصول کے لیے مجھے سامیرا سے جسمانی تعلق قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں اس نکتے کو کس طرح اپنے حق میں استعمال کر سکتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر میں کسی طرح آسر کو یہ احساس دلا دوں کہ میں اس کا راز دار ہوں اور اگر میں نے زبان کھول دی تو وہ بہت

نقصان بھی اٹھا سکتا ہے تو میں اسے اپنی مدد پر آمادہ کر سکتا تھا۔ مگر میں اسے یہ دھمکی دیتا تو وہ مجھے مروا بھی سکتا تھا اس طرح میری زبان بند کر کے وہ اس خطرے سے نجات حاصل کر لیتا۔ نہیں، میں نے سوچا اسے کسی اور طرح سے دھمکی دینا تھی۔ ایسے کہ وہ میرے خلاف کچھ کر نہ سکے۔

رات کو جب میرے لیے کھانا آیا تو میں نے لانے والے سے کہا۔ ''کیا تم نائب پجاری آسر کو میرا ایک پیغام دے سکتے ہو۔''

''نہیں وہ کسی قیدی کی بات نہیں سنتے ہیں۔'' کھانا لانے والے نے حقارت سے کہا۔ ''ان تک تو میری رسائی بھی نہیں ہے۔''

''تب تم یہاں کے افسر تک میرا پیغام پہنچا دو۔'' میں نے لجاجت سے کہا تو وہ کسی قدر راضی نظر آنے لگا۔

''ہاں ایسا کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تب تم یہاں کے افسر سے کہہ دو۔''

''میں کہہ دوں گا۔'' وہ بولا اور چلا گیا۔ میں نے کئی وقت سے کھانا نہیں کھایا تھا مگر جان کا خوف ایسا تھا کہ میری بھوک اُڑ گئی تھی اور میں نے ابھی بھی کھانا زہر مار ہی کیا تھا۔ میں شدت سے منتظر تھا کہ کسی صورت آسر سے ملاقات ہو اور میں اس سے بات کر سکوں۔ اگر موران نے میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا تو شاید وہ بھی میرے کام نہ آ سکے۔ اگلے سارا دن میں قید خانے کے داروغہ کا انتظار کرتا رہا تھا۔ مگر اس نے مجھے شرف باریابی نہیں دیا تھا۔ اس دن بھی میں نے اس کے لیے پیغام بھیجا تھا۔ اس سے اگلے دن صبح کے وقت جب میں ناشتہ کر چکا تھا تب میری طلبی کا حکم آ گیا۔ ساتھ جانے والے سپاہی نے مجھے بتایا تھا کہ قید خانے کے افسر نے مجھے طلب کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں میرا منتظر تھا وہ ایک کرخت چہرے والا تنومند شخص تھا۔ اس نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

''کیا بات ہے تم میرے آدمیوں کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔''

''مجھے جناب آسر سے بات کرنی ہے۔''

''ان کے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔ ''ویسے بھی کچھ دن کی بات ہے جلد تمہارا فیصلہ ہو جائے گا۔''

اس کی بات سن کر میرے اندر خوف کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مجھے بہت جلد ہارن کا سامنا کرنا پڑے۔ میں نے کہا۔ ''مہا پجاری کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔ مگر جناب آسر سے میری ملاقات نہایت ضروری ہے۔''

''میں ان کو موقع ملنے پر بتا دوں گا۔ آگے ان کی مرضی۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''اب میرے آدمیوں کو تنگ مت کرنا ورنہ میں تم کو کسی گندی کوٹھری میں پھینکوا دوں گا۔''

اس کے آدمی مجھے واپس کوٹھری میں دھکیل گئے تھے۔ اس کے بعد میرے شب و روز ایک دائرے میں گزرنے لگے تھے۔ صبح ہوتی تھی اور ناشتے سے اس کا آغاز ہوتا تھا۔ اس کے بعد مجھے رفع حاجت کے لیے لے جایا جاتا تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کا موقع بھی اسی وقت ملتا تھا۔ مجھے پھر بند کر دیا جاتا تھا اور دوسری بار رات یا شام

کے کھانے کے بعد نکالا جاتا اور اسی مرحلے سے گزر کر میں اپنی کوٹھری میں آجاتا تھا۔ تیسرے دن مجھے نہانے اور لباس بدلنے کا موقع دیا جاتا۔ رفتہ رفتہ میں مایوس ہوتا جار ہا تھا مجھے لگتا تھا کہ کسی دن مجھے کوٹھری سے نکالا جائے گا اور ایک مختصر سماعت کے بعد مجھے فیصلہ سنا کر ہارن کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔

نہ جانے کتنے دن گزر گئے میں دنوں کی گنتی بھی بھول گیا تھا۔ میری داڑھی بڑھ کر سینے تک آ گئی تھی۔ اور مجھے اس قید میں کم سے کم ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ پھر ایک روز مجھے خلاف معمول دوپہر میں کوٹھری سے نکالا گیا اور جب مجھے اسی تہہ خانے میں لے گئے تو سیڑھیوں پر میرے قدم لڑکھڑانے لگے تھے مجھے اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا۔ اور جب میں نے موران اور آسر کو بھی آتے دیکھا تو میری رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی تھی۔ آسر مسکرا رہا تھا اور موران سنجیدہ تھا۔ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

''تم کو اس جگہ جان بوجھ کر آنے کے جرم میں سزائے موت دی جاتی ہے۔''

''یہ غلط ہے اور تم کو جھوٹ کہا گیا ہے۔'' میں چلا اٹھا تھا۔

''مہا پجاری کا فیصلہ آخری ہے۔'' آسر نے جواب دیا۔ ''تم کو ہارن کے سامنے ڈالا جائے گا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مگر میں بے گناہ ہوں اور جو مجھے یہاں لانے کا ذمے دار ہے وہ مہا پجاری کا مہمان ہے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا اور میں خود کو لڑ کر مرنے کے لیے تیار کرنے لگا میں نے سوچ لیا تھا کہ میں آسر یا موران پر حملہ کروں گا۔ اور اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ممکن ہے ان کے محافظ مجھے ہلاک کر دیں اور میں ہارن کے ہاتھوں اذیت ناک موت مرنے سے بچ جاؤں۔ مگر اس سے پہلے میں کوئی حرکت کرتا جلاد نے اچانک مجھے عقب سے یوں قابو کر لیا کہ میں اپنی مرضی سے ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ صرف مچل سکتا تھا اور اس کا تنومند جلاد پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ اس نے مجھے خلا کی طرف لے جانا شروع کیا اور مجھے آخری وقت سامنے نظر آنے لگا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ مجھے خلا میں پھینکتا جس سے ہارن کے غرانے کی آواز آ رہی تھی۔ کسی نے زور سے کہا۔

''رک جاؤ۔''

جلاد رک گیا تھا۔ میں نے مشکل سے سر موڑ کر دیکھا۔ مجھے وہی فوجی افسر نظر آیا جس نے مجھ سے قلعے میں بات کی تھی اور پھر مجھے موران کے حوالے کر دیا تھا۔ موران نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ مہا پجاری کے کام میں دخل دو۔''

''میں معافی چاہتا ہوں مہا پجاری۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''مگر میری مداخلت ناگزیر ہے، مجھے حاکم اومیکنا کی طرف سے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم ملا ہے۔''

''یہ معبد کا معتوب ہے اور اسے میرے حکم سے سزائے موت دی جا رہی ہے۔''

''اس شخص نے جو جرم کیا ہے اس کی سزا دینے کا اختیار صرف اومیکنا کو ہے اور یہ سزا مہا پجاری کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔''

''کیا مطلب؟'' موران کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''کیا اومیکنا مجھ سے برتر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے؟''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ میرا کہنا صرف اتنا ہے کہ یہ شخص معبد کا نہیں ریاست کا مجرم ہے۔''اس نے میری طرف اشارہ کیا۔''اسے سزا دینے کا حق ریاست کو ہے۔''

''اس نے یہاں آ کر معبد کی توہین کی ہے۔''

''نہیں اس نے توہین نہیں کی ہے۔''اس نے کہا اور جلاد کی طرف دیکھا۔''اسے میرے آدمیوں کے حوالے کر دو۔''

''ہرگز نہیں اسے ہارن کے سامنے پھینک دو۔''موران نے جلاد کو حکم دیا۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر گھمایا تھا کہ آنے والا فوجی افسر گرجا۔

''رک جاؤ۔''پھر اس نے موران سے کہا۔''مہا پجاری آپ اومیکنا سے بلا وجہ الجھ رہے ہیں۔ اگر آپ نے اسے ہارن کے حوالے کر دیا تو اومیکنا کو مجبوراً ان دونوں باہر والوں کو طلب کرنا پڑے گا۔''

یہ سنتے ہی موران کا غضب ناک موڈ بدل گیا تھا۔''کیا مطلب؟''

''مہا پجاری میرا مطلب خوب سمجھ رہے ہیں۔''فوجی افسر کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔''جو کام کرنے پر ایک آدمی کو معبد کی توہین کا مرتکب قرار دے کر موت کی سزا دی جا رہی ہے۔ وہی کام کرنے والے دو افراد مہا پجاری کے معزز مہمان ہیں۔''

''وہ خود سے نہیں آئے ہیں بلکہ معبد کے اوپر والے محافظ ان کو لائے ہیں۔''موران نے جلدی سے ان کا دفاع کیا۔

''مہا پجاری اچھی طرف جانتے ہیں کہ کوئی از خود بھی آئے تب بھی وہ مجرم ہی شمار ہوتا ہے البتہ اسے سزائے موت کے بجائے ہمیشہ کے لیے یہاں رہنے کی سزا دی جاتی ہے۔''

''ایسا آج تک ہوا نہیں ہے۔''اس بار آسر بولا۔

''اس سے قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔''فوجی افسر نے کہا۔''تو مہا پجاری اس شخص کو میرے حوالے کر رہے ہیں یا میں آپ کے دونوں مہمانوں کو ساتھ لے جاؤں۔''

موران اپنے ہونٹ چبا رہا تھا مجھے حیرت تھی کہ ولیم شا اور ایلن نے اسے کون سی پٹی پڑھائی تھی کہ وہ ان کو اپنا مہمان بنا چکا تھا۔ اوران کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے فیصلے کا منتظر تھا آخر اس نے سر ہلایا۔''ٹھیک ہے تم اسے لے جا سکتے ہو لیکن یہ ہے معبد کا مجرم اور اسے جلد از جلد معبد کے حوالے کیا جائے۔''

''میں آپ کی بات اومیکنا تک پہنچا دوں گا۔''فوجی افسر نے سر ہلایا۔

''میں اسی شرط پر اپنے مجرم کو تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔''موران نے زور دے کر کہا۔

فوجی افسر نے تالی بجائی تو نصف درجن سپاہی اندر آئے تھے اور انہوں نے مجھے جلاد سے اپنی تحویل میں لے لیا۔ میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے اپنے اس بندے کو بھیج کر مجھے موت سے بچا لیا تھا۔ وہ مجھے لے کر فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ فوجی افسر ہمارے ساتھ نہیں تھا وہ شاید الگ سے آ رہا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ اومیکنا کو اب میرا خیال کیوں آیا تھا یا شاید اس کے لیے اور بھی بہت سارے مسائل تھے اور میرا نمبر اب آیا

تھا۔ راستے میں سپاہی میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے اور انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہم جس بیل گاڑی میں سفر کر رہے تھے اسے دو بیل کھینچ رہے تھے اس لیے سفر بھی تیزی سے ہوا تھا اور ہم پہلے کے مقابلے میں جلد آرگون میں داخل ہو گئے تھے۔ آرگون جتنا خوب صورت تھا اتنا ہی مشینی شہر لگتا تھا۔ اس کے باشندے جیسے روبوٹ تھے۔ چلتے پھرتے اور سانس لیتے روبوٹ، ان کے چہرے تاثرات سے عاری تھے۔ اور ان میں سے ہر فرد کچھ نہ کچھ کر رہا تھا حد یہ کہ میں نے کسی کو ستاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ مجھے پھر اسی عمارت میں لے جایا گیا تھا۔ رات میں نے ایک کمرے میں گزاری اور اگلی صبح مجھے اسی فوجی افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ صاف ستھری وردی میں تر و تازہ لگ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں بروقت پہنچ گیا ورنہ تم کو ہارن کے سامنے پھینک دیا جاتا۔''

''میں جناب کا شکر گزار ہوں لیکن کیا میرے ساتھ ایسا پھر نہیں ہو سکتا ہے۔'' میں نے کسی قدر چبھتے لہجے میں کہا۔ ''ممکن ہے جناب اومیکنا بھی مجھے یہی سزا دیں۔''

''نہیں تمہیں انصاف ملے گا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم جان بوجھ کر یہاں نہیں آئے تھے تو تم کو سزائے موت نہیں ملے گی۔''

''عمر بھر کے لیے تو یہاں رہنا پڑے گا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''مرنے سے تو بہتر ہے۔''

''شاید۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اگر میں سزائے موت سے بچ گیا تب بھی ساری عمر یہاں رہوں گا۔''

''لازمی طور پر۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تم یہاں سے جانے کا خیال دل سے نکال دو۔''

''کیا مجھے کسی قید خانے میں رہنا ہوگا۔''

''نہیں، فیصلے کے بعد تم ایک آزاد شہری ہو گے اور تم اپنی صلاحیت کے مطابق کام کر کے زندگی بسر کرو گے۔''

''کیا مجھے شادی کرنے کی بھی اجازت ہوگی؟'' یہ سوال کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے اختیار سامیرا کا خیال آ گیا تھا۔

''ہاں تم عام طبقے کی کسی لڑکی سے شادی کر سکو گے۔''

''عام طبقہ؟''

''یہاں دو طبقے ہیں۔ ایک اعلیٰ طبقہ اور ایک عام طبقہ۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''اگر تمہیں معافی مل گئی تو تم عام طبقے میں شامل ہو گے۔ تمہارا رہن سہن اور تمام تعلقات اسی طبقے سے ہوں گے۔''

''مہا پجاری مجھے واپس مانگ سکتا ہے۔'' میں نے خدشے کا اظہار کیا۔ ''میرے ساتھ آنے والے دونوں سفید فام میری موت چاہتے ہیں۔''

''سفید فام؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہماری دنیا میں بھی طبقاتی سسٹم ہے بلکہ طبقاتی در طبقاتی سسٹم ہے۔ کچھ اس کی سمجھ میں آیا اور کچھ اس کے سر پر سے گزر گیا تھا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ''تمہاری دنیا کتنی بڑی ہے؟''

''تمہارے تصور سے بھی زیادہ بڑی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس وادی کی حیثیت باقی دنیا کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے ندی کے مقابلے میں ایک پانی کا قطرہ۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔'' اس نے ماننے سے انکار کر دیا اور میں اسے قائل کرنے کی کوشش میں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہی اس جگہ میرا واحد ہمدرد تھا۔ اورگان تک نے منہ پھیر لیا تھا اور مجھے موران کے حوالے کر دیا تھا۔ اس لیے میں چپ ہو گیا۔ وہ بھی اصل بات کی طرف آیا۔

''کل تم کو اومیکنا کے سامنے پیش کیا جائے گا اور تم نے اس کے حضور اپنی صفائی پیش کرنی ہے۔''

''اس وادی میں میرے داخلے کا واحد گواہ اورگان ہے اور اس نے میرا علاج کر کے مجھے مرنے سے بچایا تھا۔'' میں نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''کیا وہ میرے حق میں گواہی دے گا؟''

افسر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس نے خاصی دیر کے بعد کہا۔ ''اورگان باغی ہے اور اس پر آرگون میں داخل ہونے پر پابندی ہے اور اگر اومیکنا چاہے تو اسے طلب کر سکتا ہے۔''

''یعنی وہ میرے حق میں گواہی دینے آ سکتا ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''مشکل ہے کیونکہ اس نے تم کو واپس لینے سے انکار کر دیا تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اس قسم کا شخص ہے جو اپنے دشمن کو بھی جھوٹ بول کر نقصان نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''اگر اسے گواہی دینے کے لیے طلب کیا گیا تو وہ وہی کہے گا جو سچ ہے۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ اس نے مجھے واپس بھیج دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کل جب اومیکنا کے سامنے پیش ہوں گا تو مجھے کس طرح سے اپنا مقدمہ اس کے سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ بات تو طے تھی کہ مہا پجاری مجھے بخشنے کے لیے تیار نہیں اس نے جیسے مجھے بنا کسی صفائی کے موت کی سزا دے دی تھی۔ اگر اومیکنا مجھے معاف کر دیتا تو وہ مجھے کسی دوسرے الزام میں پھنسا سکتا تھا۔ اور اس ساری صورت حال کے پیچھے ولیم شا کا ہاتھ تھا وہ اس وادی کا راز اپنے پاس رکھنے کے لیے مجھے بہر صورت مروانا چاہتا تھا۔ میں اپنے ذہن میں ان نقاط پر غور کرنے لگا جن کی مدد سے میں اپنا کیس پیش کرتا تھا۔ اس ساری رات میں اسی بارے میں سوچتا رہا تھا۔

☆======☆======☆

اومیکنا کا دربار ویسا ہی تھا جیسا کہ کسی با اختیار بادشاہ کا ہو سکتا تھا وہ اس وادی کا مطلق العنان حکمران تھا۔ طویل قامت اور باوقار شخصیت کا حامل تھا اس نے سر پر ایک گول سونے جیسی کسی دھات کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جو شاید تاج تھا اور اس کے ہاتھوں میں اعصائے حکمرانی تھا وہ ایک اونچی سی کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے دائیں بائیں حکومت کے دوسرے دست و بازو تھے۔ مجھے اس کے سامنے اسی فوجی افسر نے پیش کیا جس کا نام نیکاٹ تھا۔ پہلے اس نے میری فرد جرم سنائی۔ اور اس کے بعد میرا مقدمہ اومیکنا کے سامنے پیش کر دیا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اومیکنا نے پہلا سوال کیا۔

''عمر دراز خان۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس جگہ کیوں اور کیسے آئے؟''

میں نے جواب وہاں سے شروع کیا جب ہم اس وادی میں اتفاقی طور پر آئے تھے۔ طیارے سے اس کا

ایک نظارہ کرنے کے بعد ولیم شا کے دل میں یہاں آنے کی تڑپ نے جنم لیا اور اس نے مجھے اور ایلن کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اس مہم کا سربراہ ولیم شا تھا اور وہی ہمیں یہاں لانے کا ذمے دار تھا مگر وہ تو مہا پجاری کا مہمان بنا ہوا تھا۔ اور مجھے مقدمے کا سامنا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ جذباتی ہوئے بغیر اپنا موقف پیش کرسکوں۔ میں نے آخر میں کہا۔ ''جناب عالی...... قانون سب کے لیے ایک ہوتا ہے۔ میں عزت مآب سے درخواست کرتا ہوں کہ ولیم شا اور ایلن کو بھی طلب کیا جائے کیونکہ ہم تینوں اس جگہ ایک ساتھ آئے تھے اور ہمارے جرم کی نوعیت یکساں ہے۔

اومیکنا سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم نے کہا کہ تم اوپر سے گرے تھے اور اورگان نے تم کو زخمی حالت میں پا کر تمہارا اعلاج کیا تھا۔ کیا وہ اس بات کی گواہی دے گا۔''

''میں نے سنا ہے کہ اورگان کے شہر میں آنے پر پابندی ہے اگر عزت مآب نے اسے آنے کی اجازت دی تو وہ میرے حق میں ضرور گواہی دے گا۔'' میں نے یقین سے کہا۔

''یہ معاملہ تین دن بعد ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔'' اومیکنا نے نیکاٹ کو حکم دیا۔ ''اور دونوں باہر کے آدمیوں کو بھی پیش کیا جائے۔''

''عالی جاہ وہ مہا پجاری کے مہمان ہیں ممکن ہے مہا پجاری میرے کہنے سے ان کو حوالے نہ کرے۔'' نیکاٹ نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''اس لیے مہا پجاری کے نام ایک حکم جاری کر دیا جائے۔''

اومیکنا کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دکھائی دیئے تھے اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''ہمارا حکم مہا پجاری کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسا تمہارے لیے جب تم ہمارا نام لے کر اس سے کہو گے تو اس کے لیے فرض ہے وہ حکم کی تعمیل کرے۔''

''جو حکم عالی جاہ کا۔''

میں اومیکنا کے دربار میں بولے جانے والے الفاظ کا مفہوم پیش کر رہا ہوں ورنہ وہاں درحقیقت اس طرح سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ جب اومیکنا نے ولیم شا اور ایلن کو بھی پیش کرنے کا حکم دیا تو میں خوش ہو گیا تھا۔ اب مزہ آئے گا ولیم شا کو، میں نے سوچا۔ نیکاٹ مجھے واپس قید خانے لے آیا تھا۔ اس نے راستے میں کہا۔ ''میرا خیال ہے اب تم کو اطمینان ہو گیا ہو گا کہ تمہارے ساتھ انصاف ہو گا؟''

''بڑی حد تک، مگر مجھے مہا پجاری کی طرف سے اطمینان نہیں ہے وہ ولیم کے کہنے میں آ کر مجھے سزا دلوانے کی کوشش کرے گا۔''

''تم فکر مت کرو، تم اب اومیکنا کی تحویل میں ہو اور یہاں مہا پجاری کا کوئی اثر نہیں ہے۔''

میں نے سوچا اور ہمت کر کے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے تم لوگوں کو پجاریوں کا ریاست کے کاموں میں دخل دینا پسند نہیں ہے۔''

''ایسا ہی ہے۔ اصل میں موران نے اس معاملے میں بہت ہاتھ پاؤں نکالے ہیں ورنہ اس کا باپ اپنی حدود میں رہتا تھا اور اس نے کبھی ریاست کے معاملات میں دخل نہیں دیا تھا۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ مہا پجاری اس وادی کا سب سے طاقتور شخص بننا چاہتا ہے۔''

''یہ اس کی خام خیالی ہے۔ وادی کا اصل حکمران اوسیکنا ہے اور وہی حکمران رہے گا۔ مہا پجاری زیادہ سے زیادہ معبد کی حد تک خود مختار ہے۔''

اس کے خیالات جاننے کے بعد میں نے ایک اور قدم اٹھایا اور نیکاٹ سے کہا۔ ''کیا تم جانتے ہو کہ مہا پجاری کے پاس وہ علوم نہیں ہیں جو ایک مہا پجاری کو لازمی آنے چاہئیں۔''

وہ چونکا تھا۔ ''نہیں، مگر تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے۔''

میں نے آس پاس دیکھا اور ساتھ چلنے والے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''ان کے ہوتے ہوئے میں تم کو یہ بات نہیں بتا سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تم کو اپنے دفتر میں بلا لوں گا۔'' اس نے اضطراب سے کہا میری بات نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ جب ہم واپس پہنچے تو اس نے مجھے میری کوٹھری میں بھیج دیا۔ اس کے کچھ دیر بعد اس نے مجھے اپنے دفتر میں طلب کر لیا تھا۔ اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ ''اب کہو تم اس بارے میں کیا جانتے ہو اور کیسے جانتے ہو۔''

اس دوران میں، مَیں نے سوچ لیا تھا کہ میں نیکاٹ کو سب سچ سچ بتا دوں گا کہ مہا پجاری اور آسر نے مجھے کس وجہ سے رہا کر کے اورگان کے پاس بھیجا تھا مگر اس نے مجھے واپس کر کے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا تھا۔ دوسری طرف موران اور آسر کے لیے میرا وجود خطرے کا نشان بن گیا تھا اور وہ بہر صورت مجھے موت کے گھاٹ اتار کر خطرے سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے نیکاٹ کو بتانا شروع کیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئی تھیں۔ خاص طور سے میرے اس خدشے پر وہ اچھل پڑا تھا کہ آسر مہا پجاری کی جگہ لینے کی فکر میں ہے۔

''تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''تب تم بتاؤ کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ کیا اسے لڑکیوں کی کوئی کمی ہے جو وہ ایک معتوب شخص کی بیٹی سے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔''

اس نے غور کیا تھا اور سر ہلایا۔ ''بات سمجھ میں آ رہی ہے۔''

''اب اگر وہ سامیرا سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اورگان سے وہ علوم بھی حاصل کر سکتا ہے جو مہا پجاری کو بھی میسر نہیں ہیں اور ان کے بل بوتے پر وہ مہا پجاری بن سکتا ہے۔''

''یہ بہت حیرت انگیز بات ہے کہ مہا پجاری کے منصب کا شخص خاص علوم سے ناواقف ہو۔ اس کے بغیر وہ مہا پجاری نہیں بن سکتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ موران تم سب کو دھوکا دے رہا ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو اسے اس کے عہدے سے ہٹایا بھی جا سکتا ہے۔''

میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اس صورت میں تم سوچ سکتے ہو کہ اگر آسر وہ مخصوص علوم حاصل کر لیتا ہے تو وہی مہا پجاری ہو گا۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''کاش اورگان بغاوت نہ کرتا تو وہی اس منصب کے لیے سب سے بہتر شخص ہے۔''

''اسے کیوں باغی قرار دے کر شہر سے نکالا گیا تھا۔''

''مجھے لگ رہا ہے کہ یہ سب موران کی شرارت تھی۔ اورگان کو شروع سے طب میں دلچسپی تھی اور وہ عام طبقے کے لوگوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ یہ بات بہت خاص نہیں تھی مگر موران نے اس وقت اسے اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ اس کا باپ بھی غصے میں آ گیا تھا اور اس نے اورگان سے کہا کہ وہ عام لوگوں کا علاج نہ کرے مگر اس نے بھی ضد پکڑ لی اور باپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا اور اسے سزا کے طور پر بیوی سمیت شہر سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے ایک سال کے اندر موران کا باپ بھی مر گیا اور وہ اس کی جگہ مہا پجاری بن گیا تھا۔''

''ممکن ہے اسے بھی کسی سازش کے تحت مارا گیا ہو۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''مہا پجاری کو کون مار سکتا ہے۔''

میں اس کے انداز پر بوکھلا گیا تھا اس کے لیے یہ ایک انوکھی بات تھی جب کہ ہماری دنیا میں ایسا ہونا عام سی بات تھی۔ ''میں معافی چاہتا ہوں میرے منہ سے ایسے ہی نکل گیا تھا۔''

''آئندہ خیال رکھنا۔'' اس نے تنبیہ کی۔ ''اب مجھے یہ ساری باتیں اومیکنا کے علم میں لانی ہوں گی اور وہی فیصلہ کرے گا کہ اس صورت میں کیا کرنا ہے۔''

اس کے بعد مجھے پھر واپس میری کوٹھری میں بھیج دیا گیا تھا۔ یہاں نہ صرف مجھے جگہ بڑی دی گئی تھی بلکہ دوسری سہولتیں بھی تھیں جیسے میں جب چاہتا کسی پہریدار کو بلا کر کسی حاجت کے لیے جا سکتا تھا کھانا بھی بہتر تھا میں نے بتا دیا تھا کہ میں گوشت نہیں کھاتا تھا اس لیے مجھے صرف سبزیاں، انڈے اور دودھ کی بنی چیزیں دی جائیں۔ اس لیے کھانا بھی میری مرضی کا دیا جاتا۔ مجھے دن میں ایک بار غسل کرنے اور دو دن بعد لباس بدلنے کی اجازت تھی۔ یہاں دھول مٹی کا نام و نشان نہیں تھا۔ کپڑے بھی کئی کئی دن میلے نہیں ہوتے تھے۔ اور نہ ہی پسینہ آتا تھا۔ موسم ہمہ وقت خنک سا رہتا تھا اور گرمی کا احساس بہت کم ہوتا تھا۔

☆======☆======☆

چوتھے دن مجھے پھر طلب کیا گیا تھا۔ اومیکنا کا دربار تھا اور میں نیکاٹ کے ساتھ روانہ ہوا تھا اس نے مجھے بتایا نہیں تھا کہ اس نے اومیکنا کو ساری بات بتائی ہے یا نہیں۔ ہمارے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے اس لیے پوچھنے کا موقع نہیں تھا۔ البتہ اومیکنا کے سامنے ولیم شا اور ایلن کو دیکھ کر میں خوش ہو گیا تھا۔ ایک طرف موران اور آسر بھی بیٹھے تھے۔ ان کے چہروں پر کبیدگی نمایاں تھی۔ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا تھا جب کہ ولیم شا مطمئن تھا اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''ان حربوں سے تم بچ نہیں سکتے۔''

''خاموش۔'' ایک چوب دار نے کڑک کر کہا۔ ''یہاں بنا اجازت بولنا منع ہے۔''

اومیکنا آیا تو سب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی جگہ بیٹھ کر سب کا جائزہ لیا اور نیکاٹ سے بولا۔ ''تمام لوگ حاضر ہیں؟''

''جی عالی جاہ۔'' اس نے سر جھکا کر کہا۔ اومیکنا نے ولیم شا اور ایلن بریڈ کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ ''مم دراز خان نے ایک کہانی سنائی ہے۔''

پھر اس نے مجھے اپنی بات دہرانے کو کہا۔ میں نے شروع سے آخر تک پھر سے دہرا دیا۔ اومیکنا نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ''تم لوگ اس الزام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''سب صحیح ہے جناب عالی۔'' ولیم شا نے بھی ان کی زبان میں کہا تھا وہ مجھ سے بھی اچھی زبان بول رہا تھا۔ ''سوائے ایک بات کے کہ یہاں لانے والا شخص یہی ہے اور ہم صرف اس کے ساتھی تھے۔ ہم اس کے مقاصد سے لاعلم تھے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ اس کا وادی میں اترنے کا ارادہ ہے۔''

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' میں نے زور سے کہا۔

''خاموش۔'' اومیکنا نے ناگواری سے کہا۔ ''جب تم کو بولنے کو کہا جائے تب بولنا۔''

میں چپ ہو گیا اور ولیم شا طنزیہ انداز میں مسکرانے لگا تھا۔ ''جناب عالی مہا پجاری کے آدمیوں نے ہمیں وادی سے باہر بھوکا پایا تھا اور اگر یہ ہمیں وادی میں نہ لاتے تو ہم بھوک سے مر جاتے۔''

''یہ درست ہے۔'' موران نے مداخلت کی۔ اس پر اومیکنا کے چہرے پر ناگواری نظر آئی تھی مگر اس نے اسے ٹوکا نہیں۔

''تم زبردستی لائے گئے ہو مگر تم نے اس وادی کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔''

''اومیکنا۔'' موران نے اسے نام سے مخاطب کیا۔ ''یہ میرے معزز مہمان ہیں اور ان کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔''

''مہا پجاری کو یہ خیال کیوں آیا کہ میں ان لوگوں کو کوئی سزا دینا چاہ رہا ہوں۔'' اومیکنا کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''کیونکہ یہ لائے گئے ہیں اس لیے ان کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی ہے۔ اور ان کو یہاں رہنے کی اجازت دی جائے گی۔ اب میں ان کو اپنا مہمان بنا کر رکھنا چاہتا ہوں تو معزز اومیکنا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اگر اس بات کا ثبوت مل جائے کہ یہ اوپر سے لائے گئے ہیں از خود نہیں آئے ہیں۔''

''میں اس کا گواہ ہوں۔'' موران بولا۔

''میزبان مہمان کا گواہ نہیں ہو سکتا ہے۔'' اومیکنا نے اس کی گواہی مسترد کر دی۔

''معزز اومیکنا میری توہین کر رہے ہیں۔'' موران غصے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''مہا پجاری مت بھولیں کہ اس وقت وہ میری عدالت میں ہیں۔ جب تک ان دونوں کی بے گناہی کا ثبوت نہیں مل جاتا ہے یہ بھی ریاست کی تحویل میں رہیں گے۔'' اومیکنا نے ولیم شا اور ایلن بریڈ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ان کے چہرے یک دم ہی ست گئے تھے۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' موران کرخت لہجے میں بولا۔ ''یہ سرکار کی طرف سے معبد کے معاملات میں مداخلت ہے۔ یہ میرے مہمان ہیں اور ان کی توہین میری توہین ہے۔ معزز اومیکنا کو سینتور کے غضب سے بچنا چاہیے۔''

''مہا پجاری، ابھی ایک مقدمہ اور بھی ہے۔'' اومیکنا نے کہا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً

موران کی حیثیت کے بارے میں بات کرنے والا تھا۔ ''مہا پجاری کے لیے بعض علوم کا جاننا اشد ضروری ہے۔ مجھے امید ہے معزز پجاری کو ان علوم پر پورا عبور ہوگا۔''

اس پر موران نے مجھے جس انداز سے دیکھا تھا اگر کسی کو نظروں سے قتل کرنا ممکن ہوتا تو وہ مجھے اسی وقت موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس نے ادمیکنا سے کہا۔ ''کیا معزز میکنا میرا امتحان لینا چاہتا ہے؟''

''مجھے بعض لوگوں سے شکایت ملی ہے کہ مہا پجاری کو ان علوم پر عبور نہیں ہے اور اس نے ریاست کے باغی اورگان سے ان علوم کو سیکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''بس بہت ہوگیا۔'' موران کھڑا ہوگیا تھا۔ ''میں اپنے منصب کی اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔''

''مہا پجاری الزام کا جواب دینے کے بجائے گریز کا رویہ اختیار کررہے ہیں اسے کیا کہا جائے۔'' ادمیکنا کا لہجہ طنزیہ ہوگیا تھا۔

''اگر معزز ادمیکنا کو میری صلاحیت پر کوئی شک ہے تو وہ معبد آ کر اپنا شک دور کر سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اس لیے اب معبد میں ہی بات ہوگی۔'' موران کہتے ہی آسر کے ہمراہ دربار سے رخصت ہوگیا تھا۔ ولیم اور ایلن وہیں تھے ان کے بارے میں ادمیکنا نے نیکاٹ سے کہا۔ ''ان کو مقدمے کا فیصلہ ہونے تک ریاست کی تحویل میں رکھا جائے۔''

جب میں ان کے ساتھ قید خانے کی طرف جا رہا تھا تو میرے ہونٹوں پر اقبال کا یہ شعر تھا۔ ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز۔ ولیم شا مجھے خون خوار نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے مجھ سے انگریزی میں کہا۔

''تم یہ مت سمجھو کہ بازی پلٹ گئی ہے۔''

''ولیم شا بازی کے بارے میں تم بھی اتنے یقین سے بات مت کرو۔'' میں نے جوب دیا۔ ''ممکن ہے ہم سب ہارن کے سامنے پھینک دیئے جائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں ساری عمر یہاں گزارنی پڑے۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم نہ رہو اور ہم یہاں سے کامیاب رخصت ہو جائیں۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''مگر تم جس موران پر اتنا زیادہ بھروسہ کررہے ہو وہ اب کچھ دن ہی مہا پجاری رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ تم بھی سزاوار ٹھہرو۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' ولیم عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''تم دیکھ ہی لوگے۔''

''سوال یہ ہے کہ جب تم کو مجھے مروانا ہی تھا تو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی۔'' اس نے کہا۔ ''کیونکہ اس وادی کے راز سے اب صرف تین افراد ہی واقف ہیں۔''

''بس ہم تین لوگ واقف ہیں۔'' میں حیران ہوا تھا۔ ''مگر طیارے میں تو سات افراد تھے۔''

''ان میں سے اب چار اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ان میں سے دو جنگ میں مارے گئے اور دو الگ الگ حادثوں میں مارے گئے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''کیا سچ مچ وہ حادثے ہی تھے؟''

''تم چاہو تو ایسا بھی سمجھ سکتے ہو۔'' وہ مسکرایا۔ ''مگر اب اس وادی سے باہر وادی کے بارے میں جاننے والا کوئی نہیں ہے۔''

''تمہاری کوشش ہے کہ میں بھی نہ رہوں۔'' میں نے تلخی سے کہا اور ایلن کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے؟''

''یہ میرا ساتھی ہے؟'' ولیم نے ڈھٹائی سے کہا۔

''واقعی۔'' میرا لہجہ مذاق اڑانے والا ہو گیا تھا۔ ''تم جیسا شخص اس معاملے میں کسی کو دوست بھی بنا سکتا ہے۔''

''تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔'' ایلن نے سرد لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے کوئی پکا بندوبست کر لیا ہے کہ ولیم شا تمہارا دوست ہی رہے۔'' میں نے غور کیا وہ بھی گورا تھا اور اس کی ذہنیت ولیم شا سے مختلف نہیں تھی۔

''اومر ڈراز۔'' ولیم نے میری طرف دیکھا۔ ''اگر تم اس شخص کی حمایت پر بھروسہ کر رہے ہو تو یہ تمہاری حماقت ہو گی۔''

''میں خود کو بچانے کے لیے سب کر گزروں گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''تم یہ مت سمجھنا میں آسانی سے ہتھیار ڈال دوں گا۔''

اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔ ''تم کالے انڈین تمہاری اوقات ہی کیا ہے۔''

''اس کا بھی تم کو جلد پتا چل جائے گا۔'' میں نے جواب دیا مگر میں اندر سے کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔ ائیر فورس کی نوکری کے دوران میں نے ان گوروں کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور مجھے ان کی ذہنیت کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ بے انتہا سازشی اور خود غرض قوم ہے۔ جو ہندوستانیوں کو بھیڑ بکری سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی ہے۔ اس نے یہاں جس طرح مہا پجاری کو قابو کیا تھا اس سے مجھے لگ رہا تھا کہ اس وادی میں بھی جلد وہی ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا جو انگریز شروع سے برصغیر میں کھیلتے آئے تھے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ ان کے حق میں نکلا تھا اور نقصان ہمیشہ ہندوستانیوں کو اٹھانا پڑا تھا۔

میں نے وادی کے لوگوں کو جتنا دیکھا تھا۔ یہ مجھے سادہ اور مکر و فریب سے ذرا دور ہی نظر آئے تھے۔ یہ ذہین تھے مگر سازشانہ چالاکی ان میں کم تھی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی ان کے ہاں ہزاروں سال سے ایک ہی نظام چلا آ رہا تھا اور سب کو زندگی کی بنیادی ضروریات میسر تھیں اس وجہ سے ان کے ہاں طبقاتی نظام کامیابی سے چل رہا تھا۔ اونچا طبقہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا مگر وہ عام طبقے کو بھی سہولت دیتا تھا۔ ان کے ہاں دولت جمع کرنے کا تصور نہیں تھا کیونکہ ان کے ہاں زر کا نظام نہیں تھا۔ ہر شخص کام کرتا تھا اور اس کو ضرورت کی ہر شے مناسب مقدار میں ریاست کی طرف سے فراہم کی جاتی تھی۔ خوراک، لباس اور رہائش کے ساتھ علاج اور دوسری سہولیات بھی دی جاتی تھیں۔ سردیوں میں سب کو ریاست کی طرف سے آگ جلانے کے لیے خشک لکڑی اور گوشت کی خوراک دی جاتی تھی۔ مکانوں کی مرمت کا بھی سرکار کی طرف

سے بندوبست تھا۔

اس لحاظ سے یہ وادی ایک منفرد معاشرہ رکھتی تھی جہاں طبقاتی نظام ہونے کے باوجود انسانوں کو جانور نہیں سمجھا جاتا تھا اوران کو اس حد تک نہیں دبایا جاتا تھا کہ وہ بغاوت پر اتر آئیں اور شاید یہی اس نظام کی کامیابی کی وجہ تھی۔ سچی بات ہے کہ ایک گھٹنے ہوئے جبر کے باوجود مجھے ان کا سسٹم اچھا لگا تھا۔ یہاں انسان ایک مناسب زندگی گزار رہے تھے ان پر ایک حد سے زیادہ جبر نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر یہاں پر بھی انگریز آجاتے تو اس وادی کا انجام بھی باقی برصغیر سے مختلف نہیں ہوتا۔ یہاں پر بھی وہی آگ بھڑک اٹھتی جو گوروں نے باقی ہندوستان میں لگا رکھی تھی۔ یہ لوگ تو انگریزوں کا بہت آسان شکار ہو جاتے کیونکہ یہ آتشیں اسلحے سے ناواقف تھے اور ایک کمپنی اس پوری وادی کے لیے کافی ہوتی۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا تھا کہ انگریزوں کے ناپاک قدم اس وادی کی تباہی کا باعث بن سکتے تھے۔ میں نے سوچا کہ میں قید خانے میں جاتے ہی نیکاٹ سے اس موضوع پر بات کروں گا۔ مگر جب میں نے اپنے پہریدار سے اس کی درخواست کی تو اس نے بتایا۔ ”جناب نیکاٹ کسی ضروری کام سے شاہی محل گئے ہیں۔“

اس کے بعد اگلے دو دن تک کوشش کے باوجود مجھے اس سے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ ہو گیا جس کا خدشہ مجھے ولیم سے باتوں کے دوران محسوس ہوا تھا۔ تیسری رات اچانک ہی عمارت میں شور ہوا تھا اور اس کے بعد چند اجنبی اندر گھس آئے وہ نوک دار لاٹھیوں سے مسلح تھے اور انہوں نے آتے ہی قید خانے کے پہریداروں کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ میرے سامنے ایک پہریدار کو زمین پر گرا کر لاٹھی کی نوک اس کے سینے میں اتار دی گئی تھی۔ میں حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے کمرے کے باہر ولیم شا کو آزاد دیکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کیوں مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟“

”تم کیسے آزاد ہوئے؟“ میں نے بمشکل پوچھا۔

”میں صرف آزاد نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ بہت سارے لوگ آج زندگی کی قید سے آزاد ہو چکے ہیں۔ ان میں اومیکنا بھی شامل ہے۔“

”میرے خدا...... تم کیا کر رہے ہو۔“

”دیکھتے رہو۔“ اس نے کہا۔ ”ابھی تو اس وادی پر میری حکمرانی ہوگی۔“ اس کے لہجے میں تکبر تھا۔

”کیا موران نے بغاوت کر دی ہے؟“

”نہیں اس نے مذہبی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت بھی سنبھال لی ہے۔ اب سے کچھ دیر پہلے معبد میں اومیکنا کو قتل کیا جا چکا ہے اور اب شہر پر موران کے آدمیوں کا قابو ہے۔“

”حکومت کے دوسرے لوگ بھی تو ہیں۔“

”تم شاید نیکاٹ کی بات کر رہے ہو۔ وہ بھی جلد مارا جائے گا اس وقت حکومت کے دوسرے لوگوں کا صفایا کیا جا رہا ہے۔“

”اس بغاوت کا منصوبہ تم نے بنایا تھا؟“

”صرف منصوبہ نہیں بنایا تھا میں نے موران کے آدمیوں کو تربیت بھی دی ہے اور اب میں ہی اس پر عمل

درآمد کی نگرانی کررہا ہوں۔"

"ولیم تم نے اس خوب صورت وادی کو تباہ کر دیا۔" میں نے حسرت سے کہا۔" کاش اس روز ہمارا طیارہ یہاں نہ آتا۔ کاش وہ ہمالیہ میں کریش ہو جاتا۔"

"یہ ہمارے مقدر میں تھا۔" اس نے طنز سے کہا۔" تم مسلمان مقدر کو بہت مانتے ہو۔"

"لیکن میرا خیال ہے موران تمہیں بھی استعمال کر رہا ہے اور وہ کام نکل جانے کے بعد تمہیں بھی مروا دے گا۔"

"تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔" اس نے جاتے ہوئے کہا۔" جلد دوبارہ ملاقات ہوگی۔"

میں حیران پریشان تھا ایک امید کی کرن نظر آئی تھی اور وہ بھی بجھ گئی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اتنی بڑی سازش تیار کر کے بیٹھے ہوں گے اور اب اس پر عمل درآمد جاری تھا۔ ولیم مجھے جلد ملاقات کی دھمکی دے کر گیا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ یہ ملاقات اب اس جگہ ہوگی جہاں ہارن کو قید رکھا گیا تھا اور مجھے اس کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔ یوں وہ کام پایا تکمیل کو پہنچ جاتا جو نیکاث کی مداخلت سے ادھورا رہ گیا۔ اگر مجھے کوئی اور زبانی اس بغاوت کے بارے میں بتاتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا مگر ولیم کو آزاد دیکھ کر اور اس سے بات کر کے مجھے فوراً یقین آ گیا تھا۔ قید خانے کی عمارت سے چیخنے چلانے اور شور کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اچانک ایک اور آواز آئی جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ آگ لگنے کی آواز تھی۔ اس عمارت کی تعمیر میں جگہ جگہ لکڑی استعمال ہوئی تھی اور آگ سے لکڑی چیخ رہی تھی۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ آگ قید خانے کی طرف آرہی ہے۔ میں نے دروازہ بجایا اور چلایا۔" کوئی ہے...... مجھے یہاں سے نکالو۔"

مگر وہاں کوئی تھا بھی تو اسے اپنی جان کی فکر تھی وہ مجھے کہاں سے بچاتا۔ اب شور ختم گیا تھا اور صرف آگ سے لکڑی اور چیزوں کے چٹخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اندر دھواں اور تپش بھرنے لگی تھی۔ دھواں میرے حلق میں گیا تو میں آوازیں دینے کے بجائے کھانسنے لگا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ ہارن کے ہاتھوں موت کے بجائے یہاں جل کر اور دم گھٹ کر مرنا میرا مقدر تھا۔ آگ شاید اس عمارت کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی اور اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ قید خانہ وسط میں تھا اس لیے یہاں ابھی شعلوں نے رسائی حاصل نہیں کی تھی۔

جس وقت میں چیخ چیخ کر مایوس ہو گیا تھا تب مجھے پہلی بار کسی کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے چلا کر جواب دیا اور فوراً ہی کوئی میری کوٹھری کی طرف آیا میں نے دھویں سے بھری راہ داری میں دیکھا تو کوئی کوٹھری کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔" فکر مت کرو میں ابھی تم کو یہاں سے نکال رہا ہوں۔" اس نے کہا تو اس کی آواز پہچان کر میں نے خوشی محسوس کی تھی وہ نیکاث تھا۔ زندہ اور آزاد تھا۔ اس نے ایک کلہاڑی کی مدد سے دروازے کا تالا توڑ دیا۔ ان کے ہاں دھاتی تالوں کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ یہ کوٹھری کا دروازہ لکڑی کی مضبوط بلی کی مدد سے بند کیا جاتا تھا۔

جیسے ہی دروازہ کھلا اس نے ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر کھینچا۔ سوال جواب کا وقت نہیں تھا۔ سب سے پہلے یہاں سے نکلنا تھا نیکاث اس عمارت کے سارے رازوں سے واقف تھا وہ مجھے ایک کمرے میں لایا اور اس نے فرش پر

بچھی چوکی ہٹا کر اس کے نیچے جانے والے راستے کا دروازہ کھولا۔ اس نے مجھے نیچے دھکیلا۔ ''جلدی کرو کسی وقت بھی عمارت گر جائے گی۔''

نیچے ایک چھوٹی سی سرنگ تھی جس میں ہم کو جھک کر بھاگنا پڑ رہا تھا۔ اچانک اوپر سے ایک لرزہ خیز گڑگڑاہٹ سنائی دی اور ہم ہر ممکن تیزی سے بھاگنے لگے تھے۔ کوئی فرلانگ بھر بعد سرنگ ایک باغ میں نکلی تھی اور یہ باغ کسی محل کا تھا۔ نیکاٹ بہت پریشان اور کسی قدر غصے میں تھا۔

''ادمیکنا کو مار دیا گیا ہے؟'' میں نے سرنگ سے نکلتے ہی اس سے پہلا سوال کیا۔

''ہاں۔'' وہ ہونٹ چبانے لگا تھا۔ ''بدقسمتی سے انہوں نے میری بات نہیں مانی تھی اور معبد چلے گئے تھے مجھے پتا چلا تھا وہاں ان کے خلاف سازش ہونے والی ہے۔''

''اور اس سازش کا سرغنہ ولیم شا ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ خود کوٹھڑی کے باہر مجھ سے بات کر کے گیا ہے۔''

''ولیم شا۔'' وہ چونکا۔ ''اسے کسی نے آزاد کرا دیا تھا۔''

''وہ صرف آزاد ہی نہیں تھا بلکہ مار کاٹ کرنے والوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ تم لوگوں کو علم نہیں ہے وہ تربیت یافتہ فوجی ہے اور اسی نے موران کو سارا منصوبہ بنا کر دیا تھا۔ یہی نہیں اسے بغاوت پر اکسانے والا بھی یہی شخص ہے۔''

''اس وقت شہر پر پجاری کے آدمیوں کا قبضہ ہے۔''

''ادمیکنا کے وفادار لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''بڑوں میں اکثر مارے جا چکے ہیں اور عام سپاہیوں نے ادمیکنا کے مارے جانے کی خبر سن کر ہی ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔''

اس وقت ہم محل سے نکل کے کہیں جا رہے تھے۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''جنوبی فصیل کی طرف وہاں ابھی میرے آدمی مزاحمت کر رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

شہر میں جا بجا آگ لگی تھی اور لوگوں کی چیخ و پکار صاف سنائی دے رہی تھی۔ آرگون کے معصوم شہریوں پر برا وقت تھا وہ بے چارے مزاحمت نہیں کر رہے تھے۔ مگر ان کو نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرنے کے لیے بلاوجہ مارا اور ان کے گھروں کو آگ لگائی جا رہی تھی۔ یہ دہشت پھیلانے کا عام سا حربہ تھا مگر نیکاٹ یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''موران اپنے لوگوں کو کیوں مروا رہا ہے۔''

''کیونکہ وہ اس طرح سے لوگوں کو دہشت زدہ کر رہا ہے۔ مارے جانے والوں کا حشر دیکھ کر کون اس کے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت کرے گا۔ جن کے گھر جل جائیں گے ان کو بچانے کے بجائے بچ جانے والوں کو اپنی فکر لگ جائے گی۔''

''یہاں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا ہے۔''

''اب ہو رہا ہے کیونکہ ولیم شا جیسے سازشیوں کے قدم یہاں آ گئے ہیں۔ کاش میں تم کو خبردار کر سکتا میں نے کئی بار تمہارے بارے میں پوچھا تھا مگر تم ادمیکنا سے ملنے گئے ہوئے تھے۔''

''میں اسے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے میری بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ خاص طور سے میں

اسے معبد جانے سے روک رہا تھا کیونکہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ موران کوئی سازش کر رہا ہے۔"

"افسوس کہ اب تمہاری وادی میں انسانی لہو بہنے کی وہ نظیر قائم ہو چکی ہے کہ اس کے بعد یہاں قتل و غارت گری ہوتی رہے گی۔"

"میں ولیم شا اور اس کے ساتھی کو نہیں معاف کروں گا۔" اس نے غصے سے کہا۔ اس وقت ہم جنوبی فصیل سے کچھ ہی دور تھے اور وہاں پر بھی لڑائی جاری تھی مگر دروازے پر ابھی تک نیکاٹ کے ساتھیوں کا قبضہ تھا اور اسے دیکھ کر انہوں نے زیادہ جوش و خروش سے موران کی سپاہ پر حملہ کر کے ان کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ ان کی تعداد دو سو سے زیادہ نہیں تھی اور باغی سپاہ کی تعداد نامعلوم تھی۔ میں نے نیکاٹ سے کہا۔ 'ان لوگوں کو لے کر شہر سے نکل جاؤ۔ ورنہ یہ بھی مارے جائیں گے۔"

"شہر سے باہر کہاں جاؤں۔" نیکاٹ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"یہ وادی بہت بڑی ہے ہم اورگان کی طرف جا سکتے ہیں۔ اگر یہ مارے گئے تو تمہارے پاس کیا رہ جائے گا۔ یہ مر جائیں گے یا پھر ہتھیار ڈال کر موران کے ساتھ مل جائیں گے۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو دروازے سے باہر نکلنے کو کہا۔ ذرا سی دیر میں سارے سپاہی باہر تھے اور ہم اورگان کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے کیونکہ وہیں جنگل خون خوار درندوں سے پاک تھا۔ سپاہیوں میں جو زخمی تھے ان کو دوسروں نے سہارا دے رکھا تھا۔ چند گھنٹے بعد ہم اورگان کی رہائش گاہ پر تھے اور وہ باہر موجود تھا اس نے آگے بڑھ کر نیکاٹ سے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے تم ان سپاہیوں کو لے کر کیوں آئے ہو؟"

"اورگان ہم مصیبت زدہ ہیں اور پناہ کے لیے آئے ہیں۔" نیکاٹ نے کہا۔

"پناہ کے لیے اور ایک باغی کے پاس؟" اورگان کے لہجے میں طنز تھا۔ "تم پر ایسی کیا افتاد آئی ہے؟"

"تم کو باغی قرار دینے والا اومیکا موران کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔"

اورگان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے آگے آ کر کہا۔ اور اسے تفصیل سے ساری بات بتائی تھی۔ اورگان حیرت سے سنتا رہا، پھر اس نے سر ہلایا۔

"یہ تو طے ہے کہ اس جگہ کوئی باہر سے آیا تو یہاں ضرور تباہی آئے گی۔ کئی نسل پہلے میرے ایک دادا مہا پجاری نے اس امر کی پیشین گوئی کی تھی۔ ولیم شا ایک سازشی شخص ہے اور اس کے قدموں میں نحوست ہے۔"

"یہ سارا منصوبہ اسی کا ہے۔"

"لیکن میرا بھائی موران بھی کم نہیں ہے اس کا مہا پجاری بننا اس جگہ کی بدقسمتی تھی۔" اورگان نے کہا۔

"کاش تم لوگ اس کے بجائے کسی اور کو مہا پجاری بنا لیتے۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو یہ ممکن نہیں تھا اسے سابق مہا پجاری نے مقرر کیا تھا جو تمہارا اور موران کا باپ بھی تھا۔"

"اگر موران نے ریاست پر بھی قبضہ کر لیا ہے تو تم کچھ لوگ کیا کر سکو گے؟"

"یہ کم سے کم مزاحمت تو کر سکتے ہیں۔ پھر جب مزاحمت کرنے والوں کو ایک مرکز مل جائے گا تو ان کی قوت بڑھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ابھی تو معاملہ تازہ ہے مگر جب لوگوں کے حواس قابو میں آئیں گے تو ان میں سے کتنے دل سے موران کا ساتھ دیں گے؟"

"بہت کم۔" نیکاٹ نے فوراً کہا

"اس وقت نیکاٹ اور اس کے یہ ساتھی ان لوگوں کی مدد سے ریاست کا اقتدار واپس حاصل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" اورگان نے تعجب سے کہا۔

"موران نے سازش کی مدد سے ریاست پر قبضہ کیا ہے اسے سازش سے ہی ہٹایا جا سکتا ہے۔ نیکاٹ موجود ہے یہ شہر میں اپنے ہمدردوں کو ساتھ ملائے گا اور ان کی مدد سے موران کا تختہ الٹ دے گا۔ نیکاٹ کو حکومت کا تجربہ ہے اور موران کو اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے اس لیے وہ نیکاٹ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ اپنے سپاہیوں کو جمع کرے اور ان کو شہر سے باہر لے آئے۔"

اورگان نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ "تمہارے انداز سے تو لگ رہا ہے جیسے تم ساری عمر یہی کام کرتے آئے ہو۔"

"میرا باپ اپنے علاقے کا حکمران ہے اور اس کے بعد میں حکمران بنوں گا اس لیے اقتدار کے یہ کھیل میرے لیے نئے نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ نیکاٹ میری بات سمجھ گیا تھا اس نے فوری طور پر اپنے چند آدمیوں کو جو سادہ لباس میں تھے ان کو شہر روانہ کر دیا اور ان سے کہا کہ وہاں سے جتنی سپاہ، اسلحہ اور خوراک کا سامان لا سکتے ہیں لے آئیں اور یہ کام موران کے آدمیوں کے شہر پر قبضہ مستحکم کرنے سے پہلے کرنا تھا۔ اورگان نے نیکاٹ کے آدمیوں کو اپنے مکان کے احاطے میں جگہ دے دی تھی اور زخمیوں کا علاج کرنے میں لگ گیا تھا اس نے اب میرے آنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ مگر اس نے مجھے اندر چلنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ اور نہ ہی مجھے سامیرا کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں اورگان سے اس کے رویے کے بارے میں بات کرنے کے لیے بے چین تھا مگر اسے زخمیوں سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ نیکاٹ حفاظتی انتظامات میں لگا تھا اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر موران کے سپاہی اس طرف کا رخ کریں گے۔ اور وہ ان سب کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"ریاست کے سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

صحیح تعداد تو اسے بھی نہیں معلوم تھی لیکن ایک اندازے کے مطابق ریاست کے مسلح سپاہیوں کی تعداد دو ہزار سے ڈھائی ہزار کے درمیان تھی۔ اور اس کے ساتھ دو سو سپاہی بھی نہیں تھے۔ اب نہ جانے ان میں سے کتنوں نے موران کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ بہر حال وہ ان کا روحانی پیشوا بھی تھا اور اس کا اثر مسلّم تھا۔ اگر باقاعدہ سپاہ میں سے نصف بھی اس کے ساتھ ہو گئی تو نیکاٹ کے لیے اسے شکست دینا مشکل ہو جائے گا۔ پھر موران کے ساتھ ولیم جیسا شاطر تھا۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ وہ بہت اچھا فوجی کمانڈر تھا۔ اب ان لوگوں کی بقا اسی میں تھی کہ وہ موران کو شکست دے دیں ورنہ وہ ان میں سے کسی کو نہیں بخشتا۔ خاص طور سے نیکاٹ، اورگان اور مجھے وہ کسی صورت نہیں چھوڑتا کیونکہ ہم اس کے اہم ترین راز سے واقف تھے۔

میں نے اورگان کو تلاش کیا جو ایک زخمی کے زخم پر لیپ کر رہا تھا۔ میں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ اس نے اس بے تکلفی پر مجھے گھورا تھا۔ "کیا بات ہے؟"

"تم ان لوگوں کا علاج کرنے کے بجائے آرگون میں اپنے حامیوں کو پیغام بھیجو کہ وہ موران کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ موران شہر پر قبضہ کرتے ہی اس طرف کا رخ کرے گا وہ کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑ سکتا جو اس کے راز سے واقف ہو۔"

"کیسے راز سے؟"

میرا دل چاہا کہ اورگان کی سادگی پر سر پیٹ لوں۔ "یہی کہ وہ مہا پجاری کے لیے لازمی علوم سے ناواقف ہے۔"

"یہ بات اس کے لیے خطرناک ہے؟" اس نے غور کیا۔

"یہ سارا ہنگامہ اسی وجہ سے تو ہو رہا ہے۔"

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ میں نے اسے اکسانے کے لیے مزید کہا۔ "اس کا نائب آسر سامیرا سے شادی کرنے کے چکر میں ہے تا کہ خود مہا پجاری بن سکے۔"

"وہ کیسے مہا پجاری بن سکتا ہے؟"

"سامیرا سے شادی کر کے وہ تم کو مجبور کر سکتا ہے کہ تم اسے وہ خاص علوم سکھا دو۔"

"ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا پھر مجھے گھورا۔ "لیکن تمہیں اس معاملے سے کیا دلچسپی ہے۔"

"کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے جل کر کہا۔ "میں صرف اپنی جان بچانا چاہ رہا ہوں۔ اگر موران نے مجھے پالیا تو پہلی فرصت میں ہارن کے سامنے پھنکوا دے گا۔"

"ہارن۔" اورگان چونکا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"معبد میں۔" میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ "اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو کرو ورنہ یوں بے کار میں وقت مت ضائع کرو۔"

"بابا...... یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" قریب سے سامیرا کی آواز آئی تھی وہ نہ جانے کب بادِ صبا کے جھونکے کی طرح ہمارے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں اتنا محو تھا کہ اس کی خوشبو بھی نہ محسوس کر سکا تھا۔ میں نے اس کو کتنے دن بعد دیکھا تھا اور میری ساری جان کھنچ کر آنکھوں میں آ گئی تھی۔

"تُو کیوں آئی ہے۔" اورگان نے اس پر بگڑ کر کہا۔

"بابا...... یہ ٹھیک کہہ رہا ہے تم اپنے لوگوں سے بات کرو ورنہ موران سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے۔"

اس نے اپنے چچا کے بارے میں بالکل ٹھیک کہا تھا۔ میں نے بمشکل اس سے نظریں ہٹائیں۔ "میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ نہ تو تمہارے ساتھ کوئی رعایت کرے گا اور نہ سامیرا کے ساتھ بلکہ یہ بھی ممکن ہے۔ وہ تم کو

مجبور کرنے کے لیے سامیرا کو استعمال کرے۔"

اس بات نے اورگان کو مجبور کر دیا تھا اس نے سامیرا کو اندر جانے کو کہا اور خود اپنے مکان کے عقبی حصے کی طرف بڑھا جہاں اس نے مختلف جانور اور پرندے پال رکھے تھے۔ میں اس کے ساتھ تھا اور اس نے مجھے آنے سے منع نہیں کیا تھا اس نے ایک پنجرے سے ایک کبوتر نما پرندہ نکالا اور اس کے پاؤں میں اپنی انگلی سے نکال کر لکڑی کی انگوٹھی باندھ دی۔

"کیا یہ پیغام لے کر جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں......تم کیسے جانتے ہو؟"

"ہماری طرف اسی قسم کا پرندہ ہوتا ہے اسے سدھا کر اسی طرح پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

"لگتا ہے تمہاری اور ہماری دنیا کی باتیں آپس میں بہت ملتی ہیں۔"

"ہاں کیونکہ تم لوگ ہماری دنیا سے تو آئے ہو۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ اس وادی سے باہر بھی کوئی دنیا ہوگی۔"

"تب کیا ہم آسمان سے آئے ہیں؟"

"کچھ ایسا ہی ہے۔" وہ مسکرایا۔ "کم سے کم تم آسمان سے ہی آئے ہو۔"

اورگان نے کبوتر اڑا دیا تھا میں اسے کبوتر ہی کہوں گا اگر چہ وہ کبوتر جیسا ہی تھا اس کی چونچ گدھ جیسی تھی اور باقی جسم کبوتر کے مانند تھا۔ اس نے آسمان کا ایک چکر لگایا اور آرگون والی سمت پرواز کر گیا۔

"تم نے اپنی انگوٹھی اس کے پاؤں سے باندھی ہے اس کا مطلب کیا ہے؟" میں نے ذرا تجسس سے پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے ہمدرد مجھ سے فوری رابطہ کریں۔"

"اگر ان کو شہر سے نکلنے سے روک دیا گیا تو؟"

"اس پیغام کے بعد ان کو کوئی نہیں روک سکتا ہے۔" اس نے یقین سے کہا۔ میں واپس نیکاٹ کے پاس آیا۔ اس کے آدمی جنگل سے لکڑی کاٹ کر اس کی مدد سے ان کی مدد سے ایک عارضی قلعہ تعمیر کر رہے تھے۔ تاکہ حملہ کرنے والوں کو روکا جا سکے۔ میں نے نیکاٹ سے پوچھا۔ "تم لوگوں کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے لکڑی پر لگا کر اسے آگ دکھانے سے وہ فوری طور پر آگ پکڑ لے؟"

"ہاں ایک چیز ہے تو وہ درختوں سے نکلتی ہے مگر اس کا ذخیرہ شہر میں ہے یہاں اس کا ملنا مشکل ہے۔"

یہی سوال میں نے اورگان سے کیا۔ "ہاں جنگل سے مل جاتی ہے مگر میرے پاس اس کا زیادہ ذخیرہ نہیں ہے۔"

"کہاں سے ملتی ہے۔ مجھے دکھاؤ میں کچھ آدمیوں کے ساتھ اسے لے آؤں گا۔" میں نے کہا تو اورگان نے مجھے لے جا کر ایک بڑے تنے والا درخت دکھایا۔ اس نے ایک نوکیلے پتھر سے اس کے تنے پر کٹ لگایا تو اس سے رال جیسی چیز بہنے لگی تھی۔

''اسے جمع کر کے میرے پاس لے آؤ۔'' اورگان نے کہا۔ ''میں اس کی مدد سے آگ لگانے والی چیز بنا دوں گا۔''

''کیا اسے آگ نہیں لگتی ہے؟''

''نہیں جب تک اس میں ایک اور پودے کا تیل نہ شامل کیا جائے اسے آگ نہیں لگتی ہے۔''

میں نے نیکاٹ کے آدمیوں کی مدد سے بڑی مقدار میں رال جمع کی اس کے لیے ہمارے پاس مٹی کے بڑے بڑے پیالے تھے۔ جب ہم اسے جمع کر کے اورگان کے پاس لائے تو اس نے ایک مرتبان میں سیاہ رنگ کا تیل ان پیالوں میں ڈالا۔ وہ تیل بہت کم مقدار میں ڈال رہا تھا اس کے باوجود رال کا رنگ بدل کر شفاف سے مٹیالا ہو گیا اور اس سے مٹی کے تیل جیسی بو آنے لگی تھی۔ میں نے اسے سونگھ کر دیکھا وہ واقعی مٹی کے تیل جیسا تھا۔ اورگان نے اسے تھوڑا ایک لکڑی پر چھڑک کر اسے آگ دکھائی تو اس نے فوراً آگ پکڑ لی تھی۔ نیکاٹ نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم کیا کر رہے ہو؟''

میں اسے اورگان کے گھر کے سامنے لے کر آیا۔ ''آرگون کی طرف سے جو بھی آئے گا اسی میدان سے ہو کر آئے گا؟''

''ہاں......اس طرف آنے کا واحد راستہ یہی ہے۔''

''اگر ہم اس میدان میں جگہ جگہ سوکھی گھاس بچھا کر اس پر یہ چیز ڈال دیں تو اس کی مدد سے پورے میدان میں آگ لگائی جا سکتی ہے یا نہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے اس سے آگ لگا سکتے ہیں تو اس کا جواب ہے بالکل لگا سکتے ہیں۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ جیسے ہی کوئی سامنے آئے گا حملہ کرنے والے اسے تیروں سے چھید دیں گے۔''

''نہیں جب ان کے آنے کی اطلاع ملے گی تب ہی گھاس پر اسے ڈال جائے گا۔''

''اور اسے آگ کیسے لگائیں گے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''تیروں میں آگ لگا کر سامنے آئے بغیر ان کو خشک گھاس پر پھینک کر آگ لگا دی جائے گی۔''

''واہ......کیا ترکیب ہے۔'' وہ اچھل پڑا تھا۔ ''واقعی اس کے لیے تو سامنے آنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔''

نیکاٹ کے آدمی اب تیر بنا رہے تھے ظاہر ہے وہ محدود اسلحہ لے کر آئے تھے۔ ان کے پاس فولاد کی کمی تھی ورنہ وہ تلواریں ضرور بناتے۔ البتہ سب کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ رات تک شہر کی جانب سے مزید دو سو فوجی آ گئے تھے۔ اور وہ اپنے ساتھ جو اطلاعات لائے تھے وہ خاصی حوصلہ شکن تھیں۔ ان کے مطابق اکثر سپاہیوں نے موران کی اطاعت قبول کر لی تھی اور شہری اپنے گھروں میں قید تھے۔ ان پر گھروں سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اور اعلان کیا گیا تھا کہ جو بھی شہری اپنے گھر سے باہر ملا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

''یہ سب ولیم کی شیطانی ذہانت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا مقصد ہے کہ ریاست کے حامی گھروں سے نہ نکلنے پائیں۔''

''یہ چار سو سپاہی کیا کر سکیں گے۔'' اورگان مایوس تھا۔

"یہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔" نیکاٹ نے کہا۔ "یہ سارے آزمودہ اور میرے وفادار ہیں۔"

"اگر ہم حکمت عملی سے کام لیں تو یہ چار سو سپاہی بھی بہت کام آ سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اگر ولیم فوج میں رہا ہے تو میں بھی فوجی ہوں۔ مجھے بھی جنگی حکمت عملیاں آتی ہیں۔"

"تم نے یہ تو کمال کی حکمت عملی بتائی ہے۔" نیکاٹ نے اعتراف کیا۔ "مجھے یقین ہے اگر میرے آدمیوں نے صحیح طرح سے اپنا کام کیا تو حملہ کرنے والی نصف سپاہ تو اسی میدان میں ڈھیر ہو جائے گی۔"

"اس کے لیے ضروری ہے کہ دشمن کی ساری سپاہ اس میدان میں آ جائے۔" میں نے کہا۔ "اگر ولیم نے خود کمان نہ کی تو مجھے امید ہے ہم اس حکمتِ عملی سے جنگ جیت جائیں گے ورنہ......"

"ورنہ کیا؟" نیکاٹ نے پوچھا۔

"ورنہ بہت مشکل ہوگی۔ کیونکہ ولیم اس معاملے میں ماہر ہے اسے اس قسم کی جنگی چالوں سے دھوکا دینا مشکل ہوگا۔"

"اگر وہ ماہر ہے تو میں بھی جنگ کا فن جانتا ہوں۔" نیکاٹ نے خفگی سے کہا۔ "ٹھیک ہے ہماری آج تک کسی سے جنگ نہیں ہوئی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم لڑنا نہیں جانتے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" میں جلدی سے بولا۔ "تم نے خود کہا کہ تم نے برسوں سے جنگ نہیں کی اور ولیم ابھی جنگ کر کے آیا ہے۔"

نیکاٹ نے اپنا کام جاری رکھا تھا وہ نئے آنے والے سپاہیوں کو اپنی حکمت عملی سمجھا رہا تھا۔ اور ان کے لیے اسلحہ سازی کا کام جاری تھا۔ اتنے لوگوں کے لیے خوراک کا انتظام مشکل تھا مگر اورگان نے کسی نہ کسی طرح ان کو کھانا مہیا کر دیا تھا۔ نیکاٹ نے ایک تہائی سپاہیوں کو پہرے پر لگا دیا اور چند ایک کو جاسوسی کے لیے آگے بھیج دیا تھا۔ تاکہ اگر موران کی سپاہ آئے تو ہم پیشگی خبردار ہو جائیں۔

میں رات کا اندھیرا ہونے تک چند افراد کے ہمراہ جنگل سے رال جمع کرتا رہا تھا۔ اورگان کا کہنا تھا کہ میں نے اتنی رال جمع کر لی تھی جو مہینے سے بھی زیادہ کے لیے کافی تھی۔ میں نے بھی رات دوسرے سپاہیوں کے ساتھ باہر ہی بسر کی تھی۔ آنے والے اپنے ساتھ کچھ خوراک لائے تھے۔ مگر یہ گزارے کے لیے ناکافی تھی اور نیکاٹ پریشان تھا کہ چار سو افراد کے لیے کھانے کا بندوبست کیسے کرے گا۔ میں نے سفر کے دوران گندم پکتے دیکھی تھی میں نے اگلے روز اسے مشورہ دیا۔ "تم نزدیک موجود کھیتوں سے گندم اتروالو۔"

"وہ کیسے؟"

"ابھی کوئی شہر سے نہیں نکل سکتا ہے تم اپنے آدمی بھیج کر گندم اتروالو تو خوراک کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔"

"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ مگر ابھی گندم پوری طرح پکی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں کچی گندم کا دلیہ بنا کر کھایا جا سکتا ہے۔"

نیکاٹ نے روشنی ہوتے ہی اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے وہ گندم کاٹ کر لاتے۔ اس کے سو سے اوپر آدمی سامنے والے میدان میں سوکھی گھاس بچھا رہے تھے۔ اور اس کے بڑے بڑے برتن ایک طرف رکھ دیے

گئے تھے۔ اس دن بھی کام ہوتے رہے تھے۔ موران کے آدمی تاخیر کر رہے تھے اور اس کا ہم بھرپور فائدہ اٹھا رہے تھے۔ شام تک خاصی گندم ذخیرہ ہو چکی تھی۔ نیکاث نے رات میں بھی گندم کی کٹائی کا کام جاری رکھا تھا۔ یہ گندم اورگان کے مویشی خانے میں جمع کی جا رہی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اورگان اگر ہماری آمد سے ناخوش نہیں ہے تو خوش بھی نہیں ہے اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے موران سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جب کہ سب سے زیادہ خطرہ اسے ہی تھا۔ موران کسی قیمت پر ایسے شخص کو نہیں چھوڑ سکتا تھا جو مہا پجاری کے لیے لازمی علوم سے واقف ہو اور کسی وقت بھی اس کے لیے خطرہ بن سکتا ہو۔ وہ پہلی فرصت میں اسے مار دیتا یا اپنا قیدی بنا لیتا اور سامیرا کی مدد سے اس پر دباؤ ڈالتا کہ وہ اسے مخصوص علوم سکھائے۔ دوسرے دن بھی جب موران کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا تھا تو میرے ساتھ نیکاث کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"یہ خاموش کیوں بیٹھ گیا ہے؟"

"ممکن ہے وہ پوری تیاری کے ساتھ حملہ کرنا چاہ رہا ہو۔"

"ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں بھی اسے کم سے کم یہ فکر تو ہونی چاہیے تھی کہ ہم کہاں ہیں؟"

اچانک مجھے خیال آیا۔ "کہیں وہ کسی اور طرف سے تو ہم پر حملہ نہیں کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"اور کس طرف سے؟"

"اس سوال کا جواب اورگان دے سکتا ہے وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔" میں نے کہا اور ہم نے اورگان کو تلاش کیا۔ نیکاث نے اس سے یہ سوال کیا اس نے سر ہلایا۔

"ایک راستہ تو ہے مگر وہ بہت دشوار ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔" میں نے کہا۔ "دشمن کو فنا کرنے کے لیے ناممکن حد تک دشوار راستے بھی عبور کر لیے جاتے ہیں۔"

اورگان ہمیں اپنے مکان کے عقبی حصے میں لایا۔ اس نے دور نظر آنے والے گھنے جنگل کی طرف اشارہ کیا۔ "اس طرف سے آیا جا سکتا ہے مگر اس طرف جنگل بہت گھنا اور دشوار ہے۔"

میں نے نیکاث کی طرف دیکھا۔ "چند آدمی اس طرف بھی پہرے پر لگا دو اگر وہ اس طرف سے آئے تو ہم بے خبری میں نہ مارے جائیں۔"

نیکاث نے کچھ آدمی اس طرف بھی بھیج دیئے تھے مگر اس کے پاس آدمی محدود تھے اور اب تک اورگان کے ہمدرد بھی نہیں آئے تھے۔ میں نے اورگان سے پوچھا۔ "کیا تمہارا بھیجا پرندہ وہاں پہنچ گیا ہوگا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "مجھے یقین ہے کیونکہ وہ اسی شام کو واپس آ گیا تھا اور اس کے پاؤں سے انگوٹھی غائب تھی۔"

"تو وہ لوگ ابھی تک کیوں نہیں آئے؟"

"میرا خیال ہے موران نے شہریوں کے گھروں سے نکلنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی نہیں نکل پا رہے ہیں۔"

میں نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔ "اس وقت ان کے آنے کا کیا فائدہ جب موران کی فوج ہمیں ختم کر کے چلی جائے گی۔"

"میرا خیال ہے تم لوگ خطرے کو کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بتا رہے ہو۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا ہے۔"

"اچھا پھر آرگون میں کیا ہوا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اب بھی موران سے اچھی امیدیں لگا کر بیٹھے ہو۔"

"پتا نہیں مجھے کیوں یقین نہیں آتا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے اب ہمیں زیادہ دن انتظار نہیں کرنا پڑے گا جلد موران کی فوج یہاں کا رخ کرے گی اور تم کو یقین آجائے گا۔"

نیکاٹ کے آدمی دو شفٹوں میں کام کر رہے تھے ایک شفٹ رات کو کام کرتی تھی اور بارہ گھنٹے بعد دوسری شفٹ اس کی جگہ لے لیتی تھی۔ نیکاٹ نے سامنے والے میدان کے ساتھ عقب میں موجود جنگل کے سامنے بھی سوکھی گھاس بچھوا دی تھی۔ اور ساتھ میں رال کے برتن رکھوا دیئے تھے۔ میں دو راتوں سے باہر ہی سو رہا تھا اور مناسب بھی یہی تھا۔ اب میں اورگان کے گھر میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ تیسری رات میں سو رہا تھا کہ مجھے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پھر ایک جانی پہچانی مسحور کن خوشبو آئی تھی میں نے آہستہ سے کہا۔ "سامیرا...... تم؟"

"شش......" اس نے میرے منہ پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھ دیا۔ اور میرا ہاتھ تھام کر اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں کچے دھاگے سے بندھا گیا تھا۔ وہ مجھے مویشیوں کے باڑے کے پیچھے لائی تھی۔ "اور تم کیسے ہو؟"

"تمہارے سامنے ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور تم کیسی ہو؟"

"میں...... میں تمہارے بغیر اداس تھی۔" اس نے جھجک کر کہا۔

"تم کو معلوم ہے اورگان نے مجھے واپس موران کے حوالے کر دیا تھا اور اس نے مجھے وحشی ہارن کے سامنے پھینکنے کی سزا دی تھی۔"

"نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں یہ سچ ہے۔ اگر نیکاٹ بروقت نہ آجاتا تو میں آج زندہ نہ ہوتا۔"

"پتا نہیں بابا کو کیا ہو گیا ہے وہ کیوں تمہارے خلاف ہو گئے ہیں۔"

"اس کی بہت سادہ سی وجہ ہے۔ اور وہ تم ہو۔ سچ کہو کیا تمہارے بابا کو نہیں معلوم کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔"

"ہاں معلوم ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ چاندی کی روشنی اس کے روشن چہرے پر پڑ رہی تھی۔ پتا نہیں اس کا چہرہ زیادہ روشن تھا یا چاندنی۔

"کوئی باپ یہ بات پسند نہیں کرتا ہے۔ اس وجہ سے اورگان مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔"

"نہیں بابا تم سے نفرت نہیں کرتا ہے لیکن وہ اب تم کو پسند بھی نہیں کرتا ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"سامیرا تمہیں بھی احساس ہو گا کہ ہم دو الگ دنیاؤں کے انسان ہیں اور ہمارا ملاپ ممکن نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔ "میں نے اس کا کبھی سوچا بھی نہیں ہے۔ مگر میں تم سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"سامیرا میرے نزدیک بھی محبت بہت اعلیٰ جذبہ ہے۔ ہم اسے دنیا اور جسم کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ تم نے شروع دن میں مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی شادی یا ہونے والی بیوی کے بارے میں تم سے کچھ غلط کہہ رہا ہوں، تم نے ٹھیک کہا تھا۔"

"تمہاری بیوی ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"نہیں، مگر میرے باپ نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے اور میری جب بھی شادی ہوگی اسی لڑکی سے ہوگی۔"

"تم اس سے محبت کرتے ہو؟"

"نہیں میں نے تو اسے ابھی دیکھا بھی نہیں ہے۔ ہاں جب وہ میری بیوی بن جائے گی تب کا نہیں کہہ سکتا۔"

"اور مجھ سے؟"

"سامیرا سچ کہوں تو میں نہیں جانتا کہ میرا تم سے کیا تعلق ہے مگر میرے اندر سے کوئی کہتا ہے کہ تم میری نہیں ہو اور جو عورت اپنی نہ ہو اس کے بارے میں سوچنا بھی ہمارے لیے گناہ ہے۔"

"یہ گناہ کیا ہوتا ہے۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "ہمارے ہاں گناہ اسے کہتے ہیں جو چھپ کر کیا جائے اور اسے کرنے سے دل میں خلش سی ہوتی ہے کہ میں نے ایک غلط کام کیا ہے۔"

"جیسے میں بابا سے چھپ کر تم سے ملنے آئی ہوں تو یہ گناہ ہے۔" اس نے پریشانی سے کہا۔

"یہ تو محسوس کرنے پر ہے ورنہ موران جیسے لوگ سینکڑوں لوگوں کو مروا کر بھی پُرسکون رہتے ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "وہ مجھے مروانے کے درپے ہے اور تم لوگوں کو بھی نہیں چھوڑے گا۔"

"میں اس کی فطرت اچھی طرح سمجھ گئی ہوں مگر بابا کو اب بھی یقین ہے کہ ان کا بھائی ان کو کچھ نہیں کہے گا۔"

"وہ ہر قیمت پر مخصوص علوم حاصل کرنے کے لیے پاگل ہو رہا ہے اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"کاش یہ بات بابا بھی سمجھ سکیں۔"

"وہ اس جنگ میں ہماری مدد نہیں کر سکتا ہے؟"

"نہیں بابا جنگجو تھوڑی ہیں۔"

"کیا وہ اپنے علم سے بھی مدد نہیں کر سکتا۔"

"یہ تو مجھے نہیں پتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بابا سے پوچھو۔"

"وہ اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "اورگان بس نیم دلی سے ہماری مدد کر رہا ہے۔"

"بابا پتا نہیں کیوں یہ بات نہیں سمجھ رہا ہے۔"

"وہ اس وقت سمجھے گا جب موران کی فوج یہاں آ جائے گی۔"

"بابا کہہ رہا تھا کہ تم لوگ غلط کہہ رہے ہو موران یہاں حملہ نہیں کرے گا۔" اس نے ہچکچا کر بتایا۔

"موران سے کسی اچھائی کی توقع نہیں ہے وہ صرف شہر پر اپنا قبضہ مستحکم کر رہا ہے۔ اور گان سمجھ رہا ہے کہ وہ اسے نہیں چھیڑے گا۔"

"تم اسے بہکا رہے ہو۔" اچانک اور گان کی آواز ابھری تھی تو میں اچھل پڑا تھا۔ وہ نہ جانے کب وہاں آ گیا تھا۔ سامیرا اسے دیکھ کر بدحواس ہو گئی تھی۔

"بابا تم۔۔۔۔" اس نے کہنا چاہا۔

"تم اندر جاؤ۔" اور گان نے اس کی بات کاٹ کا حکم دیا تو سامیرا خاموشی سے اندر چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد اور گان نے مجھ سے درشت لہجے میں کہا۔ "اب تم سامیرا سے نہیں ملو گے اور نہ اسے بہکاؤ گے۔"

"میں تمہاری پہلی بات مان سکتا ہوں لیکن میں نے اسے بہکایا نہیں ہے صرف حقائق بتائے ہیں اور اس معاملے میں سامیرا تم سے زیادہ سمجھ دار ہے۔"

اور گان مجھے گھورنے لگا۔ "میرا خیال ہے میں نے تم لوگوں کو پناہ دے کر غلطی کی۔"

"اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ اگر تم ہمیں پناہ نہ دیتے تو تمہیں موران سے بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔"

"یہ بکواس ہے موران کو مجھ سے کوئی غرض نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔"

"مجھے یقین ہے بہت جلد اس کے آدمی یہاں آ جائیں گے۔"

اور گان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اسی لمحے شور بلند ہوا۔ پہلے تو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ شور کہاں سے بلند ہو رہا تھا۔ مگر جلد واضح ہو گیا تھا کہ شور اور گان کے مکان کے سامنے اور عقب دونوں طرف سے بلند ہو رہا تھا۔ میں نے اور گان سے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ آ گئے ہیں"



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
چھٹے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔